لہٗ دعوۃ الحق
ألکتابُ المسطُور
فی جواب
"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصُدُور"
المعرُوف بہ
ندائے حق
مع اضافات جدیدہ

دنیامیں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال/ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال/ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں

نیز اپنی کتاب کو Website/ Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً فوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

WhatsApp:0320-1914145

ویب سائیٹ **maktabatulishaat.com** (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

لہٗ دعوۃ الحق

الکتاب المسطور

فی جواب

"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصدور"

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

جلد اوّل

تالیف

الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

حال شیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا

مکتبہ اشاعت السلام دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (پارہ اول رکوع ۳)

اللہ پاک نے فرمایا تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مُردے پھر اُس نے تم کو جِلایا پھر تم کو مارتا ہے پھر جِلاوے گا پھر اُسی پاس اُلٹے جاؤ گے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ اول رکوع ۵)

اور جب اُٹھانے لگا ابراہیمؑ بنیادیں اس گھر کی اور اسمٰعیلؑ۔ اے رب! قبول کر ہم سے۔ تو ہی ہے اصل سُنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ (پارہ اول رکوع ۱۶)

کیا تم حاضر تھے جس وقت پہنچی یعقوبؑ کو موت۔ جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کیا پُوجو گے بعد میرے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا (پارہ ۲ رکوع ۴)

جب الگ ہو جائیں گے جن کے ساتھ ہوتے تھے اپنے ساتھ والوں سے اور دیکھیں عذاب اور ٹوٹ جاویں اُن کے سب طرف کے علاقے۔ اور کہیں گے ساتھ پکڑنے والے کاش کہ ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ ہو جائیں اُن سے جیسے یہ الگ ہو گئے ہم سے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ

اور جب تجھ سے پُوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پارہ ۲ رکوع ۷)

نزدیک ہوں، پہنچتا ہوں پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (پارہ ۳ رکوع ۳)

پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس، پھر اٹھایا کہا تو کتنی دیر رہا؟ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُہَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

اللہ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

جب بولی عورت عمران کی کہ اے رب! میں نے نذر کیا تیری جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد، سو تو مجھ سے قبول کر۔ تو ہے اصل سنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ہُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ قَالَ رَبِّ ہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

وہاں دعا کی زکریاؑ نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ، بیشک تو سننے والا ہے دعا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ

اور محمدؐ تو ایک رسول ہے، ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا، تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں[1]۔

[1] اللہ نے فرمایا کہ رسول نہ رہے گا یہ دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو اور اشارت نکلتی ہے کہ حضرت کی موت پر بعضے لوگ پھر جاویں گے۔ اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوتے اور حضرت صدیقؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔ موضح القرآن شاہ عبدالقادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (پارہ ۴ رکوع ۱۰)

ہر جی کو چکھنی ہے موت

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (پارہ ۵ رکوع ۸)

جہاں تم ہوگے موت تم کو آپکڑے گی۔ اگرچہ تم ہو مضبوط برجوں میں

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَّعَنَہُ اللّٰہُ (پارہ ۵ رکوع ۱۵)

اِس کے سوا پکارتے ہیں سو عورتوں کو اور اس کے سوا پکارتے ہیں سو شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـہَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (پارہ ۷ رکوع ۶)

اور جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! تو نے کہا لوگوں کو؟ کہ ٹھیراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَاۗؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (پارہ ۷ رکوع ۹)

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر شریک والوں کو کہیں گے کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم دعوے کرتے تھے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ (پارہ ۷ رکوع ۱۰)

اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل اور جی بہلانا۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (پارہ ۷ رکوع ۱۳)

تو کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۰)

تو کہہ میرے رب نے فرمائی ہے دینداری۔ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسے اس کے حکم بردار ہوکر

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ حَتّٰٓی اِذَا جَاۗءَتْھُمْ رُسُلُنَا

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن پاس بھیجے ہوئے ہمارے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۱)

جان لینے کو، بولے کیا ہوئے جن کو تم پکارتے تھے سوائے اللہ کے۔ بولے ہم سے گم ہوگئے اور قائل ہوئے اپنی جان پر کہ وہ تھے منکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۴)

پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے۔ اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، بندے ہیں تم سے۔ بھلا پکارو اُن کو تو چاہئے قبول کریں تمہارا پکارنا اگر تم سچے ہو

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

دُنیا کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اُتارا آسمان سے پھر ایک مل نکلا اُس سے سبزہ زمین کا جو کھاویں آدمی اور جانور یہاں تک کہ پکڑی زمین نے چمک اور سنگار پر آئی اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی، پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو۔ پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ تھی بستی۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو، پھر کہیں گے شرک والوں کو پھر توڑ دیں گے آپس میں انکو اور کہیں گے اُن کے شریک تم ہم کو بندگی نہ کرتے تھے۔ سو اللہ بس ہے شاہد ہمارے تمہارے بیچ میں ہم تمہاری بندگی کی خبر نہیں رکھتے۔

قال اللہ تعالیٰ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۰)

اگر ہم دکھا دیں تجھ کو کوئی ان وعدوں میں سے جو دیتے ہیں اُن کو یا پوری کر دیں گے تیری عمر پھر ہماری طرف ہے اُن کو پھر آنا۔ پھر اللہ شاہد ہے اُن کاموں پر جو کرتے ہیں۔

۲۵ قال اللہ تعالیٰ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ (پارہ ۱۲ رکوع

اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو

۲۶ قال اللہ تعالیٰ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ (پارہ ۱۲ رکوع ۹)

پھر کچھ کام نہ آئے اُن کو ٹھاکر جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی چیز میں جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔

۲۷ قال اللہ تعالیٰ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (پارہ ۱۲ رکوع ۱۴)

سو قبول کر لی اُس کے رب نے اس کی دعا۔ پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب۔ البتہ وہی ہے سننے والا خبردار۔

۲۸ قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (پارہ ۱۳ رکوع ۸)

اور جن کو پکارتے ہیں اُس کے سوا نہیں پہنچتے اُن کے کام پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے کہ آ پہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچیگا۔ اور جتنی پکار ہے منکروں کی سب بھٹکتی ہے۔

۲۹ قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۲)

اور یا کبھی دکھا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں انکو یا تجھ کو بھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا ہے۔

۳۰ قال اللہ تعالیٰ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین[1]

---

[1] یعنی موت کہ بیشک ہے ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ

قال الله تعالیٰ

قال الله تعالیٰ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (پارہ ۱۴ رکوع ۸)

اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔ مُردے ہیں جنہیں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے ۱؎

قال الله تعالیٰ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۰)

پھر قیامت کے دن رسوا کریگا اُن کو۔ اور کہیگا کہاں ہیں میرے شریک جن پر ضد کرتے تھے۔

قال الله تعالیٰ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۷)

اور جب دیکھیں شریک پکڑنے والے اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ تب وہ اُن پر ڈالیں بات کہ تم جھوٹے ہو۔

قال الله تعالیٰ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (پارہ ۱۵ رکوع ۱)

کہ دکھائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے۔ وُہی ہے سُنتا دیکھتا۔

قال الله تعالیٰ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (پارہ ۱۵ رکوع ۶)

کہہ پکارو جن کو سمجھتے ہو سوا اُس کے۔ سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے نہ بدل دیں وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کے مہر کی اور ڈرتے ہیں اس کی مار سے

۱؎ شاید یہ اُن کو فرمایا جو مرے بزرگوں کو پوجتے ہیں ۱۲ ۲؎ جو لوگ پکارتے ہیں بزرگوں کو وہ (بزرگ تو) بے گناہ ہیں۔ ایک شیطان اپنا وُہی نام رکھ کر آپ کو پجواتا ہے۔ اسی سے اُن کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ۱۲ ۳؎ یعنی تم سے کسی اور پر ڈال دیں ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا (پارہ ۱۵ رکوع ۱۹)

اور جس دن فرمائیگا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتلاتے تھے پھر پکاریں گے پھر وہ جواب نہ دیں گے اور کر دیں گے ہم اُن کے بیچ مرنے کا اسباب ۱؎

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۴)

اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۵)

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۶)

اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا اور پکارونگا اپنے رب کو۔ امید ہے کہ نہ ہونگا اپنے رب کو پکار کر محروم۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۳)

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی کو ہمیشہ جینا پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے ۲؎

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (رکوع)

اُس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

اور نوحؑ کو جب اُس نے پکارا اس سے پہلے پھر سُن لی ہم نے اُس کی پکار۔ اور بچا لیا اُس کو اور اس کے گھر کو بڑی گھبراہٹ سے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

اور ایوبؑ کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور تُو ہے سب رحم والوں سے رحم والا پھر ہم نے سُن لی اس کی پکار اور اٹھا دی جو اُس پر

۱؎ یعنی خندق آگ سے عبری۔ ۲؎ کافر کہتے تھے اس شخص تک ہے یہ دھوم۔ جہاں یہ مرا پھر کچھ نہیں۔ موضح القرآن

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ...... وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

تھی تکلیف اور دیئے اس کو اُس کے گھر والے اور اُن کے برابر ساتھ اُن کے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو۔ اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ سے لڑ کر پھر سمجھا کہ پکڑ نہ سکیں گے پھر پکارا اُن اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے تُو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے پھر سُن لی ہم نے اُس کی پکار اور بچا دیا اُس گھٹنے سے اور یونہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔ اور زکریاؑ نے جب پکارا اپنے رب کو اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تُو ہے سب سے بہتر وارث پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور بخشا اس کو یحییٰ اور چنگی کر دی اس کی عورت وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے دبے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ .... اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۳)

لوگو! ایک کہاوت ہے اس کو کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر کچھ لے اُن سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اُس سے۔ بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا۔

قَالَ اللہ تعالیٰ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (پارہ ۱۸ رکوع ۱)

پھر اس کے پیچھے مروگے۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے ۔

قَالَ اللہ تعالیٰ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا ۢبُوْرًا فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا (پارہ ۱۸ رکوع آخری)

اور جس دن جمع کر بلا دیگا اور جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوا۔ پھر اُن سے کہیگا یہ تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے؟ بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر کوئی رفیق۔ لیکن تو نے ان کو برتنے دیا اور اُن کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے یاد۔ اور یہ تھے لوگ کھپنے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو نہ مدد کر سکتے ہو۔ اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھا دیں گے بڑی مار

قَالَ اللہ تعالیٰ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۹)

اور کہیے اُن کو کہاں ہیں جن کو پوجتے تھے اللہ کے سوا۔ کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ؟

قَالَ اللہ تعالیٰ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہیگا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے بولے جن پر ثابت ہوئی بات اے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا۔ اُن کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے۔ ہم منکر ہوئے تیرے آگے۔ وہ ہم کو نہ پوجتے تھے[1]

قَالَ اللہ تعالیٰ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا

بھلا کون پہنچتا ہے پھنسے کی پکار کو جب اس کو

[1] یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہم نے انہوں نے۔ پر نام لے نیکو کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے ۱۲ موضح القرآن

دُعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ
خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (پارہ ۲۰ رکوع)

۵۰ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ
بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ (پارہ ۲۰ رکوع ۱۵)

۵۱ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا
دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ
مِنْسَاَتَهٗ (پارہ ۲۲ رکوع ۱)

۵۲ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
يَقُوْلُ .... لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ
اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا
يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (پارہ ۲۲ ع ۱۱)

۵۳ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا
اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ
بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ
خَبِيْرٍ (پارہ ۲۲ رکوع ۱۴)

پکارتا ہے اور اٹھا دیتا ہے برائی اور کرتا ہے تم کو
نائب زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟

اور بولا جو ٹھہرائے تم نے اللہ کے سوا بتوں کے
تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگی میں
پھر دن قیامت کے منکر ہو جائیں گے ایک سے ایک
اور پھٹکارے گے ایک کو ایک اور ٹھکانا تمہارا
آگ ہے۔

پھر جب تقدیر کی ہم نے اس پر موت نہ جتایا ان کو اس
کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس
کا عصا ۔

اور جس دن جمع کریگا ان سب کو پھر کہیگا فرشتوں
کو کیا یہ لوگ تھے تم کو پوجتے؟

وہ بولے پاک ذات ہے تیری ۔ ہم تیری طرف
ہیں نہ ان کی طرف ۔ نہیں ۔ پر پوجتے تھے
جنوں کو ۔ یہ اکثر انہیں پر یقین رکھتے ہیں۔

اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا مالک نہیں
ایک چھلکے کے اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں
تمہاری پکار ۔ اور اگر سنیں پہنچیں تمہارے
کام پر اور دن قیامت کو منکر ہوں گے تمہارے
شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتا دیگا تجھ کو جیسا
بتاوے خبر رکھنے والا ۔

قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (پارہ ۲۳ آخری رکوع)

بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں۔ پھر مقرر تم دن قیامت کے اپنے رب کے آگے جھگڑو گے

قال اللہ تعالیٰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (پارہ ۲۴ رکوع)

بولے اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا دو بار اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ۔

قال اللہ تعالیٰ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (پارہ ۲۴ رکوع)

سو پکارو اللہ کو نری کر کر اس کے واسطے بندگی اور پڑے برا مانیں منکر۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (پارہ ۲۴ رکوع ۹)

اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ لایا۔ یہاں تک کہ جب مر گیا کہنے لگے ہرگز نہ بھیجیگا اللہ اس کے بعد کوئی رسول

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۱)

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بیشک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے اب پیٹھیں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر

قال اللہ تعالیٰ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۳)

پھر اگر کبھی دکھادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ان کو دیتے ہیں یا بھر لیں تجھ کو پھر ہماری طرف پھر آئیں گے

۱؎ پہلے مٹی تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے۔ پھر جان پڑی تو جی اٹھا پھر مرے۔ پھر جیئے۔ یہ ہوئیں دو موتیں اور دو حیاتیں ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبدالقادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ ثُمَّ قِیلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللهُ الْكٰفِرِیْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۳)

پھر انکو کہا ہے کہ کہاں گئے جن کو شریک بتاتے تھے اللہ کے سوا۔ بولے ہم سے چوک گئے کیوں نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ قَالُوْا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ وَّضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ (پارہ ۲۵ رکوع ۱)

اور جس دن ان کو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی نہیں اقرار کرتا اور چوک گیا اُن سے جو پکارتے تھے پہلے اور اٹکلے کہ ان کو نہیں کہیں خلاصی۔

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ ۲۵ رکوع ۱۵)

مہر ہے تیرے رب کی۔ وہی ہے سنتا جانتا۔

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (پارہ ۲۶ رکوع ۱)

اور اس سے بہکا کون؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اُن کی پکار کو دن قیامت تک اور اُن کو خبر نہیں اُن کے پکارنے کی۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے اُن کے دشمن اور ہوں گے اُن کے پوجنے سے منکر۔

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللهِ اَحَدًا (پارہ ۲۹ رکوع ۱۱)

اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا (پارہ ۲۹ رکوع ۱۲)

تو کہہ میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو

قال اللہ تعالیٰ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (پارہ ۳۰ رکوع)	کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا۔
قال اللہ تعالیٰ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (پارہ ۳۰ سورہ والضحیٰ)	اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے

مقدمۃ الکتاب کی مزبورہ آیات میں صاحب تسکین کے مخترعات عقائد اور روایاتِ ضعیفہ اقوال مردودہ خیالاتِ باطلہ رطب یابس جمیع مستدلات میں ادلہ الی آخرہ کا راز مضمر ہے۔ ان قطعیات یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا۔

صاحبِ تسکین نے طوطی کی مانند اپنی کتاب تسکین میں اول سے آخر تک جو اکابر سلف جمہور کی رٹ لگائی ہے وہ محض عوام کالانعام کے دل بہلانے کیلئے ہے ورنہ اُن کا ضمیر خود شاہد ہے کہ قلم کی روانی نے جو لکھا ہے وہ کتاب و سنت جمہور صحابہ خیر القرون مسلکِ احناف کے صریح خلاف ہے۔ طوعاً و کرہاً کہہ تو دیا لیکن ضمیر قیامت تک ملامت کرتا رہے گا۔

تسکین کی تردید کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ چونکہ یہ تصنیف باعثِ تزئین دیوبندیت ہو چکی ہے، کثرتِ حوالجات کو دیکھ کر غریب عوام کیا جانیں کہ اس میں کتنے اژدہا پوشیدہ ہیں اور اس میں کیا کیا چھپا دیا گیا ہے۔ محض اس راز کو فاش کرنے کیلئے صاحبِ تسکین کی علمی غلطیوں اور خیانتوں قرآنی تفاسیر و تراجم کی غلطیوں، دیگر تدلیس و تلبیس کتمان تحریف کا پردہ اٹھا کر ظاہر کیا گیا ہے تاکہ موجودہ مخلوقِ خدا اور آنے والی نسلیں ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کام کیلئے محقق و مدقق ماہر علوم نقلیہ و عقلیہ واقفِ اسرارِ شرعیہ حضرت مولوی محمد حسین صاحب نیلوی سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کا انتخاب ہوا جنہوں نے فقیہانہ اور محققانہ انداز میں اس کام کو سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و تفقہ میں اور برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا موصوف نے شفاء الصدور سے (جلد اول) فراغت حاصل کرتے ہی فوراً صراط مستقیم کی تروع کر دی

جو قلیل مدت میں ایک جامع کتاب دربارۂ حیاتِ انبیاء مکمل ہوئی ابھی اس کی اشاعت کی تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ناگہاں تسکین الصدور کا ظہور ہو گیا۔ اب ضروری تھا کہ اس کے ادلۂ بیت العنکبوت کو ادلۂ محکمات وثقات سے پاش پاش کر دیا جائے اگرچہ مفصل بحث مسئلہ سماع وحیات تو صراط مستقیم میں لکھ دی گئی ہے لیکن یہاں فوری طور پر چھوٹا سا اپریشن کر دیا گیا ہے اور اس پھوڑے کے مواد فاسد کو نکال کر الگ الگ سامنے رکھ دیا اور اسکا علاج ستر آیات محکمات وادلۂ یقینیہ سے کیا گیا کہ شاید صاحب تسکین کی تسکین ہو جائے۔ اور فرضی سلف' فرضی جمہور' فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔

اگر کوئی منصف مزاج انابت اور رجوع سے مقدمہ کی مذکورہ بالا آیات بینات کو پڑھے گا تو بلا اختیار اس کی زبان پر یہ الفاظِ قرآنی جاری ہو جائیں گے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اور أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ کا بھولا ہوا سبق یاد آجائیگا۔

شفاء الصدور میں مسئلہ سماع موتٰی کی دیواروں کو جن جن قطعیات' محکمات' یقینیات پر قائم کیا گیا۔ صاحبِ تسکین نے ان دیواروں کے گرانے کی لایعنی کوشش ضعاف' موضوع' مجہول' فقری روایات سے فرمائی اور حوالجات کا ایک خزانہ جمع کیا۔ نقول کے انبار لگانے۔ لیکن وسعتِ مطالعہ اور فراخیٔ علم جہاں بڑی خوبی اور قابلِ ستائش وصف ہے وہیں اس صورت میں بلائے جان اور فتنہ کا سامان بھی بن جاتی ہے۔ جب رطب یابس کی تمیز اٹھ جائے اور موقع و محل سے اغماض کا معاملہ اختیار کر لیا جائے۔

ان گنت روایات اور منقولات حفظ کر لینا' سلف کے سنہ وفات و ولادت یاد کر لینا' اتنا زیادہ مشکل نہیں جتنا مشکل تفقہ اور تنقیح کا مرحلہ ہے کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کیا جائے۔ اور روایات صحیحہ کو باہم منطبق کیا جائے۔ محکمات نصوصِ قطعیہ کو اپنی جگہ پر رکھ کر دوسری روایات میں ایسی تاویل کی جائے تاکہ وہ محکمات کے مخالف نہ ہوں اور دیکھا جائے کہ اسلاف نے اپنے فہم و کاوش کے مطابق کتابوں میں جو کچھ جمع کیا ہے اسکا کتنا حصہ جو واقعی معقول اور مستند ہے اور کتنا حصہ ایسا ہے جسے ہمارا ذہن صرف عقیدہ اور مرعوبیت کی زد میں ہضم کر لیتا ہے اور کوشش کی جائے کہ اسلاف کی احترام و اعتماد و تدبر و اجتہاد کے مابین کیونکر ایک صحت مند توازن اور مفید ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جن کتابوں میں صرف احادیث ہی جمع کی گئی ہیں اور اُس کے جمع کرنے والے علم وعمل کے اعتبار سے ممتاز بھی تھے ان میں بھی جب بمشکل چند ہی کتابیں ایسی ہیں کہ اُن کی مجموعی صحت کا دعوے کیا جا سکتا ہے اور باقی کے متعلق اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ ان میں صحیح و ضعیف سقیم و سلیم صحیح و غلط صدق کذب سبھی کچھ جمع ہو گیا ہے تو آخر ان کتابوں پر آنکھ بند کر کے کیوں کر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

صاحبِ تسکین نے محض تسکینِ قلب کی خاطر آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگا دئیے ہیں مناسب غیر مناسب رطب و یابس ہر قسم کی روایات سے تسکین کے اوراق سیاہ کر ڈالے تاکہ جمہوریت ثابت ہو جائے اور یہ نہ سمجھے کہ کثرتِ نقول سے جمہوریت ثابت نہیں ہوا کرتی۔

پھر لطف یہ کہ اپنے عقائدِ مزعومہ مخترعہ کے اثبات کیلئے جو لگاڑ آیاتِ بیّنات کی معنوی تحریف کر کے پیدا کیا وہ اہلِ علم کی شایانِ شان نہیں تھا۔ جن آیات کو کچھ مدت پہلے اہلِ بدعت اپنے مستدلات میں پیش کیا کرتے تھے اور اہلِ حق تحریراً تقریراً اُن کے جوابات میں کوشاں رہتے تھے آج صاحبِ تسکین نے انہیں تاویلات کی آڑ میں اپنے مسلکِ جدید کو محکم بنانا چاہا۔ اگر سچ پوچھو تو صاحبِ تسکین نے قبوری شریعت والوں کے پژمردہ پودے کو از سرِ نو سیراب کرنا چاہا ہے۔

صاحبِ تسکین کی تمام کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ میّت کا جسم کے ساتھ روح کے اعادہ ہونے سے تعلق قائم رہتا ہے جس سے وہ میّت یعنی جسدِ رمیم زائر کو دیکھتا ہے اور اسکا کلام سنتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے اور زائر کو پہچانتا ہے۔ غمی خوشی کا مورد ہو اور اُن کا وسیلہ بنانا جائز ہے۔ حالانکہ انسان نیند میں نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے لیکن نیند والے کو مُردہ نہیں کہا جاتا۔ اور جو مرنے کے بعد سنتا دیکھتا بولتا جواب دیتا ہے وہ مُردہ ہے ع

برین عقل و دانش بباید گریست

واللہ اعلم صاحبِ تسکین نے ایسے جسد کو مُردہ کیوں لکھا ہے۔ سچ فرمایا اُس صادق و مصدوق نے صلی اللہ علیہ وسلم کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے۔

جو لوگوں پر اپنی مسکینی اور درویشی ظاہر کرنے اور اُن کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑیوں کے کھال کا لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور اُن کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ترمذی شریف) **شعر**

لباسِ زہد کی ظاہر فریبیوں میں نہ جا   پڑے ہوئے ہیں اندھیرے میں روشنی کے غلاف

صاحب تسکین نے اپنی سابقہ تصنیف "راہِ سنّت" کے صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۱۸۹ و صفحہ ۲۱۳ و صفحہ ۲۳۰ و صفحہ ۲۳۱ و صفحہ ۲۵۵ پر جو ضوابط و قواعد تحریر فرمائے تھے اب تسکین میں ان سب قواعد کو نسیاً منسیاً کر کے اُن کے خلاف اکثر روایاتِ ضعیفہ کا ذخیرہ جمع کر دیا اِن حرکات کی جواب دہی تو اس دن ہوگی جس دن وہ احکم الحاکمین مالک الملک عالم الغیب والشہادۃ سمیع و بصیر علیم و قدیر اپنے تختِ عدالت پر بیٹھ کر سوال فرمائیں گے کہ میری محکمات آیاتِ بینات، سنتِ رسول، اجماعِ صحابہؓ کے ہوتے ہوئے ضعاف، مجہول، متروک، موضوع، و مکذوب روایات کا ذخیرہ اپنی کتاب تسکین میں کیوں لکھ مارا اور فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ کے مصداق کیوں بنے اور مقرر کردہ قاعدہ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اور مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا پر عمل کیوں نہ کیا؟ سابقہ تالیفات میں سے "راہِ سنّت" کی عبادات کو یاد دہانی کے طور پر پیش کیا جائیگا کہ راہِ سنت کے صفحہ ۱۸۹ پر تو لکھا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کو یہ بات کیوں نہ سمجھ آئی کہ اذان دعاء اور قبر پر بھی ہونی چاہئے اور صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور خیر القرون میں یہ قیاس لوگوں کو کیوں نہ سوجھا اور صفحہ ۲۳۱ پر لکھا کہ جب یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلکہ خیر القرون سے ثابت نہیں اور فقہاء اس کو بدعۃ کہتے ہیں "راہِ سنّت" میں تو قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہ اور خیر القرون کے اقوال اور اعمال کو ہدایت اور اس کے خلاف کو "بدعت" لکھا لیکن تسکین میں نص و سنّت تعاملِ صحابہ اقوالِ خیر القرون کے خلاف کو معمول اور ماجور لکھ کر حوالجات کے انبار لگا دئے۔ اہلِ بدعت کے دلائل جن کے جوابات برسوں پہلے دیئے جا چکے ہیں لکھ کر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ افسوس کتنے عوام ایسے ہے جو اپنی نافہمی اور کوتاہی نظر کے باعث حوالجات کی جھاگ کو دیکھ کر اور زخرف القول پڑھ کر مسلکِ حق سے منحرف ہو چکے ہوں گے، بھلا اس کا وبال

کس کی گردن پر پڑے گا

قیامت کے دن عقائد کے اثبات میں جب لوگ اپنے اپنے اکابر سلف کی فہرستیں پڑھیں گے تو جواب میں خیر القرون والوں میں سے فاروق اعظمؓ کا وہ واقعہ بھی پیش کیا جائیگا کہ جب انہوں نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر امتحاناً صحابہ کرامؓ کے عظیم الشان مجمع میں استفسار فرمایا کہ لوگو! اگر میں تم کو خلاف سنت کوئی بات بتلاؤں تو کیا تم مان لوگے؟ یہ بات کہنی تھی کہ ایک دلق پوش جس کی تلوار کھجوروں کے تنوں میں لپٹی ہوئی تھی تلوار کو نکال کر کھڑا ہو گیا اور عرض پرداز ہوا کہ اے امیر المؤمنین اگر ایسا ہوا تو پھر یہ تلوار ہوگی اور آپکی گردن۔ امیر المؤمنین نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ الحمد للہ صحابہ میں عاشقان سنت النبیؐ موجود ہیں۔ تو اب سوچئے عقائد بدعیہ کے مروجین کا اس دن کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو ان عقائد و رسومات سے بچائے جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں اور اجماع صحابہ خیر القرون کے اقوال و اعمال کے متضاد ہوں۔

جی چاہتا تھا کہ صاحب تسکین کی کتاب ہذا کا اول سے آخر تک رد کیا جاتا۔ لیکن اس بات کی چنداں نہ ضرورت تھی اور نہ فرصت "مشتے نمونہ از خروارے" چند حوالجات نقل کر کے انکی حقیقت واضح کر دی گئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ دکان میں جتنا سامان پڑا ہے معلوم ہو جائیگا کہ کس قیمت اور قدر و منزلت کا ہے اور جمہور سلف اکابر کے کیپسولوں میں کس قدر زہر بھر دی گئی ہے جنکی مضرت نسلاً بعد نسل مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

نمبر ۱ صاحب تسکین نے مسئلہ توسل کے باب میں تسکین کے صفحہ ۱۹۶ پر جو روایت عتبی سے نقل فرمائی جس میں اعرابی کی حکایت کو حجت بنا کر نقل کیا اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کی تفسیر عتبی کی ضعیف روایت سے فرما کر ابن عباس، ابن مسعود، ابو سعید خدری، عطا، قتادہ، مجاہد، حسن بصری، عبداللہ بن کثیر، ابن زید، ابن جریر، معالم التنزیل، نیشاپوری، لطائف قشیری، بیضاوی، ابو ہریرہ، ابو ذر، سُدی، علیؓ، صاحب کشف الاسرار، صاحب بحر الحقائق، تنویر المقیاس، مدارک، خازن، بخاری، موضح القرآن، ابن تیمیہ، ابن قیم، تدریب الراوی، مستدرک وغیرہ کی صائب رائے سے اعراض و اغماض کر کے ایک غیر معتمد علیہ روایت کو لانا حضرت مولانا کی نہایت کمزوریٔ علم و عمل پر دال ہے جس

اور سلف اور اکابر کا ورد تمام کتاب میں کرتے رہے۔ یہاں اگر اپنے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ بھولے بھول گئے۔ مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں تو کیا اعرابی کا فعل شریعت میں حجت بن سکتا ہے؟ اور لطف یہ کہ واقعہ بھی خواب کا اگر کوئی مولانا سے دریافت کرے کہ غیر نبی کا خواب حجت ہو سکتا ہے جب تک کہ وحی اس کی مؤید نہ ہو

نمبر۲ لفظ مَکّی اور مدنی میں عدم فرق

نمبر۳ لفظ زیارت کے معنی میں غلطی

نمبر۴ لفظ تسمہ کی غلط تشریح

نمبر۵ انسان کے مفہوم میں غلطی

نمبر۶ انسان اور بدن عنصری میں عدم فرق

نمبر۷ لفظ ذریّة کے معنے سے صرف نظر

نمبر۸ موت کے معنے میں حضرت نانوتوی کے خلاف تصرف

نمبر۹ اصول فقہ میں اسنادی قسم اور صحیح میں عدم امتیاز

نمبر۱۰ لفظ بین۔ کے ترجمہ میں غلطی

نمبر۱۱ شاذ و منکر کے اطلاقات سے صرف نظر

نمبر۱۲ نزاع لفظی میں غلطی

نمبر۱۳ "اجماع" کا غلط مفہوم لیکر مسئلہ سماع موتیٰ کا استدلال

نمبر۱۴ "فہم اولی حجت نہیں" میں غلط بیانی

نمبر۱۵ غریب جداً کی اصطلاح سے ضم اور غیر مستحقہ حیثیت عطا

نمبر۱۶ دلالت النص اور قیاس میں عدم امتیاز۔ جمہور کا صریح خلاف فرما کر قاضی خان جیسے حنفی محقق عالم پر پھبتی اڑانا۔ شوافع کا دامن پکڑ کر متفقہ کلیہ کا رد کر دینا۔

نمبر۱۷ اہل کتاب کی غلط سلط باتیں شرائع من قبلنا میں داخل کر کے عوام کو دھوکہ دینے کی ناکام سعی۔

نمبر۱۸ "جو استدلال سلف صالحین نے نہ کیا ہو وہ مردود ہے" اس قاعدہ کا غلط مفہوم لیا جس کی زد میں حضرت نانوتوی جیسے متبحر عالم بھی آجاتے ہیں

نمبر۱۹ آیت كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ کے ترجمہ میں انوکھی طرز اختیار فرمائی اپنے شیخ حضرت مولوی حسین علیؒ کا بھی لحاظ نہ کیا۔ شاید یہ اکابرین میں سے نہ ہوں۔

نمبر۲۰ اسماء الرجال میں تو کمال ہی کر دیا۔ علامہ ذہبی جیسے محتاط مدقق اور نقاد عالم کو وہم کا شکار ہونے والا کہا

نمبر۲۱ بخاریؒ جیسے امام المحدثین بھی ان کی جرح سے نہیں بچ سکے

نمبر۲۲ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے محدث عالم مطعون قرار پا گئے۔

نمبر ۲۳ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ اصول کو محض اپنی ذاتی خود غرضی کی وجہ سے ترک کر دیا۔
نمبر ۲۴ ابو جعفر مدنی اور مدائنی کے بارے جدید تحقیق لکھ کر اپنے مخترعات مزعومات کے اثبات کی خاطر امام مسلم جیسے جبل من جبال الحدیث کے خلاف کرنا۔
نمبر ۲۵ امام ترمذیؒ جیسے فقیہ امام کی غلطی نکالکر ناقد محدث ہونے کا مدعی بن بیٹھنا
نمبر ۲۶ بارہ سو سال سے جس غلطی پر علامہ ابن حجرؒ جیسے جلیل القدر محدث اطلاع نہ پا سکے اور حضرات دیوبند کے مشایخ اکابر سلف مطلع نہ ہو سکے اور مولنا موصوف کے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولنا حسین علیؒ کا جبکا علم تک نہ ہو سکا مولنا موصوف اس کی تنقید میں قلم ران ہیں شعر

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؛؛ طعنہ اندر حق پاکاں میزند

نمبر ۲۷ اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ کہ جس راوی پر بعض علماء نے تنقید کی ہو اور بعض دوسروں نے اسکی توثیق کی ہو تو جرح کو توثیق پر ترجیح دی جائیگی لیکن صاحب تسکین اس کے خلاف لکھا
نمبر ۲۸ صاحب تسکین نے ایک نرالا قاعدہ لکھا ہے کہ جو راوی کتب صحاح میں ذکر ہو خواہ اس راوی کی صحابہ کتاب کیسا ہی سمجھے وہ راوی معتمد علیہ ثقہ ہوگا اور اسکی ہر روایت صحیح ہو گی خواہ مدلس معنعن ہی کیوں نہ ہو
نمبر ۲۹ "کثرت دلائل" کا نام صاحب تسکین نے "جمہوریت" رکھا حالانکہ محدثین فقہاء کے نزدیک "کثرۃ دلائل" کی کچھ حیثیت نہیں بلکہ قوت دلائل کا اعتبار ہوتا ہے نہ "کثرۃ دلائل" کا ہے۔

جس طرح صاحب تسکین نے اپنی تصنیف میں غلطیوں کا ذخیرہ جمع کیا ہے اسی طرح بہت جگہ خیانتیں بھی کی ہیں جنکا کتاب ہذا میں واضح انکشاف کیا گیا ہے مثال کے طور پر
نمبر ۱ فرمایا کہ "ابو الشیخ والی حدیث پر مصنف "الصارم المنکی" کی نظر نہیں گئی" حالانکہ صاحب تسکین کا یہ بہتان عظیم ہے کیونکہ مصنف الصارم المنکی نے اس حدیث پر صاف تغلیط کا فتویٰ لگایا
نمبر ۲ ناذان کی ثقاہت تہذیب التہذیب سے نقل کر کے اس عبارت کو شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ جمیں انہوں نے لکھا ہے کہ "ناذان کثیر الخطاء تھا۔"

نمبر۳ حضرت مولانا حسین علیؒ کی عبارت کا وہ حصہ نقل کر دیا جو مفید پایا لیکن جو عبارت مخالف بدعتی تھی اس کو بالکلیہ چھوڑ گئے یہ صریح خیانت ہے تاکہ قارئین یہ سمجھ لیں کہ حضرت مولانا حسین علیؒ کا مسلک بھی یہی ہے جو صاحب تسکین کا ہے۔

نمبر۴ فتح الباری کی عبارت **نمبر۵** ابن کثیرؒ کی عبارت **نمبر۶** حضرت نانوتویؒ کی عبارت

نمبر۷ علامہ آلوسیؒ کی عبارت میں خیانت جو علمائے حقہ کی شان سے بہت بعید ہے

نمبر۸ قبر کی جامع مانع تعریف میں خیانت **نمبر۹** حیات کی تعریف میں جسدِ عنصری بولکر خیانت۔

نمبر۱۰ ارض کے معنے میں خیانت **نمبر۱۱** مادی و عنصری کو ایک بناکر دھوکہ دینا

نمبر۱۲ لفظ عود و اتصال میں وحدت بناکر دھوکہ **نمبر۱۳** خبرِ واحد کو حجت قطعیہ ثابت کرنا۔

نمبر۱۴ ابن جریر طبری کو فرقہ کرامیہ کا سربراہ بتایا۔ کاش مولانا اگر حاشیہ شرح عقائد نظم الفرائد اور نبراس دیکھ لیتے اور حاشیہ عبدالحکیم کو کاتب کی غلطی پر محمول کر لیتے تو حلقہ اہلِ علم میں اتنی ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

نمبر۱۵ کتاب الروح کے مضامین کا نصف حصہ بالکلیہ چھوڑ گئے جو مقصد و مسلک کے خلاف پڑتا تھا یہ بھی خیانت ہے

نمبر۱۶ "رزق" سے مراد غیر حسی، اور "حیات" سے حیات حسیہ دنیویہ مراد لینا کہاں کی امانت و دیانت ہے

نمبر۱۷ "حدیث حسن" کو مطلقاً حجت بنانا اصولِ حدیث میں ایک مجرمانہ حرکت ہے جو اہلِ علم کے نزدیک معیوب ہے۔

صاحبِ تسکین کی لغزشوں اور خیانتوں کو طشت ازبام کر کے مجموعہ کتاب کی حقیقت کو ظاہر اور واضح کر دیا گیا ابھی کتاب تسکین الصدور زیرِ طبع تھی کہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں قدِ آدم کے برابر اشتہار برائے تشہیر شائع کئے گئے اور مرغوب و محبوب الفاظ میں فروخت کرنے کا بہترین طریقہ استعمال کیا پہلے تو ہم نے بھی یہی سمجھا کہ کئی سالوں کی کاوشوں کے بعد جو تحریر سامنے آرہی ہے یقیناً دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے بھرپور ہوگی لیکن جب دیکھا تو بے اختیار زبان سے نکلا کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ٭ جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

مولنا نے جس مسلک کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور اپنی کتاب میں جن جن حوالجات کو جمع کیا ہے۔ جمہور 'سلف' اکابر کا نام لیکر نئے نئے دام لگانے میں آج تک یہ مسلک جمہور سلف اکابر تو اپنی جگہ رہے کسی ایک صاحبِ علم کا بھی عقیدہ نہیں کہ مرنے کے بعد جسم رمیم اور جسدِ عنصری اعادۂ روح کیوجہ سے زائر کی ہر کلام کو سنتا ہے اور زائر کو دیکھ کر پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ زائر جاکر اُس کو وسیلہ بنالے۔ اور شفاعت و دعا کروالے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ یہ عقیدہ اہلِ سُنّت والجماعت کا نہیں ہے قرآنی ایک آیت اس کی مؤید نہیں ملیگی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرز زیارت قبور میں یہ روش نظر نہیں آئیگی صحابہ کرام اس طریق سے مُبرا ہیں۔ تابعین تبع تابعین ویسے مسلک والے سو سو بیزار ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس عقیدہ والے پر لعنت فرماتے ہیں۔

اگر مولنا موصوف کے دل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی محبت دینی کا رتی برابر لحاظ ہوتا تو واللہ العظیم اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر فقہی اصولی حوالجات سے آنکھیں بند کر کے اکابر دیوبند سے ہٹ کر نصوصِ قطعیہ کی مخالفت کر کے تسکین الصدر جیسی ضخیم کتاب نہ لکھتے

اگر کوئی اہلِ علم صاحبِ انصاف مولنا کی کتاب تسکین الصدر کو سامنے رکھ کر "مقیاس حنفیت" مصنفہ محمد عمر اچھروی کو بھی دیکھ لے تو یقیناً دونو صاحبوں کے مسلک میں کوئی فرق نظر نہیں آئیگا (در مسئلہ سماع) بلکہ جو حوالجات کی کمی اس مسئلہ کے بارہ میں مقیاس حنفیت میں تھی اُس کو صاحبِ تسکین نے پورا کر دیا۔ اور تحریراً اہلِ بدعت کے عقائد دربارہ سماع موتیٰ کو خوب پختہ بنایا۔ اِس لئے آپ دیکھیں گے کہ تسکین الصدر تقریباً ہر اہلِ بدعت لکھے پڑھے حضرات کے پاس موجود ہوگی۔

میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں یہ دردِ دل کی حکایت ہے جسے سنائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اگر سچ پوچھو تو کہہ دوں دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے ٭ اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

الفاظ کی شدت کو دیکھ کر کسی تعصب اور عناد پر محمول نہ کرنا ۔ حقیقت میں حضرت مولانا موصوف سے محبت ویسی ہے جیسے پہلے تھی ۔ یہ بھی ایک طرح محبت کا اظہار ہے ۔ ممکن ہے میرے درد بھرے الفاظ کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ رجوع کی ہمت بخشے ۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر ٭ کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کام تریاقی

اگر مولانا موصوف سے دریافت کیا جائے کہ سماع موتیٰ میں اتنی ضخیم کتاب لکھ مارنے سے مقصد کیا ہے ؟ تو اس کا جواب بغیر اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب قبوری شریعت ، ضعیف الاعتقادی ، وہم پرستی ، ترویج شرک اور اشاعت بدعت کیواسطے اکسیر کے ہے ۔ بھلا جب اموات زائر کی ہر بات کو سنتے ہیں تو پھر ان کو پکارنے میں کونسی بات مانع ہے ؟ پھر قبور پر جا کر ان سے التجائیں کرنا ، شفیع بنانا ، ان کو وسیلہ پکڑنے میں کیا حرج ہے ۔ غریب اہل بدعت کا کیا قصور ہے جو قبور پر جا کر اپنی گذارشیں اموات کو سناتے ہیں اور ان کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلے بناتے ہیں تا کہ وہ ہماری التجائیں خدا کے سامنے پیش کریں ۔

تحقیقت یہ ہے کہ جب کسی پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں تو پہلے انابت و ہدایت کی طاقتیں اس کے اندر سے سلب فرما لیتے ہیں جس سے صحیح اور غلط کے مابین امتیاز ختم ہو جاتا ہے ۔ حق و باطل ، ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کی قوت نہیں رہتی کیا اکابر و اسلاف دیوبند حضرات کا بھی مسلک تھا اور یہی طرز تحریر تھا ۔ حضرات دیوبند اسی مسلک کی خاطر دنیا میں بدنام ہوئے تھے ۔ مولانا موصوف کم از کم قرآن پاک کی تلاوت تو فرماتے ہوں گے سورۂ زمر چوبیسویں پارہ میں جب اس آیت کو تلاوت کرتے ہوں گے کہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى تو بدن سے روح کے امساک کا مفہوم مراد لیتے ہوں گے اور موضح القرآن کی عبارت بھی زیر نظر ہو گی کہ انہوں نے امساک کا کیا مطلب مراد لیا ہے پھر اللہ پاک سے خوف نہیں آیا ۔

کیوں جی ! قرآن مجید میں کہیں ایک جگہ بھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ مردے سنتے ہیں جن جن اموات کو تم پکارتے ہو وہ نزدیک سے سنتے ہیں ۔ نزدیک و دور کا سوال ہی کیا ۔ روح اور بدن کا ربط ختم ہو گیا جس سے سننا ، دیکھنا ، شعور و ادراک ہوتا تھا ۔ اب قبر میں پڑے ہوئے دھڑ کو سنا کر تم کیا کرو گے

کسی نے کیا خوب کہا ہے

اشعار

خدا ہے اگر عالم الغیب اپنا ✤ عیاں ہے اگر اس پہ ہر عیب اپنا

اگر سب میں ہے نور موجود اس کا ✤ نہیں ہے اگر علم محدود اس کا

تو انکار کی کوئی صورت نہیں ہے ✤ سفارش کی چنداں ضرورت نہیں ہے

وہ بیباک بندوں کی سنتا ہے پہلے ✤ وہ مردوں سے زندوں کی سنتا ہے پہلے

جو نائل بخواب اجل ہو چکے ہیں ✤ لحد میں جو آرام سے سو چکے ہیں

جو کروٹ بدلنا نہیں جانتے ہیں ✤ انہیں اپنا مشکل کشا مانتے ہیں

مزاروں پہ جاتے ہیں بہر سفارش ✤ جو خود مر چکے کیا کریں گے گذارش

تراشا ہے کیسا مریدوں نے حیلہ ✤ کہ عرفان کی نردباں ہے وسیلہ

وسیلہ مزاروں کو گردانتے ہیں ✤ وسیلہ عمل ہے نہیں جانتے ہیں

مولانا موصوف نے جو شیخ الحدیث ہیں کئی بار کتب احادیث پڑھائیں مطالعہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے علم و فضل دے رکھا ہے۔ آپ صاحب تصنیف ہیں کیا باب "زیارۃ القبور" کتب احادیث میں بھی دیکھا ہے یا نہیں جہاں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور ارشاد جو ہدایت اور نجات آخرت ہے لکھا ہوا ملتا ہے

صاحب تسکین کو یاد ہوگا کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ابتدائی ایام ہجرت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شاگردوں کو اعلان فرمایا کہ زیارت قبور کیلئے قبرستان میں کوئی مرد و عورت نہ جائے۔ آخر مقصد کیا تھا کیوں منع کیا گیا۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے تیرہ برس دین کیخاطر ماریں کھائیں اور مسائل دینیہ سیکھے انکو ارشاد ہوتا ہے کہ تم بھی قبرستان میں نہیں جا سکتے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کی زبان نے یہ حرکت نہ کی کہ حضرت فداہ ابی و امی ہم نے تو دین متین کو خوب سیکھا ہے، ہمیں تو اجازت فرما دیجئے۔ تمام صحابہ مدینہ منورہ میں قبرستان میں مردوں کی زیارت کو بند کر دئیے گئے۔ آنے جانے کا دروازہ بند ہوگیا۔ اسکی حکمت بھی یہی تھی کہ کہیں مسلمان صحابہ کرام یہود و نصاریٰ کیطرح قبروں پہ جا کر وہی معاملہ کرنے لگیں جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ چونکہ مدینہ منورہ میں ایک گروہ احبار و رہبان کا

بھی موجود تھا جنہوں نے اپنے انبیاء و اولیاء کی قبور کو مساجد کا مقام دے رکھا تھا یعنی جسطرح مساجد کے ساتھ برتاؤ کرنے کا حکم ہے اسی طرح انہوں نے قبور پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا مثلاً قبور کو پختہ بنانا۔ غلاف چڑھانا، اسمیں نقش و نگار کرنا، خوشبودار بنانا، اسمیں روشنی کرنا، طواف کرنا، زیارت کیلئے اوقات دن مقرر کرنا، وہاں جاکر قربانیاں دینا، جاکر دعائیں کروانا، شفاعت اُن سے کروانا، وغیرذلک۔

پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ پھر مسلمانوں میں داخل نہ ہو جائے۔ تو زیارت قبور سے بالکلیہ روک دیا۔ جب عقائد میں اُن کو مضبوط اور پختہ بنا دیا پھر فرمایا کہ صرف مَردوں کو زیارت القبور جائز ہے، عورتیں پھر بھی قبرستان میں نہ جائیں کیونکہ وُہ ناقصات العقل والدین ہیں کہیں خلافِ سُنت وہاں کام نہ کر بیٹھیں۔

زیارۃ القبور مسنونہ میں دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں تیسری نہیں۔ اگر کوئی زائر دو چیزوں کے علاوہ تیسری غرض اور مقصود لے جائیگا تو زیارۃ القبور سنتیہ پر عمل نہیں ہوگا۔ وہ "زیارتِ بدعیہ" کہلائے گی

وُہ دو چیزیں کیا ہیں؟ ———— دُعائے مغفرت اور تذکیر الآخرت!

زیارت القبور کے بارے میں خود پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی بات پر ہر عالم و جاہل، خاص و عام کو عمل کرنا واجب ہے۔ زیارت القبور میں مقصد میت کے حق میں دعائے مغفرت اور زیارت کرنے والے کیلئے موت کی یاد اور آخرت کی طرف رجوع "محض تزہید من الدنیا و ترغیب الآخرۃ زیارت سنتیہ میں ہونا چاہئے۔ ایک لاکھ سے زائد شاگردانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی مقصد اور عمل رہا۔ کیا حضرت عمرؓ کا عمل واقعہ استسقاء میں یاد نہیں کہ افضل میت کو چھوڑ کر مفضول زندہ سے دُعا کروانا مسئلہ زیارۃ قبور کی حقیقت کا واضح انکشاف ہے اگر کوئی کھینچ تان کر اور ہیر پھیر کر کچھ اور مطلب نکالتا ہے اس کی مرضی۔ لیکن حضرت عمرؓ جو صحابی رسول خلیفہ المسلمین خلیفۃ الرسول من الخلفاء الراشدین ہیں اُن کا کئی بار کا عمل مسئلہ کی حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ زیارت میں سفارش شفاعت دعا کروانا مقصود نہیں بلکہ میت کیلئے زیارت میں دُعا کا کرنا ہے جیسا کہ نمازِ جنازہ میں جو دُعا مسنون کتب حدیث میں موجود ہے وہاں بھی میت سامنے رکھی ہوئی کیلئے دُعا کی جاتی ہے نہ کہ اس سے دعا مانگی جاتی ہے۔ اگر میت سے دُعا کا کروانا کہیں جائز ہوتا تو نمازِ جنازہ میں سے زیادہ موزون اور کوئی مقام نہیں تھا۔ لیکن مرنے کے بعد میت اس بات کا محل ہی

نہیں رہا کہ اس سے دعا کروائی جائے۔ یہ تو اُن مشرکین کا عقیدہ تھا کہ جب ان کو پکار سے منع کیا گیا تو اُن نے جواب میں یوں کہا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور کہنے لگے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے جب زائر کو دُعا کرواتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لعنت ہو تجھ پر اور نامراد پھرے تو ایسوں سے کلام کرتا ہے جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں موتی کے بولنے کو تعلیق بالمحال کے موقعہ پر ذکر فرمایا اور فرمایا لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اور فرمایا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اور فرمایا وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ وغیر ذالک

ہائے افسوس! جس مرض کا خطرہ تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے ٹائم تک روکتے گئے آج وہی زیادہ بدعت اُمت محمدیہ میں مُروّج ہے جس کو اہلِ علم حضرات ضعیف روایات قصص، کہانیاں، کشف، خواب اور دیگر الیسی قسم کے حربوں سے پرورش فرماتے ہیں۔ خوب فرمایا ڈاکٹر اقبال نے ؎

خدایا اب یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں ⁂ کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

اب اس ترقی کے دور میں جب دنیا چاند پر جا کر مریخ سے باتیں کرنے کو تیار ہے یہ اندھے مُردوں کو سنا کر اپنا شفیع بنا کر، ان سے حاجتیں طلب کر رہے ہیں۔ بجائے عملی زندگی سنوارنے کے اب اموات کی پُوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ چہ جائیکہ ہم وہی کام کرتے جو اہل اللہ نے کئے ہیں بلکہ اُلٹا اُن کو پوجنا شروع کر دیا ہے۔ کسی اہل اللہ نے خوب فرمایا ؎

تُو تا کے گورِ مُرداں را پرستی ⁂ بیا دُر کارِ مَرداں کُن درستی

خیر القرون کے زمانہ میں جو روشنی کا زمانہ تھا کسی صحابی کو اعتقادی نظریات میں کوئی اختلاف نہیں تھا جو آج کل قبوری شریعت والوں نے پیدا کر دیئے ہیں بلکہ انہوں نے اپنا نظریہ و عمل پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنت کو سمجھا اور زیارۃ قبور میں وہی کچھ کیا جو پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا یا دیکھا بلکہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اقطارِ ارض میں سب سے افضل ہے بس اس پر وہی کام کیا جو دوسری مزاروں کے بارے حکم سنا، اپنی طرف سے دین کے اندر کچھ

کمی بیشی نہیں کی۔ کچھ مدت تک تو گاڑی اسی طرز پر چلتی رہی۔ جوں جوں آفتابِ رسالت دُور دُور ہوتا چلا گیا تُوں تُوں شرک اور بدعت نے آکر دین میں جگہ لینی شروع کردی اور اس نورِ آفتاب پر اپنی ظلماتی چادریں آکر بچھا دیں حتیٰ کہ اُمّتِ واحدہ ۷۲ فرقوں میں منقسم ہونی شروع ہوگئی اور اپنے مضبوط شیرازۂ ملت کو کھو بیٹھی حروریہ۔ قدریہ۔ جہمیہ۔ رافضیہ جبریہ میں منقسم ہوگئی پھر ہر ایک فرقہ بارہ حصوں میں منقسم ہوگیا پھر کیا ہُوا۔ وہ کتاب جو کروڑہا دماغوں کو نورِ ہدایت سے اور اوامر و نواہی کی لالٹینوں سے منوّر کرتی رہی اور جسکی ترجمانی تفسیر و تشریح کے طور پر خود زبان حاملِ وحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جن مضامین کی تشریح تلامذۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے فرمائی جن اسرار و رموزِ قرآنی پر خیر القرون ثم الذین یلونہم واقف ہوئے بعد میں آنے والے فقیہ، محدث، شیخ، مجتہد، علامہ کے لباس میں آکر مضامین و مقاصدِ قرآن کو خواہشات کے ماتحت دماغی مخترعات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی شروع کردی یہاں تک کہ امتِ مسلمہ ملتِ واحدہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوکر وحدت کی نعمت کو کھو بیٹھی۔ مخبر صلعم کی زبان پر جاری شدہ الفاظ قابلِ عبرت ہیں کہ مسلمانوں کا قرآن موم کی ناک ہے جدھر چاہو موڑ دو۔ العیاذ باللہ علماء نے اپنے فلسفیانہ افکار سے سیکڑوں اختلافی مسائل نکال لئے۔ جب مسلمان یونانیوں، رومیوں کو جاکر ملے تو اُن لوگوں نے فلسفیانہ افکار اسلام میں داخل کردیئے۔ پھر اسلام میں کئی بحثیں چھڑ گئیں مثلاً مسئلہ تقدیر، خلقِ قرآن، صفاتِ باری تعالیٰ۔ پھر انہیں مسائل میں آکر اُمّتِ مسلمہ جبریہ، معتزلہ، مرجیہ، ماتریدیہ، اشاعرہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ انہی فرقوں کے ساتھ مدتِ دراز تک حق و باطل کی جنگ جاری رہی ائمۂ دین، علمائے مجتہدین نے اپنی جانیں اظہارِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر قربان کردیں۔ طوفان آئے، موجیں اُٹھیں، آندھیاں چلیں، خونِ شہداء سے زمین لالہ زار بن گئی لیکن نخلِ اسلام کو اعدائے دین سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح ہند میں جب عقائدِ ہنود پورے شباب پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک عالمِ دین معین الدین اجمیریؒ اور مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہؒ جیسے جلیل القدر عالم کو اُن کی سرکوبی کیلئے بھیج دیا "ولی اللّٰہی" خاندان نے جو دین کی خدمات انجام دی ہیں اُن کا احسان قیامت تک آنے والی اُمّت کی گردن پر باقی رہیگا۔ ولی اللّٰہی فیوضات کی تکمیل علمائے دیوبند نے فرمائی۔ ایک مرکز دیوبند میں قائم کیا گیا۔ جسکا مقصد اشاعتِ کتاب، سُنّۃ اور علومِ فقہیہ، کی صحیح معنوں میں ترویج اطرافِ عالم سے علومِ شرعیہ کے پیاسوں کو سیراب کرنا تدریسًا تقریرًا تحریرًا باطل کا مقابلہ کرنا صحیح

معنوں میں سُنّتِ نبوی کی خدمت کرنا اس مادرِ ملّت نے ہزاروں مجاہدین محافظین فقیہ محدث ادیب فصیح و بلیغ پیدا کئے۔ محمد قاسمؒ نانوتوی۔ رشید احمدؒ گنگوہی۔ مفتی عزیز الرحمنؒ۔ حبیب الرحمنؒ۔ شیخ الہندؒ۔ اشرف علیؒ۔ حسین علیؒ۔ حسین احمدؒ مدنی۔ مفتی کفایت اللہؒ۔ سید محمد انورشاہؒ۔ ضیاء الحقؒ دیوبندی۔ محمد اعزاز علیؒ۔ شبیر احمدؒ عثمانی۔ میاں اصغر حسینؒ۔ مرتضیٰ حسنؒ چاندپوری۔ عبدالشکورؒ لکھنوی۔ خلیل احمدؒ انبیٹھوی۔ محمد یحییٰؒ۔ محمد الیاسؒ۔ محمد ابراہیمؒ بلیاوی۔ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم جیسے ہیرے گود میں پالے۔ اقطارِ عالم میں جہاں بھی دیکھو گے بالواسطہ یا بلاواسطہ انہیں کے تلامذہ ملیں گے ملک کے ہر بلدہ، ہر قریہ میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو مسلکِ دیوبند کے ہو کر کتاب و سنت کی تبلیغ میں کوشاں و جوشاں رہتے ہونگے۔ دین کو محفوظ رکھنے کی خاطر ہر طاقت کو استعمال کریں گے۔ ذریات باطل کے دلائل کمثل بیت العنکبوت کو کتاب و سنت کے براہین سے پاش پاش کریں گے۔

اسی علمی گمیدان میں پنجاب میں حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ کو یدِطولیٰ حاصل ہے جنہوں نے شہر، اقرباء، احباء، رفقاء کو الوداع کر کے ایک جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں نفوس کو قرآنی نعمت اور حدیثِ نبویہ سے مالا مال فرمایا۔ ستر اسّی برس اسی خدمت کو انجام دیا۔ کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کی جنکے معروف تلامذہ میں سے حضرت مولانا غلام اللہ خان، قاضی شمس الدین، سید عنایت اللہ شاہ بخاری بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت اونچے پیمانہ پر لے رہا ہے۔ جو صحیح معنوں میں اپنے اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کتاب و سنت کے احیاء میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خلف کو دیر تک زندہ رکھے

علمائے دیوبند کے خدام میں سے حضرت مولانا حسین علیؒ کے معتقدین و مریدین کا یہ شیوہ رہی ہے کہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں کسی کا قول و فعل حجت نہیں سمجھتے۔ اور ایسی اندھی تقلید سے ہمیشہ ہمیشہ مُبرّا رہتے ہیں جہاں دوسرے حضرات اکابر، سلف، جمہور کا بورڈ لگا کر عوام کالانعام کو خلافِ کتاب و سنت لے جانا چاہتے ہیں وہاں یہ مخلص اور مجاہد حضرات اپنے اکابرین کے اقوال میں تاویل فرما کر کتاب و سنت کو اپنا مشعلِ ہدایت بناتے ہیں۔

مثال کے طور پر مسئلہ "حیاۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں جب اختلاف ہوا تو جس وقت محبانِ اکابر نے دنیوی کی قید لگا کر اپنے مقابلین کو "منکرین حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا فتویٰ دیدیا تو مریدین و معتقدین حضرت مولانا حسین علیؒ نے "وفاۃ النبی" جو نصِ قطعی سے ثابت ہے "حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مفہوم مراد لیا جو احادیثِ نبویہ میں لا یعنی "حیاۃ برزخیہ" جس طرح

حیاتِ دنیویہ میں رہ کر مراتب و خصوصیات کے اعتبار سے انبیاء کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے اسی طرح وفات کے بعد انبیاء کو شہداء و دیگر اولیاء سے برزخ میں اعلیٰ ترین رتبہ ملتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

فرق حقیقتِ حیات میں نہیں بلکہ مراتب و خصوصیات کا فرق ہے مثلاً (۱) انبیاء وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی ارواح کو قبض کیا جاتا ہے (۲) اُن کے اجساد کو مٹی نہیں کھا سکتی (۳) دوسرے اموات کے جنازہ میں حکم تعجیل کا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کئی روز حجرۂ مبارکہ میں قبر سے باہر رکھا رہا (۴) دوسرے جنازوں پر نمازِ جنازہ باجماعت کا حکم ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام کی جماعت سے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی

اور یہ بھی یاد رہے کہ حیاۃِ برزخیہ، حیاۃِ دنیویہ سے افضل اکمل اعلیٰ اولیٰ اقویٰ اقرب الی اللہ ہے جس کو خود پیغمبر علیہ السلام نے پسند فرمایا۔ اس مسئلہ پر بھی حاصل بحث "الصراط المستقیم" میں کی گئی ہے جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آج تک حیاۃِ دنیویہ کے قائلین نے جن جن روایات سے استدلال کیا ہے تمام کے جوابات اور مفصل بحث حقیقتِ مسئلہ "الکشاف کالشمس فی الظہیرۃ" میں کیا ہے۔

حضرتِ موصوف کے تلامذہ جس دینی خلوص سے اشاعۃ التوحید والسنۃ کا کام کر رہے ہیں وہ اس دور میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ اُن سے مقابلہ مجادلہ کرنا تعصب کی واضح دلیل ہے

صاحبِ موصوف صاحبِ تسکین کے ایک بھائی مولوی عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں رہتے ہیں جب اُن کے سامنے اس جماعت کے مخصوص افراد میں سے کسی کا نام آ جاتا ہے تو گالیوں تک بھی دریغ نہیں فرماتے۔

سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے ساتھ خصوصی بیر ہے کہ اُن کا نام سنتے ہی سیخ پا ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے بھی ایک تصنیف فرمائی ہے حضرتِ شیخ علیہ الرحمۃ کی تحریر "تحفۂ ابراہیمیہ" کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن دراصل مقصود وہ "مقدمہ" ہے جو پہلے لکھ دیا گیا ہے جس نے اصل کتاب کے مقصد کو برباد

کر دیا۔ اس مقدمہ میں مسئلہ وحدۃ الوجود اور وسیلہ وغیرہ کو لکھ کر مسلک دیوبند کا ستیاناس کر دیا۔ حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کو مُتہم کیا۔ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو اس کتاب کے مضامین کی ترتیب اور الفاظ وجملوں کی لبت وکشاد صاحبِ تسکین کے قلم کی طرف مشیر ہے۔ غالباً آپ کے ایماء سے جمع کردہ مضامین کتابی شکل میں شائع کر دیے گئے ہیں۔ گویا زبان انکی اور قلم ان کا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کی تفسیر میں تو علمی جواہر کے ذخائر جمع کر دئے سبحان اللہ کیا کہنے! ان عُشاقِ اکابرین کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی خوفِ خدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایسا برتاؤ نہ کرتے۔ وسیلہ کی تفسیر میں اب جمہور کہاں غائب ہو گئے۔

سواتی برادران نے تسکین الصدور اور فیوضات حسینی لکھ کر اُمّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر بہت بڑا احسان کیا۔ جس قدر شرک اور بدعت کے مبادی برادرانِ مذکورین کو مُیسّر ہو سکتے تھے وہ جمع فرما کر سامنے رکھ دئے۔ گویا کہ صیاد نے تمام سامانِ صید کو شکار کرنے کا مُہیّا کر لیا ہے۔ اب صید کے آنے کی کسر باقی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

یہ گُل چیں باغباں صیاد یہ تیرے کرم فرما، لئے بیٹھے ہیں دل میں حسرتیں تجھ کو مٹانے کی
قفس بھی، دام بھی، مقراض بھی لکل نئے ہونگے، نئی ترکیب ہو گی تجھکو پھندے میں پھنسانے کی

صاحبِ تسکین نے اجسادِ اموات سے "اتصال روح" "تعلقِ روح" "اعادہ روح" ثابت کر کے پھر اس میت کا دیکھنا، سننا، اور اسکا شعور اور ادراک، زائر کو پہچاننا، اور مُردے کا خوش ہونا لکھا ہے۔ اور زائر کے لئے میت کا وسیلہ بنانا، اور اس کے واسطہ سے دعا مانگنا، اور حاجات میں قبور پر جا کر اُن کی ذات اور صفات سے وسیلہ پکڑنا، مذہبِ جمہور لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مولنا موصوف کے مزعومہ مخترعہ جمہور کونسے جمہور ہیں۔ مولنا شیخ الحدیث ہیں باب زیارۃ القبور حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ کئی بار پڑھانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ کیا زیارۃ القبور خیر القرون کے زمانہ میں اسی نظریہ سے ہوا کرتی تھی۔ اور یہی زیارۃ القبور سُنّتیہ کہلاتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا جو تسکین میں لکھا گیا ہے؟ جلیل القدر علماء کی تصانیف مثلاً قاعدہ جلیلہ

حجۃ اللہ البالغہ، البلاغ المبین، تقویۃ الایمان، مکتوباتِ امام ربانی، فتح القدیر، ردّ المحتار، الکوکب الدری، مکاتیبِ رشیدیہ، قرآن مجید محشی شبیر احمد عثمانیؒ کیا زیرِ نظر مولانا کے نہیں گذریں۔ انہوں نے زیارۃ القبور کا مقصد یہی لکھا ہے؟ کیا ایسی ہستیاں جمہور میں داخل نہیں ہیں؟

تنبیہ

شیطان نے جس قدر قبروں کے راستہ سے اُمّتِ مسلمہ کے عقائد میں فساد ڈالا ہے اتنا کسی کسی دوسرے راستہ سے نہیں ڈالا۔ جس دَور میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ اس ہمارے دَور میں کئی گُنا زیادہ دواعی و علل و اسباب بدعت ایسے موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ایسی کتابیں لکھنا جن سے شرک اور بدعت کے سینکڑوں دروازے کھل جائیں اپنے مخترعات اور مفروضات ضعیف روایات خوابوں اور کشفوں سے وسیلۂ بدعت جیسا مثلاً سنانا زہرِ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔

کچھ احکام بمقتضائے زمانہ بدلتے رہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا فرمان کہ اگر آج پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی کبھی اجازت نہ فرماتے۔

قبور پر جتنی بدعات آج نظر آتی ہیں کوئی پہلے تو نہیں تھیں۔ یہ عرس، قوالیاں، پھول، چادریں، سالانہ میلے، تیجے، چہلم، بیسویں، برسیاں، اور مجاورۃ قبروں پر۔ قبور کا غسل، اولیاء اللہ سے امیدیں، ان کے سامنے التجائیں، ان سے دعائیں، سفارشیں، ان پر نذر و نیازیں، ایامِ مخصوصہ میں تقرری اور التزام ان کی ارواح کو حاضر و ناظر مان کر دعوتیں کیا یہ کام صحابۂ کرام نے افضل البشر اعلم الناس اقرب الی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار اقدس پر یہ اقوال و افعال کئے ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین نے اجازت دی ہے؟ ائمۂ اربعہ نے ان کاموں کو پسند فرمایا ہے؟

لیکن آج صاحبِ تسکین نے جمہور، اکابر، سلف کے نام پر سب کچھ جواز اور استحباب میں داخل کر دیا

چونکہ اصل کتاب میں علامہ محقق و مدقق حضرت مولانا محمد حسین صاحب سابق مدرس ... امینیہ دہلی نے بہت کچھ لکھ دیا ہے اور صاحب تسکین کی علمی قابلیتوں کو طشت بر بام کر دیا ہے۔ غالباً علماء حضرات اور طلبائے کرام بنظر انصاف دیکھ کر اپنی ایمان اور تقوے جیسی نعمت کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

ہماری سابقہ کتاب "شفاء الصدور" پر جو صاحب تسکین نے اعتراضات کئے ہیں اور بعض سادہ لوح علماء حضرات نے بھی اپنی نیک نیتی سے کچھ نامناسب کلمات لکھ دیئے ہیں اور دراصل حقیقت مسئلہ کو نہ سمجھنے کی بنا پر تمام مشکلات درپیش آئی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب دوسرے ایڈیشن میں مع قدرے اضافہ تمام اعتراضات کا جواب اور فوائد جلیلہ جدیدہ ہدیۂ ناظرین ہوں گے۔

ہماری تحریرات میں کسی سے نہ عداوت مقصود ہے اور نہ تشہیر مقصود و مطلوب ہے۔ محض قرآن و سنت کی خدمت اور مذہب احناف کی تائید میں مخالفین، معاندین، منکرین قرآن و سنت کے جوابات احسن طریق سے دینے مطلوب ہیں وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

العبد الضعیف الحقیر محمد امیر کان اللہ لہ

مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا بلاک نمبر ۱۸

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ ۱۰ اگست ۱۹۶۹ء ۲۶ ساون ۲۰۲۶ بکرمی

اتوار بوقت عصر در جامع مسجد حنفیہ بلاک ۱۸

پیشِ لفظ

الکتاب المسطور فی جواب سماع الموتیٰ و تسکین الصدور

کا اب تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ عرصہ پندرہ ۱۵ سال قبل یہ تسکین الصدور کے جواب میں صرف تین ماہ کے اندر تصنیف، کتابت، طباعت کے مراحل طے کر کے منظرِ عام پر آئی تھی،

علمی حلقوں میں جس قدر اس کتاب کو عزت کی نظر سے پڑھا گیا اور اس تالیف کو سراہا گیا اس پر ہم خدائے عزوجل کے شکر گزار ہیں۔

پہلا ایڈیشن تو چند ہی ماہ میں ختم ہو گیا۔

پھر دوسرا ایڈیشن جب طبع ہوا تو وہ بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ابھی آرڈر آ ہی رہے تھے کہ دوسرا ایڈیشن بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔

پھر شائقین کی مزید طلب اور تشنگی کا احساس کرتے ہوئے اب تیسرے ایڈیشن کا اہتمام کیا گیا جو کہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ندائے حق کے خلاف بیسیوں کتابیں، پمفلٹ، پوسٹر، اشتہارات شائع ہوئے جن میں اکثر سوالات اور اعتراضات علمی سطح سے گرے ہوئے اور محض تعصب اور فرقہ بندی پر مبنی تھے جن کا قرآن و احادیثِ نبویہ سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

طلبائے کرام و علمائے عظام اور دینی حلقوں کے بار بار مطالبے کے پیشِ نظر ہم نے الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی مدظلہ العالی کی خدمت میں گذارش کی کہ کتاب

علمائے حق پر کیے گئے اعتراضات وشبہات کا قرآن وسنت کی روشنی میں اور فقہائے کرام ومحدثین ومتکلمین ومفسرین کے اقوال سے مزین اور تحقیقی دلائل اور براہین قاطعہ سے مبرہن ایسے مسکت جوابات دیں جو کہ قاری صاحبان کے لیے تسلیہ اور اطمینان قلب کا باعث ہوں۔ حضرت نے اپنی گوناگوں مصروفیات، درسی وتعلیمی سرگرمیوں کے باوجود اس دینی کام کا بیڑا اٹھالیا۔

اگرچہ پہلا ایڈیشن ۵ ۲ ۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ جلدی کی وجہ سے اکثر مباحث تشنۂ تکمیل رہ گئی تھیں لیکن طبع ثانی اور ثالث جو اب آپ کے زیر مطالعہ ہے ایک جامع علمی خزانہ ہے جو فاضل مصنف کے علم وفضل اور فہم وذکاوت کا شاہکار ہے۔ ہم خداوند قدوس کے حضور اس کی کرم نوازی پر ہزار بار شکر گزار ہیں کہ مولائے کائنات نے ہمیں اس مقدس و پاکیزہ دینی پروگرام میں کامیابی بخشی۔ ہزاروں رکاوٹوں اور پریشانیوں کے باوجود اس مسبب الاسباب کا بے انتہا لطف وکرم ہے کہ ہم مسلک حق کو آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

خداوند قدوس ہماری اس سعی کو شرف قبولیت سے نواز کر عام وخاص کیلیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

کتاب ہذا دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد کے دو جزء ہیں۔ پہلا جزء جو کہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں اصل مرکزی مسئلہ "حیاتِ انبیاء" کا مسئلہ ہے۔

اور دوسری جزء میں دوسرے فریق کے دلائل کے جوابات دیے گئے ہیں۔

اور دوسری جلد میں سماع موتی کے مسئلہ پر بحث ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم ہمیں کتاب کے باقی حصے بھی آپ تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ناظم المکتبہ الحسینیہ

جامعہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۸ ا سرگودھا

فہرس کتاب المسطور

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رسالہ خیر الصلات فی معنی الحیات والممات	۱۶	تمثیل بہ جبرائیل	۴۹
حیات کے معنی	"	شعبیؒ کی عبارت	۵۰
مولانا کے کلام میں تعارض	۲۰	حلیمی رحمہ	"
پیر جیلانیؒ کے بارے میں ایک غلط خیال	۲۲	مولانا کی عبارتوں میں دو تعارض	۵۱
حیاتِ انبیاء کا صحیح مفہوم	۲۵	چلنے اور خاک ہونے کے بعد بھی جسد	
کیفیت حیات بعد ممات	۲۷	عنصری قائم ہے؟	۵۳
علامہ سید آلوسیؒ کا فیصلہ	۳۰	تیسرا تعارض	"
حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق	۳۱	قول صاحب تسکین مخالف قرآن مبین	۵۴
سوال، جواب	۳۳	ورسول امین	
ایک اور سوال جواب	۳۴	معترض کو جواب	۵۶
تنبیہ	۳۵	حیات کیلئے روح کا جسم میں حلول ضروری	
الحاصل	۳۷	ہے؟	۵۷
سوالوں کے جواب	۳۹	موت کے معنی امام راغب کے نزدیک	۵۹
مراقی الفلاح کی ایک خبر کی تردید	۴۰	چوتھا تعارض	"
نبی اکرمؐ کی اپنی دی ہوئی مثال	۴۳	موت کی تعریف اور حقیقت۔	۶۰
امام غزالیؒ کی صاف عبارت اور مولانا		قرآن حکیم میں روح تدریج نکلنے کا ذکر	
کی پیوند کاری	۴۷	روح جسد عنصری سے نکل کر کہاں جاتی ہے؟	۶۱
تائید مسئلہ از مولوی عبد الحکیم سیالکوٹیؒ و [illegible]	۴۹	رسالہ کشف الستر عن معنی القبر	۶۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قبر کے معنی جمہور علماء امت محمدیہ کے نزدیک	۶۶	از محمد منظور نعمانی رح	۷۹
لغت عرب میں قبر کے معنی	۶۷	از محمد طاہر قاسمی رح	۷۹
اصطلاح شرع میں قبر کے معنی	"	از مفتی محمد کفایت اللہ رح	"
از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	۶۷	از مولوی محمد نجم الغنی رح	"
از شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح	۶۸	از مفتی محمد شفیع دیوبندی رح	۸۰
از مولوی محمد ابراہیم دہلوی رح	۶۸	از عبد الرحمن سلہٹی رح	۸۰
از امام شعرانی رح	"	از سعید بن نبہان حضرمی رح	"
از حکیم الامت تھانوی رح	"	از تھانوی رح بجواب ملاحدہ	"
از نواب قطب الدین دہلوی رح	۷۰	از تفسیر مرادیہ	۸۱
از اسعد الرحمن قدسی رح	۷۱	از امام البریلویہ احمد رضا خاں	"
از محمد عیسیٰ الہ آبادی رح	۷۱	سوال و جواب	۸۲
از علامہ ابن قیم رح	"	ایک اہم نکتہ۔	۸۷
از مفسر حقانی رح	۷۲	مزید تشریح از مولنا محمد ادریس کاندھلوی رح	۸۹
از محمد حسن سنبھلی رح	۷۳	تشریح از سحبان الہند رح	۹۲
از سید سلیمان ندوی رح	"	فائدہ	"
از محمد ادریس کاندھلوی رح	۷۶	قبر کا معنی قرآن پاک میں	۹۳
از شبیر احمد عثمانی رح	"	تفسیر آیۃ ثم اماتہ فاقبرہ	"
از وحید الزمان حیدر آبادی رح	۷۷	برزخ کیا ہے؟ در نہایہ، قاموس	۹۶
از امام طحاوی رح	۷۸	صراح، منتہی الارب، تاج العروس	۹۶، ۹۷
از قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح	۷۸	قبر بمعنی گڑھا لینا معتزلہ کا مذہب ہے۔	"
از عبد الماجد دریابادی رح	"		
از شیخ الہند رح	"	قبر بمعنی برزخ کثیر الاستعمال ہونے کا مطلب	۹۸

مضمون	صفحہ
برزخ کہاں ہے۔	۹۹
اقوال مفسرین و متکلمین دربارہ علیین و سجین۔	٫٫
سجین مقام برزخ	۱۰۳
احادیث نبویہ دربارہ علیین و سجین	۱۰۵
برزخ اربعہ عناصر سے بالا ہے (سیوطیؒ و انور شاہؒ و شاہ ولی اللہؒ)	۱۰۹
رسالہ سبیل الاعتدال فی بیان عالم المثال۔	۱۱۰
آیت قرآن سے عالم مثال کا ثبوت	۱۱۱
احادیث دالہ بر عالم مثال	٫٫
تشریح عز الدینؒ و ابن دحیہؒ و وہبؒ	۱۳۶
بن منبہ و تفتازانیؒ	٫٫
و تفسیر قاسمی و ملا علی قاریؒ و سعید بن جبیرؒ	۱۳۸
و امام ابن المنذرؒ و امام عبد العزیزؒ نیشاپوریؒ	۱۳۹
و خازن و شعرانیؒ	۱۴۲
شنقیطیؒ کا جواب سوال	۱۴۳
تفتازانی و نسفی	٫٫
و پانی پتیؒ و مجدد الف ثانیؒ و رازیؒ	۱۴۴
و بیضاویؒ	۱۴۵
اجماع سلف صالحین (صحابہؓ و تابعینؒ)	۱۴۶
شیخ زادہؒ کی تشریح۔	٫٫
وہ معتزلہ جو ارواح کے عذاب کے منکر ہیں۔	۱۴۷
از مواہب الرحمٰن۔	۱۴۷
از مولوی عبد الحکیم سیالکوٹیؒ	۱۴۸
سید محمد انور شاہ صاحبؒ	٫٫
مولانا نانوتویؒ	٫٫
تشریح تھانوی رح	۱۴۹
خیر البیانات	۱۵۰
سید سلیمان ندویؒ	٫٫
مذہب معتزلہ، ایک سوال و جواب	۱۵۱
پیر طریقت مولانا حسین علی رح	۱۵۲
تشریح شہرستانی و موضح القرآن	٫٫
و سید محمد انور شاہ صاحبؒ	۱۵۳
ساری بحث کا ماحصل و نتیجہ۔	٫٫
عالم مثال کا مشاہدہ نبی پاکؐ نے کیا	۱۵۴
از شرح الصدور	۱۵۶
از صحیح بخاری	۱۶۱
عذاب و ثواب قبر سمجھنے کے لیے خواب کی نظیر۔	۱۶۶
جسم مثالی کا اقرار، از مفتی "تجلیات"	۱۶۸
از مولانا تھانوی رح	۱۶۹
پانچواں تعارض	۱۷۱

مضمون	صفحہ
حسد کے معنی	۱۷۲
اعتراض کا جواب	"
معتزلہ کا مذہب	۱۷۳
تواتر حدیث، شاہ عبدالعزیز رح	۱۷۴
مولانا محمد شفیع دیوبندی رح	"
قبر کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کا اصل منشا	۱۷۵
رسالہ لطیفۃ القدس فی تفسیر آیت	
اللہ یتوفی الانفس۔	۱۷۶
قاضی پانی پتی رح	۱۷۷
شبیر احمد عثمانی رح	۱۷۹
عبدالماجد دریابادی رح۔	"
نعیم الدین مراد آبادی	۱۸۱
سبحان الہند رح	۱۸۱
محمد شفیع دیوبندی رح	۱۸۲
شیخ زادہ تھانوی رح	۱۸۴
صفدری خیانت	۱۸۵
صفدری جہالت	"
قربان سیوطی رح	"
امام عبدالعزیز رح	۱۸۶
دیگر عربی تفسیروں کے حوالجات	۱۸۷
تفسیر آیت واذا النفوس زوجت از بغوی رح	۱۸۸
و رازی و ابوالسعود و آلوسی و ابن کثیر رح	

مضمون	صفحہ
وابن جریر رح و نیشاپوری رح و شاہ ولی اللہ رح	
وابن عباس رض و عکرمہ رح و ضحاک رح وابوالعالیہ رح	
وسعید بن جبیر رح و شعبی رح و حسن بصری	
رحمہم اللہ	
تفسیر آیۃ یایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی	۱۹۰
الی ربک۔	
از بغوی و خازن وابوالسعود از عکرمہ	
وضحاک وابن عباس رض و معارف القرآن	
تفسیر آیت قیل ادخل الجنۃ	۱۹۲
از سبحان الہند رح	
و مدارک و خازن و عثمانی و جواہر القرآن	
دخول کا مفہوم	۱۹۳
تفسیر آیۃ قالوا ربنا امتنا اثنتین و	"
احییتنا اثنتین از شاہ عبدالقادر رح و	
تھانوی رح وابن عباس رض وابن مسعود رض و	
ابوالعالیہ رح و حسن رح و مجاہد رح و قتادہ رح و	
ابوصالح رح و ضحاک رح و عطا خراسانی رح وغیرہ	
و محمد شفیع رح و رازی رح و آلوسی رح و خازن	۱۹۵، ۱۹۶
وابن کثیر رح	۱۹۷
و عثمانی رح	"
الحاصل	۱۹۷
احادیث نبویہ در تائید آیات ربانی۔	۱۹۹

مضمون	صفحہ
ارواح المومنین فی الجنۃ، احادیث متواترہ	۱۹۹
پیر گولڑوی کا اعترافِ حق	۲۰۴
قبر سے صرف گڑھا مراد لینے کی خرابیاں	۲۰۵
برزخ والوں کا دنیا والوں کے ساتھ تعلق	۲۰۷
برزخ والے اور دنیا والے ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے۔	۲۰۸
وفات کے بعد اس جسدِ عنصری کے ساتھ رنج نہیں ہوتا	۲۰۸
دنیا میں پس پردہ دیکھ نہیں سکتے تو مرنے کے بعد کیسے؟	۲۰۸
قبر کی زمین اور ہے اور اہلِ دنیا کی زمین اور ہے۔	۲۱۰
ارضؔ کے معنی۔	〃
قبر کی وسعت اور تنگی سے مراد	۲۱۲
شیعہ سنی معتزلی سب کے نزدیک عذابِ قبر برحق ہے۔	۲۱۶
براء ابن عازبؓ کی حدیث جو اعادہ زندگی کے خلاف ہے۔	۲۲۳
اصولی قاعدہ	۲۲۴
ایک فقہی مسئلہ	۲۲۵
قرآن میں اشارہ کہ روح کے بغیر قبر میں محض مردہ جسم ہے۔	۲۲۶
ارواحِ شہداء بھی جسدِ عنصری کی طرف نہیں لوٹتیں، ارواحِ انبیاءؑ بھی۔	۲۲۷
حضرت بنوریؒ کی تقریظ پر ایک نظر	۲۲۹
پیرِ طریقت کی تحقیقِ انیق۔	〃
اعادہ روح والی حدیث متواترہ ہے۔	۲۳۰
یہاں تو سات مذاہب ہیں۔	
ازالہ وہم	۲۳۴
صاحب قرۃ العینین	۲۳۵
صاحب کشف المغالطات کو مغالطہ	۲۳۶
مغالطہ کا منشاء نمبر ۱، ۲	۲۳۷، ۲۴۰
قولِ فقہاء موید ہے ہمارے مدعا کا	۲۴۱
تاویلِ فقہاء میں بحث ہے	۲۴۱
حیاتِ ضروریہ	۲۴۲
حدیث میں احتمال ہے کہ لَیَسْمَعُ ہو۔	۲۴۳
سدی کا خیال اور تفسیر غلط۔	〃
سوال جواب ملائکہ کے لیے زندگی برزخی ہے۔	〃
جسدِ عنصری کے ساتھ دو ہی زندگیاں ہیں	۲۴۴
معنی کی رو سے سدی کا قول غلط ہے	۲۴۵

مضمون	صفحہ
سوال کا جواب	۲۴۸
رسالہ امع الاقوال فی شرح حدیث خفق النعال۔	۲۵۰
ردِ سہو ناسخ۔ اس کا جواب۔	۲۵۳
عطف کا مغالطہ	
بسا اوقات اپنے مسلک کے خلاف بھی مفسر تفسیر کر دیتے ہیں۔	۲۵۵
مجازی معنی کا مؤید ۲	″
مجازی معنی کی نظیر۔	۲۵۶
رسالہ فیض الجواد فی شرح مسئلۃ المبدأ والمعاد	۲۵۸
نسمہ کیا چیز ہے؟	″
شیعہ و معتزلہ کا مذہب کہ عہد الست صرف ارواح سے ہوا تھا۔	۲۶۳
انسان اور بدن عنصری میں فرق	۲۶۵
معادِ جسمانی	۲۶۷
معاد جسمانی پر شبہات کے جوابات	۲۶۸
انسان کس چیز کا نام ہے؟	۲۷۴
سائنس اور اسلام کی عبارت	۲۸۷
حیات برزخیہ میں علماء کا شدید اختلاف	۲۹۴
نقشہ	۲۹۶
پیٹ کے کیڑوں سے مثال غلط	۲۹۷

مضمون	صفحہ
خواب کی مثال غلط	۲۹۷
سورج کی مثال غلط	۲۹۸
تمثیلات عقاید کی بنیاد نہیں۔	۲۹۹
معتزلہ کی طرف سے سوال کا جواب اور ردِ جواب۔	۲۹۹
معتزلہ کی طرف سے سوال کا جواب اور ردِ جواب۔	۳۰۴
امکان عقلی مستلزم وقوع نہیں۔	۳۰۵
امکان عقلی ہو تب بھی بدن عنصری	۳۰۷
کو حیات نہ ملنے کی اصل وجہ، تھانویؒ	″
رازیؒ و شاہ عبدالعزیزؒ	۳۱۰، ۳۱۱
جعلی تطبیق۔	۳۱۱
تطبیق کے غلط ہونے کی وجہ نمبر ۱ و ۲	۳۱۳
ارواح کا جسد عنصری سے تعلق۔	۳۱۴
عود روح یا اتصال	۳۱۵
عود کے حقیقی معنی نہ لینے کی وجہ	۳۱۹
حتی کے معنی۔	۳۲۲
عود روح یا اتصال کونسے جسم میں؟	۳۲۳
حضورؐ کی تعمیم حیات	۳۲۵
ابن قیمؒ و شاہ عبدالعزیزؒ	″
رسالہ البیان فی کیفیۃ تعلق الروح بالابدان۔	۳۲۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
امام بخاریؒ کا مسلک، مولانا کا فرمول	۳۳۱	نزعا من الحیوٰۃ کا مفہوم	۳۴۹
تعلق دخیل نہیں، اتفاقی اور معنوی ہے	۳۳۳	مولانا کاندھلویؒ کی تعبیر	۳۵۰
ابن قیمؒ کی تحقیق، سوال و جواب،	۳۳۴	تفسیر آیت النار یعرضون علیہا	۳۵۱
ملا علی قاریؒ کی توجیہ میں بحث،	۳۳۶	متاخرین معتزلہ کا مسلک۔	۳۵۳
الحاصل	"	اتصال روحانی کی نظیر	۳۵۴
رسالہ فیض الودود فی تفسیر آیت	۳۳۸	حیات برزخیہ ناقصہ پر حیات کا	"
تبدیل الجلود		اطلاق مجازی ہے۔	"
بعض کا خیال اور خیالیؒ کا جواب	۳۳۹	بیضاویؒ کی عادت	۳۵۵
مولوی سیالکوٹیؒ	۳۴۰	ثم الیہ ترجعون میں استنباط مولانا	
محشی قرہ کمالؒ کا اعتراض	۳۴۰	کا جواب،	۳۵۶
فاضل لاہوریؒ کا جواب	۳۴۱	چند مفید باتیں۔	۳۵۷
شیخ ع کی تقریر	۳۴۱	میت کو نائم کے ساتھ تشبیہ دینے	
بیضاوی کی تفسیر اور شیخ زادہ		کی صحیح توجیہ۔	۳۵۸
کی تشریح۔	۳۴۳	حدیث القبر روضۃ پر بحث	۳۶۱
مترجمین کے تراجم	۳۴۴	قبر عرفی کو غیر مسلم لوگ جنت و دوزخ	
ایک مشہور اور اہم سوال	۳۴۵	کہتے ہیں۔	۳۶۲
اور مولانا نانوتویؒ کا جواب	"	شرح معنی انا للہ و انا الیہ راجعون	
معتزلہ کا اعتراض اور اہل سنت کا جواب	۳۴۶	از نانوتویؒ	۳۶۳
اس جواب پر صاحب نبراس کا اعتراض		تشریح کل نفس ذائقۃ الموت	۳۶۸
نیلویؒ کی تشریح	۳۴۷	موت کفار کی نظر میں	
علم عقاید والے برزخی حیات کو		تمام بحث کا ماحصل	۳۷۰
حیات ضعیفہ مانتے ہیں۔	۳۴۸		

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رسالہ ازالۃ الخفاء عن حیاۃ الانبیاء	۳۷۴	فتوٰی مفتی اعظم دیوبند رح	۴۳۷
موحدین پر بہتان انکار حیاۃ الانبیاء		فتوٰی مفتی محمد شفیع صاحب رح دیوبندی	۴۳۸
کی ابتداء	۳۸۸	علامہ ابراہیم حلبی	//
حضرت شاہ اسماعیل شہید رح پر		صاحب مستخلص۔	۴۳۹
یہ جھوٹا بہتان۔	۳۸۸	صاحب غنایہ	۴۴۰
اسباب تصنیف تقویۃ الایمان	۳۸۹	حفظ الرحمٰن سیوہاروی	۴۴۰
تقریر مولٰنا محمد منظور نعمانی مدظلہ	۳۹۵	محمد ادریس کاندھلوی رح	۴۴۴
مراد آبادی کا شاہ صاحب رح پر بہتان	۳۹۷	عبدالحق حقانی	۴۴۷
اور عزیز الدین صاحب کا جواب	//	مذہب شافعیہ و جنازہ بر قبر النبی ص	۴۵۰
صحابۂ کرام رض کے مرثیوں میں		شہداء کا جنازہ	۴۵۱
شاہ صاحب رح کی تائید۔		مولٰنا عثمانی رح	۴۵۴
انبیاء کرام ع پر اموات کا اطلاق	۴۰۶	سید اصغر حسین دیوبندی	۴۵۵
مؤرخین اسلام کا تحقیقی بیان	۴۰۹	سوال کا جواب	۴۵۷
نبی پاک ص کی وفات ، دلائل		عالم تفسیخ سے عدم عود روح کا مسئلہ	۴۶۳ ۔
آپ ص کو میت کہنے والوں کی فہرست	۴۲۲	فہم خصم کی غلطی پر تنبیہ	۴۶۴
امام ابوحنیفہ رح کا مذہب	۴۲۷	مذہب امام اعظم رح	۴۶۵
تالیسی اور صاحب مواہب کا مذہب	۴۲۸	قبور انبیاء کی خصوصیت	۴۶۶
جامع زبدۃ العقائد، تعلیم الاسلام		ایک سوال کا جواب۔	۴۷۰
ترکمانی رح ، تھانوی رح	۴۳۱	قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سعید	
شیخ چراغ دہلوی رح	۴۳۶	بن المسیب کا آواز سننا۔	۴۷۳
فتوٰی مفتی اعظم ہند	//	حفیظ جیسد تی م پر اعتراض کا	
سرفراز صاحب کے قلم سے ظہور حق	۴۳۷	جواب	۴۷۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
انبیاء و شہداء کی حیات برزخیہ میں تفاوت درجات	۴۸۳	ان کے برحق علامہ مشرقی کا بدعقیدہ کہ نعوذ باللہ آپ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے	
شاہ ولی اللہ کا بیان دربارہ وفاۃ النبی ﷺ	۴۸۵	مصنف خدا لگتے حق اس باطل عقیدہ سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہے۔	۵۲۸
سید حفیظ الدین احمد کا بیان دربارہ حیات الانبیاء	۴۸۹	بیت النبی ﷺ کی بجائے قبر النبی ﷺ کہنے میں اقرار وفات ہے۔	۵۲۹
حیات برزخیہ مثل حیات دنیا نہیں	۵۰۰		
نیز وفات سے نبوت زائل نہیں ہوتی	۵۰۶	صحابہ بعد وفات دنیوی جسمانی عنصری زندگی کے قائل نہ تھے۔	۵۳۰
عقیدہ وفات النبی ﷺ کی تعلیم والدین پر واجب ہے۔	۵	متبعین ابن فورک و سبکی کے دو نظریے مع تردید۔	۵۳۷
وفاۃ النبی کا منکر فرقہ کرامیہ	۵۱۲		
" " " ابن فورک	۵۱۲	حاصل کلام از شیخ القرآن	۵۵۰
اول منکر وفات النبی ﷺ منافقین	۵۱۴	حیاۃ النبی ﷺ پر حکیم الامت کی حکیمانہ تقریر	۵۶۱
دوسرا گروہ منکر وفاۃ النبی ﷺ شیعہ	۵۱۸		
دوسرے گروہ کا قول قبر سے ہاتھ نکلا	۵۱۹	حرمین کے اماموں کے فتوے	۵۶۸
حیاۃ النبی ﷺ سے ایک قدم آگے	۵۲۰	المہند کی تقریظ پر سوال کا جواب تعلیم الاسلام	۵۷۱
تیسرا گروہ منکرین وفاۃ النبی، متبعین ابن فورک	۵۲۲	عالم برزخ میں حیات کی کیفیت	۵۷۲
ایک قدم اور آگے۔	۵۲۴	حضرت نانوتوی رح اور صاحب تسکین کے عقیدے میں فرق۔	۵۷۵
حیات النبی ﷺ کے بارے مرزا قادیانی کا عقیدہ	۵۲۶	صاحب تسکین کا کتمان حق	۵۷۷
حیات النبی ﷺ کے بارے ہندوؤں کا عقیدہ۔	۵۲۷	تفصیل مسلک اہل حق دس فی الکتب کا اثبات	۵۸۸

مضمون	صفحہ
صاحب تسکین کا دعویٰ حیاۃ دنیویہ برزخیہ کا اس پر اشکالات	۵۹۸
حضرت نانوتوی کے نزدیک حیاۃ انبیاء وشہداء میں بہت فرق ہے۔	۶۰۸
صاحب تسکین کے نزدیک حیاۃ انبیاء وشہداء میں چنداں فرق نہیں۔	”
العارفون لا یموتون پر بحث	۶۱۰
حیاۃ شہداء اور قرآن حکیم	۶۱۲
شہداء کے بارے منافقین کا غلط نظریہ	”
فرقہ معتزلہ کی غلط توجیہ حیاۃ شہداء کے بارے	۶۱۳
” ” ” عـ۲ ” ”	۶۱۷
” ” ” عـ۳ ” ”	”
اہل سنت کا مسلک حق	۶۱۸
از بیر جندی وعینی الہدایہ وکاسانی و سرخسی۔	۶۱۹
از نانوتوی و شیخ الہند رح	۶۲۱
از شیخ التفسیر کاندھلوی رح	۶۲۲
از علامہ سندھی رح	۶۲۵
از شیخ القرآن رح	۶۲۵
از مولانا عثمانی رح وعبدالحق حقانی،	۶۲۹
وپیر طریقت مولانا حسین علی۔	۶۳۰
الانبیاء بمقام ارواح الانبیاء	۶۳۱

مضمون	صفحہ
مختلف نظریے، عثمانی رح	۶۳۳
آلوسی، عبدالحق، سید محمد انور شاہ بیہقی،	۶۳۴
باقی دار العلوم	۶۳۵
مقام ارواح شہداء	۶۴۰
مقام ارواح مومنین	۶۴۳
مقام ارواح کفار	۶۴۴
مقام ارواح صحابہ کرام کے کلام میں	۶۴۶
سماع عند قبر النبی ﷺ کے صحابہ قائل نہ تھے	۶۴۸
اہل اصول کا اصل عظیم	۶۴۹
امام ابن تیمیہ رح کی تحقیق۔	۶۵۳
عمر بن عبدالعزیز رح کا رویہ	۶۵۴
ابن عمر رض کا تفرد	۶۵۶
حضرت عمر رض کا ٹوکنا	۶۵۷
اجماع صحابہ رض	۶۵۷
قبر النبی ﷺ کی تشبیہ بیت اللہ سے	۶۵۸
اعتراض اور جواب	۶۵۹
نبی ﷺ کی نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل عـ۱	۶۶۱
” ” ” ” ” دلیل عـ۲ و عـ۳	۶۶۲
بھلا اپنے آواز بھی سن لیتے ہیں؟	۶۶۳
مفتی اعظم ہند کے فتوے،	۶۶۴
فتویٰ گنگوہی رح۔	۶۶۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۵	۴۶۶	ایک ضروری بحث	۷۱۱
〃 〃 〃 〃 ۶	۴۶۷	اعتراض اور جواب	۷۱۳
〃 〃 〃 〃 ۷ و ۸	۴۶۸	شیعہ کا سوال اور اس کا جواب	۷۱۵
〃 〃 〃 〃 ۹	۴۷۲	شیعہ کتب کی عبارات	۷۱۶
〃 〃 〃 〃 ۱۰	۴۷۳	اس پر اہلسنت کا اعتراض	۷۱۶
〃 〃 〃 〃 ۱۱	۴۷۵	اصل حقیقت	۷۱۶
〃 〃 〃 〃 ۱۲	۴۷۸	شیعہ پر نانوتویؒ کا اعتراض	۷۱۷
〃 〃 〃 〃 ۱۳	۴۷۹	نانوتوی کے کلام کی تشریح	۷۱۷
〃 〃 〃 〃 ۱۴	۴۸۰	تطبیق قاسمیؒ مولٰنا سے سوال	
وفاۃ النبی کے عقیدہ سے انکار رسالت لازم نہیں آتا	۴۸۴	مولٰنا سے سوال ۲ و ۳ و ۴	تا ۷۲۲
مسئلہ حیات الانبیاء اور متقدمین احناف	۴۸۷	مولٰنا کا ہم پر بیجا تحقیق الزام	۷۲۳
عبارات علماء کی تطبیق	۴۹۴	مولٰنا بریلویہ کے پلیٹ فارم پر	۷۲۴
صاحب تسکین کی ہیرا پھیری	۴۹۴	مولٰنا کو جواب ان کے اپنے قلم سے	〃
حیات انبیاء کی مختلف تعبیریں	۴۹۶	انبیاء کا موروث نہ بننا دنیویہ عنصریہ	
مسلک اہل حق	۷۰۱	حیات کی دلیل نہیں۔	۷۲۶
(۱) مطالبہ میراث دلیل وفات ہے	〃	امتیوں کو ازواج مطہرات سے	
ابو بکرؓ کا جواب	تا	نکاح کی حرمت حیات انبیاء	
حدیث ۲ و ۳		دنیویہ عنصریہ کی دلیل نہیں۔	۷۲۷
〃 ۴ و ۵ احادیث کا تواتر	۷۰۴	آپؐ کی منکوحہ غیر مدخول بہا	
روافض بھی مان گئے۔	۷۰۵	کا حکم۔	۷۲۸
جعلی شیعہ کا سوال اور اس کا جواب	۷۰۶	فتوٰی مفتی اعظم پاکستان	۷۳۲
قبول رز کا امت پر احسان عظیم	۷۰۸		
روایت بالمعنیٰ	۷۰۹	(تمت الفہرس)	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مٰلک یوم الدین ہ یحیی ویمیت وھو علی کل شیئ قدیر ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً وھو العزیز الغفور وقال اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی وقال اذا النفوس زوجت وقال ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون وقال ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ہ

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا و مولٰنا محمد سید الرسل وخاتم النبیین الذی نصحنا بقولہ اکثروا ذکر ھاذم اللذات و قال تحفۃ المومن الموت وعلی اٰلہ واصحابہ الذین شادوا الدین واشاعوہ بعد ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المشارق والمغارب والجنوب والشمال۔

اما بعد! بندہ ہیچمدان خادم علوم قرآن محمد حسین النیلوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ وللاساتذتہ عارض ہے کہ ۱۵ سال کا عرصہ ہو چکا ہے کہ بریلویہ عقیدہ کی تردید میں شفاء الصدور کتاب لکھی تھی پھر امید کے بالکل برعکس بریلوی چپ ساد ہو گئے مگر دیوبند دارالعلوم کے فارغ جو قبل ازیں پرد بریلویت میں تسلی بخش کام کرتے رہے ہیں یعنی حضرت مولٰنا محمد سرفراز خان صاحب نے شفاء الصدور کی تردید میں "تسکین الصدور" لکھی، پھر "ندائے حق" میں حق واضح کیا گیا چاہیے تھا کہ شمن ایک ہونے کی وجہ سے خاموش ہو جاتے مگر "سماع موتٰی" و طبع جدید تسکین الصدور لکھ کر بریلویت کے خشک درخت کو پانی دیدیا جس سے وہ ہرا ہو کر خوب برگ وبار نکالنے لگ گیا ہے۔

احقاقِ حق کے لیے دوبارہ "ندائے حق" لکھی جس میں مولانا کے سارے طلسم سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے۔ کتاب ہٰذا کے دو حصے ہیں پہلے حصے کے دو جزو ہیں موت و حیات و قبر و برزخ کے معنی اور عالمِ مثال کا اثبات، بیان مقامِ ارواح و تعلق ارواح با ابدان و عذاب و ثواب قبر و مفہوم حیاتِ انبیاء و عقیدۂ حیات و وفاتِ انبیاء کے بارے میں مفصل بحث ہے اور جزو ثانی میں مخالف کے دلائل کا تجزیہ ہے۔

خیر الصلات، فی معنی الحیاۃ والممات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ السمیع العلیم البصیر الخبیر الغفور الذی وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد والہ واصحاب الذین بلغوا رسالات ربھم واقاموا فی اعلیٰ علیین۔

بعد از حمد و ثنا و صلوٰۃ و سلام عرض ہے کہ مسئلہ سماع موتیٰ سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حیات اور موت کا مفہوم کیا ہے پھر یہ سمجھیں کہ روح کا جسد عنصری کے ساتھ تعلق بعد الممات رہتا ہے یا نہ، اگر رہتا ہے تو وہ کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اور مقام ارواح کا کونسا ہے اسلیے ہم پہلے موت و حیات کا مفہوم سمجھاتے ہیں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

حیات کے معنی

صاحب تسکین نے حیات انبیاء و شہداء پر بہت زور دیا ہے حالانکہ بعد از موت حیات ثانیہ برزخیہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس حیات ثانیہ برزخیہ کا انکار قطعیات و محکمات کا انکار ہے۔ لیکن حیات کے ساتھ اپنی ناصواب دانش و فہم سے عنصری کی قید بڑھانا اور اس قید کو حسی کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی صحابی سے مروی ہے۔ نہ کسی تابعی سے نہ تبع تابعین، نہ کسی مجتہد اور امام سے نہ کسی مفسر اور شارح نہ کسی متکلم اور صوفی سے ثابت۔ غرض جس قید کو سلف و خلف میں سے کسی محقق نے ذکر نہ کیا ہو پر زور دعووں سے بلا دلیل ثابت کرنا اور اس دعوے بلا دلیل کی دلیل کا مطالبہ کرنے والے کو بجائے دلیل بتانے کے اور براہین قاطعہ سے سائل کی تسلی کرنے کے، سائل کو منکر حیات انبیاء و شہداء کہہ کہہ کر لوگوں میں بدظنی پھیلانا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں خوف خدا انہیں رہا یا نہیں۔

آنے والی تحقیق کا مطالعہ کرنے کے بعد انشاء اللہ تسلی ہو جائے گی کہ مرنے کے بعد بھی

انسان زندہ ہی رہتا ہے مگر لباس و مکان بدل لیتا ہے۔ تبدیلی لباس جدید و مکان جدید سے جیسے انسان کو فرحت یا غمی ہوتی ہے مگر مرتا نہیں ایسے ہی جسدِ عنصری کا لباس اتار کر جسد مثالی کا لباس پہن لینے اور دارِ دنیا سے منتقل ہو کر دارِ برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا جیسے وہاں عقل و شعور برقرار رہتا ہے ایسے ہی یہاں بھی عقل و شعور قائم رہتا ہے۔ جیسے جو کراچی سے پشاور گیا وہ کراچی والوں کو نہ دیکھ پہچان رہا ہے اور نہ ان کی آوازیں سُن رہا ہے اور نہ کراچی والے اس کو جان پہچان رہے ہیں نہ اس کی آواز سُن رہے ہیں۔ ایسے ہی دارِ دنیا والے دارِ برزخ والوں کو نہ جان پہچان سکتے ہیں اور نہ ان کی آواز سن سکتے ہیں اور نہ دارِ برزخ والے دارِ دنیا والوں کو جان پہچان سکتے ہیں اور نہ ان کی آواز سُن سکتے ہیں۔ رہا خرقِ عادت معجزہ اور کرامت و معونت سو اس سے بحث نہیں اور نہ ہم معجزات و کرامات کے منکر ہیں، جو سندِ صحیح سے ثابت ہو جائے اسے ہم مانتے ہیں بشرطیکہ ایسی خبر واحد نہ ہو جو قرآن یا حدیث متواتر یا مشہور سے ٹکرائے۔

صاحبِ تسکین نے حیات کے معنی صرف یہی سمجھے ہیں: تعلق الروح بالبدن العنصری تعلق الدخول اوالاشراف اوالاشراق یہی لغزش ہے جو صاحبِ تسکین سے ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حیات کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۹۲

(۱) ایک تو متعارف اور مشہور معنی ہیں الحیوٰۃ صفۃ تقتضی الحس والحرکۃ الارادیۃ (مختصر معانی) ایسی صفت جو حس اور حرکتِ ارادیہ کی موجب اور مقتضی ہو حیات کہلاتی ہے۔

(۲) قوتِ نامیہ بر سبیلِ استعمال طاقت جو جاندار چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے اور درختوں اور دیگر پودوں میں بھی، اسی معنی کو آیۂ کریمہ وجعلنا من الماء کل شیٔ حی میں مراد لیا گیا ہے یعنی پانی سے تمام جاندار چیزیں بنائیں۔

(۳) قوۃ عاقلہ اسی قبیلہ سے ہے اَوَمَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنٰہُ، کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور ہم نے اس کو نورِ ایمان بخشا۔

ایک شاعر نے کہا ہے لقد اسمعت لو نادیت حیا ۔ ولکن لا حیاۃ لمن تنادی، یعنی اگر تو کسی زندہ (عاقل) کو آواز دیتا تو ہم کہتے کہ تو نے اس کو سنا دیا ہے لیکن کیا کریں جسے تو

آوازدے رہا ہے اس میں تو ذرہ بھر حیات یعنی عقل نہیں۔

(۴) ارتفاعِ غم جیسے شاعر نے کہا ہے: لیس من مات فاستراح بمیت ٭ انما المیت میت الاحیاء،
وہ مرا ہوا میت نہیں ہے جو مرکر سکھ پا گیا ہے۔ میت تو وہی ہے جو زندوں میں رہ کر
غموں میں مبتلا ہے۔

(۵) حیاتِ اخروی دائمی جو علمِ شرع اور عمل و عقل کے ذریعے خداوند کریم کی رحمت سے
نصیب ہوگی۔

(۶) حیاتِ دائمی جس کے بعد موت کا آنا محال ہے اور وہ صفت مختصہ ذاتِ باری تعالیٰ
کی ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

(۷) معنی مجازی باعتبار ماٰیؤول الیہ کے (مجاز مشارفۃ جیسے من قتل قتیلاً فلہٗ سلبہ)
یعنی جو قیامت کو زندہ ہوں گے ان کو ابھی سے زندہ کے ساتھ تعبیر کردیا۔

(۸) دنیا میں ذکرِ جمیل کا باقی رہنا اور آخرت میں اجرِ جزیل کا عطیہ ملنا۔

(۹) اجساد و ابدانِ عنصریہ کا اپنے اپنے مدفنوں میں صحیح سلامت باقی رہنا اور زمین
میں بوسیدہ نہ ہونا۔

(۱۰) مُردہ کو مرنے کے بعد نہلانے کا حکم ہے۔ زندہ کو نہلانے کا حکم نہیں، سو اب جو ایسا میّت
ہو جسے نہ نہلانے کا حکم ہو بلکہ بغیر نہلانے کے دفن کرنے کا حکم ہو اسے "زندہ" کہا گیا
سو اس معنی کے رُو سے "زندہ" کا اطلاق صرف شہدائے کرام پر آئے گا۔ انبیاء علیہم
السلام کو اس معنی کے رُو سے زندہ نہ کہا جائے گا۔

(۱۱) احادیث کا مطالعہ کرنے سے حیات کے معنی "نموِ عمل" یعنی مفہوم ہوتے ہیں۔ الحاوی
للفتاوی ج ۲ ص ۱۸۱ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مسند احمد اور سنن ابی داؤد کے حوالے سے
حدیث نقل فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ مَیِّتٍ یُخْتَمُ عَلٰی عَمَلِہٖ اِلَّا الَّذِیْ مَاتَ
مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یُنْمٰی عَمَلُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَیُؤْمَنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ۔ یعنی راہِ خدا میں
جو کیدارہ کرتے والا مر بھی جائے تو قیامت کے دن تک اس کے اعمال برابر بڑھتے ہی چلے
جاتے ہیں اور قبر کے امتحان سے بھی بچ جائیگا اسکے علاوہ مرنے کے بعد ہر شخص کے اعمال سربمہر

کر دیئے جاتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے جس کے بارے میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۶ میں فرمایا کو الاعتماد علی کلام الراغب فی مثل ذالک ارغب عند المحققین (محققین کے نزدیک ایسے مواقع پر راغب کے کلام پر اعتماد کرنا بہت مرغوب ہے) حیات کا چوتھا معنی (ارتفاع الغم) ذکر کر کے استشہاد میں اللہ تعالے کا کلام پیش فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم اور اس کی تشریح اس طرح فرمائی انھم متلذذون لما روی فی الاخبار الکثیرۃ فی ارواح الشھداء (مفردات راغب ج ۱ ص ۱۳۸) یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ یہ خیال نہ کرنا کہ مردے ہیں بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں یعنی وہ لوگ لذتیں اٹھا رہے ہیں اور مزے لے رہے ہیں یہ بیان احادیث کو مدنظر رکھ کر کیا ہے جو شہداء کے ارواح کے بارے میں بہت سی احادیث میں روایت کیا گیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ امام لغت نے اس آیت کریمہ میں حیات کے معنی تلذذ اور ارتفاع غم کے لیے ہیں نہ معنی متعارف اور دلیل میں احادیث کثیرہ کا حوالہ پیش فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام راغب کے نزدیک احادیث کثیرہ میں جو حیات کا ذکر ہے اس حیات سے مراد یہی تلذذ اور ارتفاع غم ہی ہے اور یہ معنی حیات کے امام راغبؒ کے نزدیک نہیں کہ ان شہداء کے اجسادِ عنصریہ میں روح داخل کر دی جاتی ہے یا ان کا باہم تعلق اشراف یا اشراق کا ہوتا ہے۔

یہی معنی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں مراد لیے ہیں کیونکہ حیات کے مدمقابل "موت" ہے اور قاعدہ ہے تعرف الاشیاء باضدادہا۔ ایک چیز کی ضد کو دیکھ لیا جائے تو اس سے خود اس چیز کی بھی پہچان ہو جاتی ہے کہ وہ ایسی ہے۔ تو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے "اموات" کے معنی لکھے ہیں اموا تا غیر مستشعرین باللذات و النعماء (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۱۵۱) یعنی انہیں مزوں اور نعمتوں کا شعور نہیں۔

تو جب موت کے معنی ہوئے عدم استشعار لذات و نعماء تو حیات کے معنی یہی ہوں گے الاستشعار باللذات والنعماء یعنی مزوں اور نعمتوں کا شعور رکھنا۔

مگر محترم کا دو رُخہ کلام ملاحظہ ہو

تعارض

محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۸۱ میں خود تحریر فرمایا ہے کہ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں جس میں روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں مگر ص ۲۴ میں اس کے خلاف لکھ دیا کہ "فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدون روح کے اس کا تصور نہیں ہو سکتا"۔ اب معلوم نہیں پہلی بات صحیح ہے یا پچھلی؟

بہرحال اس دار فانی یعنی دنیا میں انسان اپنا مقررہ وقت گزار کر کے جب عالم برزخ میں جاتا ہے تو وہاں وہ زندہ ہوتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کے وقت بھی وہ زندہ ہی تھا۔ ورنہ وہ خدا کا خطاب "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" خطاب معدوم کو ہو گا اور "بَلیٰ" کا لفظ معدوم کا بول ہو گا تو جیسے وہاں کی زندگی بغیر جسد عنصری کے تھی ایسے ہی عالم برزخ کی زندگی بغیر جسد عنصری کے ہوتی ہے نہ وہاں مکلف اعمال تھا نہ یہاں مکلف اعمال، مکلف زندگی صرف عالم دنیا میں ہوتی ہے، عالم ارواح میں جب تھے تو جزا و سزا نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے مکلف زندگی نہ تھی جس کی جزا و سزا ملے اور اس میں جسد عنصری نہیں دیا گیا تھا کیونکہ وہاں کی زندگی میں اس سے اعمال کی تکلیف دینا نہ تھا کہ آلات کی ضرورت ہوتی، پھر جب اللہ کو منظور ہوتا ہے، عالم ارواح سے نکال کر عالم دنیا میں لانا جس میں اعمال کا مکلف ہو تو پہلے پہلے عالم بطنی میں جسد عنصری تیار فرماتا ہے تاکہ عمل کرنے کے لیے روح کو آلہ دیا جائے جب آلہ اعمال جسد عنصری عالم بطنی میں تیار ہو جاتا ہے تب روح کو حکم فرماتا ہے وہ اس جسد عنصری میں داخل ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑھاتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پوری طاقت اس میں آجاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو اعمال کا مکلف بنایا جاتا ہے پھر جب تک اسے دنیا میں رکھنا خدا پاک کو منظور ہوتا ہے رکھتا ہے مقررہ وقت آجاتا ہے تو اس کے اعمال کو مرنے کے ساتھ مہر بھر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی اس جسد عنصری

سے روح کو نکلنے کے بعد جب عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو اس سے وہی ایفائے عہد اور میثاق کا سوال ہوگا جو سب سے پہلے عالم ارواح میں عہد کروالیا گیا تھا کہ عالم دنیا دار التکلیف میں رہ کر جب کہ ہر قسم کی نعمتیں دے کر آلات عمل (جسد عنصری) سے مالا مال کیا تھا تو نے اس عہد کو پورا کیا یا عہد شکنی کی؟ نیا مَنْ رَبُّكَ تیرا رب کون ہے۔ رب کی پہچان کرانے والے پیغمبر کے متعلق سوال ہوگا مَنْ نَبِيُّكَ تیرا نبی کون ہے۔ نبی کی تعلیم کا سوال ہوگا مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے؟

توجس سے عالم ارواح میں عہد لیا گیا تھا اسی سے عالم برزخ میں ایفائے عہد کا سوال ہوگا کہ جو تو نے عالم ارواح میں میرے ساتھ پختہ عہد کیا تھا اس عہد پر دار دنیا میں (دار التکلیف) میں رہ کر بیکار رہا، معتبوط رہا، کاربند رہا یا اس عہد کو باوجود یاددہانی کے دنیا کے نشہ میں آکر بھول گیا اور توڑ دیا۔ تو جس زبان سے اس روح نے عالم ارواح میں شعور و ادراک رکھتے ہوئے جن کانوں سے سُن کر جواب دیا تھا عالم برزخ میں بھی وہ روح شعور و ادراک رکھتے ہوئے انہی کانوں سے منکر نکیر کا سوال سُن کر جواب دے گا۔

اگر دنیا میں اس عہد پر کاربند رہا تو اللہ کی توفیق سے اس امتحان میں کامیاب ہو جائیگا ورنہ ناکام

قیامت کا ایک دن مقرر ہے جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر دنیا تک سب انسانوں اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے جو انسان مرتا ہے تھوڑی دیر کے لیے عالم برزخ میں رکھا جاتا ہے اس میں اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔ یہ رہنا کوئی خواب کی طرح نہیں ہوگا جیسے بعض لوگ سمجھتے ہیں، خواب تو مثل مشہور ہے خواب خیال ہوتا ہے بلکہ یہ حقیقت واقعیہ ہے سچ مچ اس کو جزا و سزا ملتی ہے۔ اگر عالم برزخ میں زندگی اور حیات نہ مانیں تو عذاب قبر اور تنعیم قبر کا انکار لازم آتا ہے حالانکہ عذاب و ثواب قبر کے متعلق متواتر احادیث وارد ہیں بلکہ قرآن پاک کی بہت سی آیات سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے اور علماء امت نے عذاب و ثواب قبر کے انکار کو کفر کہا ہے۔

اب رہا کیفیت کا سوال کہ وہ عذاب و ثواب قبر کیسے ہوتا ہے تو اسلم طریقہ تفویض الی اللہ

کا ہے یعنی اس کیفیت عذاب وثواب قبر کو اللہ کے حوالے کریں، وہ عذاب وثواب آپ ہی دیتا ہے آپ ہی اس کی کیفیت کو جانتا ہے اور اس شخص کو محسوس ہوتا ہے جیسے عذاب وثواب ہو رہا ہے، وہ روتا یا ہنستا ہے (تفصیل شرح عقائد تصنیفہ محشی محمد حسن ملقب سنبھلی میں دیکھو)

عالم دنیا میں رہ کر اپنے پہلے دونوں عالموں (عالم ارواح وعالم البطن) کا کچھ علم نہیں سب بھول بھال گئے، نہ وہ عہد میثاق یاد ہے اور نہ وہ ارواح کی دوستیاں و دشمنیاں یاد ہیں جو عالم ارواح میں باہم تھیں، بلکہ عالم البطن بھی یاد نہیں بلکہ عالم دنیا میں بچپن میں جو حالات گزرے وہ بھی یاد نہیں لیکن مرنے کے بعد یعنی عالم دنیا میں سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد عالم دنیا کی تمام باتیں خوب یاد ہوں گی سارے اعمال سامنے آجائیں گے کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جو دنیا میں اسے پیش آیا ہو اور اب یاد نہ ہو اگرچہ دنیا میں نسیان کا مریض ہو قوت یادداشت اور قوی ہو جائے گی اور اس عالم کا شعور وادراک دنیا کے شعور وادراک سے بڑھ کر ہوگا اور یہی شعور وادراک ہے جس کے انکار کو امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کفر کہا ہے (اور صاحب تسکین نے ہمارے خلاف سمجھ کر نقل کیا ہے۔)

مگر اس شعور وادراک کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ جو زائر اس کے جسد عنصری کے پاس آتا ہے تو اس کی نگاہ باوجود آنکھیں بند ہونے کے اور کفن میں مستور ہونے کے اور اوپر سے ہزاروں من مٹی پڑنے کے اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ تینوں پردوں کے اندر سے دیکھ لیتی ہے اور دل پہچان جاتا ہے اور زائر کی آواز سن لیتا ہے اگرچہ اس کے دیکھنے کی آنکھیں اور سننے کے کان اور سمجھنے کا دل خاک ہو جائے یا راکھ ہو جائے یا میت کی لاش ہی غائب ہو جائے۔

پیر صاحبؒ کے بارے میں عوام کا غلط خیال اور انکشافِ حقیقت

جیسے عوام کالانعام حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر پر جاکر السلام علیکم وغیر ذالک کہتے ہیں اور ان سے حاجتیں، مرادیں، امدادیں مانگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کی ذات گرامی قبر مبارک میں صحیح سلامت تشریف فرما ہے وہاں وہ سنتے ہیں ہمیں دیکھتے پہچانتے ہماری حاجتیں مرادیں سن کر خود پورا کرتے ہیں یا خدا پاک سے کہہ کر پورا کروا دیتے ہیں حالانکہ اس قبر کے اندر پیر صاحبؒ کا جسم مبارک نہیں ہے بلکہ پیر صاحبؒ کا جسم مبارک سلامت بھی نہیں رہا تھا، خاک ہو چکا تھا کچھ ہڈیاں باقی تھیں جنہیں دریا میں پھینک دیا گیا تھا، جیسے شذرات الذہب ج ۴ ص ۲۱۳ میں یہ واقعہ موجود ہے۔ اسی طرح ابو شامہؒ نے الروضتین فی الدولتین ج ۱ ص ۱۳ میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی آتابکی نے النجوم الزاہرہ ج ۶ ص ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ عبید اللہ بن یونس بن احمد وزیر جلال الدین ابو المظفر حنبلی نے راتوں رات شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر مبارک کھودنے کے لیے نباش بھیجے جنہوں نے قبر مبارک کو کھودا تو محض ہڈیاں پڑی پائیں ان ہڈیوں کو نکال کر دریا میں ڈال دیا اور کہنے لگا کہ یہ زمین وقف ہے اس میں کسی کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے اور عبارت اس کی یہ ہے: وفیها (سنة) توفي عبيد الله بن يونس بن احمد الوزير جلال الدين ابو المظفر الحنبلي وَلِيَ حجابة الديوان ثم استوزره الخليفة وكان اماماً عالماً في الاصلين (اي الدولتين) والحساب والهندسة والجبر والمقابلة غير انه شان امره بامور فعلها۔ منها انه خرّب بيت الشيخ عبد القادر جيلاني وشتّت اولاده ويقال انه بعث في الليل من نبش على الشيخ عبد القادر (رحمه الله تعالى) ورمى بعظامه في اللجة وقال هذا وقف ما يحل ان يدفن فيه احد - انتهى كلامه

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ از روئے حدیث مشہور جس کے ساتھ کتاب اللہ پر

زیادتی کی جا سکتی ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا کسی کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، اللہ چاہے تو ان کے جسموں کو محفوظ رکھے چاہے نہ رکھے، دیکھا نہیں کہ کتنے شہیدوں میں جن کو زندہ جلا دیا گیا اور ان کی راکھ کو اڑا دیا گیا، اور کتنے کافر ہیں جن کی لاشیں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی اب تک صحیح سلامت عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ص ۴۵۳ میں فرمایا "ایک غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، اور مورخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے اور یا فرعون مغروق کوئی اور رہا ہے، تو ماہرین فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے انبیاء کرام عظام علیہم السلام کے نہ جسم کے محفوظ رہنے میں کوئی کمال ہے اور نہ جسم کے خاک و راکھ ہو جانے میں کوئی نقصان و وبال ہے۔ دیکھا نہیں کہ فرعون کافر دہری تھا اس کا جسم محفوظ ہے، خدا پاک نے فرمایا "اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً" سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دیتے ہیں تاکہ تو ایک نشانِ عبرت پیچھے آنے والوں کے لیے رہے اور تیرے لیے مزید رسوائی اور تفضیح کا سامان بنا رہے۔ حضرت دریابادی رحمہ اللہ نے فرمایا فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمام تر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی اسی طرح اور اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اسکے حق میں تمام تر بے سود رہی۔

ادھر دوسری طرف دیکھو کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمہ اللہ کس قدر کامل ولی عالم باعمل واصل باللہ تھے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہ تھا، اشاعت توحید وابطال فرق باطلہ میں ہمہ تن مصروف رہے اصلاح حال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، پانچویں چھٹی صدی کے مشاہیر اولیاء اللہ میں سے ہو گزرے ہیں، مگر قبر مبارک جب کھودی گئی تو سوائے چند ہڈیوں کے جسم کا کوئی حصہ نہ تھا مگر ان کی دنیاوی زندگی اعلیٰ گزری ہے اس سے ظن غالب یہی ہے کہ ان کی برزخی زندگی بھی اعلیٰ ہو گی۔ باقی اللہ کی باتیں اللہ ہی بہتر جانتے، علیٰ سبیل القطع والیقین ہم کسی کو جنتی نہیں کہہ سکتے ہیں، مگر جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

سے ہمیں یقینی خبر پہنچی ہے کہ فلاں جنتی ہے تو وہ یقیناً جنتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۳۱ طبع مجتبائی۔

جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی بعد از اولاد اور امام مہدیؒ

اور علیٰ ہٰذا القیاس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جن جن کے متعلق آپؐ کی طرف سے خبر پہنچی ہے کہ وہ دوزخی ہیں تو یقیناً وہ دوزخی ہیں خواہ اونچے درجے کا بزرگ اسے جنتی کہتا پھرے جیسے فرعون اگر آج صوفیوں کے شیخ ابن عربی نے اسے جنتی کہا ہے حقیقۃً اس صوفی کا قول مردود ہے اور قرآن وحی پاک سچے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ فرعون یقیناً جہنمی ہے۔

آمدیم برسر مطلب

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا صحیح مفہوم

بہر صورت انبیاء کرام علیہم السلام ان بارہ معنوں میں سے نو معنوں کی رو سے زندہ ہیں، ان کا ذکر جمیل جب تک دنیا میں قائم ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے باقی ہے اور آخرت میں جو اجر جزیل ان کو عطا ہوگا وہ کسی کو نہیں ملے گا اور آپ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے اور آپؐ کے جسم مبارک اجساد عنصریہ اپنے عرفی مقبروں میں بالکل صحیح سلامت بلا تغیر و تبدل اسی حال میں اب تک موجود ہیں اور یوم البعث تک جس دن اجساد عنصریہ میں روحیں لوٹائی جائیں گی تک اسی حال میں رہیں گے جس حال میں ان کے امتیوں نے انہیں سپرد زمین کیا تھا، زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ ان کے معصوم مطہر و معطر و مقدس جسموں کو چھیڑے۔ زمین کو حکم ہے کہ ان اماناتوں کو نہ چھیڑے (اور باوجود اس کے کہ ان اجساد عنصریہ میں روحیں نہیں ہیں ان کا صحیح سلامت رہنا یہی تو کمال قدرت الٰہیہ کا ظہور ہے ورنہ بے روح کی چیز تو زمین کا لقمہ بن جاتی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قوت حافظہ کے کمال میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور آپؐ کو اس زندگی میں جو تلذذ اور تنعم حاصل ہے وہ بھی اور کسی کو میسر نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا غم ان کو ہے اور وہ خوش عیشی اور تنعم و تلذذ محسوس بھی کرتے ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں لا خوف علیہم ولا

هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ اور آپ کے اعمال میں روز بروز نمو اور اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے اور امتیوں کے اعمال آپ کی تبلیغ کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں، مزید برآں، اور آپ کو جو شعور و ادراک وہاں نصیب ہے وہ بھی بلے تردد ہے اس میں کسی کو کسی طرح شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ حیات اخرویہ دائمہ میں۔

ان معنوں کے اعتبار سے تو سب کے نزدیک بالاتفاق زندہ ہیں کسی کو اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے

اور اس اعتبار سے کہ زندہ کو نہلایا نہیں جاتا بلکہ میت کو نہلایا جاتا ہے، شہداء پر زندوں کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام پر زندوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی وفات کے بعد کپڑوں سمیت غسل دیا گیا اور کفن دیا گیا اور ان کے ساتھ شہیدوں کا سا برتاؤ نہیں کیا گیا کہ بغیر غسل دیے ان کے معصوم، مطہر، معطر و مقدس اجساد طیبہ کو زیب تن کپڑوں کے ساتھ دفن کیا گیا ہو۔ اور یہ بات سب امت کے نزدیک متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے کسی ایک فرد کا اس میں اختلاف نہیں، سو اس معنی کی رو سے سب کے نزدیک ان پر میت کا اطلاق درست ہوا اور حی کا اطلاق اس معنی کی رو سے درست نہیں۔

(اور حیات کا یہ معنی کہ آپ کے اعمال میں نمو ہے یہ بھی صحیح ہے کیونکہ ترقی درجات ہر وقت ان کی ہو رہی ہے خصوصاً حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ترقی میں کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ جب امت کے اعمال ملائکہ لکھتے ہیں تو انبیاء کرام کے اعمال بطریق اولیٰ لکھتے ہیں)

خصوصاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اکناف عالم سے جہاں کہیں مسلمان ہے درود شریف پڑھتا ہے وہ آپ کو فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ برابر رہے گا۔ جیسے امام ابن تیمیہ نے فرمایا، اور امام الہند کی تشریح اور ہے۔

نوٹ: (فرشتوں کے پہنچانے کے کیا معنی ہیں؟ یہ شرح حدیث من صلی علی عند قبری میں ملاحظہ فرمائیں۔)

اور حیات ازلی ابدی جو خاصہ ہے اللہ تعالٰے کا وہ بھی آپ پر صادق نہیں آ سکتا اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے ھو الحی القیوم وہی ہے زندہ نہ میرندہ وہی قیوم ہے۔

کیفیّت حیات بعد ممات

رہا حیات کا پہلا معنی سو سارا جھگڑا اس میں ہے۔

مولانا نے تسکین الصدور طبع اول ص ۲۴۷ میں فرمایا ہے کہ کیفیتِ حیات میں اختلاف ہے نیلوی کہتا ہے کہ کیفیتِ حیات بعد الممات کے بارہ میں عینی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۱ میں ہے: "واختلف الناس فی کیفیۃ حیات الشھداء فقال ابن بطال ان الارواح ترزق ولکن جاء الخبر فی صحیح ابن حبان انما نسمۃ المؤمن طائر تعلق فی شجر الجنۃ قال اھل اللغۃ یعنی تاکل منھا قال ابن قرقول بضم اللام (تعلُق) ای تتناول وقیل تشمہ وھذا الحدیث عام وقد خصّہ القراٰن باشتراط الشھادۃ وقال الداؤدی ارواح الشھداء فی حواصل طیر وقال ابن التین ھذا لا یصح فی العقل ولا فی الاعتبار لانھا ان کانت ھی ارواح الطیر فکیف تکون فی الحواصل دون سائر الجسد وان کان لھا ارواح غیرھا فکیف یکون لھا روحان فی جسد وکیف لھم الارزاق التی ذکرھا اللہ عزوجل انتھٰی وفیہ نظر لان مسلما اخرج فی صحیحہ من محمد بن عبد اللہ بن نمیر قال اخبرنا ابو معاویۃ قال حدثنا الاعمش عن عبد اللہ بن مرۃ عن مسروق قال سألنا عبد اللہ (بن مسعود) عن ھذہ الاٰیۃ ولا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ الاٰیۃ فقال اما انا قد سألنا عن ذلک فقال علیہ السلام ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح من الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل الحدیث وروی الحاکم علی شرط مسلم من حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اصیب اخوانکم باحد الحدیث وروی ابن ابی عاصم من

حدیث ابن مسعود ان الثمانیۃ عشر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا جعل اللہ ارواحھم فی الجنۃ فی طیر خضر وفی لفظ ارواح الشھداء عند اللہ کطیر خضر فی قنادیل تحت العرش ومن حدیث عطیۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارواح الشھداء فی طیر خضر ترعی فی ریاض الجنۃ ثم تکون ماواھا قنادیل معلقۃ بالعرش ومن حدیث موسی ابن عبیدۃ الربذی عن عبید اللہ بن یزید عن ام کلابۃ اظنھا ام بشر قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ارواح المؤمنین طیر خضر فی حجر من الجنۃ یاکلون من الجنۃ و یشربون من الجنۃ وبسند صحیح الی کعب بن مالک یرفعہ ارواح الشھداء فی طیر خضر وعند مالک فی المؤطا نسمۃ المومن طائر، وتاول بعض العلماء ولفظ فی فی قولہ فی جوف طیر خضر بمعنی علی فیکون المعنی ارواحھم علی اجواف طیر خضر کما فی قولہ تعالی ولاصلبنکم فی جذوع النخل ای علی جذوع النخل وقال الطیبی قولہ ارواحھم فی جوف طیر خضر ای یخلق لارواحھم بعد ما فارقت ابدانھم ھیاکل علی تلک الھیئۃ تتعلق بھا وتکون خلفا عن ابدانھم فیتوسلون بھا الی نیل ما یشتھون من اللذات الحسیۃ، وقال القاضی عیاض واختلفوا فیہ فقیل لیست للاقیسۃ والعقول فی ھذا حکم فاذا اراد اللہ ان یجعل ھذہ الروح اذا خرجت من المؤمن او الشھید فی قنادیل او جوف طیر او حیث شاء کان ذلک ووقع ولم یبعد ولا سیما علی القول بان الارواح اجسام وغیر مستحیل ان یصور جزء من الانسان طائرا او یجعل فی جوف طائر فی قنادیل تحت العرش

خلاصہ ترجمہ عبارات بالا

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حیات شہداء کی کیا کیفیت ہے۔ اس میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں، ابن قیمؒ نے یہ مطلب بتایا کہ ارواح کو روزی ملتی ہے جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث ہے کہ مومن کی روح پرندہ ہوگا جنت کے درختوں سے کھاتے ہیں حدیث

گو عام ہے مگر قرآن نے شہداء کی تخصیص فرما دی، داؤدیؒ نے کہا حیات شہداء بایں صورت ہے کہ ان کے ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتے ہیں لیکن ابنؒ تین نے اس قول کی تردید فرمائی کہ عقلاً یہ بات درست نہیں مگر ابن تین کی تردید صحیح نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ چیز ثابت ہے اور بعض علماء نے یہ بتایا کہ شہداء کے روح سبز پرندوں کے پوٹوں کے اوپر ہوتے ہیں طیبیؒ نے کہا کہ ابدان عنصریہ سے جب ارواح جدا ہوتے ہیں تو ان کے ابدان کی جگہ اسی شکل کے اور ڈھانچے پیدا کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے لذات حسیہ میں سے جو چاہتے ہیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ اس میں قیاس اور عقل سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے مومن اور شہید کی روح کو نکال کر قندیلوں میں رکھے یا پرندوں کے پوٹوں میں رکھے یا جہاں چاہے رکھے اس کی مرضی ہوتا وہی ہے جو وہ کرتا ہے اس کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں خاص کر اس قول کے مطابق کہ ارواح بھی بذات خود اجساد ہیں تو یہ کوئی محال نہیں کہ انسان کی کسی جزء کو پرندہ بنا دے یا پرندے کے پوٹے میں رکھ کر عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ دے۔

نیکوی کہتا ہے کہ طیبیؒ کی بات کے ساتھ بہت سے علماء متفق ہیں چنانچہ

(۱) ابن تیمیہ نے التنویر میں لکھا ہے روح الشهيد الذي كان في جوف جسده في الدنيا يجعل في جوف جسد آخر كانه صورة طائر فيكون في هذا الجسد الآخر كما كان في الاول وذلك مدة البرزخ الى ان يعيده الله يوم القيامة كما خلقه (شرح الصدور ص ۹۷) یعنی دنیا میں شہید کی روح جس جسم میں رہی ہے اب شہادت کے بعد دوسرے جسم میں رکھ دی جاتی ہے اس میں اڑتی پھرتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اڑنے والے پرندے کی صورت ہو مگر شکل انسانی ہی ہوتی ہے) تو وہ روح جب تک عالم برزخ میں رہے گی اسی دوسرے جسد میں رہے گی جیسے دنیا میں پہلے جسد عنصری میں رہی تھی یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دوبارہ اس روح کو اسی دنیاوی جسد عنصری میں ڈال دے گا جس طرح اس کو پیدا کیا تھا اور عالم

لیطن میں تیار کردہ جسد عنصری میں روح پھونک دی تھی۔

(۲) حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴ میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا استشهد الشهيد اخرج الله جسداً كاحسن جسد ثم امر روحه فادخله فيه فينظر الى جسده الذي اخرج منه یعنی اللہ تعالیٰ شہید کی خاطر حسین سے حسین جسد نکال لاتا ہے پھر شہید کے روح کو اس جسد کے اندر داخل ہونے کا حکم دیتا ہے پھر وہ روح اس جسم میں داخل ہو کر اپنے اس جسم کی طرف نظر کرتا ہے جس سے نکل کر آیا ہے۔

(۳) روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۱۴۸ میں شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے:
ان الارواح بعد مفارقتها ابدانها المحسوسة تتعلق بابدان اخر مثالية جسمانية بما الخ یعنی ان ابدان محسوسہ سے جو ظاہرہ انسان کو نظر آتے ہیں روحیں جدا ہو جانے کے بعد دوسرے مثالی بدنوں کے ساتھ جا لگتی ہیں جو ان کے لائق اور مناسب اعمال کے ان کو نصیب ہونگے۔

علامہ سید آلوسیؒ کا فیصلہ

(۴) پھر صاحب روح المعانی نے ج ۲ ص ۲۱ میں اپنا عندیہ بھی یہی بیان فرمایا وعندی ان الحيوة في البرزخ ثابتة لكل من يموت من شهيد وغيره وان الارواح وان كانت جواهر قائمة بانفسها مغايرة لما يحس به من البدن لكن لامانع من تعلقها ببدن برزخي مغاير لهذا البدن الكثيف الخ یعنی برزخ میں ہر مرنے والے کو حیاۃ ملتی ہے شہید ہو یا کوئی اور۔ نیز روحیں جواہر قائم بذات خود ہیں ان ابدان سے مغایر ہیں جو ظاہرہ محسوس ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس بات سے کوئی امر مانع اور رکاوٹ نہیں بنتا کہ ان ارواح کا تعلق کسی برزخی بدن کے ساتھ ہو جو اس کثیف بدن سے مغایر ہو۔

اور اس کا حوالہ محترم جناب مولانا صاحب نے خود بھی تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۳۵

میں نقل فرمایا لیکن اس کے بعد ص ۳۵ اپر آپ نے روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۱۶۳ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ پارہ ۳ میں جو آپ نے لکھا ہے اس سے آپ نے رجوع فرما کر جمہور کا ساتھ دیا ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ پارہ ۳ میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میرا عندیہ یہ ہے اور یہ لفظ وہیں استعمال ہوتا ہے جہاں پر مصنف کے سامنے دوسرے نظریات بھی ہوں وہ ان سب پر سوچ بچار کرتا ہے پھر ان میں سے جس نظریہ پر اس کا دل مطمئن ہوتا ہے تب کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے خواہ اس مقام پر ان دیگر نظریات کو بیان کرے یا نہ کرے اور پھر پارہ ۱۵ میں انہوں نے دوسروں کے اقوال نقل فرما دیئے ہیں اور اپنا عندیہ بیان نہیں فرمایا اسلئے کہ میں اپنا عندیہ پارہ ۳ میں بیان کر آیا ہوں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے پہلے عندیہ سے رجوع کر لیا تھا تو آپ پارہ ۳ کی عبارت کو کاٹ دیتے اور پارہ ۱۵ میں جن علماء اور صوفیاء کے مختلف نظریئے نقل فرمائے ہیں ان میں سے کسی ایک نظریہ پر انگلی لگا کر فرماتے کہ میرا اس نظریہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہے پھر کیسے باور کرایا جاتا ہے کہ علامہ آلوسی صاحبؒ نے اپنے پہلے نظریہ سے رجوع فرما لیا ہے اور جمہور کا ساتھ دیا ہے۔ کیا جمہور حافظ ابن حجرؒ کا نام ہے ؟

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق !

اب ابن حجرؒ کی تحقیق جو شرح الشمائل میں لکھی ہے اس تحقیق کو حافظ صاحب نے سلف صالحین میں سے کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی ذاتی تحقیق ہے پھر اپنی ذاتی تحقیق میں بھی وہ خود متردد ہیں پہلے تو فرماتے ہیں کہ روح کا تعلق اور اتصال بدن عنصری کے تمام اجزاء کے ساتھ ہے اور اس کا پرتو تمام اجزاء بدن عنصری پر پڑتا ہے اگر وہ اجزا متفرق ہوں کہ کوئی مشرق میں ہو اور کوئی مغرب میں۔ اور ایسا نہیں کہ روح کا تعلق اور اتصال بدن کے ایک جزء کے ساتھ ہو اور دوسری جزء کے ساتھ نہ ہو۔ اتنا بیان فرمانے کے بعد آپ تعلق کا لفظ کہہ کر شک اور تردد کا اظہار فرماتے ہیں

اور اس کا ترجمہ خود مولانا صاحب نے اس طرح کیا "شاید کہ رُوح کا یہ پھنساؤ اصلی اجزا ہو پر ہو"
یعنی تمام اجزاء پر نہ ہو بلکہ اجزاء اصلیہ پر ہو۔

اب اجزاء اصلیہ کونسے ہیں؟ اس کے متعلق محترم جناب مولانا صاحب نے وہی بات لکھی ہے جو نیلوی نے ندائے حق ص ۲۶۲ میں عقاید الاسلام مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب حقانی کے حوالہ سے لکھی تھی کہ:

"انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے پس رُوح کا تعلق بعد از مرگ انہیں اجزائے اصلیہ و ذرات کے ساتھ ہے"۔

اس عبارت کے نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ محترم جناب مولانا صاحب نیلوی کا بیان کردہ نظریہ تسلیم فرما چکے ہیں کیونکہ ان کا اپنا بیان کردہ قاعدہ ہے کہ "کسی عالم کا کسی کے قول کو نقل کرنا اور اس کا کہیں بھی رد نہ کرنا بلکہ اس سے استدلال کرنا و احتجاج کرنا حقیقۃً اس کی تصحیح ہے"۔ اور آپ اپنی کسی کتاب میں اس بات کی تردید نہیں کر سکے کہ انسان کے اجزاء اصلیہ یہ نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہیں اور یہاں بطور استدلال کے پیش بھی فرما دیا۔ پس نیلوی کا بیان کردہ یہ نظریہ کہ روح کا تعلق اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ان غیر مبصر ذرات کے ساتھ جو آدمؑ کی پشت مبارک سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے، صحیح ہو گیا اور اس پر محترم جناب مولانا صاحب کی تصدیق بھی ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

بہر حال اتنا تو ثابت ہو گیا کہ حافظ صاحب کو بھی اس بارے میں تردد ہے کہ رُوح کا تعلق تمام اجزاء کے ساتھ مانیں یا صرف اجزائے اصلیہ کے ساتھ مانیں۔ تمام اجزاء کے ضمن میں اجزائے اصلیہ خود آجاتے ہیں پس اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ روح کا تعلق اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہے اور یہ امر یقینی ہے اور احادیث بھی اس بارے میں اسی طرف مشیر ہیں بلکہ مؤید ہیں کہ جس سے عہد و میثاق لیا تھا کہ اس عہد کو پورا کرنا ہو گا پھر امتحان بھی اسی سے لیا جائے گا نہ یہ کہ عہد کسی سے لیا جائے اور اس کا امتحان لیا جائے کسی اور سے۔

سوال

اب رہا یہ سوال کہ تم تو جسد مثالی میں رُوح کے دخول کے قائل ہو اور ادھر تم کہتے ہو کہ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے یہ کیا دو رنگی چال ہے ایک طرف بات کو لگاؤ یا جسد مثالی سے تعلق مانو یا صرف اجزائے اصلیہ سے۔

جواب

سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مجتہد نہیں ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے ہم تو سلف صالحین کی بات کو لے کر اس پر کاربند ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن مبارک کے طریق سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم ہو گیا پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلف و خلف کے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے کہ ان ابدان محسوسہ سے نکل کر رُوح دوسرے مثالی جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر انکار کی ہمیں کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر کوئی پرویزی ذہن کا نہ مانے تو ہم اس کو منوانے کے مکلف نہیں۔

پھر علماء کا فرمان یہ بھی ہے کہ رُوح کا تعلق اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تعلق بھی اتنا جس سے سکھ دُکھ محسوس کر سکے والضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ کے اصول پر صرف اتنا ہی تعلق قائم کیا جاتا ہے سارے اجزاء کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ جس سے زائرین کو بھی جان پہچان سکے دیکھ سکے ان کی باتیں سُن سکے، ضرورت ہے تو صرف اتنی کہ نیک ہے تو تلذذ و تنعم اسے حاصل ہو اگر بد ہے تو گرزوں کی زد محسوس کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مارنے سے میت کو دُکھ محسوس نہیں ہوتا، ہماری عطر پاشی سے وہ خوشبو محسوس نہیں کرتا، پاس گندگی پڑی ہو اسے بدبو نہیں آتی۔ اس کی قبر پر چراغ نہیں سیدھا سورج چمک رہا ہو تو اسے روشنی نہیں لگتی، اس کی قبر پر بیٹھ جاتے تو اسے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ میت اندر سے دیکھ لیتا ہے کہ میری قبر پر چڑا بیٹھا ہے یا چڑیا تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب وہ میت زندہ تھا تو اسے چڑا اور چڑیا کی پہچان تھی؟ نیز اس کے سامنے کنجریاں ننگا ناچ کرتیں تو دیکھتا رہتا اگر دنیوی زندگی میں وہ دیکھتا

تھا تو وہ بزرگ کیسے تھا اور اب جو دیکھ رہا ہے تو تم کو روکتا کیوں نہیں، یا تم یہ گوارا کر لو گے کہ اپنے پیر صاحب کے پاس کنجریاں لے جاؤ اور پیر صاحب کے سامنے ناچیں۔ اگر کہتے ہو کہ اوپر بیٹھنے سے میت کو دکھ ہوتا ہے تو یہ بتاؤ کہ ڈیڑھ من کا انسان تو قبر پر بیٹھنے سے میت کو دکھ ہوتا ہے تو ہزاروں من مٹی ڈالتے ہو بلکہ بالشت سے زیادہ ڈھیر لگانے سے بلکہ پختہ اینٹیں لگانے اور چونہ گچ کرنے اور سیمنٹ لگانے سے میت کو کیا دکھ نہیں ہوگا؟ پھر اس پر گنبد بنانے سے کیا اس کو سکھ ہوتا ہوگا؟ ہرگز نہیں!

تو جیسے یہ تمام امور میت پر مؤثر نہیں ایسے ہی زائرین کو میت نہ دیکھنا پہچانتا ہے اور نہ اس کی آواز سنتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب!

اب رہا یہ امر کہ میت کی قبر پر بیٹھنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں فرمایا اور یہ کیوں فرمایا کہ میت کی قبر پر بیٹھ کر میت کو ایذا نہ دو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو محدثین عظام نے بیان فرمایا دیکھو تنقیح الرواۃ ص ۳۴۳ لَا تُؤْذِ صاحب هٰذَا القبر اسنادہ صحیح (فتح) ومعناہ ای لا تھنہ فان روح المیت لا یرضی بالتکاء علی قبرہ لتضمنہ الاھانۃ لکسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ مالک موقوفا علی عائشۃ وعند احمد وابی داؤد وابن ماجۃ وابن حبان عنہا مرفوعا والمرفوع حسنہ ابن القطان وقال ابن دقیق العید انہ علی شرط مسلم وکذا قال ابن حجر فی بلوغ المرام لکن اشار المنذری الی ضعفہ فی الترغیب والترھیب وفی اسنادہ رجل مجھول لکن حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا یشھد لہ والحدیث عند ابن ماجۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا ایضا وفیہ زیادۃ فی الاثم یعنی اس حدیث میں ایذاء کے حقیقی معنے مطابقی مراد نہیں بلکہ التزامی معنی مراد ہیں یعنی اہانت، تو مطلب یہ ہوگا کہ میت کی توہین نہ کرو کیونکہ قبر پر تکیہ لگانے سے میت کی روح ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے، اس کی

مثال بالکل ایسی ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے اس کی تشریح حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہو جاتی ہے جس میں "فی الاثم" کی زیادتی مروی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جیسا گناہ زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے سے ہوتا ہے ایسا میت کی ہڈی توڑنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے سے زندہ کو درد اور تکلیف ہوتی ہے ایسے میت کی ہڈی توڑنے سے میت بھی درد اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی ہے کہ خالد کو ضرور ماروں گا، اب اس حالف کے مارنے سے پہلے ہی خالد مر گیا اب قسم کھانے والا خالد میت کے جسم پر ضربیں لگاتا ہے تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد خالد میت کو مارنے کا دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ عینی شرح کنز میں ہے لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لا یتصور (یعنی ضرب کا مطلب ہوتا ہے مضروب کو دکھ پہنچانا اور مرنے کے بعد میت کو دکھ پہنچانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ بحر الرائق میں ہے والایلام لا یتحقق فی المیت (میت میں دکھ پہنچانا متحقق نہیں ہوتا۔

تنبیہ

• یہاں کوئی نہیں کہتا کہ ہمارے مارنے سے میت کو دکھ تو ہوتا ہے اور اس دکھ کی وجہ سے چیختا چلاتا اور شور بھی مچاتا ہے مگر اس کا چیخنا چلانا اور شور مچانا ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ اور اگر یہی کہیں کہ عرف میں تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اسے دکھ محسوس نہیں ہوتا مگر حقیقت میں ہماری مار سے اسے دکھ ہوتا ہے جیسے ہم بات کرتے ہیں تو میت سنتا ہے اور ہماری بات کا جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اس کا جواب نہیں سن سکتے ہم جب اس کی قبر پر جاتے ہیں تو وہ ہم کو دیکھ بھی لیتا ہے اور پہچان بھی جاتا ہے مگر ہم باہر سے کھڑے ہو کر اسے دیکھ نہیں سکتے تو البتہ ان کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا مگر محدثین کا کیا جواب ہوگا جو انہوں نے لا تؤذ کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لیا

نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مظاہر حق ج ۲ ص ۴۴۶ میں اس حدیث کے فائدہ میں لکھتے ہیں ف شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناخوش ہوتی ہے تکیہ لگانے سے اس لیے کہ اس سے حقارت اس کی لازم آتی ہے جیسے ما اضمو عاملہ علی شرایطۃ التفسیر کے بیان میں بحیثیت لو سلط علیہ مناسبہ کی مثال پیش کرتے ہیں زیدًا ضربت غلامہ ای اھنت زیدًا زید کے غلام کو مارنے میں زید کی اہانت اور بے عزتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی روح کے سالق بدن کی قبر پر بیٹھنے سے روح کی اہانت ہے۔

اور صاحب مظاہر حق نے جو "شاید" کا لفظ کہا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا مطلب ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ یہی ہو اور دیگر مفہوم بھی اس سے مراد لیا جا سکتا ہے مگر ہوگا وہ بھی مجازی، بہرحال حقیقی معنی یہاں مراد نہیں۔

نیز فقہاء نے یہ مسئلہ لکھ کر عذاب قبر کا ذکر فرمایا اس سے ان کا مقصد ہے ایک سوال کا جواب دینا کہ جب میت دکھ درد محسوس نہیں کر سکتا تو عذاب قبر کا عقیدہ حقہ کیونکر ثابت کرو گے تو اس کا جواب دیا کہ قبر کا عذاب یا ثواب محسوس کرنے کے لیے حق تعالیٰ صرف اسی قدر حس اور ادراک میت میں پیدا کرتا ہے کہ جس قدر سے وہ عذاب کے الم اور ثواب کی لذت کو جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے پہنچتی ہے محسوس اور دریافت کر سکتا ہے، زیادہ کا ادراک نہیں ہے اس دعوی پر دلیل کے لیے عامہ کتب فقہ حنفیہ کی ایسی عبارتیں موجود ہیں جو عامۃ علمائے حنفیہ اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ اور تمام اہل عقائد اہل سنت کا یہی عقیدہ ثابت کرتی ہیں دیکھو:

(۱) رد المحتار ج ۲ باب الیمین فی الضرب والایلام والادب لا یتحقق فی المیت، و لا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ یعنی میت کو ایذا رسانی نہیں ہو سکتی، اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب میت ایذا رسانی کا اہل اور قابل نہ رہا تو قبر کا عذاب اس کو کس طرح ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک میت میں صرف اتنا حس حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے کہ

جس کی وجہ سے قبر کے عذاب کے الم کو دریافت کر لیتا ہے اور اس کے لیے ترکیب اور ہیئت جسمانی کا سلامت رہنا بھی اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

(۲) جامع الرموز ص ۲۹۲ میں ہے۔ والمعذب فی القبر کحی یقدر ما یتالم به وهو اقرب الی الحق یعنی صرف عذاب الٰہی کے لیے مردہ، زندہ کی طرح ہے اور یہی حق ہے اقرب الی الحق ہے۔

(۳) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے والایلام لایتحقق فی المیت والمعذب فی القبر یُحْیی بقدر ما یتالم به وهو اقرب الی الحق یعنی میت صرف قبر کے عذاب وثواب ہی محسوس کرنے کے قدر زندہ کیا جاتا ہے اور یہی اقرب الی الحق ہے۔

(۴) مقاصد میں ہے وقد ثبت بالضرورة من الدین ان للمیت فی القبر نوع حیاة قدر ما یتالم ویتلذذ

(۵) اور شرح مقاصد میں ہے اتفق اهل الحق علی ان الله تعالیٰ یعید الی المیت فی القبر نوع حیوٰة قدر ما یتالم ویتلذذ ویشهد بذالک الکتاب والاخبار والآثار یعنی ضروریات دین میں یہ مسئلہ ثابت ہے جس پر تمام اہل حق کا اتفاق اور اجماع ہے اور قرآن پاک اور احادیث نبویہ اور صحابہ اور تابعین، سلف صالحین کے اقوال بھی اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اللہ تعالےٰ قبر میں میت کی طرف دوبارہ پھر ایک خاص قسم کی حیات دے دیتے ہیں اور دیتے بھی ہیں صرف اسی قدر جتنے سے دکھ یا سکھ محسوس کر سکے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے پہنچے۔

(۶) ہدایہ میں ہے والایلام لایتحقق فی المیت۔

(۷) فتح القدیر میں وجہ بتائی لانه لایحس کہ اس میت کو انسان کا دیا ہوا دکھ کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

الحاصل

بہر حال اس جہان والے میت کو کچھ اذیت نہیں پہنچا سکتے نہ دفن سے پہلے نہ دفن کے بعد اور عذاب ثواب کا مسئلہ عالم دنیا اور عالم اجساد کے ساتھ متعلق نہیں اس کا تعلق عالم

عالم برزخ کے ساتھ ہے جیسے خدا جانتا ہے اور اسی انسان کو محسوس ہوتا ہے۔
مگر فقہاء و متکلمین میں سے کسی نے یہ توجیہ کسی کتاب میں نہیں لکھی کہ دنیا میں رہنے والا آدمی جب اس میت کو مارتا ہے تو میت کو وہ مار محسوس تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرف عام میں جو یہ مشہور ہے کہ ہمارے مارنے سے میت کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اسلئے مرنے کے بعد حالف اگر اسکو ماریگا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسموں کی مدار عرف پہ ہوتی ہے۔
جب میت کو لاٹھیاں مارنے سے جو براہِ راست اس کے بدن پہ زور زور سے لگ رہی ہیں اور اس مار کی آواز بھی دور دور تک جا رہی ہے میت کو محسوس کچھ نہیں ہوتا تو زندہ کی آواز جو ہوا کی لہروں میں لہراتی ہوئی مکان سے پار نہیں جا سکتی وہ میت کو کیسے سنائی دے گی اگر میت زندہ کی آواز سنتا ہے تو زندہ کی مار اور چوٹیں بھی محسوس کرتا ہے اور اگر میت زندہ کی مار اور چوٹیں محسوس نہیں کرتا تو زندہ کی آواز بھی نہیں سنتا اور اگر کہو کہ آواز تو سنتا ہے مگر اس کو مار محسوس نہیں ہوتی تو سوال پیدا ہوگا کہ وجہ فرق کی بتاؤ کہ آواز میت کو پہنچ جاتی ہے مگر دکھ درد اس کو محسوس نہیں ہوتا۔ نیز کئی شہید میدانِ جہاد میں ایسی جگہ پڑے ہوتے ہیں جہاں عسکر المسلمین کی نظر نہیں پڑتی یا کوئی اور مسلمان جنگل میں مر گیا درندے اس کو چیرتے پھاڑتے ہیں کھاتے ہیں اسے دکھ اگر ہوتا ہے تو بیچارے شہید اور مسلمان کو مرنے کے بعد تکلیف ہو رہی ہے حالانکہ خدا پاک کے ہاں ادھر اس کی روح اس کے جسدِ عنصری سے نکلی ادھر جنت میں فوراً ہی پہنچ گیا اور عیش و عشرت تلذذ اور تنعم میں رہ کر لطف اندوز ہو رہا ہے۔
یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ دنیا کے کسی عمل سے میت کچھ متاثر نہیں ہوتا مگر وہ زندگی جو مرنے کے بعد اسے نصیب ہوئی ہے وہ نہ تو دنیوی زندگی ہے اور نہ مماثل اس زندگی دنیوی کے ہے بلکہ وہ زندگی اس زندگی سے الگ ہے، مسلم کی زندگی اس زندگی سے اعلیٰ ہے اور کافر کی زندگی اس زندگی سے ابتر ہے اور بدتر ہے اور اس زندگی کا نام حیاتِ برزخیہ ہے نہ حیاتِ دنیویہ عنصریہ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب رہا یہ کہ لوگ حدیث نبوی سناتے ہیں المیت یؤذی فی قبرہ مایؤذی بہ الحی جو چیز زندہ آدمی کو ایذا دیتی ہے قبر میں میت کو بھی وہ ایذا دیتی ہے تو اس کا..... **جواب** یہ ہے کہ یہ حدیث دیلمی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام کرکے روایت کی گئی ہے اور دیلمی کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین ص ۶۲ میں لکھا ہے اما در اتقان و معرفت و علم او قصورے است در سقیم و صحیح احادیث تمیز نمی کند و لہذا دریں کتاب او موضوعات و واہیات تودہ تودہ مندرج۔ یعنی دیلمی کے علم اور اتقان اور معرفت حدیث میں قصور تھا اور وہ بیمار اور صحیح حدیثوں میں تمیز نہ کر سکتا تھا اس لیے دیلمی کی کتاب میں جھوٹی اور واہیات حدیثیں کثرت سے موجود اور درج ہیں۔

نیز اس کتاب کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کتابوں کی فہرست میں لکھا ہے جن کی حدیثیں نہ قابل عمل ہیں اور نہ ہی ان پر عقیدہ رکھا جا سکتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اور حاشیہ طحطاوی اور رد المحتار میں جو لکھا ہے کہ قبرستان میں پیشاب کرنے کے لیے نہ بیٹھے لان المیت یتاذی بمایتاذی بہ الحی جس چیز سے زندہ کو دکھ ہوتا ہے اس سے مردہ کو بھی دکھ پہنچتا ہے تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ اتنی بات تو صحیح اور بجا ہے کہ قبرستان میں پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میت کو پیشاب کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی طحطاوی اور شامی نے یہ وجہ بتائی ہے بلکہ یہ وجہ اصول مذہب حنفیہ اور فقہ حنفی کے بالکل خلاف ہے۔ اصل وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ اہل اسلام کا قبرستان فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ ملائکہ کراما کاتبین کو انسان کی وفات کے بعد انسان کی قبر کے پاس

رہنے کا اور وہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم ملتا ہے اور مجموعۃ النوادر فقہ حنفی قلمی ورق ۲۰۳ کے حوالہ سے کشف المغالطات ص ۹۲ میں لکھا ہے فاذا انتهی الیهم یقول السلام علیکم لان هناك من یجیبه وهم الحفظة یعنی جب قبرستان میں پہنچو تو السلام علیکم کہو کیونکہ وہاں جواب دینے والے موجود ہیں لیکن آپ یہ گمان نہ کیجئے کہ مردے سلام کا جواب دیتے ہیں بلکہ صاف عبارت موجود ہے کہ انسان کے اعمال کے محافظ کراماً کاتبین فرشتے سلام کرنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔ پس جہاں ملائکہ حاضر ہوں وہاں کچی پیاز کھا کر جانا بھی منع ہے وہاں کسی بدبو کی چیز کا ظاہر کرنا یا تھوکنا یا پیشاب کرنا بھی منع ہے۔ پس یہ قول کہ میت کو اذیت ہوتی ہے اس چیز سے کہ جس سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے سراسر غلط اور سراسر لغو ہے اور عامہ کتب حنفیہ اس کی تردید کرتی ہیں۔

مراقی الفلاح کی ایک خبر کی تردید

اب لگے ہاتھوں اس قول کی تردید کرنا ضروری ہے جو مراقی الفلاح میں ہے:

اخبرنی شیخی محمد بن احمد الحموی الحنفی بانهم یتاذون بخفق النعال یعنی میرے شیخ محمد بن احمد حموی حنفی نے مجھے بتایا ہے کہ جوتوں کی آواز سے مُردوں کو دکھ ہوتا ہے۔ سو اس کا ..... **جواب** یہ ہے کہ یہ قول صحیح احادیث کے خلاف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مبارکہ کے خلاف ہے اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے بھی خلاف ہے خاص کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کے اور تمام مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار مع گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جنازوں کے دفن کرنے کے لیے جوتے پہن کر قبرستان تشریف لایا کرتے تھے جو قطعی طور

پر متعدد طرق سے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور حضرت علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار ص ۲۹۵ باب المشی بین القبور بالنعال کے باب میں صاف اور صریح طور پر امام اعظم رحمہ اللہ وامام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ کا مذہب لکھا ہے کہ ان کے نزدیک قبرستان میں جوتوں سمیت جانا بلا کراہت جائز ہے۔

نیز مراقی الفلاح کے حاشیہ میں محشی حضرت طحطاوی رحمہ اللہ نے بھی صفحہ ۳۷۰ میں اس قول کی تردید بایں الفاظ فرمائی ہے ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا ولنا قولہ علیہ السلام وانہ لیسمع قرع نعالہما اذا انصرفوا یعنی قبرستان میں جوتوں کے ساتھ چلنا ہمارے مذہب حنفی میں مکروہ نہیں جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب لوگ قبرستان سے واپس گھروں کو جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کی توجیہ میں اگرچہ علمائے کرام کا اختلاف ہے مگر وہ اپنی جگہ پر ہے ہمیں صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ جوتوں سمیت قبرستان میں جانا مکروہ نہیں ہے سو وہ ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد!

اور تحقیق اس امر کی کہ مردوں کا جوتوں کی آواز سننے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ سو اس تحقیق کی مکمل تفصیل "اصح الاقوال فی توجیہ حدیث خفق النعال" میں مذکور ہے۔

آمدم بر سر مطلب

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ روح کا تعلق ان اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہے جن کے عدم سے انسان کا عدم لازم آتا ہے۔ نہ ان اجزاء غیر ظاہرہ حسیہ کے ساتھ کیونکہ ان کے عدم سے انسان کا عدم لازم نہیں آتا کیونکہ اگر ایک انسان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا آنکھ پھوڑ دی جائے یا کان کاٹ دیا جائے یا ناک کاٹ دی جائے تو انسان معدوم نہیں ہوتا اور نہ اسے لفظ انسان کہنے میں نہ ذبح انسان کا کہتے ہیں بلکہ وہ مکمل انسان ہے لیکن اجزائے اصلیہ کے معدوم ہونے سے انسان معدوم ہو گا۔ لیکن نہ

اجزاء اصلیہ معدوم ہوتے ہیں نہ انسان معدوم ہوتا ہے ہاں البتہ ایک عالم سے نکل کر دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور اس عالم میں اس کے ساتھ ساری کارروائی کی جاتی ہے ینتقل من دار الی دار۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اجزائے اصلیہ کونسے ہیں اور کہاں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ نے تذکرہ قرطبیہ ص ۳۹ میں لکھا ہے اخرج مسلم وابن ماجۃ مرفوعًا لیس من الانسان شیئ الا یبلی الا عظما واحدا وھو عجب الذنب ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ وفی روایۃ منہ خلق و منہ یرکب الخلق یوم القیامۃ ای اول ما خلق من الانسان ھذا العظم ثم ان اللہ یبقیہ الی ان یرکب الخلق منہ تارۃ اخری وقد قیل یا رسول اللہ وما ھو؟ فقال مثل حبۃ خردل ومنہ ینبتون الحدیث یعنی مسلم وابن ماجہ نے مرفوعًا حدیث بیان کی ہے کہ ایک ہڈی کے سوا تمام انسانی جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے اور اس ہڈی کا نام ہے عجب الذنب قیامت کے روز مخلوق اسی سے جڑ جائے گی اور اسی سے شروع شروع میں انسان بنا اور سب سے پہلے انسان کے اجزاء میں سے یہی ہڈی پیدا ہوئی ہے۔ پھر اسی ہڈی کو اللہ تعالے رکھے گا یہاں تک کہ دوبارہ اسی سے پھر انسان کو جوڑے گا۔ اس مجلس نبوی میں ایک شخص نے استفسار کیا کہ اس ہڈی کی کیا مقدار ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس ہڈی کی مقدار آسانی کے لیے ایسے سمجھو جیسے رائی کا دانہ اور لوگ اسی سے پیدا ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی معصوم زبان سے دی ہوئی مثال

آپ نے سمجھانے کے لیے رائی کے دانہ کی مثال دی مطلب یہ ہے کہ بہت ہی قلیل مقدار ہے۔ اور فلسفۂ اسلام کے عالم اس کو جزء لا یتجزی سے تعبیر کر لیتے ہیں اور

یہی جزء ہے جو اول عمر سے اخیر عمر تک قائم رہتی ہے پھر جب انسان مرجاتا ہے تو اس وقت یا تو اس جزء کو زندہ ہی رہنے کی حالت میں اس کے بدن سے جدا کر دیا جاتا ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس جزء اصلی کو بھی موت دے دیتا ہے پھر دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اور اسی جزء کو عذاب و ثواب ہوتا ہے اور اس تقریر سے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں جیسے مفسر نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ج ۴ ص ۱۳۸ میں لکھا ہے: ولکننا نجد انہ شیئ واحد من اول عمرہ الی آخرہ والباقی مغایر للمتبدل لا یبعد ان ینفصل بعد موت البدن حیًّا او اماتہ اللہ ثم یعیدہ حیا وبھذا یثبت عذاب القبر وثوابہ وتزول الشبہات۔

تہافت الفلاسفہ ص ۱۲۱ میں خواجہ زادہ نے فرمایا ہے کہ اجزاء حقیقیہ جو در حقیقت وہی انسان ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت کے وقت فرشتے ان کو قبضہ میں لے لیتے ہیں، ان اجزاء اصلیہ کو نہ زمین کھاتی ہے اور نہ وہ اجزاء مٹی میں ملتے ہیں نہ ان سے پودے پھل اور دانے حاصل ہوتے ہیں، الاجزاء الاصلیۃ التی ھی الانسان فی الحقیقۃ تقبضھا الملائکۃ بامر اللہ تعالیٰ عند حضور الموت فلا یتعلق بھا الاکل (ای اکل الارض) ولا تختلط بالتراب ولا یحصل منھا النبات والثمار والحبوب۔

اور تہافۃ الفلاسفہ ص ۹۳ میں لکھا الفاعل المختار یجوز ان یحفظ الاجزاء الاصلیۃ عن التحلل یعنی اللہ تعالیٰ جو فاعل مختار ہے وہ اجزاء اصلیہ کو تبدیل ہونے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

تہافۃ الفلاسفہ ص ۱۲۰ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے وتلک الاجزاء قلیلۃ جدا وھی المسماۃ بالروح (ای مجازا کما فی قولہ علیہ السلام الحج عرفۃ واطلاق الصلوۃ علی الفاتحۃ (مشکوۃ ص ۷۸) واطلاق الوتر علی صلوۃ اللیل واطلاق التشھد علی التحیات للہ الی آخرہ سمی باسم جزءہ الاشرف (حاشیہ مشکوۃ ص ۸۵) قال فی البرھان نید لا للدین الزرکشی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۹۴ علیک بالنفس فاستکمل فضائلھا فانت بالنفس لا بالجسم انسان) تعند حضور

الموت بامر اللہ الملائکۃ بقبض تلک الاجزاء التی ھی الانسان بالحقیقۃ من غیر ان یقع فیھا تفرق وتبدل وتغیر فی صفاتھا یعنی وہ اجزاء بہت ہی قلیل ہیں اور انہیں مجازی طور پر روح بھی کہہ دیتے ہیں، اشرف جزء کے نام پر بلائے گئے (جیسے وقوف عرفہ کو حج فرمایا، سورۂ فاتحہ پر نماز کا اطلاق فرمایا۔ التحیات للہ الخ پر تشہد کا اطلاق اور ساری صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد پر وتر کا اطلاق فرمایا۔ اوتروا یا اھل القرآن)، اسی طرح کہتے ہیں انسان نفس کا نام ہے جسم گوشت پوست کا نام نہیں بہرحال جب انسان پر موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ ان اجزاء کو اپنے قبضے میں کرلیں جو دراصل وہی انسان ہیں، اور ان اجزاء میں باہمی پھوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی صفات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۲۹ میں لکھا ہے

ان الذرۃ التی قبضھا عزرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام من الارض اولا باقیۃ فی کل انسان لاتتبدل البتۃ وھی الجزء القائم منہ الذی اخذ علیہ المیثاق ویتوجہ الیہ فی القبر سوال الملکین ویتولی جوابھما بعد رد الروح الیہ والحیاۃ لہ وسائر اجزائہ سمت صمت وھو الذی یتعلق بہ الروح عند النفخ فی الصور ثم ینضم الیہ سائر الاعضاء والعنصریۃ حیث کانت بقدرۃ اللہ تعالیٰ حتی یقوم الشخص تاما کما کان فی الدنیا یعنی جس ذرہ کو حضرت عزرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی دفعہ زمین سے اپنے قبضے میں لے لیا تھا وہ ہر انسان میں باقی ہے اس میں قطعاً کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور وہ ذرہ وہی جزء قائم ہے جس سے روز میثاق میں عہد لیا گیا تھا اور اسی جزء سے منکر نکیر قبر میں سوال کرنے کے لیے متوجہ ہوں گے اور اسی ذرہ کی طرف روح اور حیات دوبارہ واپس کرکے ان سوالوں کے جواب دینے کا ذمہ دار وہی ذرہ بنے گا اور اس کے دوسرے تمام اجزاء چپ ساد ہوں گے۔ اور وہی ذرہ ہے جس کو بہ تعلق روح عذاب یا ثواب ہوتا رہتا ہے، پھر صور پھونکنے کے وقت دوسرے عنصری اجزاء و اعضاء جہاں

جہاں بھی منتشر اور پھیلے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سب اس ذرہ کی طرف آکر اس سے جڑ جائیں گے، حتیٰ کہ جیسے دنیا میں تام الخلقۃ مکمل شخص تھا اب پھر اسی طرح اٹھ کھڑا ہوگا۔

(۴) علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۰ میں فرمایا:

الانسان عبارۃ عن ذالک الجزء الذی هو باقٍ من اول عمرہ الی الآن فلم لا یجوز ان یقال انہ وان بقیت هذہ الجثۃ فی النار الا ان اللہ تعالیٰ نقل تلک الاجزاء الاصلیۃ الباقیۃ التی کان الانسان لعین عنها الی الثواب والعذاب یعنی انسان اس جزء کا نام ہے جو شروع عمر سے اب تک باقی ہے۔ تو اب اس صورت میں اس طرح کہنا کیونکر ممکن ہے کہ یہ جثہ اگرچہ باقی میں پڑا ہے مگر ان اجزاء اصلیہ باقیہ کو جو اصل انسان ہیں آگ اور عذاب کی طرف اللہ تعالیٰ منتقل فرما دے۔

نیز تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۳ میں فرمایا بل هو (الانسان) عبارۃ عن جسم نورانی سارٍ فی هذا البدن (العنصری) یعنی انسان سے مراد وہ نورانی جسم ہے جو اس بدن عنصری میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

نیز تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۴ میں فرمایا سریان النار فی الورد والدھن فی الزیتون والنار فی الفحم لا یقبل التحلل والتبدل والتفرق والتمزق یعنی اس نورانی جسم کے بدن عنصری میں سرایت کی مثال ایسی سمجھو جیسے گلاب کی پتی میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے یا زیتون کے دانوں میں تیل یا کوئلے میں آگ، مگر جزء اس قسم کی ہے کہ نہ تغیر و تبدل کو قبول کرتی ہے اور نہ پھوٹنے پھٹنے کو، یعنی گویا وہ جزء لا تتجزی ہے جس کو توڑ کر ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔

(۵) ابوبکر رازی جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۸ میں فرمایا فان قیل کیف یجوز ان یکونوا احیاء ونحن نراهم رمیمًا فی القبور بعد مرور الازمان علیهم قیل له الناس فی هذا علی قولین منهم من یجعل

الانسان هو الروح وهو جسم لطيف والنعيم والبؤس انما هما له دون الجثة ومنهم من يقول ان الانسان هذا الجسم الكثيف المشاهد فهو يقول ان الله تعالىٰ يلطف اجزاء منه بمقدار ما تقوم به البنية الحيوانية ويوصل النعيم اليه وتكون تلك الاجزاء اللطيفة بحيث يشاء الله تعالىٰ ان تكون تعذب او تنعم على حسب ما يستحقه ثم يفنيه الله تعالىٰ كما يفني سائر الخلق قبل يوم القيامة ثم يحييه يوم القيامة للحشر وقد حدثنا ابو القاسم عبد الله بن محمد بن اسحق المروزي قال حدثنا الحسن بن يحيى بن ابي الربيع الجرجاني قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهري عن كعب بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم قال نسمة المومن طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعها الى جسده ۔ (وفي الهامش هذا الحديث شاهد للمعنى الاول)

علامہ جصاص رحمہ اللہ نے سوال وجواب کے ذریعے مسئلہ سمجھایا کہ اگر کوئی سوال کرے کہ شہداء کے زندہ ہونے کی کیا صورت ہے جب ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبروں کے اندر مرورِ زمانہ کے بعد بالکل بوسی اور کھوکھری ہڈیوں کی حالت میں ہیں تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ انسان دراصل روح کا نام ہے جو ایک لطیف جسم ہے دکھ سکھ اسی کے ساتھ متعلق ہے نہ اس جثہ کے ساتھ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انسان تو یہی جسم کثیف ہے جو آنکھوں سے دکھتا ہے مگر اللہ تعالےٰ اس میں سے اتنی مقدار میں جتنے میں جاندار دھڑ بن جائے۔ باریک اور چھوٹے چھوٹے اجزا رلے کر ان کو ثواب (یا عذاب) پہنچاتا ہے اور ان لطیف اجزا کو اللہ جہاں چاہتا ہے ان کے استحقاق کے مطابق جزا سزا دیتا ہے، پھر جیسے دوسری مخلوق کو فنا کرے گا قیامت سے پہلے پہلے ان کو بھی فنا کر دے گا پھر قیامت کے روز میدانِ حشر میں جمع کرنے کے لیے پھر انہیں زندہ کریگا۔

حضرت جصاص رحمہ اللہ نے اس کے بعد وہ مشہور حدیث بیان فرمائی جس سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا نسمہ اُڑتا اُڑتا جنت کے درختوں کے پھل کھاتا ہے گا، حتیٰ کہ قیامت کے روز اس نسمہ کو اس کے پہلے جسد عنصری کی طرف واپس کردے گا اس مقام پر محشی نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے معنیٰ کی شاہد ہے اور دوسرے علماء جو اسی جسم کثیف مشاہد کو انسان کہتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جزا اسزا بر بر عضو کثیف مشاہد کو نہیں ہوتی بلکہ اجزاء لطیفہ کو ہوتی ہے۔

اور اس حدیث کو محترم جناب مولانا صاحب نے بھی تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۸ میں مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۵ و سنن ابن ماجہ ص ۳۱۶ و موطا امام مالک ص ۸۴ و مورد الظمآن ص ۱۸۷ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

(۶) اور انہی اجزاء کے متعلق حضرت ابن الہمام رحمۃ اللہ نے فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹ میں فرمایا جعلت الحیوٰۃ فی تلک الاجزاء التی لا یاخذھا البصر یعنی ان اجزاء لطیفہ میں حیات رکھی جاتی ہے جو دکھ نہیں سکتے۔ شامی ج ۲ ص ۲۰۱ میں لا یدرکھا البصر ہے، مطلب وہی ہے۔

نتیجہ: خواجہ زادہ، شعرانی، رازی، جصاص، ابن ہمام، شامی وغیرہم کی ان تشریحات سے معلوم ہوگیا کہ دراصل انسان ان اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور اس ڈھانچہ کو جو سر دھڑ پر انسان بولتے ہیں، یہ عرف ہے۔

امام غزالیؒ کی صاف عبارت، اور مولانا کی پیوند کاری

امام غزالی رحمۃ اللہ نے جو بیان فرمایا ہے اسے محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۸۲ میں خود نقل فرماتے ہیں: " موت کی وجہ سے جسم کے معطل ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے فساد مزاج یا اعصاب میں سُدّہ آجانے کی وجہ سے اعضاء مفلوج اور شل ہوجاتے ہیں اور دوران خون اور نفوذ رُوح میں رکاوٹ آجاتی ہے حالانکہ رُوح جو علم و عقل اور ادراک سے متصف ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے بعض اعضاء اسکے تصرف میں ہوتے ہیں اور بعض شل ہوجانے کی وجہ سے اس کا

اثر قبول نہیں کرتے۔

بات تو مثال کے بعد بالکل واضح تھی کہ روح بعض اعضاء میں اثر کرتی ہے اور بعض اعضاء اس کے اثر کو قبول نہیں کرتے اگر ان اعضاء کو ماریں یا سوئی چبھوئیں یا کاٹیں تو کچھ محسوس نہیں ہوتا مگر مع ہذا محترم جناب مولانا صاحب نے اس واضح عبارت کی بھی تشریح فرمادی اور تشریح بھی اپنے مطلب کی یعنی روح باوجود مکمل کوشش کے مفلوج اعضاء میں پورا اثر نہیں کر سکتی۔ یعنی اثر کرتی تو ہے مگر مکمل اثر نہیں کرتی اور شل کا ذکر ہی ترک کر دیا۔ اس سے یہ مطلب نکالنا کہ روح کا اثر میت کے بدن میں ہوتا تو ہے مگر پورا اثر نہیں ہوتا ہے اس تھوڑے سے اثر کی وجہ سے زائر کا سلام بھی سن لیتا ہے اور زائر کو دیکھ پہچان بھی لیتا ہے تو گویا شل اور مفلوج سے بڑھ کر میت میں حس ہوتی ہے اس قدر کہ جو زائر بالکل تندرست اور صحیح الاعضاء قبر پر کھڑا ہے اسے تو قبر میں لیٹا ہوا میت نظر نہیں آتا اور میت کا جواب سلام نہیں سنتا۔ یہ بات کم از کم ہماری سمجھ سے بعید تر ہے اور خدا کے ہاں تو کوئی چیز بعید نہیں۔

نیز امام غزالیؒ کی عبارت میں ایک دو قیدیں ایسی لگائیں جو قواعد کی رو سے ہر عالم سمجھ سکتا ہے کہ صحیح نہیں۔ امام رحمہ اللہ نے تو فرمایا ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان تؤخر الی یوم البعث واللہ اعلم بما حکم بہ علی کل عبد من عبادہ۔ مطلب عبارت کا تو بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو کوئی چیز نہ محال ہے نہ مستبعد ہے نہ مشکل ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قبر میں جسم کی طرف روح کو واپس کر دے اور اسے یہ بات بھی مشکل نہیں کہ روح جسم کی طرف قیامت تک نہ لوٹائے وہ خود مختار حاکم ہے جو چاہے حکم فرمائے۔ مگر محترم جناب مولانا صاحب نے پہلے لا یبعد والے فقرہ میں فی الجملہ کا اضافہ اور دوسرے لا یبعد والے فقرہ میں بکمالہ کا اضافہ فرمایا جس سے دونوں معطوف علیہ اور معطوف کے مابین مغایرت غارت ہو جاتی ہے حالانکہ مغایرت کا ہونا ضروری ہے اور دونوں فقروں کا مطلب جب ایک ہوا تو دوسرا لا یبعد کا اضافہ کلام کی فصاحت کو تو کم از کم ضرور عیب ناک کر دیتا ہے۔

تائید مسئلہ از مولوی عبدالحکیم سیالکوٹیؒ وصاحب الکافیؒ

ص ۹۳

پھر مولوی عبدالحکیم کی عبارت تو ہمارے دعوی کی مؤید ہے یعنی اعادہ روح صرف اسی قدر ہوتا ہے جس سے وہ انسان دُکھ اور لذت ونکیرین کا جواب سوال معلوم کرسکے اس سے زائر کا جاننا پہچاننا اور اسکے سلام کا جواب دینا ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح الکافی کی عبارت بھی یہی بتاتی ہے عند العامۃ توضع فیہ الحیاۃ بقدر ما یتألم لا الحیوۃ المطلقۃ یعنی جمہور کے نزدیک حیات صرف اسی قدر اسے دی جاتی ہے جس سے سزا کا ادراک کرسکے نہ کامل حیات جس سے زائر کا سلام سن کر جواب بھی دے سکے اور جان پہچان سکے اور چرواچرڑیا کا امتیاز بھی کرسکے، بلکہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کے قول کو بصیغۂ تمریض "قیل" سے بیان فرمایا وقیل توضع فیہ الحیوۃ من کل الوجہ یعنی ایک کمزور قول یہ ہے کہ اس میت میں من کل الوجوہ جان ڈالی جاتی ہے جس سے میت میں سب حواس باقاعدہ کام کرتے ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے اور مسائل فقہ حنفی اس سے آبی ہیں۔

تنبیہ: صاحب الکافی ابوالبرکات نسفی کے اس قول سے معلوم ہوگیا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری میں جو "ویسمع سلام الزائر" کا اضافہ ہے اس کا منشا بھی قول ضعیف ہے یا تو قاضی صاحب کا اپنا خیال ہے یا بعد میں کسی ناسخ کا اضافہ ہے۔

تمثیل، بہ جبریلؑ؟

جبرئیلؑ کی مثال کیسے درست ہے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ آپ بیک وقت آسمانِ ہفتم میں بھی ہوں اور زمین پر بھی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تھے جبرائیلؑ آپ کے ساتھ تھے جب مکہ شریف سے آپ چلے تو جبرئیلؑ آپ کے ساتھ تھے جب بیت المقدس میں پہنچے تو اس وقت مکہ شریف میں نہ آپ تھے نہ جبرئیلؑ تھے پھر پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو حضرت جبرئیل دروازہ کھلواتے ہیں سوال جواب کے بعد

جب دروازہ کھلتا ہے تب آپ بھی اور جبرائیلؑ اوپر جاتے ہیں، پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں جب دروازہ کھلتا ہے تب دونوں اوپر جاتے ہیں علی ہٰذا القیاس سب آسمانوں کے دروازے کھلواتے ہیں، دروازے کھلنے کے بعد اندر جاتے ہیں اگر حضرت جبرائیل کا استقرار ساتویں آسمان پر ہونے کی حالت میں زمین پر بھی تشریف فرما ہوتے ہیں تو دروازہ کھلوانے کی ضرورت ہی نہیں اس پر کونسی صحیح حدیث ناطق ہے کہ جبرائیلؑ ساتویں آسمان کے اوپر بیٹھے ہوتے تھے اور ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پھر یہ جو حدیثوں میں آتا ہے جبرائیلؑ آیا، جبرائیلؑ چلا گیا، تو ان سے حضرت جبرائیل کا ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ جانا تبیادر معلوم ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثال ایسی ہے جس نے بجائے وضاحت کے اور پیچیدگی اور اغلاق پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ مثال دینے سے مقصد مسئلہ کی توضیح ہوتی ہے۔

شعبی کی عبارت کس کی تائید کرتی ہے؟

پھر حضرت شعبی رحمہ اللہ کی بحر الکلام میں بیان کردہ مثال صریح طور پر آپ کے دعوٰی کی تردید کر رہی ہے کیونکہ آپ کا تو دعوٰی ہے کہ روح مومنین وانبیاء و کفار سب کی ان قبروں کے اندر ہوتی ہیں لیکن مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ روح تو علیین یا سجین میں ہی رہتی ہے جیسے سورج آسمان ہی میں ہوتا ہے سورج کبھی زمین پر نہیں آیا البتہ اس کی روشنی زمین پر پڑتی ہے۔

حوالہ حلیمی؟

پس حلیمیؒ نے جو فرمایا ہے ترد الروح الی جسدہ کلہ (سارے جسد کی طرف روح واپس کر دی جاتی ہے) یہ قول ضعیف ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت مفتی اعظمؒ سے جب سوال ہوا کہ مرنے کے بعد روح قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے تو اس کا جواب یوں نہیں دیا کہ قبر میں لائی جاتی ہے یا واپس کی جاتی ہے

بلکہ جواب دیا کہ جسم سے رُوح کو تعلق رہتا ہے دیکھو فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص۴۶۲ بحوالہ تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۹۲۔ یہ بحث الگ ہے کہ مسئلہ تعلق کی کیا پوزیشن ہے۔

تعارض ۱

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۹۳ میں فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۶ کے حوالے سے لکھا ہے:

ولا بعد فی تعذیب الجسد بعد تمزقہ فانہ یبتنی علیٰ عدم الشعور فی الجمادات وھو فی حیز الخفاء اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ جسم ریزہ ریزہ ہو جائے اور بایں ہمہ اس کو عذاب دیا جائے اس کے خلاف نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمادات میں شعور نہیں اور یہ خیال محل نظر ہے۔ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ حق یہی ہے کہ جمادات میں شعور ہے اور ادراک ہے حس ہے۔

مگر جب سماع الموتی ص۱۵۴ و ص۱۵۹ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے بالکل اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ جمادات میں شعور نہیں ہوتا چنانچہ ابن کثیر ج ۳ ص۴۳۹ اور کتاب الروح ص ۸ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو ان سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی مردے نہ سنتے ہوتے اور نہ سمجھتے ہوتے تو) ان ہی ان کو السلام علیکم کہنے کا حکم نہ ہوتا) تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔ اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کا نہ شعور رکھتا ہو نہ علم، محال ہے۔

اب اس شخص کو کیا سمجھ آئے گی جو تسکین الصدور اور سماع الموتی ہر دو کی عبارتیں دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ایک طرف دیکھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جمادات میں شعور ہوتا ہے اور شعور نہ ہونے کا خیال غلط ہے اور جب دوسری طرف دیکھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ مردے کو سلام کرو وہ سنتا دیکھتا ہے اور مردے کو جماد نہ سمجھو کیونکہ جماد کو نہ شعور نہ علم اور جماد اور معدوم شعور اور علم نہ ہونے میں برابر ہیں۔

بہرحال رُوح کا تعلق تمام اعضاء کے ساتھ کہنا تو قول ضعیف ہے اور بعض اعضاء کے

کسی حصہ کے ساتھ قول صحیح ہے۔ اب وہ بعض سے کونسا بعض مراد ہے اس کی تشریح الیواقیت والجواہر ص۲۴ میں ہے جو اوپر گذر چکی ہے دوبارہ دیکھ لیں۔

تعارض ۲

محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع دوم ص۲۴۶ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ بتایا کہ جب تک بدن مادی اور عنصری موجود ہو تو اس وقت تک روح کا تعلق اسی سے قائم رہتا ہے لیکن جب بدن عنصری ہی قائم نہ رہے (مثلاً یہ کہ اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو) تو اس صورت میں سزا اور راحت رُوح کو ہوتی ہے اور اس خاص صورت میں روح کا بدن مثالی سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ مادی اور عنصری بدن ہی باقی نہیں رہا اس لیے رُوح کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہو سکتا ہے جن کو درندے وغیرہ کھالیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

پھر ص۲۴۷ میں کہا جب تک مادی و عنصری بدن قائم ہے رُوح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتاتی حیثیت سے، اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے، تو جہاں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ روح کا بدن سے سرے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں رہتا اور رُوح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کر دیا جاتا ہے تو یہ اس صورت سے متعلق ہے جس میں بدن اصلی اور عنصری باقی نہ رہے۔

مگر ایک صفحہ کے بعد جب حوالہ جات کا خلاصہ نکالتے ہیں تو فرماتے ہیں ربالکل جواہات کے برعکس) کہ آپ اس مفصل اور مدلل با حوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی قبر کی راحت و عذاب کے سلسلہ میں روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق، اتصال اور ربط ہوتا ہے اگرچہ اس کے اعضاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔ ناظرین! مولانا کی بات سمجھ آئی؟

جلنے اور خاک ہونیکے بعد بھی جسدِ عنصری قائم ہے ؟

یہاں سے قدرتی سوال اٹھتا ہے کہ جب بدن جل کر راکھ ہو جانے تب تو بدن عنصری قائم نہیں رہتا اس لیے پھر مجبوراً بدن مثالی سے اس کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے لیکن جب بدن جل کر راکھ نہ ہو بلکہ مٹی ہو جائے ریزہ ریزہ ہو کر اکناف عالم میں بکھر جائے تو بدن عنصری اور مادی ہو بہو صحیح سلامت قائم رہتا ہے اسکی کیا وجہ ہے کیا یہ بات عقل سلیم قبول کرے گی ؟ کسی شخص کو ثالث مقرر کر لو وہی فیصلہ کر دے۔

دیکھو تو سہی جب جسم خاک یا راکھ بن گیا تو اربعہ عناصر کہاں ہیں ؟ آگ پانی مٹی ہوا، ان میں سے ایک عنصر خاک تو واقعی موجود ہے مگر وہاں نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا، تو بدن عنصری اور مادی کا اطلاق اس پر کیسے درست ہے ؟

تعارض ۳

تسکین الصدور طبع دوم ص۵۱ میں کہا، ایسی حیات (مطلقہ کاملہ، پوری حیات) یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا قیامت کے دن ہوگی اور اس حیات کی علامت یہ ہے کہ اس میں روح تمام بدن میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے اور روح بدن کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتی ہے اور ایسی مطلق اور کامل حیات میں بدن کو عادۃً خوراک پانی لباس وغیرہ جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور بدن میں حس و حرکت ہوتی ہے اور وہ جنبش کرتا ہے جس کا بخوبی لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور اس کی حرکات محسوس ہو سکتی ہیں اور ایسی حیات صرف دو دفعہ ہوگی دنیا میں اور آخرت میں، رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں۔

اب لکھ رہے ص۱۲۴ سطر ۲، ۳ "سوال نکیرین کے وقت گو عارضی سہی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مُردوں کے بعض اجزاء مثلاً پسلیاں جو آر پار ہو جاتی ہیں تو محسوس ہوتے ہیں اس کو حس کی نظر پڑے۔

اب مطالعہ ہیں ان دونوں مضمونوں کی عبارتوں کو سمجھے اور سمجھائے کہ پہلے کہا قبر اور برزخ کی حیات مطلق اور کامل نہیں، پھر کہا حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے اور محسوس بھی ہوتی ہے اور عقل و فطرت بھی مانتی ہے، گو ملحد و بے دین نہ مانیں۔ یہ دونوں باتیں کیسے سمجھ میں آئیں؟

قول صاحب تسکین، مخالف قرآنِ متین و رسولِ مبین

پھر یہ بات بھی فرمائی کہ وہاں کی حیات میں تغذیہ تنمیہ و لباس نہیں۔ حالانکہ خدا پاک کا فرمان ہے یُرْزَقُوْنَ (ان کو وہاں رزق ملتا ہے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تعلق من شجر الجنۃ جنت کے درختوں کے پھل کھاتے ہیں ہیں اور مرتے وقت فرشتے نیک کی خاطر ریشمی جنتی لباس اور کافر کے لیے دوزخی ٹاٹ لاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، قیام رکوع سجود سب ہی جتنی ہو علی رغم انف الملحد والزندیق تو قبر کو اتنا وسیع بنانا چاہیئے تاکہ میت اس میں کھڑا ہو سکے سر چھت کے ساتھ نہ ٹکرائے اور رکوع اور کھلا سجدہ بھی کر سکے۔ حالانکہ اس کی تغلیط حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ نے المورد الفرشی فی المولد البرزخی ص۲۸ میں فرمائی ہے "عام لوگوں میں مشہور ہے کہ قبر کے تختے اونچے رکھے جائیں کہ آدمی قبر میں بیٹھے تو تختے سر کو نہ لگیں تاکہ بیٹھنے میں میت کو تنگی نہ ہو، یہ بے اصل بات ہے کیونکہ مردہ کا جلوس و قعود جو احادیث میں وارد ہے وہ اور قسم کا ہے یعنی برزخی ہے اس کے لیے یہ تختے مانع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ توسیع وغیرہ جیسا کہ بیان کیا گیا اکرام ہے جسد مسلم کا اس کی روح کے سبب سے۔ پس اصل چیز انسان میں بھی روح ہے۔"

اس سے پہلے المورد الفرشی ص۲۷ میں فرماتے ہیں "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو بس ایک گڑھے میں اس کو دفن کر دیتے ہیں اور وہ وہیں پڑا رہتا ہے اور چند روز میں گل سڑ کر خاک ہو جاتا ہے۔ اسی خیال نے لوگوں کو موت سے متوحش کر رکھا ہے

صاحبو! انسان جسم کا نام نہیں ہے۔ یہ حال جو تم بیان کرتے ہو جسم کا ہوتا ہے روح کا یہ حال نہیں ہوتا۔ وہ تو عالم ارواح میں اور دارالنعیم میں پہنچتی ہے ـــ اور انسان اسی

رُوح سے انسان ہے وہی اصل چیز ہے۔ اسی سے انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس جسد کا جو احترام کیا جاتا ہے حیات میں بھی اور بعد موت کے تحسین کفن و توسیع قبر و استعمالِ حنوط و حمل علی الاعناق و صلوٰۃ جنازہ سے بھی، یہ سب بھی رُوح ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر رُوح قابلِ احترام ہے تو جسد بھی قابلِ احترام ہے ورنہ بے شمشیر کا نیام ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حیاتِ دنیا سے برزخی حیات کئی امور میں اکمل ہے کیونکہ ہم دنیا میں کھاتے پیتے ہیں برزخ والے بھی کھاتے پیتے ہیں دنیا والے نماز پڑھتے ہیں، برزخ والے بھی نماز پڑھتے ہیں۔ دنیا والے حج کرتے ہیں برزخ والے بھی حج کرتے ہیں بمطابق حدیث پاک دنیا والے اذاں نہیں سکتے، برزخ والے اذاں سکتے ہیں، دنیا والے قرآن پڑھتے ہیں برزخ والے بھی قرآن پڑھتے ہیں اور الزندیق والملحد ابن راوندی کے قول کے مطابق دنیا والوں کی طرح برزخ والے شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، بیویوں سے صحبت بھی کرتے ہیں۔ دنیا والوں کی روح صرف جسدِ عنصری میں بند ہے مگر برزخ والوں کی ارواح بیک وقت آسمانِ ہفتم کے اوپر بھی ہے اور جسدِ عنصری کے ہر ہر ذرہ میں بھی ہے، یا پل میں ساتوں آسمانوں سے اوپر پل میں بدنِ مادی کے اندر، خواب میں اسی وقت چین والے سے ملاقات کر رہی ہے اور اسی وقت امریکہ و ہند و ترک و عرب والے سے ملاقات ہو رہی ہے، پھر مشرکین کا دعویٰ کیا عجب کہ سچ ہو (والعیاذ باللہ) فوراً آجاتی ہیں جونہی ہم بلائیں۔

پھر کہتے ہیں کہ میت دیکھتا ہے پہچانتا ہے، اچھا تو اگر یہ بات مان لیں تو چاہیے تھا کہ عورتوں کو قبرستان میں جانا اس لیے ممنوع ہوتا کہ وہاں جانے سے بے پردگی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم نے شرح الصدور ص ۹۵ میں پڑھا ہے قال ما رایت الماء اذا کان فی الزجاجہ ما یتبین؟ قلت بلی قال فکذلک نری من یخدم، تا لعتی میت نے کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! میت نے کہا بس اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر عورتوں کا قبرستان الگ ہوتا تاکہ مُردوں کو بے پردہ نہ دیکھیں اور مردوں کا قبرستان الگ ہوتا کہ عورتوں کی بے پردگی نہ ہو۔ نیز نامحرموں کی قبروں پہ

عورتوں کو جانے کی ممانعت ہوئی، ان علماء کے مسلک میں جو عورتوں کو زیارت قبور کی اجازت دیتے ہیں اور جو علماء زیارت قبور سے مطلقاً منع فرماتے ہیں وہ علتِ ممانعت عورت کی بے صبری اور جزع فزع قرار دیتے ہیں اور بے پردگی وال وغیرہ کسی نے نہیں بتائی۔

ہماری اس تقریر سے

ایک معترض[1] کا لاعمی کا اعتراض

بفضلہ تعالیٰ باحسن الوجوہ رد ہو گیا اور مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ والحمد للہ

رہی شرح الصدور والے کی یہ عبارت سو یہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ دلائل شرع کے چار ہیں، قرآن پاک، سنت نبویہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اور یہ میت کا قول ہے جو خواب میں کسی کو سنائی دیا نہ قولِ میت حجت ہے اور نہ خواب ہی حجت ہے جب تک مؤید بالوحی نہ ہو۔ نیز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میت نے اس آدمی سے تو بات کر لی اور اس آدمی نے سن لی مگر میت ہم سے بات نہیں کرتا اگر کرتا ہے تو ہم کیوں نہیں سنتے قرآن نے بھی جس انداز سے بیان فرمایا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ ایک جگہ تو فرمایا **هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ**۔ کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو۔ استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ نہیں سنتے۔ دوسری جگہ فرمایا **فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** بھلا ان کو پکار تو دیکھو پھر تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ پکارنا بے کار ہے جب کہ ان کی طرف سے جواب ہی نہیں ملتا۔ مگر اس عہد کے کفار کو یہ جواب نہیں سوجھا تھا کہ تمہاری پکار نہ سنیں، ہماری پکار تو سن لیتے ہیں

[1] اس سے مؤلف کی مراد اللہ یار خاں چکڑالوی ہے۔

اور انہیں جواب بھی دیتے ہیں۔

نیز حبیب رب العالمین امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا میرے سے حج کے افعال خوب دیکھ سمجھ لو کیونکہ لعلّی لا ارٰکم بعد عامی ھذا (مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۲) شاید آپنے اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں یعنی میں انتقال کرجاؤں۔ جب یہ پاک ہستی وفات کے بعد نہیں دیکھ سکتیں تو دوسروں کے متعلق کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ وہ زائر کو دیکھتا پہچانتا ہے۔

الغرض زیارت قبور کی حدیث اور حجۃ الوداع میں آپؐ کا فرمانا لعلی لا ارٰکم بعد عامی ھذا (ترمذی صفحہ ۱۲) ان لوگوں کے مسلک کو ضعیف قرار دیتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ مردے قبروں میں پڑے ہوئے آنے جانے والوں کو دیکھتے اور جانتے پہچانتے ہیں۔ کیا مردے نعوذ باللہ اتنے بے حیا ہوجاتے ہیں کہ آنے جانے والی عورتوں کو بے حجابانہ دیکھتے بھی رہتے ہیں اور ان کی آواز بھی سنتے رہتے ہیں۔

کیا حیات کیلئے رُوح کا ہونا ضروری ہے جو جسم میں حلول کیے ہوئے ہو

ہم نے اس بحث کی ابتداء میں حیات کے معنوں میں سے ایک معنی حیات کا مختصر المعانی میں سے نقل کیا تھا۔ الحیوٰۃ صفۃ تقتضی الحس والحرکۃ ای الادراک بالحواس الخمسۃ الظاھرۃ وتفتقر الی البدن والروح یعنی حیات ایک ایسی صفت ہے جو حس اور حرکتِ ارادیہ کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی پانچ ظاہری حواس کے ذریعے ادراک کرنا اور اس حیات میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک بدن دوسری رُوح۔

حضرت ناصر اللقانی فرماتے ہیں والحق عند ھم ان الروح لیس شرطاً فی الحیوٰۃ بل للقادر المختار ان یوجد الحیوۃ فی ای جسم اراد سواء کان فیہ الروح اولا وسواء کان فی صورۃ الحیوان اولا کما وقع فی الجذع الذی حن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی علمائے حق کے نزدیک حق بات یہ ہے کہ حیات کے لیے رُوح کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس ذات قادر و مختار کو

قدرت ہے کہ جونسے جسم میں چاہے اس میں حیات پیدا کر سکتا ہے چاہے اس میں روح ہو یا نہ ہو، چاہے حیوان کی صورت میں ہو یا نہ ہو جیسے اس تنے میں جان پڑ گئی تھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رو پڑا تھا۔ مگر اس قول پہ ایک سوال کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

ولذٰلک ان تقول یجوز انہ تعالیٰ اوجد الروح فی الجذع ثم اتصف بالحیوٰۃ یعنی الناصر اللقانی کے اس قول پہ تو کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنۂ کھجور کے اندر روح پیدا کر دی ہو پھر اس روح کے داخل ہونے کی وجہ سے وہ کھجور کا تنہ وصفِ حیات کے ساتھ متصف ہو گیا ہو (حسن لیس ص ۹۳ حاشیہ مختصر المعانی)۔

جہاں لکھا کہ مردہ کی ہڈیاں اور بال پاک ہیں وہاں صاحب ہدایہؒ ج ا ص ۴۲ میں اس کی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں لانہ لاحیاۃ فیہما وھذا لایتالم بقطعہما فلا یحلہما الموت اذا الموت زوال الحیوٰۃ یعنی وجہ ان (ہڈی، بال) کے پاک ہونے کی یہ ہے کہ ان دونوں میں حیات نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کاٹنے سے دکھ نہیں ہوتا؛ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں موت حلول نہیں کرتی کیونکہ موت کے معنی ہوتے ہیں حیات کا زائل ہونا۔ یہاں صاحب نہایہ لکھتے ہیں قال شیخی ھذا تعریف بلازم المسمی بل الموت امر حسی یلزم منہ زوال الحیوٰۃ یعنی استاذ صاحب ہدایہ نے موت کی تعریف باللازم فرمائی ہے۔ دراصل موت ایک حسی چیز ہے جس کو زوالِ حیات لازم ہے۔

فائدہ: صاحب ہدایہ کی اس دلیل سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ میت میں دوبارہ روح نہیں

عہ اب تسکین الصدور کی بات ٹھیک ہوئی جو کہتے ہیں اگر عذاب صرف بدن کو ہوتا تو اس میں بخلق نوعٍ من الحیاۃ ایک گونہ حیات تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی رہا محشیؒ کا قول لک ان تقول سو یہ محض امکان عقلی ہے جس پہ کوئی دلیل نہیں۔

آتی اسلئے کہ بدن میت کو ہم جتنا ماریں یا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں یا آگ میں جلا دیں تو اس کو دکھ نہیں ہوتا۔

پھر صاحب نہایہ کے شیخ نے صاف کہہ دیا کہ موت حسی ہے جس کو زوال حیات لازم ہے۔ اب اس کے ساتھ روح المعانی کی عبارت فلو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاءؑ لا یری الناس النبی فیہ الا کما یرون سائر الاموات الخ چسپاں کرو اور پھر اس کے ساتھ حضرت استاذی الشیخ المفتی الاعظم رحمہ اللہ کا فتویٰ لگاؤ دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں، اب نتیجہ خود نکال لیجئے ہمیں بولنے کی ضرورت نہیں۔

اور تجرید لیتاقی حاشیہ مختصر المعانی ص ۹۲ میں احیا کے معنی نافع بنانے کے لکھے ہیں چنانچہ فرمایا احی الارض جعلھا نافعۃ فان ما ینفع حی ومالا ینفع کالمیت یعنی احی الارض کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو نافع (نفع بخش) بنایا کیونکہ نفع بخش چیز زندہ کہلاتی ہے اور جس چیز سے نفع کچھ نہ ہو تو وہ مردہ کی طرح ہے۔

معنی الموت امام راغبؒ کے نزدیک

امام راغب نے المفردات ص ۴۹۴ میں موت کے معنی یہ کیے ہیں کل نفس ذائقۃ الموت فعبارۃ عن زوال القوۃ الحیوانیۃ وابانۃ الروح من الجسد یعنی موت کہتے ہیں قوت حیوانیہ کے زوال کو اور جسد سے روح کے جدا ہونے کو۔

حکیم الامۃ حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے المورد الفرشی ص ۱۱ میں فرمایا موت کی حقیقت معنویہ انتقال من عالم الی عالم یعنی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کو موت کہتے ہیں۔ اب حضرت محترم مولانا کو دیکھو وہ کیا فرماتے ہیں؟

تعارضؔ

تسکین الصدور طبع اول ص ۸۱ میں تو لکھا۔ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں

جس میں رُوح داخل ہوا وراس سے اختیاری طور پر فعل سرزد ہوں۔ مگر اس کے برعکس ص۶۳ میں لکھا کہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدون رُوح کے اس کا تصوّر نہیں ہو سکتا۔

اب دیکھنے والے اس کا جو مطلب سمجھیں وہ ہمیں بھی سمجھا دیں۔ مہربانی ہوگی۔

پھر یہ بھی سوال ہوگا کہ سلام زائر سننا اور زائر کو دیکھنا یہ اختیاری فعل ہے یا نہ؟ اور دنیا میں بھی یہ فعل اختیاری تھے یا قسری طور پر ان سے سرزد ہوتے تھے تو دنیا میں بھی وہ زندہ تھے یا مردہ؟

نیز اگر ان سے سرزد ہونے والے افعال اختیاری ہیں تو ان کے مکلف نہ ہونیکا کیا مطلب؟

موت کی تعریف اور حقیقت

"عالم برزخ" ص۱ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا، شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ علما کا قول ہے کہ موت عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں، بلکہ روح کا بدن سے تعلق منقطع ہونے کا نام موت ہے، یا یوں کہو کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا نام موت ہے (شرح الصدور ص۳) اور خاص مومن کی موت کی تعریف بعض علماء سے اس طرح منقول ہے کہ دارِ غرور سے دارِ سرور کی طرف اور دارِ مصیبت سے دارِ راحت کی طرف منتقل ہو جانے کا نام موت ہے۔

موت کی کیفیّت اور شدّت

کے متعلق "عالم برزخ" ص۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام غزالیؒ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قبض رُوح قدموں کی جانب سے شروع ہوتا ہے اور روح بتدریج قبض کی جاتی ہے اول قدموں کی رُوح قبض کی جاتی ہے پھر ساقین یعنی پنڈلیوں کی پھر رانوں کی پھر رُوح آکر سینہ میں رُک جاتی ہے۔ اس وقت آدمی کی زبان بند ہو جاتی ہے بولنے پر

قدرت نہیں رہتی۔ بعد ازاں رُوح حلقوم میں پہنچ جاتی ہے اس وقت دنیا کا دیکھنا
اور سننا سب ختم ہو جاتا ہے۔

پھر عالم برزخ میں ایسی چند روایات لکھیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام پر شدت
موت کا ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا کہ: بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رُوح
اللہ تعالیٰ کی طرف گئی تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ اے موسیٰ! موت کو تو نے
کیسا پایا؟ عرض کیا کہ جیسے زندہ چڑیا کو تیل کی گرم کڑھائی میں ڈال دیا جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو ایسا پایا
کہ جیسے زندہ بکری قصاب کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس کی کھال اتار رہا ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار!
موت کی کیفیت ایسی پائی جیسے کانٹوں کا جھاڑ اون اور رُوئی میں سے نکالا جاتا ہے
(شرح الصدور، واحیاء العلوم)

اور شہید کی وفات کے بارے معجم طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کو موت کی صرف
اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنا کہ چیونٹی کے کاٹنے سے ہو۔ ان ہر دو میں تطبیق مستبعد ہے۔

قرآن حکیم میں روح بتدریج نکلنے کا ذکر

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ
اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؁

سو جب کسی کی رُوح گلے تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت مرنے والے کو دیکھا
کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے کے تم سے قریب ہوتے ہیں لیکن تم ہمارے قرب
علمی کو سمجھ نہیں سکتے اور تم ہم کو دیکھتے نہیں۔

یعنی جب کسی کی جان سمٹ کر اس کے حلق اور ٹینٹوے میں آجاتی ہے اور ٹینٹوے میں

پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھا کرتے ہو اور ہم بھی اپنے قرب علمی کی بنا پر تم سے زیادہ اس مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں لیکن نہ تم ہم کو دیکھتے ہو نہ تم ہمارے قرب علمی کو اپنے جہل کی وجہ سے سمجھ سکتے ہو ہم تم سے زیادہ مرنے والے کے حال کو جانتے ہیں، پھر اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اور تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے اور تم خود مختاری کے دعوے میں سچے ہو تو اس روح کو گلے میں آئے پیچھے بدن میں لوٹا کیوں نہیں دیتے۔ یعنی اگر تم کسی کے حکم میں نہیں ہو تو اس جان کو جو حلقوم میں پہنچ گئی ہے اس کو پھر واپس جسم میں کیوں نہیں پھیر لاتے اور واپس کیوں نہیں کر دیتے؟

یعنی تم جو بعث کے منکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح پر اپنا قابو مانتے ہو تو اچھا بعث کے وقت تو روح اجسام میں داخل کی جائے گی اور اب نکالی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے روبرو ہو رہا ہے اور تم غمگین، پریشان بھی ہو تو اچھا اس روح کو واپس لے آؤ تاکہ ہم تمہاری طاقت اور زور آزمائی کا حال معلوم کر لیں۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو اور خود مختار ہو تو جان کو واپس کر لو تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ نہ کوئی جان نکال سکتا ہے اور نہ جان کو تمہاری منشار کے خلاف کوئی جسم میں داخل کر سکتا ہے اور تم واپس نہیں کر سکتے لہٰذا معلوم ہوا کہ تم کو جان پر کوئی دسترس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس کو جسم سے نکال دے اور جب چاہے داخل کر دے۔

ماجدیؒ اس طرح مطلب بتاتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمہارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش و کاوش سے اس کی جان کو روک لو الخ

مواہب الرحمٰن میں ہے ف یعنی جس وقت کسی شخص کی موت آتی ہے تو اس کی روح اس کے حلق پر پہنچتی ہے اپھر تم کیوں نہیں کسی حیلہ سے اس کو روک لیتے کیونکہ تمہارے نزدیک اس کی پیدائش سے فقط یہی غرض تھی کہ اسی دنیا میں جانوروں کی طرح کھاتے پیتے۔ اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ملک الموت کے ماتحت بہت فرشتے ہیں جو اس کی رگوں سے کاٹ کر روح کو تھوڑا تھوڑا کر کے جدا کرتے ہیں

یہاں تک کہ وہ حلقوم پر آتی ہے پھر اسکو ملک الموت وفات دیتا ہے وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ حالانکہ تم لوگ اس حالت میں نظر لگائے رہتے ہو، ف یعنی میت کو برابر دیکھتے رہتے ہو کہ وہ سکرات موت سے کیسی سختی اٹھا رہا ہے۔

زجاج نے کہا یعنی اے میت والو! تم اس حالت میں دیکھتے ہو کہ میت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے حلقوم پر روح ہے اب نکلنا چاہتی ہے۔ اور یہاں فقط یہ لوگ آنکھ سے نظر کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کو شانِ روح سے کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے اور نہ ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں، اسی واسطے تبصرون نہیں فرمایا بلکہ تنظرون فرمایا، یعنی تم اپنی حواس کی آنکھوں سے میت کو دیکھتے ہو کہ سخت کرب کے ساتھ الٹی سانس چلتی ہے اور پاؤں سرد ہو گئے اب دھڑ سرد ہوا، اب حلقوم پر سانس پہنچی اور گھرّا لگ گیا اور یہی وہ وقت ہے کہ روح حقیقی جو نظر نہیں آتی ہے اس کے حلقوم پر آگئی اب کوئی دم میں نکلنے والی ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ کوئی نہیں جب پہنچی جان ہنسلی تک اور کہا گیا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک والا اور جم گئی یہ بات کہ یہ جدائی ہے۔

تراقی جمع ترقوہ اور وہ دو ہڈیاں گلے کے سرے پر ملی ہیں، یعنی جن کو ہنسلیاں کہتے ہیں اور وہی مقام حلقوم ہے، اسی واسطے دوسری آیت میں حتّٰی اذا بلغت الحلقوم واقع ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ قلب سے تجاوز کرنے لگے کیونکہ قلب سے بالکل جدا ہونے پر موت آجاتی ہے اور قلب کا اوپر کا تل ہنسلی سے ملا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب آدمی کی روح اس کے قلب کے بالائی کنارہ پر آتی جس کو یہ کہتے ہیں کہ حلقوم پر دم آیا تو اس وقت سب چھوٹ جاتا ہے اور خدا سے کام پڑتا ہے،

نیز فرمایا وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وہ ملائکہ گواہ ہیں جو بنی آدم کی روحیں ان کے جسم میں ڈوب کر باہر کھینچ نکالتے ہیں اور وہ فرشتے بھی گواہ ہیں جو بند چھڑانے والے ہیں، گویا یہ روح اپنے بدن میں بندش سے جکڑی تھی اسے کھول دیتے ہیں پھر روح پھر سے اڑ جاتی ہے پھر اس کے بعد کہاں جاتی ہے؟

رُوح جسدِ عنصری سے نکل کر کہاں جاتی ہے ؟

حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ آسمان دنیا کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے، تو رُوح کے لیے مرنے کے بعد ایک جسم مثالی ہوگا۔
(اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۵)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اُٹھایا جاتا ہے۔ وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۷)

تو وہ عالم عالمِ مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اوّل پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالمِ آخرت کے ہے۔ وہیں اس کو فرشتے اُٹھاتے ہیں وہیں اس سے سوال کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے، وہیں اس کو عذاب ثواب ہوتا ہے۔ وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے (")

کشف السّتر عن معنی القبر

اس کا کیا مطلب ہے کہ ارواح اموات قبروں میں رہتے ہیں

اب اگر کوئی کہے کہ حضرت قبلہ قطب العالم مولینا رشید احمد صاحب رح نے فرمایا ہے کہ ارواح اموات قبروں میں رہتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ علماء اہل تحقیق کی اصطلاح میں قبر صرف اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسد خاکی کو مدفون کر کے خاک میں ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اس گڑھے کو عرف عام میں قبر کہتے ہیں حقیقت شرعیہ یہ نہیں، بلکہ حقیقی شرعی قبر عالم برزخ ہے۔ شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی رح نے اشعۃ اللمعات ص۱۲۳ طبع دہلی میں اور تکمیل الایمان ص۱۵ میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے اعتقادات میں سے ایک اعتقاد "عذاب قبر" ہے اور قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا کی دار اور آخرت کی دار کے درمیان واسطہ ہے اور اس عالم کا تعلق دونوں مقاموں کے ساتھ ہے نہ قبر سے مراد (عذاب وثواب قبر کی بحث میں) گڑھا نہیں کہ مُردہ کو جس میں گور کرتے ہیں (گاڑتے اور دفن کرتے ہیں) کیونکہ کئی مردے جو پانی میں ڈوب جاتے ہیں، کئی آگ میں جل جاتے ہیں کئی جانوروں کے پیٹ میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے بھی لازماً عذاب وثواب قبر ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی کی بھی کسی نے کسیوں سے قبریں نہیں کھودیں۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ان سب کو عذاب یا ثواب قبر کا ہے اور برحق ہے اور اگر اسی گڑھے کو قبر کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جلے یا ڈوبے یا درندوں کے کھائے ہوئے مردوں کو نہ قبر کا ثواب ہے نہ قبر کا عذاب ہے اور اس طرح لازم آئے گا قبر کے عذاب وثواب کا انکار جو محض جہالت اور ضلالت ہے۔

قبر کے معنی جمہور علمائے امتِ محمدیہ کے نزدیک

صاحب تسکین نے بہت سے اکابر کے حوالہ سے لکھا کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لفظ قبر سے عرفی قبر مراد سمجھے، چاہیے تو تھا کہ ان علماء سے ہی دریافت کر لیا جاتا تا کہ آپ جو فرماتے ہو کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں"، قبور سے آپ کی کیا مراد ہے؟ عرفی قبور یا کوئی اور؟ مگر صاحب تسکین ان سے دریافت کرنے کی بجائے خود ہی تحقیق کرنے بیٹھ گئے اور وہ تمام عبارات جمع فرما دیں جہاں عرفِ عام میں قبر بمعنی گڑھا آیا ہے اور یہ اصولی طرز استدلال نہیں۔ البتہ مرزا غلام احمد قادیانی نے توفی کے بارے یہی طریق اختیار کیا اور ۳۰ آیاتِ قرآنیہ جہاں جہاں توفی موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جمع کر کے لکھا کہ دیکھو ہر جگہ توفی بمعنی موت آتا ہے لہٰذا انی متوفیک اور فلما توفیتنی میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ حالانکہ منطق کی رو سے یہ شکل ثانی ہے جس کے انتاج کے لیے اختلاف المقدمتین فی الایجاب والسلب ہونا ضروری ہے.... دوسروں کو تو سمجھاتے ہیں کہ استدلال وہ ہونا چاہیے جو سلف سے منقول ہو اور جو نیا استدلال کرے گا وہ بدعتی ہے۔ مگر آپ خود یہاں اسی جرم کے شکار ہو گئے جس سے دوسروں کو منع فرماتے ہیں۔ جناب! یہ فرمائیے کہ کسی لفظ کا ایک معنی میں کثیر الاستعمال ہونا دوسرے معنوں میں استعمال سے مانع ہے؟ یہی لفظ قبر بحیث جنازہ میں صلوٰۃ الجنازہ کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقبر فیھن (ثلاث ساعات) موتانا کیا اس جگہ بھی قبر بمعنی گڑھا ہے؟ کیا اوقاتِ ثلاثہ میں میت کو دفن کرنا بھی منع ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس جگہ قبر بمعنی صلوٰۃ الجنازہ ہے۔ قال ابن المبارک معنی ھذا الحدیث ان نقبر فیھن موتانا یعنی الصلوٰۃ علی الجنازۃ (ترمذی ص ۱۳۴) اور حالانکہ اس معنی میں قبر کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح سمجھیے کہ حیاتِ انبیاء و شہداء کے بیان میں یا مابعد الموت

تعذیب و تنعیم کے مقام پر لفظ قبر بولا جائے تو اس قبر کے معنی گڑھے کے نہیں ہوتے۔
اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے قبر کے لغوی اور شرعی معنوں کی وضاحت کریں تاکہ عوام کو جو شبہ میں ڈالا جاتا ہے عوام حقیقت سے آگاہ ہو کر اصل بات کو پالیں۔
(واللہ الہادی الی الصراط المستقیم)

لغتِ عرب میں قبر کے معنے

امام لغت امام راغب اصفہانی نے قبر کے معنی مَقَرُّ المَیِّت لکھے ہیں (مفردات ص ۳۹۵)
اور تاج العروس میں ہے القبر مدفن الانسان یعنی انسان کے دفن ہونے کی جگہ۔

اصطلاحِ شرع میں قبر کے معنے

اصطلاح شرع میں جب قبر کی طرف نسبت عذاب یا ثواب کی ہو تو اس سے مراد عالم برزخ ہوتا ہے نہ یہ عرفی قبر جو گڑھیوں سے کھود کر بنائی جاتی ہے جس میں مسلمان اور اہلِ کتاب اور قدیم مشرکینِ عرب اپنے اموات کو دفن کرتے رہے اور دفن کرتے ہیں۔
دلیل اس امر کی کہ اصطلاح شرع میں قبر نام ہے عالمِ برزخ کا۔ ذیل کی تحریر سے معلوم ہوگی۔

۱۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

ہمارے اکابر دیوبند کے شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الخیر الکثیر ص ۱۵۸ میں الخزانۃ التاسعۃ فی احکام نشاۃ المعاد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ولھا اربع منازل، المنزل الاول عالم البرزخ وسماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقبر یعنی اخروی نشاۃ کی چار منزلیں ہیں ان میں سے پہلی منزل عالم برزخ ہے جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر رکھا ہے۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میانِ دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام۔ نہ گورے کہ مردہ را در و گور کنند، چہ بسا مُردگان کہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ کردند و در شکم جانوراں بہ تحلیل روند (اشعۃ اللمعات ط دہلی ج ۱ ص ۱۲۶) ترجمہ پیچھے گذر چکا۔

۳۔ مولوی محمد ابراہیم دہلویؒ

قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسدِ خاکی مدفون کر کے خاک ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں۔ اس گڑھے کو برائے نام یا بطورِ مجاز قبر کہتے ہیں، حقیقی قبر یہ نہیں، حقیقی قبر عالم برزخ ہے (کشف المغالطات ص ۱۵۹)

۴۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ

الیواقیت والجواہر ص ۱۷۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب طبعی اجسام سے روحوں کو قبض کر لیتا ہے[1] تو برزخ کے (حفرہ (گڑھے)) میں جسمانی صورتوں میں ان ارواح کو امانت کے طور پر رکھ دیتا ہے اور وہ برزخ نام ہے اسرافیل کی صور کا

۵۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حُفرہ (گڑھا) (مجالس الحکمت ص ۳۳)

غرض ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے اور وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے پس اس مثال ہی کا نام قبر ہے۔ کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذابِ قبر بھی ہوگا۔ اشکال تو تب ہوتا ہے جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں

---

[1] اس کی تائید قرآن کی آیت سے ہوتی ہے ۱۲ نیلوی

لاش دفن کی جاتی ہے، حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر، اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو (اشرف الجواب ص ۳۴۶/۲ نیز دیکھیے ص ۱۳۸ احوال التاشف ص ۵۵)

"تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ (آسمان) دنیا کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے۔ تو روح کے لیے مرنے کے بعد ایک جسم مثالی ہوگا۔۔۔

(اشرف الجواب ص ۳۴۵/۲)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے، وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔

(اشرف الجواب ص ۳۴۷/۲)

تو وہ عالم عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اول پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے وہیں اس کو فرشتے اٹھاتے ہیں، وہیں اس سے سوال کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے۔ وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے (ج)

اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسد مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے۔ اب چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگر ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ تو روح گو وہاں جسد مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔

اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا؟ سو جواب سوال اسی جسد مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ص ۵۱۴/۴ و ص ۸۲۵/۴)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التشرف اکمل و اشرف حصہ اول میں جو مجلہ اشرف الرحمن لاہور میں طبع ہوا ہے ص ۲۵ میں کتاب اللہ کا رد الدعوات کے زیر عنوان

حدیثیں مع فوائد کے تحریر فرمائیں۔

الحدیث القبر اما حفرۃ من حفر النار او روضۃ من ریاض الجنۃ من حدیث ابی سعید بتقدیم وتاخیر وقال غریب قلت فیہ عبید اللہ بن الولید الوصافی ضعیف قبر یا گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے یا ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔ ترمذی نے ابو سعید کی حدیث سے کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ بیان کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں عبید اللہ بن الولید الوصافی ضعیف ہے۔

الحدیث ارواح المومنین فی حواصل طیور خضر معلقۃ تحت العرش من حدیث کعب بن مالک ان ارواح المومنین فی حواصل طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ رواہ ن بلفظ انما نسمۃ المومن طائر ورواہ ت بلفظ ارواح الشہداء وقال حسن صحیح۔ یعنی مومنین کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں عرش کے نیچے معلق ہوتی ہیں۔ اور کعب بن مالک کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں اور نسائی میں ہے کہ مومن کی نسمہ جان، گویا ایک طائر ہے اور ترمذی میں ارواح الشہداء کے الفاظ ہیں اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

ف مجموع الحدیثین دلیل علی ان القبر المذکور فی النصوص ھو عالم البرزخ لا ھذہ الحفرۃ الخاصۃ فان المومن فی القبر ثم ھو معلق بالعرش وھو غیر الحفرۃ یعنی مجموعہ حدیثیں اس پر دلیل ہے کہ لفظ قبر جو نصوص میں وارد ہے اس کی تفسیر عالم برزخ ہے نہ یہ خاص گڑھا۔ چنانچہ مومن قبر میں ہے پھر اسی حالت میں وہ عرش سے بھی معلق ہے حالانکہ عرش میں حفرہ نہیں) اور اس تفسیر سے بہت سے اشکالات متعلقہ قبر رفع ہو جائیں گے۔

۶۔ نواب قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ

مظاہر حق ص۳۲ میں نواب قطب الدین رحمہ اللہ نے کہا عذاب قبر کا ثابت ہے کتاب سنت سے اس میں کچھ شبہ نہیں اور مراد قبر سے عالم برزخ ہے کہ وہ واسطہ ہے درمیان

دنیا اور آخرت کے اور ہر جانے ہو سکتا ہے کچھ معنے قبر کا گڑھا ہی مراد نہیں،

۷۔ اسعد الرحمٰن قدسی

اسعد الرحمٰن قدسی، معارف و طریقت ص۳۱۲ مطبوعہ گوشہ ادب چوک انارکلی لاہور میں لکھتے ہیں،

برزخ وہ عالم ہے جو اصطلاحاً قبر کہلاتا ہے اور قبر اس عرصہ کا نام ہے کہ موت کے وقت سے قیامت تک ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام ہے جسے لحد کہتے ہیں۔

۸۔ مولانا محمد علیؒ الہ آبادی

نور الصدور ص۱۰۰ میں مولانا محمد علی صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علماء نے فرمایا ہے کہ عذاب برزخ کو عذاب قبر کہتے ہیں اور برزخ کہتے ہیں دنیا و آخرت کے درمیانی مدت کو یعنی میت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں بلکہ عالم برزخ میں ہے اور جس میت کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو اسی عالم برزخ میں عذاب کرتا ہے

اور نور الصدور ص۱۴۴ میں ہے، جاننا چاہیے کہ عالم دنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم ہے اس کا نام برزخ ہے یہی عالم ارواح کے رہنے کی جگہ ہے۔ برزخ دنیا سے بڑا اور آخرت سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے درجے اور طبقے بہت ہیں اور اعمال کے موافق ارواح کے بھی مختلف درجے ہیں، یہ ارواح اپنے اپنے اعمال کے موافق ان درجوں میں رہیں گی۔

۹۔ علامہ ابن قیمؒ

اور نور الصدور ص۱۴۲ میں ہے، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ روح کے چار مکان ہیں۔ پہلا مکان ماں کا شکم، دوسرا مکان دنیا، تیسرا مکان عالم برزخ ہے یعنی موت کے بعد سے قیامت تک اور یہ مکان دنیا سے بہت زیادہ بڑا ہے جس طرح دنیا، ماں کے شکم سے بڑی ہے۔ چوتھا مکان آخرت کا مکان ہے یعنی جنت، جہنم،

۱۰۔ مولوی عبدالحق حقانیؒ

مولوی عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلوی فرماتے ہیں:

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں رُوح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرفِ عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں (عقاید الاسلام صفحہ ۱۶۰،۱۶۱)

قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالم برزخ میں مُردے سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آکر سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزا قیامت کو حساب و کتاب کے بعد ملیگی مگر جزا و سزا کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

دار العمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق قطع نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعوات صالحات اور صدقات و مبرات مردہ کے حق میں تخفیف عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انبیاء و مرسلین کو اور بعض عباد صالحین کو بطورِ تکلیف نہیں بلکہ بطورِ لذت و فرحت قبر (عالم برزخ) میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوتِ قرآن کی اجازت دی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے قبر[1] میں موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ قال اللہ تعالیٰ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بھی ایک عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے

---

[1] ناظرین عبارت کے سیاق و سباق سے کچھ گئے ہوں گے کہ علماء موسیٰ کا قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث میں قبر کے کیا معنی مراد لے رہے ہیں ۱۲

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وہ لوگ غرق کیے گئے اور اس کے فوراً بعد ہی آگ میں داخل کیے گئے۔ کلام عرب میں ف تعقیب بلامہلت کے لیے آتی ہے اس عذاب سے عذاب عالم برزخ مراد ہے.... مرنے کے بعد قیامت سے پہلے بھی عالم برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذاب قبر اور ثواب قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں ایک دفعہ مر جانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسم عنصری میں سزا اور جزا بھگتنے کے لیے دنیا میں نہیں آتی جس کو تناسخ اور ہندی میں "آواگون" کہتے ہیں۔ رہا یہ کہ مُردے کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے زندہ فرما دیا جائے تو وہ تناسخ نہیں۔

تناسخ یہ ہے کہ روح دوبارہ دنیا میں کسی قالب میں جزا و سزا پانے کے لیے آئے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد خویش و اقارب سے رُوح کا تعلق باقی رہتا ہے ص۲۴۵

۱۱۔ مولوی محمد احسن سنبھلی رح

والمراد بالقبر ليس ما يحفر ويدفن فيه الميت بل المراد به عالم البرزخ مما بعد الموت الى يوم النشور (نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد النسفیہ ص۱۴۱) قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔

۱۲۔ سید سلیمان ندوی رح

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ نے سیرۃ النبی ج ۴ ص ۸۶ کے حاشیہ میں لکھا: بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی۔ اور قرآن میں اسی قسم کی متعدد آیتیں ہیں۔

نیز اسی صفحہ کے متن میں زیر عنوان "قبر کی اصطلاح" لکھا : سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن میں نظر آتے ہیں، اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس لفظ قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے اُس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے جو ہو بہو اس خاکی جسم کا مثنیٰ ہوتا ہے، تم نیند میں ہو، اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہٖ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ و بہار کی لذتوں میں مصروف ہے اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے، اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو بہو تمہارا مادی جسم ہے اسی طرح موت کے بعد بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا (یہاں حاشیہ میں لکھا" اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس کیسے ہوتا ہے !) اور تمہاری روح اس جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خاکی نہیں۔ فرمایا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر-۲-) "یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرو ہوگی۔ اس لیے اصل مختلف، روح ہے جسم نہیں، جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا جو مادہ اور مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مُردوں کو اسی قبر میں جاتے

دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (انفال) اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کے روح قبض کرتے ہیں، مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور کہتے ہیں چکھو جلنے کا مزہ۔

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار اُن کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور یہ پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاش کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی رُوح کو جانور سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے منہ پر اور کبھی پیچھے پیٹھ پر مارتے ہیں اسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے اور کہیں گے کہ چکھو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم ہے صاف لفظوں میں اس آیت میں إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (قیامۃ) اس دن تیرے پروردگار کی طرف سے ہنکایا جاتا ہے۔

بعض ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اُڑتی پھرتی ہے" (ابن ماجہ کتاب الجنائز ص۱۰۶) خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی۔ اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رؤیائے صادقہ پہلے گزرا ہے اس میں جن جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام، ان کے وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہو گئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہو گئے اور ذرے ہوا میں اُڑ کر منتشر ہو گئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن گئے۔ انتہٰی کلامہٗ

۱۳۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح

مولانا محمد ادریس کاندھلوی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند اپنے رسالہ "عالم برزخ" ص۳۵ میں فرماتے ہیں برزخ لغت میں اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور اصطلاح شریعت میں برزخ وہ زمانہ ہے کہ جو موت اور حشر کے درمیان ہے۔ کما اخرجہ ابو نعیم عن مجاہد ورو ی نحوہ عن الفراء اور اس عالم برزخ کا دوسرا نام عالم قبر ہے۔ قبر اسی ظاہری گڑھے کا نام نہیں، بلکہ انسان کا ایک گھر ہے جس میں انسان دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے رہتا ہے۔ یہ گھر دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ اور یہ گھر دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جیسا کہ دنیا، ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے پھر ص۲۶ میں لکھا:

عالم برزخ، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے، نہ تو محض خواب ہے جیسا کہ عالم دنیا ایک خواب ہے۔ حدیث میں ہے الناس نیام، اذا ماتوا انتبھوا یعنی لوگ سو رہے ہیں، جب مرتے ہیں تب بیدار ہوتے ہیں۔ ع

مردماں را سر بسر در خواب دان گشت بیدار آنکہ او رفت از جہاں

تعلق کی تشریح: اور عالم آخرت بیداری ہے اور یہ عالم قبر نوم اور بیداری کے بین بین ہے۔ دنیا سے بالکلیہ تعلق منقطع نہیں ہوا۔ مردہ خود عمل نہیں کرتا لیکن زندوں کی طرف سے اس کو ثواب پہنچ سکتا ہے۔

عالم دنیا میں جسمانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور عالم برزخ میں روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے جسمانی کیفیتیں کالعدم ہو جاتی ہیں، اس لیے عالم برزخ میں نکاح وغیرہ نہیں۔

۱۴۔ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رح

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ برزخ کے معنی ایک ہی ہیں یعنی دو چیزوں کا پردہ۔ قرآن پاک میں ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ یعنی اسی اللہ نے دو دریا جاری فرمائے اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا جو ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔ نیز فرمایا: هُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ، وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا اسی اللہ نے دو دریا جاری فرمائے جن میں یہ ایک میٹھا مزیدار اور یہ دوسرا کھاری اور بدمزہ، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا اور ایک مضبوط روک لگادی۔ اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل و حاجب ہے اس کا نام بھی برزخ ہے چنانچہ سورۂ مومنون میں ہے: وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ان کے آگے مرنے کے بعد ایک عالم برزخ ہے جہاں ان کو قیامت تک رہنا ہوگا، یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہوجاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

۱۵- مولوی وحید الزماں حیدرآبادی

لغت میں برزخ اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور اصطلاح شریعت میں برزخ وہ زمانہ ہے کہ جو موت اور حشر کے درمیان ہے کما اخرجہ ابونعیم عن مجاہد وروی نحوہ عن الفراء) اور اسی طرح عالم برزخ کا دوسرا نام قبر ہے۔ قبر ظاہری اس گڑھے کا نام نہیں، بلکہ انسان کو ایک گھر ہے جس میں انسان دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے رہتا ہے، یہ گھر دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ اور یہ گھر دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنا کہ دنیا پیٹ سے زیادہ وسیع ہے۔ یہاں ایمان اور کفر، اخلاص اور نفاق، اچھے اور برے اعمال کی جانچ اور پڑتال ہوتی ہے، ایمان اور کفر طاعت اور معصیت کا اثر نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث نے جن چیزوں کی خبر دی تھی ان کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے، عالم برزخ، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے۔

نہ تو محض خواب ہے، جیسا کہ عالم دنیا محض یک خواب ہے۔ حدیث میں ہے الناس نیام إذا ماتوا انتبهوا (اب دنیا میں تو لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مرجائیں گے تب جاگیں گے) ترجمہ مؤطا امام مالک مترجم وحید الزماں ص۹۶ و ص۹۷۔

۱۶۔ امام طحاوی رح

شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۲۰ و ۳۲۱ میں فرماتے ہیں: یہ بلقین جانئے کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی کا نام ہے سو جو بھی عذاب کا اہل مرجائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ گڑھے میں اسے گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے، خواہ اس کو درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہوجائے یا اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہوجائے — تو حاصل یہ ہے کہ گھر تین ہیں ایک دنیا دوسرا برزخ، تیسرا سدا رہنے کی جگہ، یعنی جنت یا دوزخ، اور اللہ تعالٰی نے ہر گھر کے علیحدہ علیحدہ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔

۱۷۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

"مالابد منہ" ص ۱۲ کے حاشیہ میں ہے: "مراد از قبر عالم برزخ است۔"

۱۸۔ عبد الماجد دریابادی رح

تفسیر ماجدی ص۱۷۶ میں ہے آگ میں جل کر پانی میں غرق ہوکر، درندوں کی غذا بن کر، ہر حال میں ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ نیز ص۵۵۴ میں ہے: خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی مقامی رڈیائی شکل ہے۔

۱۹۔ حضرت شیخ الہند رح

لمعات التنقیح ج ۱ ص۱۸۹ میں ہے اس جگہ عالم قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور

آخرت کے مابین ایک جہان ہے۔

۲۰ محمدّ منظور نعمانی رح

معارف الحدیث ج ۲ ص ۳۳ میں ہے قبر سے مراد عالمِ برزخ کا ٹھکانا ہے اور ج ا ص ۱۸۷ میں لکھا: انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالمِ برزخ (عالمِ قبر) اور عالمِ آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔

۲۱۔ مولوی محمدّ طاہر قاسمی نبیرہ حضرت نانوتوی رح

عقاید الاسلام قاسمی ص ۴۶ میں ہے رُوحِ انسانی اگر دنیا سے پاک ہو کر جسم سے نکلتی ہے تو عالمِ قدس میں اس کا ٹھکانا ہو جاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں اور اگر ناپاک ہو کر دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو عالمِ ظلمت اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔ ص ۹۸ و ۹۹ میں لکھا "جو روحیں پاک اور مومن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے اور جو روحیں ظلماتِ کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ یہ ہر دو مقامات ارواحِ بشریہ کے لیے بمنزلہ دو مسافر خانوں کے ہیں جہاں قیامت تک نیک و بد روحیں ثواب و عقاب آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔

۲۲۔ شیخی المعظم مفتی اعظم ہند محمدّ کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ

جواہر الایمان ص ۴ میں ہے۔ قبر سے مراد زمین کا گڑھا ہی نہیں بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے

۲۳۔ مولوی محمد نجم الغنی رح

تہذیب العقائد ص ۵۴ میں ہے: قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے تاکہ یہ کیفیت شامل ہو ان لوگوں

کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں یا آگ میں جل کر مر گئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہو۔

۲۴۔ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

معارف القرآن ج ۸ ص ۴۶۵ میں یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔

۲۵۔ عبدالرحمٰن سلہٹی

مسئلہ: اعتقاد رکھنا چاہیے کہ عذاب قبر کا برحق ہے اور اس سے مراد عذاب عالم برزخ کا ہے کہ واسطہ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے، گنہگار مومن اس عالم برزخ میں محنت اور عذاب میں رہیں گے اور نیک کار مومن ناز و نعمت میں اس طرح پر کہ خواہش اور مرضی اس خالق حقیقی کی ہوگی۔ (احسن العقاید لاہل السنۃ والجماعۃ ص۲۱ لمحمد عبدالرحمٰن سلہٹی)

۲۶۔ سعید بن نبہان حضرمی

کفایۃ الاخوان فی التوحید ص۶ میں شیخ سعید بن سعد نبہان حضرمی نے فرمایا ہے

مثل السوال و النعیم والاذی لمیّت فی نحو قبر نبذ

و ذا مقام برزخ فلتعرف فالبعث فالحشر مهول الموقف

جیسے سوال نکیرین اور ثواب، عذاب میت کا جو قبر میں رکھا گیا ہے اور وہ قبر کا مقام پہچان لو پھر مر کر زندہ ہونا پھر جمع ہونا، پھر موقف کا خطرہ۔

قبر کا مفہوم از مولانا تھانویؒ ═══ ملاحدہ کے جواب میں!

مجالس الحکمت مجلس ۳ ص ۴۳ قسط ۲۰، ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ طبع مصطفائی جزء از حسن العزیز تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون

بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر مردہ جلایا گیا تو عذاب قبر کیسے ہوگا، فرمایا انہوں نے

یہی نہیں سمجھا کہ معذب کونسا جسم ہے۔ خاکی یا مثالی۔ معذب جسم مثالی ہے۔ یہ لوگ اس کو کیا جانیں، دیکھتے تو جانتے۔ تقریب الی الفہم خواب سے ہوسکتی ہے۔ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے، انتہی حقر و دگڑھا)

۲۷۔ تفسیر مرادیہ

تفسیر مرادیہ صفحہ $\frac{۱۶۷}{۱۶۸}$: خبر میں آیا ہے نامۂ اعمال بدکاروں کے، کراماً کاتبین آسمانوں کو لے جاتے ہیں، دروازے آسمان کے فرشتے جو دربان ہیں نہیں کھولتے، ان اعمالناموں کو نہیں اوپر آنے دیتے، پھر وہاں سے پھیر لاتے ہیں، زمین کے اوپر لاتے ہیں، زمین کے فرشتے بھی قبول نہیں کرتے۔ دوسری زمین کو لے جاتے ہیں وہاں بھی کوئی قبول نہیں کرتا اسی طرح ساتوں زمین تک کوئی جگہ قبول نہیں کرتی پھر ساتویں زمین کے نیچے ایک ٹھکانا ہے۔ بڑی تنگی اور تاریکی اس جگہ میں ہے اور وہی جگہ شیطان کے لشکر کے رہنے کی ہے۔ ان اعمالناموں کو اس جگہ میں سپرد کرتے ہیں، وہاں رکھتے ہیں اور اسی طرح کافروں کی جانوں کے تئیں اور مشرکوں منافقوں کی جانوں کو جب بدن سے نکال کر فرشتے اوپر لے جاتے ہیں، آسمان کے دروازے نہیں کھلتے، وہاں سے رد کرکے زمین میں لاتے ہیں قبول نہیں ہوتی پھر ایک زمین سے دوسری زمین تک اسی طرح ساتوں زمین تک کہیں جگہ نہیں ملتی، تب ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ان جانوں کو بند کر دیتے ہیں، شیطانوں کے ٹھکانے میں رکھ کر تنگی میں تاریکی میں ڈال دیتے ہیں۔ گو یہی قبر ہوتی ہے ان کی۔ تو یہیں عذاب پاتے ہیں۔

فرقۂ بریلویہ کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی سے کسی نے سوال کیا۔

عرض: برزخ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ شے جو متوسط ہو درمیان دو شے کے جیسے دونوں سے علاقہ ہو سکے، اب صرف برزخ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم قبر ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ برزخ سے مراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے؟ اس کے جواب میں احمد رضا خان بریلوی نے کہا:

ارشاد: نہ قبر نہ وہ زمانہ۔ بلکہ وہ مقامات جن میں ارواح بعد موت حشر تک حسب مراتب رہتی ہیں۔

عرض: درجات برزخ علیین اور سجین اور ان کے سوا جو ہوں ارشاد ہوں

ارشاد: علیین اور سجین برزخ ہی کے مقامات ہیں اور ہر ایک میں حسب مراتب تفاوت بے شمار۔

مفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی نے اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں لکھا ہے۔

قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے، مردہ کا جسم کہیں ہو، مگر روح تو محفوظ ہے، اسی روح کو جسم کے اصلی ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال و جواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو، یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔

مولوی رحیم بخش مؤلف کتاب الاسلام نے اسلام کی گیارھویں کتاب کے صفحہ ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ عالم برزخ یعنی عالم قبر کی حقیقت اس عالم دنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے۔ اور اسی کے صفحہ ۲۱۴ پر لکھا ہے:

عالم قبر جدا عالم ہے۔ اور دنیا کے عالم سے جدا اور مبائن ہے اور اس کے لوازم جدا ہیں اور اس کے جدا ہیں اس لیے اس عالم کا اس عالم دنیا پر پورا اور بعینہٖ قیاس نہیں ہو سکتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: ہم جب قبر کا لفظ بولتے ہیں تو یہی گڑھا مراد لیتے ہیں۔ نیز قرآن پاک میں اٹھارہ مقامات پر قبر کا لفظ آیا ہے سب جگہ یہی گڑھا مراد ہے اور احادیث میں بھی قبر کے معنی گڑھا ہی کے لیے جاتے ہیں، تم کس قرینہ سے قبر بمعنی برزخ لیتے ہو۔

جواب: ہم اپنی طرف سے قبر کے معنی برزخ نہیں لیتے۔ اکابر جید ماہرین قرآن وسنت علماء متقدمین ومتاخرین، محدثین مفسرین، متکلمین، صوفیا اور فقہاء کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرما لیے اور قرآن وحدیث وفقہ وعرف میں جو قبر بمعنی گڑھا ہے وہ بھی ہمیں مسلم

ہے۔ قبر کے دونوں معنی ہیں گڑھا اور برزخ، موقع محل کو دیکھتے ہوئے ایک معنی کو متعین کیا جاتا ہے۔

شرع شریف میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو عرفی معنوں میں بھی استعمال ہوتے رہتے ہیں اور شرعی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً نکاح کا لفظ عقد نکاح پر بھی بولا جاتا ہے جو آج کل عرف عام بھی ہے اور وطی کے معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں۔

اب رہا قرینہ اس بات کا کہ قبر کے معنی گڑھے کے نہیں ہیں بلکہ عالم برزخ کے ہیں حالانکہ تم دوسرے مقامات پر قبر کے معنی گڑھے کے کرتے ہو سو **جواب** اس کا یہ ہے کہ جن امور کا تعلق عالم دنیا کے ساتھ ہے تو وہاں قبر کے واقعی معنی بلحاظ لغت وعرف کے گڑھے کے ہی ہیں مثلاً میت کو دفن کرنا، لحد بنانا یا شق بنانا قبر کا، وسیع اور گہرا بنانا قبر کا، کچا رکھنا قبر کا اور قبر کے اندر یا اوپر پختہ اینٹیں نہ لگانا، قبر کو چونہ گچ نہ بنانا، قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا، مسطح نہ بنانا، قبر پر قبہ نہ بنانا اور قبر میں کچی اینٹیں اور سرکنڈے رکھنا، قبر میں لکڑی نہ رکھنا میت کو قبلہ کی طرف سے ہو کر قبر میں رکھنا۔ عورت کو دفن کرتے وقت اس کی قبر کا پردہ کرنا، میت کو قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہنا۔ قبر میں میت کا منہ قبلہ رخ کرنا اور میت کو قبر میں رکھ کر اس کے کفن کی گرہ کھول دینا، پھر میت کو قبر میں ڈھک کر مٹی ڈالنا، بالشت سے قبر کا بلند نہ کرنا، قبر پر چراغاں نہ کرنا، قبر پر نہ بیٹھنا نہ لیٹنا نہ سونا نہ ہنسنا نہ پیشاب پاخانہ کرنا اور قبر کی طرف منہ کر کے (قبر سامنے ہو) نہ نماز پڑھنا نہ سجدہ کرنا، نہ قبر کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، قبر میں میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سر کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کرنا، سر سے پاؤں تک لے جانا۔ قبر کے سر کی طرف کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی پہلی آیتیں مفلحون تک پڑھنا، اور قبر کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی آخری آیتیں آمن الرسول سے فانصرنا علی القوم الکافرین تک پڑھنا۔ پھر قبر کے ارد گرد کھڑے ہو کر تمام حاضرین کا اتنی دیر کھڑے ہو کر دعا واستغفار للمیت میں مشغول رہنا جتنی دیر تک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے تاکہ اس قرأت قرآن

ودعا و استغفار سے میت کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور اس سے میت خوش ہوگا اور نکیرین کے سوالوں کا جواب خوشی خوشی دے گا، قبر پر نہ لکھنا، قبر کو نہ روندنا، قبر پر بطور نشان کے پتھر وغیرہ رکھ دینا، قبر پر اچھاڑ نہ چڑھانا، قبر پر میلہ اور عرس نہ لگانا، قبر پر نذرو نیاز کی کوئی چیز نہ رکھنا، قبر پر جانور ذبح نہ کرنا، قبر پر قرآن پڑھنے والے اجیر نہ بیٹھانا، قبر پر اذان نہ کہنا، قبر والے سے قبر پر بھی حاجتیں مرادیں نہ مانگنا، قبر والے کو نہ پکارنا نہ اس سے سفارش کروانا، قبروں کی زیارت کرنا اور زیارت قبور مردوں کے لیے مسنون ہونا۔ اور زیارت قبور کے وقت سلام کہنا السلام علیکم یا اہل القبور یا - اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین یغفر اللہ لنا ولکم، یا - نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ - انتم لنا سلف ونحن بالاثر وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون - یا یرحم اللہ المستقدمین منا والمستقدمین او نحو ذالک، یا قبر پر پھول نہ بکھیرنا - دال وغیرہ نہ ڈالنا، قبر پر علم اور جھنڈا نہ لٹکانا، قبر کو غسل نہ دینا، قبر پر اگر بتی لوبان وغیرہ کی دھونی نہ دینا، قبر پر یا اس کے ارد گرد آگ نہ جلانا۔

کیونکہ یہ تمام امور دنیا والوں کے ساتھ متعلق ہیں اسی لیے تمام اہل علم ان مقامات پر گڑھا ہی معنی مراد لیتے ہیں قبر کا اور ان متعلقات میں سے کسی مقام پر بھی اہل علم نے قبر کے معنی عالم برزخ نہیں کیے۔

لیکن جن امور کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق فرشتوں، عالم بالا عالم برزخ اور خدا کے ساتھ ہے تو وہاں تمام اہل علم فقہاء محدثین مفسرین اور متکلمین صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ مراد قبر سے اس مقام پر عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں - وہ مقام نہ یہ جہان دنیا کا ہے نہ وہ جہان آخرت کا ہے بلکہ وہ جہان ان دونوں جہانوں کے درمیان واسطہ ہے اس کا کچھ تعلق اس دنیا کے جہان کے ساتھ بھی ہے (جس کی تشریح ص میں گذری) اور کچھ تعلق آخرت کے جہان کے ساتھ بھی ہے۔

اس لحاظ سے کہ دنیا کا باشندہ اس برزخ کے باشندے کے حق میں دعا یا استغفار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اس برزخ کے باشندے کو پہنچتا ہے بشرطیکہ دنیا کے

باشندے کی دُعا و استغفار خدا کی بارگاہ میں قبول ہو جائے اور برزخ کا باشندہ موحد ہو مشرک، منافق، کافر نہ ہو، حقوق العباد بھی اس کے ذمے نہ ہوں، انہیں شرطوں کے ساتھ اگر دنیا کا باشندہ بغیر ریا اور دنیوی غرض کے محض اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے قرآن شریف پڑھے گا یا کلمہ طیبہ یا کوئی کلمہ یا تسبیح تکبیر تحمید یا درود شریف پڑھ کر اس کا جو ثواب خدا سے حاصل ہونے کی اُمید ہے وہ برزخ والے کو پہنچنے کی درخواست کرے تو اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب برزخ والے کو پہنچاتا ہے، اسی طرح محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز فی سبیل اللہ صدقہ و خیرات کرتا ہے یا نفل نماز پڑھتا ہے یا نفلی روزہ رکھتا ہے یا نفل حج کرتا ہے اور ان سب کا ثواب برزخ کے باشندے کو پہنچانے کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ ان کا ثواب بھی اس کو پہنچاتا ہے اور اگر برزخ کے باشندے کے ذمے فرائض یا واجبات یا ان کے مثل اور حقوق اللہ یا حقوق العباد تھے، اس کی طرف سے اس کے وصیت کر کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں سے ادا کر دیئے گئے تو اس برزخ کے باشندے سے اتر جائیں گے اور اگر وصیت نہ کر گیا ہو اور دنیا کا باشندہ اپنی خوشی سے کچھ للہ غربا مساکین کو دے کر اللہ سے درخواست کرتا ہے کہ برزخ والے کے سر سے یہ فرائض اتر جائیں، تو اللہ تعالےٰ کی ذات کریم سے اُمید غالب ہے کہ قبول فرما کر برزخ والے کے سر سے فرائض اتار دے۔ اور اگر برزخ والے کے سر پر قرض ہو اور دنیا والا اس کی طرف سے قرضخواہ کو ادا کر دے تو برزخ والے کے سر سے قرض اتر جائے گا اور اگر برزخ والے نے دنیا میں رہ کر مسجد، سرائے، پُل، کنواں، مدرسہ یا اور کوئی رفاہِ عامہ کا کام اور سلسلہ جاریہ چھوڑا ہے تو جب تک وہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے تب تک برزخ والے کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ اور اگر اس نے کوئی اچھی کتاب تصنیف کی ہے جب تک اس کتاب سے فیض جاری رہیگا تب تک برزخ والے کو فائدہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر طالب علموں کو دین پڑھاتا رہا یا تبلیغ دین کرتا رہا یا اولاد کو دینی تعلیم دی اور اس تعلیم و تبلیغ کے مطابق جب تک عمل ہوتا رہیگا اس کا فائدہ اور ثواب برزخ والے کو پہنچتا رہے گا اور اگر برزخ والے نے دنیا میں

رہ کر کافروں سے زبانی یا مالی یا جانی جہاد کیا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو جنت برزخی میں سے کھانے کو طرح طرح کے پھل بھی ملیں گے جنت برزخیہ میں اُسے پر بھی ملیں گے جن کے ذریعے جہاں چاہے گا اُڑتا پھرے گا جہاں سے چاہے گا پھل کھاتا پھرے گا اور اس کو وہاں سبز لباس نصیب ہوگا خوش خوش رہے گا۔ اور اگر برزخ والے نے دنیا میں رہ کر بُرے کاموں کی تلقین کی جس سے لوگ خلاف شرع باتوں پر لگ گئے اور بغیر توبہ کیے مر گیا تو ان غلط کاریوں کی سزا اس برزخ والے کو ملتی رہے گی اور اگر لوگوں کو نوحہ کرنے سے روکا نہیں تھا اور اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے نوحہ کیا تو برزخ میں اس کو عذاب ہوگا اور اگر لوگوں کے حالات سمجھتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد لوگ میری قبر پختہ بنائیں گے یا تیجا، ساتواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سالیانہ، عرس، قوالی وغیرہ کریں گے پھر وہ ان باتوں سے منع نہ کرے۔ اب اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے یہی کرتوت کیے تو برزخ میں ان سب کرتوتوں سے منع نہ کرنے کی سزا اس کو ملے گی۔

اور برزخ والوں کے اپنے ذاتی امور ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں اہل دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہوتا سوائے روحانی تعلق کے یا مالک مملوک کے یا صاحب خانہ کے تعلق کے اپنے گھر کے ساتھ۔

مثلاً اہل دنیا کا اہل برزخ کے ساتھ باہمی گفت و شنید، امداد و استمداد، شفاعت، تصرف، دیکھنا، پہچاننا، سننا سمجھنا، اہل دنیا کے ضرب و شتم سے اس کے جسم عنصری کو دکھ ہونا، جلانے سے جسم عنصری کا دکھی ہونا۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ نہلانے سے اس کو ٹھنڈک کا محسوس ہونا، یا پھول رکھنے سے اس کو خوشبو محسوس ہونا یا دھوپ پر رکھنے سے اس کو دھوپ لگنا یا لُو لگنا یا سمجھانے سے اس کا سمجھنا یا سُنانے سے اس کا سُننا یا غصہ دلانے سے اس کا غصہ ناک ہونا یا خوش کرنے سے اس کا خوش ہونا یا بھوک پیاس لگنا، یا بے وضو یا بے غسل ہونا، یا اونگھنا یا سونا یا جاگنا یا روزہ رکھنا یا افطار کرنا، یا تیمم کرنا یا پنجگانہ نماز پڑھنا یا جمعے یا عیدین پڑھنا یا نماز کسوف یا خسوف پڑھنا یا نماز جنازہ پڑھنا یا زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کرنا یا حج و عمرہ کرنا۔ صوف

کعبہ وسعی و وقوف و جمرات کا رمی یا نکاح، بیع و دیگر معاملات و معاشرت وغیرہ۔

البتہ ان کا باہم ملاقات کرنا، نئے آنے والے روح سے اہل دنیا کے حال و احوال پوچھنا اور نئے آنے والے روح کا پہلی ارواح کو اہل دنیا کے احوال بتانا یہ سب برحق ہے

ایک اہم نکتہ

بہرحال قبر عرفی پر آنے والے کا سلام کلام اندر دفن کیا ہوا مردہ نہیں سنتا اور نہیں سمجھتا اور وہ اندر پڑا ہوا مردہ آنے والے کو نہ دیکھتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اور وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ اور ایسی آیتیں نص صریح ہیں۔ اور فرمایا فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے، اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں) بھلا ان کو پکار تو دیکھو اگر تم سچے ہو تو ان کو چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں۔ پھر فرمایا اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا ان کے ہاتھ پاؤں ہیں جن سے چل پکڑ سکیں یا ان کے کان آنکھ ہیں جن کے ذریعے سن دیکھ سکیں۔ ہر ایک میں دو شقیں نکلتی ہیں یا تو ان کے سرے سے پاؤں ہی نہیں (جل سڑ، کھائے گئے ہیں) یا پاؤں تو ٹھیک سلامت ہیں گلے سڑے جلے یا کھائے نہیں گئے، مگر چل پھر نہیں سکتے ان پاؤں کے ذریعے۔ اسی طرح یا تو ان کے ہاتھ ہی نہیں، یا ہاتھ تو سلامت ہیں مگر ان سے پکڑ نہیں سکتے۔ اسی طرح یا تو ان کی آنکھیں ہی نہیں یا آنکھیں تو ہیں مگر ان آنکھوں سے نظر کچھ نہیں آتا۔ اسی طرح یا تو ان کے کان ہی نہیں یا کان تو ہیں صحیح سلامت مگر ان کانوں سے سنائی کچھ نہیں دیتا۔ یعنی موت کے بعد ان کے جسد عنصری کا یا تو خاتمہ ہی ہو چکا ہے جل گل گیا ہے جیسے لات، عزّیٰ، مناۃ، ہبل، ہنومان، رام چندر، کرشن، بشن، مہادیو۔ یا ان کے جسد عنصری کا کچھ تغیر تبدل بحکم تعالیٰ نہیں ہوا جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کیونکہ ان سب کے اجساد عنصریہ بالکل صحیح سلامت

محفوظ ہیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے، مگر بایں ہمہ بقول محترم جناب مولانا صاحب اگر دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی۔ تو اس کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے، بلکہ وہ اس معنی میں برزخی اور اخروی ہے۔

(تسکین الصدور طبع اول صفحہ ۱۳۸ وصفحہ ۱۳۹)

مزید تشریح از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ سابق مدرس شیخ التفسیر والحدیث دار العلوم دیوبند ثم شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اپنی کتاب علم الکلام صفحہ ۲۴۴ میں عالمِ آخرت کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

اس عالمِ شہادت اور عالمِ دنیا کے علاوہ ایک اور جہان ہے جس کو عالمِ آخرت کہتے ہیں عالمِ آخرت کے دو طبقے ہیں، ایک مرنے سے حشر تک جس کو اصطلاح شریعت میں عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ دوسرا قیامت سے لے کر ابدالآباد تک، اس کو عالمِ حشر کہتے ہیں اول ہم کچھ مختصراً "عالمِ برزخ" کا حال ذکر کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ وقیامت صغریٰ قال تعالیٰ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ اور ان کے آگے ایک برزخ ہے جس میں قیامت تک رہیں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات فقد قامت قیامتہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرگیا اس کی قیامت ہو گئی، یہ قیامتِ صغریٰ ہے۔

قبر حقیقت میں اسی عالمِ برزخ کا نام ہے۔ اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی عالم برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آ کر

سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزا تو قیامت اور حساب و کتاب کے بعد ملے گی، مگر جزا سزا کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ عالم، عالم دنیا اور عالم آخرت سے بین بین ہے اور اسی وجہ سے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں اس لیے اس عالم کا عذاب من وجہٍ عذاب دنیوی سے مشابہت و مناسبت رکھتا ہے کہ منقطع ہو سکتا ہے اور من وجہٍ عذاب اخروی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ یہ عذاب درحقیقت عذاب آخرت کا آغاز اور شروع ہے اور اسی طرح عالم برزخ کی راحت و آرام بھی من وجہٍ عالم دنیا کی راحت و آسائش ہے اور من وجہٍ عالم آخرت کی راحت و آسائش سے مناسبت رکھتی ہے۔

دارالعمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق منقطع نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعوات صالحات اور صدقات و خیرات مُردہ کے حق میں تخفیف عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور بعض عباد صالحینؒ کو بطورِ تکلیف نہیں، بلکہ بطور لذت و فرحت قبر و عالم برزخ میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوت قرآن کی اجازت دی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ میں نے قبر میں موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

قال عزوجل۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی وہ لوگ برزخ میں صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت ہوگی اس روز یہ حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو مع فرعون کے نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بھی ایک عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وہ لوگ غرق کیے گئے اور اس کے فوراً بعد ہی آگ میں داخل کیے گئے۔ کلام عرب میں فَ تعقیب بلا مہلت کے لیے آتی ہے۔ اس عذاب سے بھی عالم برزخ کا عذاب مراد ہے۔

وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰئِکَةُ بَاسِطُوْا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ اگر آپ اس وقت کو دیکھیں جس وقت یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کے مارنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ نکالو اپنی جان کو آج تم کو ذلت اور رسوائی کا عذاب دیا جائے گا اسلیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبّر کرتے تھے۔

(پھر پانچ آیات اور نقل فرما کر لکھتے ہیں) ان آیات سے مومن اور کافر کے لیے قبر کا ثواب اور عذاب بخوبی ثابت ہوگیا اور اسی پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

لوقا کی انجیل ۱۶ : ۱۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول اس عنوان کے تحت نقل کیا ہے:

ایک دولتمند اور ایک غریب کی تمثیل: ایک دولت مند تھا جو نہایت عیش و آرام میں تھا اور ایک غریب تھا۔ دونوں کا انتقال ہوگیا: ۲۲ آیۃ میں ہے کہ جب وہ غریب مرگیا تو فرشتوں نے اسے لیجا کر ابراہیمؑ کی گود میں رکھدیا اور دولت مند کو عالمِ ارواح کے درمیان عذاب میں رکھدیا۔ جب اس نے آنکھ اٹھائی تو اس غریب کو حضرت ابراہیمؑ کی گود میں دیکھا تو پکار کر یہ کہا اے باپ ابراہیم ارحم کر۔ اور اس غریب کو میرے پاس بھیج تاکہ اپنی انگلی کے پانی سے مجھ کو تر کرے۔ کیونکہ میں آگ میں تڑپتا ہوں۔ بعدازاں اس دولت مند نے حضرت ابراہیم سے یہ درخواست کی کہ اس کو میرے باپ کے گھر بھیج دیجیے کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان کے سامنے جاکر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰؑ اور دوسرے نبی ہیں اس نے کہا شاید مُردوں میں سے اگر کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا "جب وہ موسیٰؑ اور نبیوںؑ ہی کی نہیں سنتے تو اگر مردوں میں سے کوئی جی اٹھے تو اس کی بھی نہ مانیں گے۔

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے عالمِ برزخ میں ہر شخص

پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے۔ اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذاب قبر یا ثواب قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں۔ ایک دفعہ مر جانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسم عنصری میں جزاء و سزا بھگتنے کیلیے دنیا میں نہیں آتی جس کو تناسخ اور ہندی میں آواگون کہتے ہیں۔ الّا یہ کہ کسی مُردہ کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے زندہ فرما دیا جائے تو وہ تناسخ نہیں، تناسخ وہ ہے کہ رُوح دوبارہ دنیا میں کسی قالب میں جزا و سزا پانے کے لیے آئے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد خویش و اقارب سے رُوح کا تعلق باقی رہتا ہے (صفحہ ۲۴۸)

(اس کے لیے ص ۱۶۱ دیکھو نیز ص ۵۰ دیکھو)

مضمون بالا کی تائید

نیلوی کہتا ہے کہ یہی بات قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ظاہر ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ وہ ..... نامی مبلغ مرد صالح جس نے محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بغیر تعلق نفسانی کے اپنی قوم کو نصیحت کی اور ان بدبختوں نے اس شخص کو شہید کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیائے فانی دار بلا و محنت سے نجات دی اور اپنے دارِ کرامت میں لے لیا اور ایک (اس کو خدا کی طرف سے) کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا (بعد اس کے کہ قوم نے پیروں سے ایسا روندا کہ آنتیں نکل پڑیں۔ پس وہ جنت میں چلا گیا اور جسم اس کا بس زمین پر رہا اور وہاں جنت میں رزقِ جمیل پاتا ہے اور جب جنت میں بیکرامت دیکھی تو وہاں بھی اپنی قوم کی خیرخواہی میں دریغ نہ فرمایا، بلکہ فرمایا اے کاش میری قوم کو یہ سب معلوم ہو جاتا کہ جو کچھ میرے رب عز و جل نے میری مغفرت فرمائی اور مجھے بزرگ لوگوں میں کر دیا۔ اس مقام پر حضرت رئیس المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شخص نے زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیرخواہی کی کہ تم لوگ رسولوں کی تابعداری کرو اور موت کے بعد بھی خیرخواہی چاہی کہ کاش ان کو اس منزلت و کرامت سے آگاہی ہو جاتی۔ رواہ ابن ابی حاتم۔

تشریح آیت از سحبان الہند دہلوی رحمہ اللہ

مولانا سحبان الہندؒ کشف الرحمٰن ص۵۰۸ میں فرماتے ہیں: "قوم کے اس نارو اور ظالمانہ سلوک کے باوجود جنت کے دخول کا حکم سن کر اس کو اپنی قوم یاد آئی کہ کاش میری قوم کو میرا حال معلوم ہو جاتا کہ توحید اور اتباعِ رسولؐ کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا... اگر میرا حال معلوم کرلیں تو سب ایمان لے آئیں۔

یاد رہے کہ اس جنت سے اصل حقیقی جنت مراد نہیں جس میں حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد مومنین کو وہاں گھر ملے گا بلکہ اس جنت سے مراد وہ جنت ہے جو عالمِ قبر یعنی عالمِ برزخ میں واقع ہے وہ خاص شہداء کا مقام ہے جو اس اصلی حقیقی جنت سے منفصل ہے کذا قالہ سحبان الہندؒ فی کشف الرحمٰن ص۵۰۸)

فائدہ: جب اپنی قوم و اقارب وغیرہ کے ساتھ روحانی تعلق قرآن پاک سے ثابت ہے تو اپنے جسد عنصری کے ساتھ روح کا تعلق یقیناً ثابت ہے جو اس قرآنی آیت سے بطریق دلالت النص ثابت ہے اور جو بات دلالت النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہو جائے وہ اسی طرح قطعی اور یقینی ہوتی ہے جس طرح عبارۃ النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہونے والی بات قطعی اور یقینی ہوتی ہے، یہ تعلق ثابت ہے اس تعلق کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا کیونکہ اس تعلق کے انکار سے قرآن پاک کی آیت کا انکار لازم آتا ہے اور ایک آیت بلکہ ایک کلمہ قرآنیہ کا انکار کفر ہے جس طرح سارے قرآن کریم کا انکار کفر ہے۔

مگر اس تعلق کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے روح جسد کی طرف واپس آ کر اس میں کان آنکھ، دل اور عقل اور زبان اپنے اپنے فرائض پر اسی طرح تعینات ہو جائیں جس طرح دنیوی زندگی میں ان فرائض کی ادائیگی ہوتی تھی یعنی کان اہل دنیا کا کلام سننے لگ جائیں۔ آنکھیں اہل دنیا میں سے قبر پر کھڑا ہونے والوں کو دیکھنے لگیں اور زبان اہل دنیا میں سے قبر کے پاس آنے والوں کے کلام سلام کا جواب دینے لگ جائے اور دل اور عقل اہل دنیا میں سے قبر پہ آنے جانے والوں کو جان پہچان کرنے لگ جائے۔ ایسا تعلق

قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت نہیں نہ عبارۃً نہ اشارۃً نہ دلالۃً نہ اقتضاءً (یہی چار طرق صحیح ہیں معرفت طرق الاستدلال کے اور باقی طرق سب فاسد ہیں کما بین فی اصول الفقہ) اور نہ ہی ایسا تعلق کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے، نہ اس تعلق کے وجود پر اجماع امت ہے نہ ہی امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام احمدؒ امام محمدؒ امام زفرؒ امام حسنؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ مجتہدین میں سے کوئی مجتہد اس تعلق کا قائل۔ اور مابعد کے علماء غیر مجتہدین میں سے کوئی قائل ہو بھی جائے تو وہ حجت شرعیہ نہیں بن سکتی کیونکہ ان کا قول ادلۂ اربعہ سے خارج ہے وہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے اس خیال میں ہم ان کو معذور سمجھیں گے۔ دلیل شرعی سمجھ کر اس پر عقیدہ نہیں رکھ سکتے

قبر کے معنی قرآن پاک میں

اور یہ اقوال مفسرین، متکلمین، محدثین و فقہاء جو ہم نے مندرجہ بالا اوراق میں جمع کیے ہیں ان کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے خصوصاً حنفیہ مسلک کی پوری تائید ملتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ یعنی اللہ تعالےٰ نے پہلے انسان کو بنایا پھر اس کی ہر ایک چیز کا اندازہ باندھ دیا پھر نیکی اور بدی کا رستہ اس پر آسان کر دیا پھر ایک وقت خاص تک اس کو زندہ رکھ کر اس کو مار دیا پھر اس کو قبر میں لے جا داخل کیا پھر جب چاہے گا اس کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا۔ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۔

تفسیر آیت کریمہ، ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ

اس آیت مبارکہ میں اصول حنفیہ کے مطابق قبر سے عرفی قبر مراد نہیں بلکہ قبر برزخی اور شرعی مراد ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اقبرہٗ کے معنی ہیں اَدْخَلَهٗ فِی الْقَبْرِ (اس کو قبر میں داخل کر دیا) یہ کام اللہ تعالےٰ کا ہے جس طرح اس سے پہلے جملہ معطوف علیہا میں اماتہٗ کے معنی ہیں اللہ نے اس کو موت دی اسی طرح اقبرہٗ کے معنی ہیں اللہ نے

اس کو قبر میں داخل کیا تو اِمَاتَہٗ (مارنے کا) فاعل بھی اللہ ہے اور اِقبار (قبر میں داخل کرنے) کا فاعل بھی اللہ ہی ہے۔ جیسے سب کو مارنا اللہ کا کام ہے ایسے ہی سب کو قبر میں داخل کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندو اور سکھ جب مر جاتے ہیں تو ان کو جلا دیا جاتا ہے ان کو لوگ نہ گڑھا بنا کر دفن کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالےٰ ان کے لیے گڑھا کھودتا ہے۔ مگر خدا سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا اس نے قرآن پاک میں جو فرمایا سچ فرمایا ہے وہ ضرور ہر مرنے والے کی قبر بناتا ہے اور اس میں ہر میّت کو داخل کرتا ہے اگرچہ لوگ اسے جلا کر اس کی راکھ اڑا دیں یا درندوں کی خوراک بن جائے یا پرندے یا پانی کے جانور اسے کھا کر ہضم کر جائیں اور اسی قبر کا نام ہے قبر حقیقی، قبر برزخی، قبر شرعی۔

رہا یہ امر کہ علماء مفسرین نے اقبرہٗ کے معنی کیسے ہیں امر بالاقبار تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین شافعی مسلک کے ہیں تو انہوں نے تفسیر کرتے وقت اپنے مذہب کو ملحوظ رکھا۔ کیونکہ اصول فقہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا باہم اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فروعات کے مخاطب کفار ہیں یا نہ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لانے کے مخاطب ہیں جب ایمان لا چکیں اس کے بعد فروع کے مخاطب بنتے ہیں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ جیسے کفار ایمان لانے کے مخاطب ہیں ایسے ہی دیگر فروعات کے بھی مخاطب ہیں۔ اب یہاں قبر میں میت کو داخل کرنا فروعات میں سے ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مسلمانوں کی طرح کفار بھی اس امر کے مخاطب ہیں۔ تب ہی انہوں نے یہ معنی کیے۔ لیکن ہمارے حنفیہ یہ معنی کریں گے وَضَعَہٗ فِی الْقَبْرِ (قبر میں اس کو رکھ دیا) یا جو معنی امام ابوبکر رازی رح نے احکام القرآن ص ۳۵۴ / ج ۵۸ میں کیے جُعِلَ لَہٗ قَبْرًا اس کے لیے قبر بنائی۔ اور علامہ نسفی نے مدارک میں فرمایا جعلہ ذا قبر یوارٰی فیہ۔ اور ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ میں لکھا پھر اس کو قبر میں لے جا داخل کیا۔ اور سبحان الہند نے لکھا اور پھر اس کو قبر میں پہنچایا اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے تفسیر ماجدی میں لکھا پھر اسے قبر میں لے گیا اور حاشیہ نمبر ص ۱۱۷۶ میں لکھا کہ یہ اشارہ ہے زندگی کی مختلف منزلوں کی طرف سب سے پہلے انسان بہترین قوٰی د

استعداد لیکر وجود میں آتا ہے پھر ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اسے موت آتی ہے پھر وہ عالم قبر میں جاتا ہے " اَقْبَرَہٗ " اس سے مراد انسان کا قبر میں لے جایا جانا ہے اس کے مصداق کے لیے تدفین ظاہری لازم نہیں، آگ میں جل کر پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں اور ہر صورت میں انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ انتہی

اور علماء مفسرین کا یہ کہنا کہ قَبَرَ مجرد ہو تو اس کے معنی ہیں دفن کرنا اور قابِرٌ کے معنی ہیں دفن کرنے والا۔ اور اَقْبَرَ مزید باب افعال ہو تو اس کے معنی ہیں دفن کرنے کا حکم دینا اور مُقْبِر کے معنی ہیں دفن کا حکم دینے والا اور وہ اللہ تعالٰی ہے اور قابِر (دفن کرنے والا) انسان ہے۔ یہ بات حصر پر دلالت نہیں کرتی۔ ایک باب کی کئی کئی خاصیات علماء نے بتائی ہیں من جملہ ان کے موافقت مجرد بھی ہے۔ چنانچہ عند الحنفیہ اس مادہ میں یہی خاصہ ہے تو اس اعتبار سے قابِر و مُقْبِر متحد المعنی ہیں اور اس کی مؤید مشکوٰۃ ص۲۵ کی حدیث ہے اِذَا اُقْبِرَ المیت اَتَاہُ ملکان یعنی جس وقت میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔ یہاں ظاہر ہے کہ اُقْبِرَ کا معنی قبر میں رکھنے کے ہیں اور یہاں یہ معنی بنتے ہی نہیں کہ جب میت کو قبر میں رکھنے کا حکم دیا جائے تو فوراً دو فرشتے آجاتے ہیں۔

تو جس طرح حدیث پاک میں اُقْبِرَ بمعنی قُبِرَ ہے اسی طرح قرآن پاک میں بھی اَقْبَرَہٗ بمعنی قَبَرَہٗ ہے یعنی قبر میں رکھا اس کو، اور یہ کام بغیر اللہ کے کسی کا نہیں۔ جیسے مارنا اور جلانا، اور وہ قبر وہی ہے جو عالم برزخ میں ہر انسان کو بلا استثناء ملتی ہے۔ فرعون کو بھی خدا نے مارا اور غرق کیا اور خدا ہی نے اس کے جسم کو صحیح سلامت بحر قلزم سے باہر پھینک دیا پھر اس کو کسی انسان نے دفن نہیں کیا۔ مگر خدا پاک فرماتا ہے کہ ہر انسان کو مارنے والا بھی میں ہوں اور اس کو قبر میں رکھنا بھی میں ہوں۔ اس آیت کی رو سے خدا نے اس کو قبر میں رکھا ہے جہاں صبح و شام اس پر آگ پیش ہوتی رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ قبر اس دھرتی کا گڑھا محسوس نہیں ہے بلکہ وہ اس برزخی زمین (ساتویں زمین) کا گڑھا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: القبر...... اَوْ حُفْرَۃٌ من حُفَرِ النیران۔ قبر (کافر کی) آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے (نہ یہ مٹی کا گڑھا) فافہم! اسی طرح جو جل جاتے ہیں راکھ ہو جاتے ہیں

یا درندوں پرندوں آبی جانوروں کی خوراک بن جاتے ہیں ان کی بھی قبریں ہیں۔ اور برزخ ہ کی غرق شدہ کافر قوم ادھر غرق ہوئی اُدھر قبر کی آگ میں جلنے لگ گئی۔ پانی ان کے لیے زمہریر کا عذاب نہیں جو یوں کہدیں کہ پانی ان کی قبر بن گیا۔ اگر پانی کو قبر کہو تو گڑھا زمین والا دعویٰ فوراً اپنی زبان سے باطل کر دیا۔ اتنا جلدی ذہول؟

برزخ کیا ہے؟

اب جب ثابت ہو گیا کہ ہر میت کی قبر اللہ تعالٰی بناتا ہے یا ہر میت کو قبر میں لے جاتا ہے۔ اور علماء نے ہمیں بتایا کہ اس کا نام برزخ ہے۔ تو اب یہ معلوم کرنا کہ برزخ کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟ نیز وہ مقام برزخ کہاں ہے؟ تو اس کے لیے لغت کی کتابیں دیکھیں جنہوں نے برزخ کے لغوی معنی بتائے۔ چنانچہ:

نہایہ ابن اثیر ص۸۹ میں ہے۔

البرزخ ما بین کل شیئین من حاجز، البرزخ الحاجز والحد بین الشیئین وقیل البرزخ ما بین الموت الی القیامۃ یعنی دو چیزوں کے درمیانی پردہ کا نام برزخ ہے: نیز مفردات راغب ص۸۹ میں ہے دو چیزوں کی درمیانی حد برزخ ہے اور بعض نے کہا کہ موت اور قیامت کے درمیانی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

قاموس ص۳۱۸ میں ہے:

البرزخ الحاجز بین الشیئین ومن وقت الموت الی القیامۃ ومن مات دخلہ۔ یعنی دو چیزوں کی درمیانی روک اور پردہ برزخ کہلاتا ہے۔ اور موت کے وقت سے قیامت کے دن تک کے وقفہ کو برزخ کہتے ہیں اور جو مر گیا وہ برزخ میں پہنچ گیا۔

صراح ص۱۱۳ میں ہے۔

برزخ بازداشت میان دو چیز ویقال ما بین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات فقد دخل البرزخ۔ یعنی دو چیزوں کی درمیانی روک برزخ ہے اور یہ بھی

کہا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کا درمیانی زمانہ جو موت سے روز نشور (قیامت) تک کا ہے جو شخص مرگیا وہ برزخ میں پہنچ گیا۔

منتہی الارب ص۸۰ میں ہے:

برزخ حائل مابین دنیا و آخرت و آں زمان مرگ تا زمان قیامت باشد۔ ہر کس کہ میرد داخل برزخ گردد۔

تاج العروس ج ۲ ص۴۶۹ میں ہے:

کہ مُقبِر اللہ ہے کیونکہ اللہ نے اس کو قبر والا بنایا اور لیس فعلہ کفعل الآدمی اللہ کا فعل آدمی کے فعل کی طرح نہیں ہے یعنی آدمی کا کام تو ہے کسیوں سے گڑھا کھود کر اس میں میت کو دبا دینا اور اللہ تعالیٰ جو میت کو قبر والا بناتا ہے۔ اس کی یہ صورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس میت کو برزخ میں لے جاتا ہے اس طرح وہ اس کو قبر والا بناتا ہے۔

پس قرآن پاک اور کتب لغت سے ثابت ہوا کہ برزخ دو چیزوں کے درمیانی پردہ کا نام ہے یا موت و قیامت کے درمیانی زمانہ یا جگہ کا نام ہے۔ برزخ کے معنی قبر، نہ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور نہ کتب لغت سے۔

قبر بمعنی گڑھا لینا معتزلیوں کا مذہب ہے

نیلوی کہتا ہے کہ اگر بالفرض یہ بات مان لیں کہ معتزلی عذاب قبر کے منکر ہیں تو ایک اعتبار سے قبر کا معنی گڑھا محض لینے والے بھی معتزلہ کے ہم نوا ہو جاتے ہیں، بایں طور کہ جن لوگوں کو قبر (گڑھے) میں دفن نہیں کیا گیا بلکہ جلا دیا گیا اور اس کی راکھ ہوا میں اُڑادی گئی یا درندے پرندے کھا گئے یا مچھلیاں اور دیگر دریائی جانوروں کی خوراک بن گئے تو گڑھا نہ ہونے کی وجہ سے وہ عذاب و ثواب سے الگ رہے اور یہی مذہب ہے معتزلہ کا

ایک مشہور بریلوی مولوی مفتی احمد یار خان بدایونی ثم گجراتی بھی اسرار الاحکام دانوار القرآن میں بریلوی مسلک کا ہو کر بھی اس امر کو مان گیا ہے کہ "قبر سے مراد صرف یہ غار

نہیں جس میں یہ مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی روح کو جسم کے اصلی ذرات سے متعلق کرکے اس سے سوال وجواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو، یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا ہو اس سے اسی حال میں سوالات قبر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں محسوس نہ ہو۔ ماں کے پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے، ماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

یہ بات ہم مانیں یا نہ مانیں بہرحال یہ اس کو بھی مسلم ہے کہ قبر صرف غار اور گڑھے کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ کا نام ہے قبر۔ وھو المطلوب!

قبر بمعنی برزخ کا کثیر الاستعمال ہونے کا مطالبہ

قبر بمعنی برزخ کے کثرۃ امثلہ کا مطالبہ کرنا ایسا ہے جیسے مرزائی کہتے ہیں کہ توفی کے معنے موت کے جہاں نہ ہوں اس کی مثالیں کثرت سے بیان کرو۔ اور حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام ص۵۳ میں فرمایا ہے

اِذَا کان المقام صالحاً جاء فیہ لغیر الموت بلا نکیر فمطالبہ کثرۃ الامثلۃ فیہ عناد وعنت لانہ ھناک فی العادۃ قلۃ لا تقدم صلوح اللفظ لذلک یعنی جب ایسا مقام ہو جہاں موت کے سوا دوسرے معنے کی صلاحیت ہو تو وہی دوسرا معنی ہوگا بغیر کسی انکار کے اور اب کثرتِ امثلہ کا اس بارے میں مطالبہ کرنا محض ضد ہی ضد ہے کیونکہ اس معنیٰ میں اس لفظ کا استعمال کم ہے یہ بات نہیں کہ اس لفظ کے یہ معنی بنتے ہی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

وقد کثر فی الحقائق الشرعیۃ اطلاق الفاظ لم تعھد اولم تشتھر عند اھل اللسان نحو جاءھم کتاب ونزول الوحی وتنزیل الکتاب وغیر ذالک مما لم یتلق الا من الشرع وقد اصطلح اصحاب الاصول علی الحقیقۃ الشرعیۃ لذالک وبحثوا عن غریب القراٰن کما فی مقدمۃ المطول وعن وجوھہ ونظائرہ وافرادہ کما فی الاتقان۔ انتھی۔

یعنی حقائق شرعیہ میں بعض سے الفاظ کا اطلاق ان معنی میں کیا گیا ہے جو اہل لسان کے ہاں معہود یا مشہور نہیں ہیں صرف شریعت ہی کے بتانے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

برزخ کہاں ہے؟

شریعت کی کتابوں تفسیر و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کی قسمیں ہیں یا یوں کہو کہ برزخ دو مقاموں کا نام ہے۔

اقوال مفسرین و متکلمین در بارۂ علیین و سجین

تفسیر مظہری اردو کے حاشیہ ۱؎ صفحہ ۴۴۴/۱۲ میں ہے موت انسانی کیا ہے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونا۔ اس کی توضیح کے لیے بطور اختصار اتنا لکھنا ضروری ہے کہ قبر کے اندر منکر نکیر کا سوال کرنا اور مردہ کا سن کر جواب دینا، قبر کا عذاب و ثواب، مردہ کا علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے درود کو سننا وغیرہ وغیرہ۔ مختلف احوال کا مردہ پر توارد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ پھر علیین اور سجین کا وجود تو صراحت قرآنی میں موجود ہی ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں تجربہ سے بھی ثابت ہے آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں کانوں سے بھی سنتے ہیں، غرض متواتر مشاہدات اور متواترات سے ثابت ہے کہ کروڑوں مردے دفن نہیں کیے جاتے جلا دیئے جاتے ہیں ان کی خاک اڑا دی جاتی ہے، اور دریاؤں میں بہا دی جاتی ہے۔ بعض لاشوں کو ممیا کر رکھ لیا جاتا ہے اور برسوں تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ان تجربات مشاہدات اور متواترات کا انکار نہیں کیا جا سکتا نہ عقل سلیم کو اپیل کرنے والی تاویل کی جا سکتی ہے پھر کیا ہے؟ کیا احادیث غلط ہیں؟ اور قطعی منصوصات خلاف واقع ہیں؟ ایسا نہیں ہے! اس گتھی کو سلجھانے کے لیے امام غزالی، شاہ ولی اللہ، متکلم اعظم اور بعض دوسرے اصحاب وجدان و شہود نے لکھا ہے کہ قبر نام اس محسوس مرئی گڑھے کا نہیں جو زمین میں کھودا جاتا ہے بلکہ عالم ارواح مجردہ اور عالم اجسام مادیہ کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اس میں دونوں عالموں کے کچھ خصوصیات ہیں نہ وہ مجردہ

محض ہے، نہ بالکل مادی، عالم ارواح جسمانی نہیں اور روح کا جسم نہیں، لیکن عالم برزخ جسمانی ہے، مشکل ہے رنگارنگ ہے، اس میں جواہر بھی ہیں، اعراض بھی ہیں، صورتیں بھی ہیں، صورتوں کی لمبائی چوڑائی، رنگینی، حسن و قبح اور امتیازات بھی ہیں لیکن برزخی جسم کا یہ مادہ نہیں، یہ صورت نہیں، یہ جوہر و عرض نہیں، یہ مقدار و شکل نہیں یہ صورت و نمو نہیں یہ حسن و قبح نہیں، عالم برزخ کا انسان کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے چلتا بھی ہے پھرتا بھی ہے خوش اور ناخوش بھی ہوتا ہے، لذت و الم کا احساس بھی کرتا ہے۔ اس میں شعور بھی ہے حس بھی ہے، علم و ادراک بھی ہے۔ مگر یہ ہماری دنیا کا مادی احساس و شعور نہیں ہے بلکہ اس کی ہر کیفیت یہاں کی ہر کیفیت سے زیادہ قوی لطیف اور تیز اور وسیع ہے۔ اسی برزخ کو عالم مثال اور عالم اشباح بھی کہتے ہیں، برزخ کا انسان لافانی ہے مرتا نہیں، تغیر پذیر نہیں، اس میں توالد و تناسل نہیں، پیدائش اور موت نہیں، ہماری دنیا کی جسمیت اور لوازم جسمیت اس میں موجود نہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے افلاطون کے جس عالم مثال کی صراحت کی ہے وہ شیخ ولی اللہ کے عالم مثال کا بالکل عین تو نہیں، کیونکہ امثال افلاطونیہ کو ہم حقائق تکوینیہ اور ماہیات امکانیہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر جزا و سزا والا عالم برزخ نہیں کہہ سکتے لذت و الم کا عالم نہیں قرار دے سکتے۔

حقیقت میں اصحاب وجدان کے نزدیک عالم مثال حقیقی ہے اور یہ عالم ظاہر اس کا سایہ وہ اصل ہے یہ اس کی کاپی، سایہ اور کاپی فنا ہو جائے تباہ ہو جائے مٹ جائے، اصل اور حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے نہ مٹتی ہے نہ تباہ ہوتی ہے۔ دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر مثالی اصلی جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔ گویا ہر شخص دو جسم رکھتا ہے۔

(۱) ایک یہی کثیف محسوس ظاہری، مادی جسم۔

(۲) دوسرا برزخی مثالی لطیف باطنی جسم۔

موت کا معنے ہے صرف ظاہری کثیف جسم سے قطع تعلق۔ مگر مثالی برزخی جسم سے

روح کا رشتہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ عالم برزخ چونکہ مجرد اور مادی کے درمیان حجاب حاجز ہے اور دونوں عالموں سے اس کا قرب ہے اس لیے دونوں عالموں کی کچھ کچھ خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ وہ اس عالم جسم کی طرح عمل اور سعی حیات کا عالم نہیں، دار التکلیف نہیں، ارادۂ خیر و شر میں وہاں کا انسان مختار نہیں۔ بلکہ اس زندگی کے نتائج و ثمرات اور جزا و سزا کا عالم ہے مگر روز قیامت کی طرح مکمل جزا و سزا کا عالم بھی نہیں ہے بلکہ کاروانِ انسانی کا ایسا وقفۂ منزل ہے جو گذشتہ زندگی کے افکار و کردار کا مجمل دھندلا خاکہ نظر کے سامنے لاتا ہے اور عقیدہ و عمل کی صحت و غلطی اور اچھائی اور برائی کے فیصلے کے آثار و علامات برزخ میں ہی منہ دکھانے لگتے ہیں۔ برزخی انسان اپنا ہاتھ پاؤں اپنا سر اپنا گوش و چشم اور اپنے قیام و قعود اور اطوار و گفتار غرض ہر جسمانی کیفیت و حالت کو دیکھتا جانتا اور سمجھتا ہے۔ بلکہ اس کا ادراک و احساس زیادہ لطیف اور تیز ہو جاتا ہے، راحت و رنج، مسرت اور غم، ہر وجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رکھتا۔ یہ جسم تو فنا ہو چکا ہوتا ہے، اس جسم کو جلا دیا جائے، اس کی خاک اڑائی جائے، پانی میں بہا دی جائے، اس کو شیر کھا جائے یا صندوق میں اس کو محفوظ رکھا جائے۔ برزخی جسم پہ اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا تو ہر احساس و ادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جسم مثالی پر جسم مادی کے تغیر سے کوئی تغیر نہیں آتا، روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے۔ جنت و دوزخ کے مناظر دیکھتی ہے خواب کی کیفیت اور کیفیت کی گوناگونی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خواب دیکھنے والے کا جسم اپنے بستر پہ ہوتا ہے۔ دیکھنے والے اس کو بستر پر موجود پاتے ہیں تنفس جاری ہوتا ہے لیکن خواب دیکھنے والا کبھی اپنے جسم کو جیلخانہ کے اندر بند پاتا ہے اور شدائد جیل کا اسے احساس ہوتا ہے، کبھی قصر شاہی میں اپنے کو رونق افروز پاتا ہے اور شاہانہ استقبال اپنے لیے دیکھتا ہے کبھی صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے تو کبھی مرغزاروں اور خیابانوں میں گل گشت کرتا ہے، یہ عالم برزخ تو نہیں مگر برزخ کا نمونہ ضرور ہے

جسمِ مثالی کا یہاں سے سراغ ملتا ہے۔ مثالی لذت و الم کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے۔

گویا افلاطون نے جس بعد کو مادہ سے مجرد قرار دیا ہے، دوسرے الفاظ میں غیر مادی جسمانیت کا اقرار کیا ہے، گو مکان کی تعریف میں اس نے یہ الفاظ کہے ہیں مگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرگروہ اشراقیہ کی نظر کشفی بھی ایک ایسے جسم تک پہنچ گئی تھی (جو باوجود حامل جسمانیت ہونے کے غیر مادی ہے) اس کی جولانگاہ اور اس کا میدانِ ظہور یہی عالمِ برزخ ہے۔ پس قبر تو نام اسی برزخی گڑھے کا ہے۔ یہی جنت یا دوزخ کا دروازہ ہے اسی میں اعلیٰ اور ادنیٰ یعنی علیین اور سفلیین دو مقام ہیں، سفلیین کا دوسرا نام سجین ہے۔ اور علیین کا دوسرا نام تندیل نور مبین اسی مقام سے جنت کی تفریح نظری اور جہنم کی تفر سوز میسر ہوتی ہے، یہیں جنت کی فرحت بخش ہوائیں اور جہنم کی جاں گسل لپٹیں آتی ہیں، یہی منزل جناں و سقر کی وقفہ میسر ہے۔ یہاں سہولت مل گئی تو آئندہ اس سے زیادہ سہولتیں ملیں گی۔ اور یہاں دکھ ہوا تو آئندہ کا دکھ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔ سچ ہے جو مر گیا اس کی قیامت بپا ہو گئی، یہ قیامتِ صغریٰ ہے جو قیامت کبریٰ کا پیش خیمہ اور ہراول ہے! برزخ ارضی بھی ہے عالمِ مادی کے قریب ہے اور سماوی بھی ہے، عالمِ روحانی کے قریب ہے اور فضائی بھی ہے، عالمِ مادی اور عالمِ ارواح کے درمیان حائل ہے۔

تو روح مومن کو زمین کی طرف لوٹائے جانے کا اظہار کیا جائے یا عرش کے نیچے قندیلوں میں سبز پرندوں کی شکل میں بند ہونے کا اقرار کیا جائے بات ایک ہی ہے۔ برزخ زمین بھی ہے آسمان بھی ہے اس زمین سے اعلیٰ ہے اور سما ارواح سے افضل ہے۔

مکمل تفصیل کی یہ جگہ نہیں، احادیث متعارضہ کا تعارض رفع کرنے کے لیے اتنا بیان کافی ہے۔ مگر اس پر یقین رکھنے کے لیے شہودی نظر اور وجدانی علم کی ضرورت ہے، گو عالمِ مثال کا وجود عقلیت کے خلاف تو نہیں مگر عقل سے ورا ضرور ہے اس لیے عقل استدلالی اور منطق برہانی کی اس حدود میں رسائی نہیں۔ واللہ اعلم۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سجین مقام ہے جیسے لفظی سجین سے ظاہر ہے۔ اکثر نے کہا کہ سب سے نیچے ساتویں زمین کا نام سجین ہے۔ یہ عطا نے ابن عباسؓ سے

روایت کیا۔ اور یہی قول مجاہدؒ و قتادہؒ و ضحاکؒ و ابن زیدؒ کا ہے۔

(حضرت) براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے اور عطا خراسانیؒ نے کہا کہ اسی میں ابلیس اور اس کی ذریات ہے۔ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ سجین جہنم میں کنواں ہے اور کلبی اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے پتھر ہے (تفسیر کبیر)

کعب احبار سے روایت ہے کہ کافر فاجر کی روح کو آسمان تک لے جاتے ہیں آسمان اس کو قبول نہیں کرتا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ یعنی ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے (اسی کی مانند حدیث صحیح میں آیا ہے) پھر فاجروں کی ارواح کو زمین کی طرف گرا لاتے ہیں، پس زمین اس کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ تب اس کو ساتویں زمین کے تحت میں لے جاتے ہیں یہاں تک کہ سجین پہنچے۔ اور یہی ابلیس کے لشکر کا مقام ہے اور یہ فجار کی خواری ہے۔ وہاں بسبب تلبین ملعونین حاضر رہتے ہیں جیسے ارواح مومنین کے ساتھ ملائکہ مقربین موجود رہتے ہیں۔ انتہی کلام السید عبدالاعظم الجلالی۔

سجین مقام برزخ

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجین ساتویں زمین کی تہ میں ہے اس میں کافروں کی روحیں رکھی جاتی ہیں۔

(۲) براء بن عازبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کی تہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان سے اوپر عرش سے نیچے ہے۔

(۳) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ کافر

لہ نیلوی کہتا ہے کہ براءؓ کی روایات ثلثہ ان کی روایت عود روح کے معارض ہیں خوب سمجھ لو۔

کی روح کو سجین میں لے جاؤ اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

(۴) ابن جریر نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی کہ فلق جہنم میں ایک کنواں ہے وہ ڈھکا ہوا ہے اور سجین کھلا ہوا ہے (ابن کثیر وقال غریب منکر)

(۵) احسن العقائد صفحہ ۳۲ میں ہے " اور لکھا ہے دقائق الحقائق میں کہ ہر گاہ پوچھے گئے بعض علماء احوال معادن ارواح سے، کہا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی جنات عدن میں رہیں گی اور لحد سے انس رکھیں گی اور اجسام ان کے اپنے رب کو سجدہ کرنے والے اور ادائے حمد میں مشغول رہیں گے اور ارواح شہیدوں کی فردوس اعلیٰ میں درمیان بہشت کے سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہیں گی اور جنت میں اڑتی پھریں گی اور جہاں خواہش ہوگی چریں گی پھر پناہ لیں گی قندیلوں میں جو لٹکتی ہیں بہشت میں، اور ارواح اولادِ کفار اور مشرکین کی (یعنی ان کے نابالغ بچوں کی) پھریں گی جنت میں اور نہ ہوگا ان کے لیے کہیں ٹھکانا روز قیامت تک پھر وہ خدمت کریں گی مومنین کی۔ اور ارواح ان مومنین کی جس پر کسی کا دین باقی ہے معلق رہیں گی ہوا میں نہ جنت میں جا سکیں گی نہ آسمان میں جب تک وہ دین اور وہ حق ادا نہ ہو، اور ارواح فاسق مسلمانوں کی عذاب کی جائیں گی قبر میں ملتصق جسم کے اور ارواح کافروں اور منافقوں کی سجین میں رہیں گی،

وھکذا فی مرآۃ الآخرۃ منتخبا عن البدور السافرۃ وکذا فی العقیدۃ المعینیۃ النسفیۃ اور شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی رحمہ اللہ) نے فتح العزیز میں تفسیر آیت كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ اور كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۔ میں لکھا ہے کہ ارواح فجار کی سجین میں مستقر ہیں اور ارواح ابرار کی علیین میں ہیں۔ جس کو خواہش ہو تفسیر میں دیکھ لیوے کہ بشرح و بسط لکھا ہے۔ اور لکھا ہے حافظ محی السنۃ ابو محمد الحسین الفراء البغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں ان کتاب الفجار الذی یکتب فیہ اعمالہم لفی سجین قال عبداللہ بن عمرؓ وقتادہؒ ومجاہدؒ والضحاکؒ سجین ھی الارض السابعۃ السفلی فیھا ارواح الکفار۔ سجین سب زمینوں سے نیچے ساتویں زمین ہے جس میں کافروں کی ارواح رہتی ہیں۔

(۶) بحر الکلام ص۸۶ میں ہے و السجین تحت الارض السابعۃ اسی طرح مسامرہ ص۲۶۳ میں ہے۔

احادیثِ نبویہ در بارۂ علیین و سجین

(۱) عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے پاس ام بشر رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا اے کعب! اگر تمہاری میرے بیٹے سے ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کو سلام کہنا! کعب نے کہا کہ اے ام بشر رض! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے ہم تو ایسی حالت میں مشغول ہوں گے کہ اس بات کا کیا ذکر ہے۔ ام بشر رض نے کہا کہ یہ کیا کہتے ہو۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ نسمۂ مومن جنت میں جہاں چاہتا ہے سیر کرتا ہے اور کافر کا نسمہ سجین میں قید رہتا ہے، کعب نے کہا کہ ہاں میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، ام بشر نے کہا کہ پھر میں اسی لیے یہ بات کہتی ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ و طبرانی و بیہقی و امام عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔

(۲) محمد بن عبدالرحمٰن نے روایت کی کہ جب بشر بن براء بن معرور کا انتقال ہوا تو ان کی ماں ام بشر رض کو سخت فراق کا غم ہوا۔ پھر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! ہمیشہ قبیلہ بنی سلمہ میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مرتا رہتا ہے تو کیا مُردے ایک دوسرے کو پہچانتے رہتے ہیں؟ تاکہ میں بشر رض کو سلام کہلا بھیجوں۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مُردے بیشک ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر چڑیاں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں پھر جب بنی سلمہ میں سے کوئی مرتا تو ام بشر رض اس کے پاس آ کر بعد سلام کے کہتی تھیں کہ تو میرے بیٹے بشر رض کو میرا سلام کہہ دیجیو۔ (رواہ ابن ابی الدنیا)

(۳) جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا انتقال ہونے لگا تو محمد بن المنکدر تابعی نے حاضر ہو کر (بعد سلام وغیرہ کے) عرض کیا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو سلام کہہ دینا۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۴) محمد بن المنکدر نے بہت باریک بات سوچی کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچادیں گے تو آپ بھی سلام کا جواب فرمائیں گے۔ اس ترکیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو سلامتی کی دعا حاصل ہو جائے گی اور یہ بہت عظیم نعمت ہے اور اب بھی جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت عظیم حاصل ہوتا ہے، والحمد للہ رب العلمین (مواہب الرحمٰن ص ۲۱۹/۳۰)

(۵) خالدہ بنت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تھا اس کے پندرہ روز بعد اُن کی بیٹی ام بنین میرے باپ عبداللہ بن انیس رض کے پاس آئیں، وہ بیمار تھے اور کہا کہ اے چچا اگر تم جاؤ تو میرے باپ سے میرا سلام کہنا (رواہ البخاری فی التاریخ)

(۶) ابو نعیم نے کہا کہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی بیماری قریب وفات پہنچی تو ان کو گھبراہٹ ہوئی پس ناگاہ ایک آدمی ان کی ملاقات کو آیا کہ اے ابو محمد! تم کو گھبراہٹ کیوں ہے اور بات صرف اسی قدر ہے کہ ادھر تمہاری روح نے جسم سے مفارقت کی اور ادھر تم اپنے ماں باپ علی رض و فاطمہ رض کے پاس اور نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی حضرت خدیجہ رض اور چچا حضرت حمزہ رض و جعفر رض اور ماموں قاسم رض و طیب رض و مطہر رض و ابراہیم رض اور خالہ حضرت رقیہ رض و ام کلثوم رض و زینب رض کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ (رواہ ابن عساکر)

(۷) سعید بن جبیر رح تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب مؤمن مرتا ہے تو اس کا لڑکا اس کا استقبال کرتا ہے جیسے مسافر کی خوشنودی (استقبال) کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ابی الدنیا)

فائدہ: یہ بات کسی کو کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہو۔ تو ضرور ہوا کہ سعید بن جبیر رح ثقہ تابعی نے اس کو کسی صحابی سے سنا اور صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لیکن سعید بن جبیر رح

نے اس لیے حدیث کر کے نہیں روایت کیا کہ شاید بعض نادان لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور وہ شک کرے پس اگر اس سے کہا جاوے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر اس نے شک کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر میرے کہنے میں شک کرے گا تو کافر نہ ہوگا۔ اس نکتہ سے آپ نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے (مواہب الرحمٰن ص ۲۱۹/۳۰)

(۸) ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انسؓ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب جو پہلے مر چکے ہیں، اس کو گھیر لیتے ہیں اور دونوں مل کر خوش ہوتے ہیں جس طرح سفر سے گھر آنے والے مسافر سے خوشی ہوتی ہے (ابن ابی الدنیا)

(۹) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پائے ہوئے بندے اس کا استقبال کرتے ہیں جیسے تم دنیا میں سفر سے آنے والے کا استقبال کرتے ہو، اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ پھر باہم کہتے ہیں کہ ابھی اس کو مہلت دو کہ ذرا آرام کرے کیونکہ وہ سخت کرب میں تھا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے اور فلاں عورت کا نکاح ہوگیا؟ وہ جواب دیتا ہے۔ اور پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے کیا یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وہ اپنی ہاویہ ماں کی گود میں گیا جہاں اس کی خرابی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے اعزہ و اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں جو آخرت میں ہیں پس اگر وہ تمہارے اعمال نیک پاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ الٰہی یہ تیرا فضل اور رحمت ہے تو اسی حالت پر اس کو موت دیجیو، اور قصہ ملاقات ارواح کو سعید بن منصور و ابن ابی الدنیا نے حسن بصری سے موقوفاً ان کا قول روایت کیا۔

نوٹ! یہ روایت العلل المتناہیہ باب حدیث فی تلقی الموتی المیت ص ۲۲۸/۲ میں ذکر کی گئی ہے اور ص ۴۲۹ میں کہا ہذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلام التمیمی، ہو الطویل وقد اجمعوا علی تضعیفہ وقال النسائی والدارقطنی متروک وقال المؤلف وقد روی عن ایوب موقوفاً و ہذا یروی عن عبید بن عمیر یعنی سلام متفق علیہ ضعیف ہے اور متروک ہے اس لیے یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں۔ ہاں ایوب سے موقوفاً مروی ہے۔ پس عرض اعمال میں یہ حدیث پیش نہیں کی جاسکتی۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عرض اعمال کے جو معنی عام لیے جاتے ہیں وہ معنی یہاں نہیں، بلکہ یہ عرض اعمال عالم برزخ میں جا ہوتا ہے۔

سبحان اللہ رح

سبحان اللہ کشف الرحمان ص ۴۰۹ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک میں مکلف زندگی یعنی دنیوی زندگی کے ساتھ مقید ہوں اور اگر کوئی اور صورت پیش آجائے اور یہ دنیوی زندگی کسی اور زندگی میں تبدیل ہو جائے اس کے احکام دوسرے ہوں گے اور وہاں کی نماز اور زکوٰۃ کسی اور طرح ہوگی۔

مفتی اعظم محمد شفیع رح

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رح نے معارف القرآن ج ۶ ص ۲۸ میں وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا کے تحت فرمایا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا حکم میرے لیے دائمی ہے جب تک زندہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ حیات ہے جو اس عالم دنیا میں زمین پر ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں اور یہیں سے متعلق ہیں، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد نزول زمانہ تک رخصت کا زمانہ ہے

صاحب النکاویہ علی الغاویہ

النکاویہ علی الغاویہ ص ۳۲۵ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد کا سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر فوت نہ ہوئے ہوں اور زندہ آسمان پر بیٹھے ہوں تو خدا کے فرمان قرآن کے خلاف ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واوصانی بالصلوۃ کا لفظ عیسیٰ ؑ کی طرف سے نقل فرمایا ہے اور اس لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام عمر میں نماز پڑھتے رہیں گے اور آسمانوں میں نماز کے مکلف کہاں؟

جواب یہ دیا گیا کیا اللہ کوئی کام نہ کریں گے؟ اگر یہ نکتہ آفرینی درست ہے۔ تو ذرا اوصافی پر بھی ہاتھ صاف کر دیجئے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو مرتے وقت یہ وصیت کی تھی تو گویا (والعیاذ باللہ ثم والعیاذ باللہ) خدا کے مرنے کے بعد حضرت مسیح نے تبلیغ کی تھی۔ اب اگر وصیت کا معنی معروف نہیں ہے (اور واقعی نہیں) تو صلوۃ کا مفہوم بھی صرف یاد الٰہی ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ

علامہ سیوطی نے شرح الصدور ص ۱۰۱ میں فرمایا وذالک البرزخ عند منقطع العناصر بحیث لاماء ولا ھواء ولا تراب ولا نار یعنی برزخ اس مقام میں ہے جہاں اربعہ عناصر ختم ہوجاتے ہیں وہاں ان چاروں عنصروں (پانی، ہوا، مٹی، آگ) میں سے ایک عنصر بھی نہیں ہے

سید انور شاہ صاحبؒ

حضرت سید انور شاہ صاحبؒ نے فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳ میں فرمایا البرزخ ھو انقطاع حیوۃ ھذا العالم وابتداء حیوۃ اخریٰ یعنی اس جہان کی زندگی ختم ہونے کے بعد دوسرے جہان میں زندگی شروع ہونے کا نام برزخ ہے۔

امام الہند شاہ ولی اللہؒ

حجۃ الاسلام حکیم الامت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے برزخ کے مثالی اجسام کی تصریح حجۃ اللہ البالغہ میں جس وضاحت سے فرمائی ہے وہ یہ ہے:

(۱) جسم سے نکلنے کے بعد روح ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہوتے ہیں۔

قیامت، بعد الموت تا قیامت کے درمیانی عرصہ کو کتاب وسنت میں چونکہ برزخ کا نام دیا گیا ہے۔ بنابریں شاہ صاحب برزخ کے بعد کی زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پھر جب صورتوں (انسانی اجسام میں) روح ڈالی جائے گی تو ویسا ہی نیضان ہوگا جیسے کہ ابتداء عالم میں تھا۔" (آیۃ اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ صفہ) نیز فرماتے ہیں:
اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انبیین (الملائکۃ المقربین) میں منسلک ہو جاتے ہیں، اور من جملہ ان کے ہی شمار کیے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ خوشی و محبت سے وہ اپنے پروردگار کی حمد سے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں (آیۃ اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۳)

سبیل الاعتدال فی بیانِ عالمِ المثال

اب تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اصطلاح شریعت میں قبر نام ہے برزخ کا اور برزخ وہ جگہ ہے جو اربعہ عناصر سے ماوراء ہے یعنی وہاں اس عالم دنیا کی نہ مٹی ہے نہ پانی نہ ہوا نہ آگ۔ اگر وہاں آگ ہے تو اور نوعیت کی اور اگر پانی ہے تو اور نوعیت کا اگر مٹی یا ہوا ہیں تو اور نوعیت کے۔ وہاں کے سانپ بچھو اور ہی نوعیت کے ہے اور باغات اور نوعیت کے جن کا اس عالم دنیا کے ساتھ کچھ تشابہ نہیں۔

پھر اس برزخ کے دو مقام ہیں نیکوں کے لیے علیین اور بدوں کے لیے سجین،
علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور سجین ساتویں زمین سے نیچے، علیین میں ارواح مومنین و صالحین و شہداء و صدیقین و انبیاء کرام علیہم السلام رہتے ہیں۔
اور سجین میں ابلیس اور اس کی ذریت اور کافروں کی ارواح خبیثہ رہتی ہیں،
اور اسی قبر (برزخ) علیین و سجین کو عالم مثال بھی کہتے ہیں اور عالم مثال حقیقت واقعیہ ہے، مجاز نہیں خواب نہیں فرضی بات نہیں، قرآن و سنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

عہ اجسام منعمہ سے روح کی علیحدگی کا صاف ثبوت ہے ۱۲

آیت قرآنی سے اس کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے قوم نوح کے بارے مِمَّا... خَطِیْئَاتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا یعنی وہ کافر اپنی خطا کاریوں کے باعث غرق کیے گئے۔ پھر فوراً اس کے بعد متصل بلا تاخیر آگ میں داخل کر دیے گئے۔ اسی طرح فرعونوں کے بارے میں فرمایا صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں ان دونوں آیتوں سے عذاب قبر کا ثبوت ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک کو گڑھا کھود کر قبر عرفی میں دفن نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے ورنہ ان آیتوں سے عذاب قبر کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس میں اس قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں دفن سے پہلے ثواب عذاب نہیں ہوتا کیونکہ فَ تعقیب بلا مہلت کے لیے ہوتی ہے۔

احادیث دالّہ بر عالم مثال

حدیث ۱: فجر کی نماز پڑھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ سے پوچھا اے بلال! تیرے پاس اسلام لانے کے بعد ایسا کونسا امید افزا عمل ہے جس پر تو کاربند ہے۔ بتاؤ! کیونکہ بہشت میں تیرے جوتوں کی آواز اپنے آگے آگے میں نے سنی ہے۔ تو حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا کہ میں نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو امید افزا ہے اتنا ہے کہ رات ہو یا دن کسی وقت بھی وضو کروں تو جس قدر مقدر ہوتا ہے اس وضو کے بعد نماز پڑھ لیتا ہوں (مشکوٰۃ ص ۱۱۶)

یہ واقعہ خواب کا ہو یا بیداری کا یا بیداری میں معراج کا بہرحال آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنت کی سیر کی اور اس میں اپنے آگے آگے بلال رضؓ کے جوتوں کی آواز سنی حالانکہ حضرت بلال رضؓ عالم دنیا میں تھے۔ ادھر پیغمبر کی معصوم زبان سے جو بات نکل ہے گو

بھی برحق ہے کہ آپ نے بہشت بریں میں بلال رضہ کے جوتوں کی آواز سنی تو وہ مثال ہی ہو سکتی ہے۔ بہرحال یہ ایک امر تھا عالم غیب میں جو آپ پر منکشف کیا گیا، خواب میں یا بیداری میں یہ ہی عالم مثال ہے۔

حدیث ۲: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جعفر (ابن ابی طالب) کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتا دیکھا ہے (مشکوٰۃ ص ۵۷۰) یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکاشفہ میں یا خواب میں دکھائی گئی۔ معلوم ہوا کہ واقعی وہ جنت برزخیہ میں ہیں جس کا نظارہ حضور کو کرایا گیا۔ کوئی فرضی امر نہیں نہ یہ قبر ہے اس میں اڑنا کیسے ہو سکتا ہے؟

حدیث ۳: حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جو رجم کیے گئے تھے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً فرمایا کہ فالذی نفسی بیدہٖ انہ الأن لفی انھار الجنۃ ینغمس فیھا (یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ (ماعز اسلمی) واقعی سچ مچ اب اس وقت جنت کی ندیوں میں غوطہ زن ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۱۶) یہاں بھی واضح معلوم ہوا کہ ماعز رضہ برزخی جنت کی ندیوں اور باغوں میں مزے کر رہے ہیں۔

حدیث ۴: کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے روز پوچھا اگر میں جہاد میں لڑتے لڑتے مارا گیا تو پھر میری رہائش کہاں ہوگی؟ تو آپ نے جواب دیا جنت میں (مشکوٰۃ ص ۳۳۲) ف کا لفظ تعقیب بلا مہلت کے لیے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ شہادت کے متصل بعد جنت مقام ہو جاتا ہے۔ یہی جنت برزخیہ ہے جو عالم مثال میں ہر مومن کو ملتی ہے۔

حدیث ۵: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز آکر فرمانے لگے کہ (عالم مثال میں) مجھ پر امتیں پیش کی گئیں تو دیکھتا ہوں کہ ایک ایسے نبی کی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے اور ایسے نبی کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف دو آدمی ہیں اور ایسے نبی کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف چند بندے ہیں اور

ایسے نبی کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ ایک بھی نہیں اور اتنی کثیر تعداد میں جماعت بھی دیکھی جس نے تمام افق آسمانی کو کثرت کی وجہ سے بند کر رکھا ہے میں نے سمجھا کہ امید ہے کہ یہ میری امت ہوگی۔ آواز آئی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم میں ہیں۔ پھر مجھے حکم ہوا غور سے دیکھو! پھر میں نے اپنے آگے بہت کثیر جماعت دیکھی جس نے تمام افق روک رکھا ہے پھر مجھے کہا گیا دائیں بائیں بھی نظر دوڑا یئے! تب بھی کثیر تعداد سے جماعت دیکھی جس نے تمام افق روک رکھا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی قوم ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ان کے پیشرو ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوتے ہیں جو نہ بد شگونی لیتے ہیں نہ دم کراتے ہیں نہ داغ لگواتے ہیں اور صرف اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۴۵۲)

حدیث ۶: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میں نے کعبہ شریف کے پاس اپنے آپ کو دیکھا تو ایک گندمی رنگ کا بہت ہی خوبصورت آدمی دیکھا جس کے گیسو بہت ہی حسین لگتے تھے ان میں کنگھی بھی دے رکھی تھی ان بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائی بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ تو حاضرین نے جواب دیا کہ یہ ہیں مسیح بن مریم۔ اس کے بعد اچانک ہی ایک اور بندہ نظر آیا جس کے نہایت ہی گھنگریالے بال تھے دائیں آنکھ اس کی کانی جیسے پھولا ہوا انگور کا اس کی شکل عبدالعزیٰ ابن قطن کے ساتھ بہت زیادہ رلتی ملتی ہے اس نے بھی دو آدمیوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ یہ المسیح الدجال ہے (مشکوٰۃ ص۴۷۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ تو تاحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اترے ہیں جو بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں کیونکہ آپ آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قریب واپس تشریف لائیں گے جیسے متواتر احادیث، آیات قرآنیہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور نہ ہی دجال لعین حرمین شریفین میں قدم

رکھ سکتا ہے چہ جائیکہ بیت اللہ المحترم المحرم کا طواف کرے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان بھی سولہ آنے صحیح ہے اس کا ماننا امت محمدیہ پر واجب ہے۔ تو اس کا حل شراح عظام نے اس طرح کیا ہے کہ باوجود کافر ہونے کے دجال کا طواف بیت اللہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفات میں سے ہے۔ ایک مکاشفہ ہے جو خواب میں آپ کو یہ کشف کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی حسین وجمیل صورت کے ساتھ اتر کر دینی امور قائم کرنے کے لیے اور فساد کی اصلاح کے لیے دین قیم کے گرد چکر لگائیں گے اور دجال لعین اپنی مکروہ اور ناپسندیدہ صورت کے ساتھ دین قویم میں فساد مچانے کے لیے اس دین کے گرد چکر لگائے گا۔

الحاصل یہ عالم مثال ہے جس میں آئندہ ہونے والوں کا نظارہ آپ کو ابھی سے دکھایا گیا۔

حدیث ۷: اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو ناگہاں ابو طلحہؓ کی بیوی رُمیصاء مجھے سامنے ملی اور ساتھ ہی پاؤں کی آواز بھی سُنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتہ نے بتلایا یہ بلالؓ ہیں، اور میں نے ایک محل بھی دیکھا جس کی ایک جانب میں نوجوان عورت ہے میں نے پوچھا کہ یہ عورت کس کی ہے اور یہ محل کس کا ہے؟ تو فرشتہ نے بتایا کہ یہ عورت اور یہ محل حضرت عمرؓ کا ہے۔ میرا خیال ہوا کہ میں اس محل کے اندر جاؤں اور دیکھوں اندر سے بھی جیسے باہر سے دیکھ لیا۔ پھر اے عمرؓ! مجھے تیری شدت غیرت کا خیال دامنگیر ہوا پھر یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں کیا میں آپ کے داخل ہونے پر بھی غیرت کروں گا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی وجہ سے مجھ کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور آپ ہی کی وجہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت نصیب فرمائی ہے (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

ظاہر بات ہے کہ حضرت رُمیصاءؓ اور حضرت بلالؓ یہاں عالم دنیا میں زندہ موجود تھے باوجود اس کے آپ کو جنت میں یہ دونوں ہستیاں صحیح صحیح نظر آئیں معلوم ہوا کہ جنت میں مومنین کی مثالیں (مثالی اجسام) موجود ہیں اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو وہاں جسمانی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر وہ مثالی اجسام ہی ہوتے ہیں جو مرتے وقت

مومن کی روح ان میں داخل کر دی جاتی ہے اور جنتی حوریں بھی استقبال کے لیے آجاتی ہیں اور اپنے ساتھ لے جاتی ہیں جیسے صحیح روایات سے ثابت ہے۔

حدیث ۸: مشکوٰۃ ص۲۳ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو آدمؑ کی پیٹھ پر اپنے مقدس دست قدرت سے مسح فرمایا تو تا قیامت پیدا ہونے والا ہر ہر نسمۂ انسانی صورت میں آدمؑ کی پشت سے نمودار ہو گیا (وہی نسمہ انسان تھا) اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی درخشاں چمک ودیعت فرمائی، اور پھر تمام اولاد آدم کو آدمؑ کے سامنے پیش کیا پس آدمؑ نے جبکہ تمام بنی نوع انسان کو اپنی اپنی شکل و صورت میں دیکھا تو عرض کیا یا رب یہ کون لوگ ہیں؟ حکم ہوا ذریتک یہ تیری اولاد ہے پس آدمؑ کو اس پوری اولاد سے ایک مرد کی صورت بہت پسند آئی۔ عرض کیا یا اللہ! یہ کون انسان ہے؟ فرمایا تیرا بیٹا داؤدؑ ہے۔

حدیث بالا میں کل نسمۃ، جعل بین عینی کل انسان وبیصا فرأی رجلا منھم کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ تمام نسمے انسانی شکل و صورت میں ہی آدمؑ کے سامنے پیش کیے گئے۔

خود ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ ج۱ ص۱۵۶ میں لکھتے ہیں: وفی قولہ بین عینی کل انسان ایذان بان الذریۃ کانت علی صورۃ الانسان علی مقدار الذر یعنی بین عینی کل انسان میں یہ بتا دیا کہ وہ ذریت جو پشت آدمؑ سے نمودار ہوئی تھی وہ انسانی صورت میں تھی اور مقدار میں چیونٹی جتنی تھی، نیز لکھا ذریۃ بیضاء ای نورانیۃ کانھا الذر فالتشبیہ فی الھیئۃ یعنی لفظ ذریۃ بیضاء سے مراد ہے نورانی، جتنی چیونٹی، اور ص۱۵۹ میں کہا ای مشبھین بالنملۃ فی صغر صورتہ یعنی اللہ نے وہ نسمے انسانی اجسام کی صورت میں چھوٹی چیونٹی کی مقدار و قامت کے برابر ظاہر فرمایا۔ یعنی عالم ارواح میں انسانی نسمے خود انسان ہی کے عنصری یا مثالی اجسام میں ظاہر ہوئے اور اپنی پیدائش یعنی دنیا میں ظہور پذیر ہونے

تک اسی مثالی صورت میں رہیں۔

حدیث ۹: دال بر عالمِ مثال: اور حضرت ابی بن کعبؓ سید القراء رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتحان میں کامیاب پاکر فرمایا: لیھنئك العلم یا ابا منذر! اے ابو منذر! تجھے علم مبارک ہو۔

وہ ابی رضی اللہ عنہ واذ اخذ ربك من بنی آدم کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جمعھم فجعلھم ارواحا ثم صورھم فاستنطقھم فتکلموا ثم اخذ علیھم العھد والمیثاق (مشکوٰۃ ص ۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو ان کے باپ دادوں کی پشت سے ظاہر فرما کر یکجا مختلف رنگوں اور مختلف صورتوں میں جمع کر کے انہیں قوت گویائی بخشی اور اپنی ربوبیت اور الوہیت کا ان سے روبرو آدم کے عہدو اقرار لیا۔ تو فجعلھم ارواحا ثم صورھم کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ تشمر جسم تھا اس کو اللہ تعالےٰ نے زبان دی جو بولا، سمجھ دی جو خدا کی بات سمجھا، کان دیئے کہ خدا کی بات سُنی۔

آگے فرمایا ورفع علیھم آدم علیہ السلام ینظر الیھم فرای الغنی والفقیر وحسن الصورۃ ودون ذلك فقال رب لو لا سویت بین عبادك قال انی احببت ان اشکر ورای الانبیاء فیھم مثل السرج علیھم النور خصوا بمیثاق فی الرسالۃ والنبوۃ وھو قولہ تعالیٰ واذ اخذنا من النبیین میثاقھم الآیۃ یعنی اور بلند کیے گئے (سامنے آئے) ان نسموں کے آدمؑ تاکہ پوری اولاد کو ایک نظر اچھی طرح دیکھ پائیں۔ پس اپنی اولاد کے غنی، محتاج خوبصورت اور کم صورت یعنی بھونڈی صورت والوں کو دیکھا تو دیکھ کر قدرے ملال اور پریشانی آئی تو عرض کی اے رب کریم ان سب کو ایک جیسا ہی کیوں نہیں بنا دیا۔ حکم ہوا میں چاہتا ہوں کہ یہ باہم ایک دوسرے کو کم و بیش حال اور مرتبہ میں دیکھ کر میرا شکر ادا کریں۔ اور آدم نے اپنی ساری اولاد میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو امتیازی شان میں دیکھا کہ ان پر مثل چراغ کے نور روشن ہے یہ اس لیے کہ وہ آخر الزمان صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے عہد و میثاق کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں جیسا کہ ..
و اذ اخذ نا من النبیین میثاقہم الآیۃ سے ظاہر ہے۔
شب معراج میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن انبیاء علیہم السلام کی ملاقات آسمانوں پر کی تھی ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثالی انسانی اجسام میں دیکھا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب المعراج فصل نمبر ا ص ۵۲۹)
فلما فتح علونا السماء الدنیا اذا رجل قاعد علی یمینہ اسودۃ اذا نظر قبل یمینہ ضحک و اذا نظر قبل شمالہ بکی۔ یعنی جب آسمان دنیا کا دروازہ کھلا اور ہم اس پر چڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے جس کے دائیں بائیں انسانوں کا انبوہ ہے۔ وہ آدمی جب دائیں طرف والے انسانوں کو دیکھتا ہے تو مسرت اور خوشی سے مسکراتا ہے اور اس کے برعکس جب بائیں طرف کے انسانوں کو دیکھتا ہے تو رو پڑتا ہے۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو بصد خوشی مرحبا با لنبی الصالح والابن الصالح کہتا ہے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، جواب دیا کہ یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں بائیں والے انسان ان کی اولاد ہیں۔ دائیں والے جنتی ہیں اور بائیں والے جہنمی۔
حدیث ۱۲ مشکوٰۃ ص ۵۰۸ میں ہے ورأیت مالکا خازن النار والدجال میں نے جہنم کے دارو غہ مالک کو بھی دیکھا اور دجال کو بھی دیکھا۔
حدیث ۱۳ مشکوٰۃ ص ۵۸ آپ نے فرمایا شب معراج میں انبیاء سے میری ملاقات ہوئی (عرض علی الانبیاء) مظاہر حق ج ۴ ص ۵۲۴ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ارواح انبیاء کی روبرو لائی گئیں بشکل ان صورتوں کے کہ تھیں دنیا میں پس ناگہاں دیکھا میں نے کہ موسیٰ علیہ السلام مرد کم گوشت دبلے ہیں گویا کہ وہ مردوں شنوءہ کے سے ہیں کہ نام ایک قبیلہ مشہورہ کا ہے یمن میں کہ وہ دبلے ہوتے ہیں۔
حدیث ۱۴ دال بر عالم مثال، اسی صفحہ میں حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے سفر کیا، ہم مکہ و مدینہ کے درمیان

تھے ایک جنگل میں سے ہمارا گزر ہوا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کونسا جنگل ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ وادی ازرق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ گویا میں موسیٰؑ کی طرف غور سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے ان کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا۔ فرمایا کہ موسیٰؑ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دی ہوئی ہیں، بڑی بلند آواز سے خدا کے آگے فریاد اور زاری کر رہے ہیں، تلبیہ بھی کہہ رہے ہیں اور اسی جنگل سے گزر رہے ہیں پھر آگے چلے ایک پہاڑی درہ سے گزرے آپ نے پوچھا یہ کونسا ثنیہ ہے، صحابہؓ نے عرض کی یہ ہرشیٰ ہے یا لفت۔ آپؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے گویا میں یونسؑ کو دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور ان پہ جبہ پشمینی ہے اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اور وہ اس وادی سے تلبیہ کہتے ہوئے جا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اجساد مثالیہ ہی تھے۔ کیونکہ اجساد عنصریہ تو تمام کے اپنے اپنے مرقد میں ہیں۔

حدیث ۱۵ (مشکوٰۃ ص ۵۷۰): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جعفرؓ کو بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔

یہ اپنے سکا شعفریا خواب میں دیکھا کہ ان کے دو پر ہیں خون میں بھرے ہوئے، کہ اڑتے ہیں ان سے جنت میں ساتھ فرشتوں کے (مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ ج ۴ ص ۵۰۶)

حدیث ۱۶ (مشکوٰۃ ص ۳۱۹): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا پاک کی قسم کھا کر فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انھار الجنۃ ینغمس فیھا یعنی مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یقیناً وہ (ماعز اسلمیؓ) اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے مار رہا ہے۔

حدیث ۱۷ (مشکوٰۃ ص ۳۳۱): حارثہ بن سراقہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے ان کی والدہ ربیع بنت براء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگیں کہ میرے بیٹے کے بارے بتائیں وہ اب کہاں ہے؟ جنت میں ہے تو صبر کر لوں، ورنہ خوب روؤں گی۔ آپ نے فرمایا بہشت میں کتنے باغات ہیں مدارج میں اوپر تلے اور تیرا بیٹا یقیناً فردوس اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے جو تمام مدارج سے اعلیٰ

درجہ میں ہے۔

حدیث ۱۸: مشکوٰۃ ص۳۲۴: غزوہ احد میں ایک آدمی نے آپ سے پوچھا یہ بتاؤ اگر میں مارا جاؤں تو اس کے متصل بعد کونسی جگہ میں رہوں گا، بہشت میں یا دوزخ میں؟ آپ نے فرمایا بہشت میں پس اسی وقت جلدی شہادت پانے اور بہشت میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ میں جو کھجوریں لیے ہوئے تھا پھینکیں اور لڑا حتی کہ شہید ہو گیا

حدیث ۱۹: مشکوٰۃ ص۳۳۴ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے اصحابؓ سے ارشاد فرمایا کہ جب غزوۂ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے اللہ تعالے نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں رکھ دیں اب وہ بہشت کی نہروں میں آتے میوے کھاتے اور سونے کی قندیلوں کی طرف جا کر ٹھکانا پکڑتے ہیں جو سایہ عرش میں لٹکی ہوئی ہیں پھر جب ان شہیدوں نے اپنے کھانے پینے کا مزہ پایا اور اپنی خوابگاہ کا لطف اٹھایا تو کہنے لگے کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو خبر دے کہ ہم بہشت میں زندہ موجود ہیں تاکہ اس بہشت کے مرتبے حاصل کرنے میں بے رغبتی نہ کریں بلکہ شوق سے یہ درجات حاصل کریں اور لڑائی میں سستی نہ کریں۔ تو اللہ تعالے نے فرمایا کہ تمہاری طرف سے تمہارے بھائیوں کو میں خبر پہنچاتا ہوں تب یہ آیت اتری: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ۔

حدیث ۲۰ مشکوٰۃ ص۳۳۰: حضرت مسروق رحؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا الآیۃ کا مطلب پوچھا، تو حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ خود ہم نے بھی اسی آیت کا مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے ہمیں اس آیت کا مطلب اس طرح سمجھایا کہ (ان کی زندگی اس جسد خاکی سے نہیں بلکہ ان کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی ارواح سبز پرندوں کے قالبوں میں ہیں ان کی خاطر عرش کے نیچے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں جو سبز رنگ گھونسلوں کے ہیں جنت میں سے جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی اور سیر کرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں

کی طرف جا کر دانا چگتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف جھانک کر فرماتا ہے اب تمہیں
اور کیا چاہیے وہ عرض کرتی ہیں ربنا! اب ہم اور کیا چاہیں ہم بہشت میں میوے خوب
کھا رہے ہیں جہاں سے چاہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ تین بار سوال ہوگا شہید یہی جواب
دیں گے۔ پھر سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ پوچھنا نہیں چھوڑتا تب کہیں گے ربنا! ہم یہ چاہتے
ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے ان پہلے خاکی جسموں کی طرف پھر دوبارہ ڈال دے یعنی
پھر دنیا میں بھیج تا کہ تیری راہ میں پھر ایک بار لڑ کر مارے جائیں۔ پھر اللہ ان کو اپنی
اسی حالت میں چھوڑ دے گا کہ یہ سوال خلاف ارادۃ اللہ کے ہے۔

مظاہر حق ج ۳ ص ۳۷۶ یہاں لکھتے ہیں تنبیہ: لکھا ہے علماء نے کہ
رکھنا ارواح شہداء کا بیچ بدنوں جانوروں کے مانند رکھنے جواہر کے ہے صندوقوں میں،
بسبب تکریم و تشریف کے اور بقصد داخل کرنے ان کے کے بہشت میں ساتھ اس صورت
کے نہ متعلق ساتھ ان (خاکی) ابدان کے اور ساتھ رکھنے ارواح کے بیچ بدنوں جانوروں
کے جگہ پکڑتی ہیں بہشت میں اور پاتی ہیں خوشبوئیں اور ہوائیں وہاں کی اور دیکھتی ہیں
انوار وہاں کے اور لذت پاتی ہیں اور خوشحال ہوتی ہیں ساتھ خدا کے اور ساتھ قرب حضرت
رحمانؑ کے اور جوار ملائکہ مقربین کے۔ اور یہی مراد ہے اللہ کی اس آیت میں یُرْزَقُوْنَ
فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (اور آگے چل کر لکھتے ہیں) اور اس
حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جنت مخلوق و موجود ہے جیسا کہ مذہب اہلسنت کا ہے انتہی
طیبی کہتا ہے کہ اس سے وہ اشکال رفع ہو گیا جو حفرۂ میت کو جنت بتاتے ہیں
خوب سمجھ لیں!

مشکوٰۃ ص ۳۴۵: ابو طلحہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں چوبیس
مشرک قریشی سرداروں کو بدر کے ایک گندے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم فرمایا.... تیسرے
روز آپؐ نے سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم فرمایا، کجاوہ باندھا گیا۔ پھر
آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ چل دیئے۔ یہاں تک کہ اس گندے کنوئیں کے کنارہ پر
جا کھڑے ہوئے اور ان پڑے ہوئے کافروں اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا

شروع فرمایا اے فلانے فلاں کے بیٹے! اے فلاں فلانے کے بیٹے کیا اب تم کو اچھی لگ رہی ہے کہ تم اللہ و رسول کی بات مان لیتے، ہم سے جو اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ غلبہ اسلام کا ہوگا ہم نے تو وہ وعدہ سچا پا لیا آیا تم نے بھی وہ وعدہ عذاب کا جو اللہ نے تمہارے بارے میں کیا تھا پورا پا لیا؟ (یہ استفہام توبیخی ہے) پھر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ان دھڑوں سے باتیں فرما رہے ہیں جن میں روح تو ہے نہیں، آپ نے قسم کے ساتھ اپنی بات کو مؤکد کر کے فرمایا تاکہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے بے جان دھڑوں سے اس وقت جو بات میں کہہ رہا ہوں اس بات کو یہ بے جان دھڑ تم (صحابہ کرام) سے بھی زیادہ سن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

نواب قطب الدین صاحب نے مظاہر حق ج ۳ ص ۲۰۴ میں فرمایا ف اس حدیث سے حضرت شیخ عبدالحق وغیرہ وغیرہ نے سماع اموات ثابت کیا ہے اور اکثر علمائے حنفیہ نے انکار اس کا کیا ہے اور جواب اس کے کئی طرح پر دیئے ہیں جو چاہے فقہ کی کتابوں میں مثل فتح القدیر وغیرہ کے دیکھ لے۔

تیلوی کہتا ہے اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نواب صاحب سماع موتی کے قائل نہیں، ورنہ ف لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں پھر اپنی تفسیر میں تو اور ہی وضاحت سے لکھ دیا کہ مردے نہیں سنتے!

حدیث ۲۱ دال بر عالم مثال

مشکوٰۃ ص ۱۶۸ مسلم و بخاری کے حوالے سے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے جیسا اس نے باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ بھوکی پیاسی مر گئی الخ

اسی صفحہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قسم خدا کی میں نے ایک آدمی کو بہشت میں چلتا پھرتا اور عیش کرتا دیکھا ایک درخت کو کاٹنے کی وجہ سے جو راہ میں کھڑا تھا گزرتے ہوئے آدمیوں کو اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔

عالمِ مثال میں اجسام بھی مثالی ہیں نہ عنصری

حدیث ۲۰ دال بر عالمِ مثال

اخرج ابن منده من طریق عبد الرحمن بن زیاد بن انعم عن حبان بن جبلة قال بلغنی ان رسول اللہ ﷺ قال ان الشھید اذا استشھد انزل اللہ لہ جسدا کاحسن جسد ثم یقال لروحه ادخلی فیه فینظر الی جسده الاول ما یفعل به ویتکلم فیظن انھم یسمعون کلامه فینظر الیھم فیظن انھم یرونه حتی یاتیه ازواجه یعنی من الحور العین فیذھبن به۔

(شرح الصدور ص ۹۷، ۹۸)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا شہید کی خاطر اللہ تعالے پہلے (عنصری) جسد سے زیادہ حسین جسد آسمان سے اتارتا ہے پھر اس کی رُوح کو کہا جاتا ہے کہ اب اس جسد میں داخل ہو جا پھر وہ اپنے اُس پہلے جسد عنصری کی طرف نظر کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے پھر وہ یہ سمجھ کر بات کرتا ہے کہ یہ میری بات سُن رہے ہیں پھر ان کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں اتنے میں جنت سے اس کی بیویاں حور عین آجاتی ہیں تو دیکھتے ہی فوراً ان کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

حدیث ۲۱ دال بر عالمِ مثال

عن ابن المبارک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استشھد الشھید اخرج اللہ جسدا کاحسن جسد ثم امر روحه فادخله فیه فینظر الی جسده الذی خرج منه (حاشیہ ترمذی ص ۱۹۲)

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کی خاطر اللہ تعالے پہلے جسم سے زیادہ حسین جسم نکال لاتے ہیں پھر اس کی روح کو حکم دیتے ہیں پھر وہ روح اس حسین جسم میں داخل ہو جاتی ہے، پھر وہ اپنے پہلے جسم کی طرف نگاہ کرتی ہے جس سے نکلی ہے۔

حدیث ۲۲ دال بر عالمِ مثال

عن ابن عمر انما ترکب فی جسد آخر وھو وان کان موقوفاً لکنہ حکم المرفوع لان مثلہ لا یقال من قبل الرای وقد رایت لہ شاھداً مرفوعاً واخرجہ ۔۔ (ص ۹۷ شرح الصدور مصری قدیم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہید کا رُوح دوسرے جسم میں جوڑا جاتا ہے اور یہ قول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بات رائے سے معلوم نہیں ہو سکتی جو یہ سمجھا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے یہ بات کہہ دی ہوگی۔ اس لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی بات بتا دی اور اس کا شاہد بھی موجود ہے جو حضرت ؐ سے مرفوعاً روایت ہے۔

۱۔ تشریح ابن قیمؒ

قال ابن قیم ویدل علی ھذا ان اللہ سبحنہ جعل ارواح الشھداء فی اجواف طیر خضر فانھم لما بذلوا انفسھم الیہ حتی اتلفھا اعداؤہ فیہ اعاضھم منھا فی البرزخ ابداناً خیراً منھا تکون فیھا الی یوم القیامۃ ویکون نعیمھا بواسطۃ تلک الابدان اکمل من نعیم الارواح المجردۃ منھا (کتاب الروح ص ۱۵۱)

ابن قیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو شہیدوں کے ارواح سبز لباس میں ملبوس اڑنے والے مثالی جسموں میں رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی جانیں خدا کی راہ میں خرچ کیں حتیٰ کہ دشمنوں نے ان کو تلف کر دیا تو ان عنصری بدنوں کے عوض میں مدت برزخ کے اندر ان عنصری بدنوں سے بہتر بدن (مثالی) عطا فرما دیتے ہیں جن میں قیامت تک رہائش پذیر رہیں گے اور ان مثالی ابدان کی وساطت سے جو نعمتیں ملتی ہیں وہ ان نعمتوں سے زیادہ کامل ہوتی ہیں جو ان ارواح کو ملتی ہیں جو ان ابدان مثالی کی

وسالمت سے خالی ہو۔

۲۔ تشریح ابراہیم کورانیؒ

ذکر الشیخ ابراہیم کورانی ... ان الارواح بعد مفارقتها ابدانها المحسوسة تتعلق بابدان اخر مثالیة حسبما یلیق بها (ازروح المعانی صفحہ ۳۴ ج ۱۲)

شیخ ابراہیم کورانی نے کہا، محسوس بدنوں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے مثالی ابدان کے ساتھ ارواح کا تعلق ہوتا ہے جیسے ان کے لائق ہوں۔

۳ تشریح طیبیؒ

قال الطیبیؒ قوله ارواحهم فی جوف طیر خضر ای یخلق الارواحهم بعد ما فارقت ابدانهم هیاکل علی تلک الهیئة تتعلق بها وتکون خلفا عن ابدانهم فیتوسلون بها الی نیل ما یشتهون من اللذات الحسیة (تفسیر قاسمی ص ۳۴ نقلا من الطیبی)

طیبیؒ نے ارواحہم فی جوف طیر خضر کا یہ مطلب بیان کیا ہے، ان عنصری بدنوں سے جدا ہونے کے بعد ان کے روحوں کی خاطر انہی بدن عنصری کی ہیئت پر دوسرے مثالی ڈھانچے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔ اب ان مثالی ڈھانچوں کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ مثالی بدن عنصری بدنوں کے قائم مقام ہوتے ہیں، تو ان مثالی ڈھانچوں کی وساطت سے حسی لذتیں پاتے رہتے ہیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ معلوم اور واضح بات ہے کہ نائب اور منوب یکجا جمع نہیں ہو سکتے تو جو تاویل صاحب تسکین کرتے ہیں وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔

حدیث ۲۳ دال بر عالم مثال:

مشکوٰۃ ص ۳۳۰ و مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ اور ۱۳۶ میں ہے:

عن مسروق قال سالنا عبد اللّٰہ عن ھٰذہ الآیة ولا تحسبن الذین

قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ قال اما انا قد سألنا عن ذلک فقال ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تأوی الی تلک القنادیل فاطلع الیهم ربهم اطلاعةً فقال هل تشتهون شیئًا قالوا ای شیئ نشتهی ونحن نسرح بالجنة حیث شئنا ففعل ذلک بهم ثلث مرات فلما رأوا انهم لن یترکوا من ان یسألوا قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلک مرة اخری فلما رأی ان لیس لهم حاجة ترکوا۔

یعنی مسروق نے کہا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں نے بھی اسی آیت کریمہ کے بارے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، تو آپ نے اس آیت کریمہ کا مطلب اس طرح ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز اڑنے والے قالبوں میں ہیں اور ان کے لیے قندیلیں عرش معلی سے لٹکی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں اب کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ تو ان شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں جب ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جنت میں ایسے آزاد ہیں کہ جہاں چاہیں مزے کرتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ نے تین بار اسی طرح ان سے یہ دریافت کیا اور اس کے بعد جب شہداء نے یہ سمجھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا۔ تب انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری تمنا اور خواہش یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ واپس کر دیا جائے تاکہ ہم دوسری بار پھر تیری راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔ اب جبکہ رب تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا ترک کر دیا۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ شہید کو اڑنے والا سبز لباس والا جسم عطا ہوتا ہے جس میں اس کی روح ڈالی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کے مزوں میں خوش و خرم رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے عرش معلیٰ کے اوپر سے اس شہید پر التفات خسروانہ فرمانے کے بعد بڑی شفقت سے گفتگو بھی کرتا ہے اور اپنی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار پر اصرار بھی۔ مگر جب وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اس کی روح کو اس کے دنیوی جسم میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ ایک بار پھر اس کی راہ میں جہاد کر کے شہادت کی سعادت حاصل کرے تو چونکہ ما یبدل القول لدیّ اور لن تجد لسنة الله تبدیلا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اسلیے اس کی خواہش کو پورا نہیں کرتا جس کے ظاہر کرنے کا اس رب تعالیٰ نے اس سے بار بار تقاضا فرمایا تھا۔

حدیث ۲۴: دال بر عالم مثال:

امام احمد اور عبد بن حمید نے اپنی مسندوں میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں محمود بن لبید کے طریق سے سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الشهداء على بارق نهر بباب الجنة في قبة خضر اء يخرج اليهم رزقهم من الجنة غدوة وعشيا (الحاوی للفتاویٰ ص۲/۱۹۱) یعنی شہید لوگ جنت کے دروازے کے پاس نہر کے بارقوں میں سبز محل میں رہتے ہیں اور جنت میں سے صبح و شام ان کے پاس رزق آتا ہے۔

حدیث ۲۵ دال بر عالم مثال

اور مسلم نے ابن مسعودؓ سے ایک اور روایت بھی بیان کی ہے عن ابن مسعودؓ ان ارواح الشهداء في اجواف طير خضر تسرح بهم في الجنة (وفي رواية) في انهار الجنة حيث شاءت وان ارواح ولدان المؤمنين في اجواف عصافير تسرح في الجنة۔ (الجليل ص۳۵۱ والحاوی للفتاویٰ ص۲/۱۹۱) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سبز لباس میں ملبوس اڑنے والے قالبوں میں ہیں وہ جنت کے دریاؤں کے کنارے کنارے

جہاں جی چاہتا ہے گھومتے پھرتے ہیں اور مومنین کے بچوں کی روحیں بھی چھوٹے چھوٹے اڑنے والے قالبوں میں جنت کی سیر کرتے پھرتے ہیں

حدیث ۲۶ دال بر عالم مثال

امام احمد نے اپنے مسند میں اور بیہقی نے کتاب البعث میں اور ابن ابی داؤد نے اپنی کتاب البعث میں اور حاکم نے مستدرک میں تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد المؤمنین فی جبل فی الجنۃ یکفلھم ابراھیم علیہ السلام وسارۃ حتی یردھم الی آبائھم یوم القیامۃ (الحاوی ص ۳۶۲) یعنی مومنوں کی اولاد جنت کے پہاڑ میں رہتی ہے جن کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کر رہے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح رہے گا کہ قیامت کے دن اپنے اپنے باپوں کی طرف واپس کر دیئے جائیں گے۔

حدیث ۲۷ دال بر عالم مثال۔

ابونعیم اصفہانی نے فرمایا حدثنا احمد بن ابراہیم الکیال قال حدثنا موسیٰ بن شعیب ابو عمران السمرقندی قال حدثنا محمد بن سہیل قال حدثنا ابو مقاتل السمرقندی قال حدثنا ابو سہیل ہشام بن منصور عن الحسن عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ارواح المؤمنین فی السماء السابعۃ ینظرون الی منازلھم فی الجنۃ وفی روایۃ لما رجم الاسلمی الذی اعترف بالزنا عندہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ انہ الآن فی انھار الجنۃ ینغمس نقلہ السیوطی فی بشری الکئیب ص ۱۰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین کی روحیں ساتویں آسمان میں رہ کر جنت کے اندر جو ان کے گھر اور قیام گاہیں ہیں انہیں دیکھتے رہتے ہیں اور بڑے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جا کر زنا کا اقرار کیا تھا، پھر انہیں خدا کے حکم

کے مطابق سنگسار کیا گیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ ماعز اسلمیؓ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ مگر آج وہ لوگ بھی ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہیں گڑھے ہی کو جنت کہتے ہیں۔

حدیث ۲۸ دال بر عالم مثال

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین و مفسرین نے ابو محمد حمانی کے طریق سے ابو ہارون عبدی سے روایت کیا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتیت بالمعراج الذی تعرج علیہ ارواح بنی آدم فلم تر الخلائق احسن من المعراج ما رأیت المیت حین یشق بصرہ طالعاً الی السماء فان ذالک عجبہ بالمعراج فصعدت انا وجبریل فاستفتح باب السماء فاذا انا بآدم تعرض علیہ ارواح ذریتہ المؤمنین فیقول روح طیبۃ ونفس طیبۃ اجعلوھا فی علیین ثم تعرض علیہ ارواح ذریتہ الفجار فیقول روح خبیثۃ ونفس خبیثۃ اجعلوھا فی سجین (الحاوی للفتاوی ص ۳۶۳ ج ۲) یعنی میرے پاس وہ سیڑھی لائی گئی جس پر بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں اس سیڑھی سے بڑھکر مخلوق میں کوئی حسین نہیں جب میت کی آنکھ پھٹتی ہے آسمان کی طرف لگ جاتی ہے تو اسی سیڑھی پر چڑھتی ہے پھر میں اور جبریلؑ اوپر کو چڑھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا تو سامنے آدم علیہ السلام بیٹھے نظر آئے جس پر ان کی مومن اولاد کی ارواح پیش ہو رہی تھیں پھر انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں پاک روح پاکیزہ نفس ہے اسے علیین میں لے جاؤ۔ پھر ان کی فاسق و فاجر اولاد بھی ان پر پیش ہوتی ہے انہیں دیکھ کر آپ فرماتے ہیں گندی روح اور گندہ نفس ہے جاؤ لے سجین میں لے جاؤ۔

حدیث ۲۹ دال بر عالم مثال

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ترفع ارواح المومنین الی جبرئیل فیقال انت ولی ھٰذہٖ الی یوم القیامۃ ..... (البشریٰ الکئیب ص۱۰۳) یعنی مومنین کی روحیں جبرئیل کی طرف اٹھائی جاتی ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ روز قیامت تک یہ سب ارواح آپ کی زیر سرپرستی ہیں۔

حدیث ۳۰ دال بر عالم مثال

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھا طیور خضر تسیر فی الجنۃ (طبرانی) مومنین کی ارواح سبز لباس میں ملبوس اڑنے والے طیور ہوتے ہیں جو جنت میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔

حدیث ۳۱ دال بر عالم مثال

ابن ماجہ اور ابن عساکر نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بیوی ام بشر رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھا طیور تسیر فی الجنۃ اینما شاءت کہ مومنین کی ارواح اڑتی ہوئی جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی رہتی ہیں جنت میں۔

حدیث ۳۲ دال بر عالم مثال

طبرانی نے کہا: حدثنا ابو زرعۃ الدمشقی قال حدثنا عبداللہ بن صالح عن ضمرۃ بن حبیب قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت قالوا یا رسول اللہ ارواح الکفار؟ قال محبوسۃ فی السجین (کتاب الروح ص۱۵۹، والحاوی للفتاوی ص۳۶۲) وقال ہذا حدیث مرسل یعنی ضمرۃ بن حبیب سے مرسل طریق سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواح مومنین کے بارے سوال کیا گیا کہ مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا کہاں ہوتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سبز لباس سے اڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں جہاں جہاں بھی ان کو چاہت ہوتی ہے۔ پھر حافظ ابن عباس نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کافروں کی روحیں کہاں رہتی ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کفار کی روحیں سجین میں محبوس یعنی قید و بند میں رہتی ہیں۔

حدیث ۳۳ دال بر عالم مثال

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ان اول قطرۃ تقطر من دم الشہید یغفر لہ بھا ما تقدم من ذنبہ ثم یبعث اللہ ملکین بریحان من الجنۃ و ریطۃ من الجنۃ وعلی ارجاء السماء ملائکۃ یقولون سبحان اللہ قد جاء من الارض ریح طیبۃ و نسمۃ طیبۃ فلا یمر بباب الا فتح لہ ولا یمر بملک الا صلی علیہ ثم یؤمر بہ الی الشہداء فیجدھم فی ریاض خضر و ثیاب من حریر الدر المنثور ص۱۵۵) یعنی شہید کے خون کا پہلا قطرہ جو گرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے اگلے گناہ سب بخش دیئے جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو جنت کی خوشبو اور جنت کی چادر دے کر بھیجتا ہے اور ادھر آسمان کے تمام کناروں پر فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں اور یہ کہہ رہے ہوتے ہیں سبحان اللہ! سچ زمین کی طرف سے اچھی اچھی پاکیزہ خوشبو اور پاک جان آئی ہے پھر وہ روح جس دروازے سے گزرتی ہے فوراً ہی وہ کھلتا چلا جاتا ہے اور وہ روح جس فرشتے کے پاس سے گزرتی ہے وہی اس روح کے حق میں استغفار کرتا ہے۔ پھر اس کو شہیدوں کی طرف جانے کا حکم ہوتا ہے تو وہ روح وہاں پہنچ کر ان شہیدوں کو سر سبز باغوں ..... اور ریشمیں گنبدوں میں رہتے ہوئے پائیگی۔

حدیث ۳۴ دال بر عالم مثال

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارواح الشہداء طیر خضر (العیق) شہیدوں کی ارواح سبز لباس میں اڑتے ہیں۔

حدیث ۳۵ دال بر عالم مثال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فی صورۃ ابیض (العیق) شہیدوں کی ارواح سفید لباس میں ہوں گے (روح المعانی ص۱۵ ج۱۴)

حدیث ۳۶ دال بر عالم مثال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارواح الشھداء فی طیر خضر ترعیٰ فی ریاض الجنۃ ثم یکون ماواھا الیٰ قنادیل معلقۃ بالعرش فیقول الرب ھل تعلمون کرامۃ اکرم من کرامۃ اکرمتموھا فیقولون لا - الا انا وددنا انک اعدت ارواحنا فی اجسادنا حتی نقاتل فنقتل مرۃ اخریٰ فی سبیلک (در منثور ۱۵۵) شہیدوں کی ارواح سبز لباس میں اڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت کے باغوں میں کھاتے پیتے ہیں پھر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں کی طرف جاتی ہیں پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا عزت و احترام آپ کے ساتھ ہوا ہے اس سے زیادہ عزت و احترام آپ کے علم و تصور میں آسکتا ہے؟ تو سب بولتے ہیں نہیں جناب۔ لیکن ہماری ایک خواہش ہے کہ یارب آپ ہماری روحیں ہمارے پہلے عنصری جسموں میں واپس ڈال دیں تاکہ ہم پھر اللہ کی راہ میں لڑ کر دوبارہ شہید ہوں۔

حدیث ۳۷ دال بر عالم مثال

حضرت مکحول سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان ذراری المؤمنین ارواحھم فی عصافیر شجر الجنۃ ای انھا تکون فی ابدان علیٰ تلک الصور ویؤید ذالک روایۃ ابن ماجۃ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ ارواح الشھداء عند اللہ کطیر خضر (روح المعانی ۱۴۸/۱۵)

یعنی مومنین کی اولاد کی روحیں جنت کے درختوں میں چڑیوں کی طرح اڑتی پھرتی ہیں یعنی وہ ان صورتوں برزخی بدنوں میں رہتی ہیں اور اس کی تائید میں ابن ماجہ کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہیدوں کی ارواح اللہ کے ہاں (جنت میں) ایسی اڑتی پھرتی ہیں جیسے سبز پرندے ہوں۔

حدیث ۳۸ دال بر عالم مثال

حضرت عکرمہ، مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما، اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقولوا

لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ کی تفسیر میں فرماتے تھے ارواح الشہداء فی طیر خضر فی الجنۃ (تفسیر ابن جریر ص۲۴۲) یعنی شہیدوں کی روحیں جنت میں سبز لباس والے اڑنے والے قالبوں میں رہتے ہیں۔

۴۔ تشریح ربیع رح

حضرت الربیعؒ (مفسر قرآن تابعی) نے بل احیاء کی تفسیر میں فرمایا فی صور طیر خضر یطیرون فی الجنۃ حیث شاءوا منہا یاکلون من حیث شاءوا۔ (ابن جریر ص۲۴) یعنی سبز لباس والے پرندوں کی طرح جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے (پیتے) ہیں۔

۵۔ تشریح ابوالعالیہ رح

حضرت ابوالعالیہ رح (تابعی مفسر قرآن) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یقول ہم احیاء فی صور طیر خضر یطیرون فی الجنۃ حیث شاءوا ویاکلون من حیث شاءوا۔ (در منثور ص۱۵۵) یعنی اللہ تعالےٰ کا مطلب اس عبارت سے یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے سبز پرندوں کی طرح جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے (پیتے) ہیں۔

۶۔ تشریح ابن عربی رح

شیخ ابن عربی نے الفتوحات المکیہ ص۲۰ میں لکھا فتعلم ان اللہ اذا قبض الارواح من ہذہ الاجساد الطبیعیۃ حیث کانت والعنصریۃ اودعہا صورا جسدیۃ جب ان پاک یا عنصری جسموں سے اللہ تعالیٰ ارواح کو کھینچ نکالتا ہے تو دوسرے جسموں کے ڈھانچوں میں بطور امانت رکھ دیتا ہے۔

۷۔ تشریح حسن بصری رح

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے فرمایا ان الشہداء احیاء عند اللہ تعرض ارزاقہم علی ارواحہم ویصل الیہم الروح والریحان والفرح کما

تعرض النار على ارواح آل فرعون غدوة وعشية فيصل اليهم الالم والوجع (تفسیر خازن و مدارک صفحہ ۹۵) اللہ تعالیٰ کے ہاں شہدا سب زندہ ہیں ان ارواح برزخ کو رزق پیش ہوتے ہیں ان کو آرام، خوشبو اور خوشی پہنچتی ہے جیسے فرعون اور فرعونیوں کی روحوں پر صبح و شام آگ پیش ہوتی رہتی ہے اس لیے ان تک دکھ درد پہنچتا ہے۔

۸۔ تشریح امام ثوری رحمہ اللہ

حضرت امام ثوری رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابو قبیس سے فرعونیوں کی روحوں کی بابت اسی طرح روایت کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۹۔ تشریح ہذیل رحمہ اللہ

حضرت ہذیل بن شرحبیل رحمہ اللہ نے فرمایا ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو وتروح على النار وذالك عرضها (ابن جریر صفحہ ۴۹ / ۲۴ و روح المعانی صفحہ ۶۵ / ۲۴) یعنی فرعون اور فرعونیوں کی روحیں سیاہ لباس میں اڑتے والے قالبوں میں رہتے ہیں صبح و شام آگ پر پہنچتے ہیں۔ یہی ہے وہ عرض جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

حدیث ۲۹ دال بر عالم مثال

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللہ الی جسده یوم یبعثه هذا حدیث صحیح اخرجه الامام احمد فی مسنده عن الشافعی عن مالك والنسائی وغیرہ (الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۶۱ / ۲) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی جان جنت میں اڑتی پھرتی رہتی ہے جنت کے درختوں کے ساتھ لٹکتی پھرتی ہے یہاں تک کہ جس دن اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائیں گے اس دن اس کے پہلے جسد عنصری کی طرف لوٹائیں گے۔ یہ حدیث صحیح ہے امام احمد نے امام مالک بواسطہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اور نسائی اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنی اپنی

تصنیفات میں ذکر فرمایا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کعبؓ اور ہذیل وغیرہ تو تابعی ہیں ان کو کیسے علم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پندرہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے ان کی مرسل بھی مسند کے حکم میں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا علم وحی کے سوا عقل ورائے سے نہیں ہو سکتا اسی واسطے مسلم رہ صہ ۲۶۵ میں ہے وکعب وهذیل تابعیان تلقولهما هذا حکم المرسل لانه مثله لایقال من جهة الرأی کعب اور ہذیل وغیرہ تابعی ہیں ان کی بات حدیث مرسل کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس قسم کی بات عقل ورائے سے نہیں کہی جا سکتی۔

حدیث ۴۰ دال بر عالم مثال

فرعونیوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ یعنی ارواحهم علی النار غدوًا وعشیًا یعنی فی هذین الوقتین (عمدة القاری ج ۸ ص ۱۹۹) یعنی خدائے تعالیٰ کا مطلب النار یعرضون سے یہ نہیں کہ ان کے عنصری ڈھانچوں پر آگ پیش کی جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آگ ان کی روحوں پر صبح وشام یعنی دونوں وقتوں میں پیش ہوتی رہتی ہے۔

حدیث ۴۱ دال بر عالم مثال

ابن منده نے ام کبشہ بنت المعرور سے مرفوعًا روایت کی ہے کہ ان ارواح الکفار فی حواصل طیر سود تاکل من النار وتشرب من النار یقولون ربنا لا تلحق بنا اخواننا ولا توتنا ما وعدتنا (مسامرہ ۲۶۳) کافروں کی روحیں سیاہ لباس والے اڑتے ہوئے قالبوں میں رہتی ہیں دوزخ ہی میں سے کھاتی ہیں اور دوزخ ہی میں سے پیتی ہیں تو جب یہ حال ان پر گزرتا ہے تو دنیا کے کافر

دوستوں کا ان کو خیال آتا ہے تو اللہ تعالٰی سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان بھائیوں کو ہمارے ساتھ نہ ملانا اور جس مصیبت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں نہ دینا۔

حدیث ۴۲ دال بر عالم مثال

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وان ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو وعلی جہنم وتروح وذلک عرضہا (اکلیل ۳۵۱) فرعون اور فرعونیوں کی روحیں سیاہ لباس والے اڑتے جانوروں کے قالبوں میں صبح وشام جہنم پر پیش ہوتی رہتی ہیں۔

حدیث ۴۳: دال بر عالم مثال

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح روایت بیان فرمائی ہے (احکام القرآن للجصاص الحنفی ج ۳ ص ۵۲)
(اور جامع ترمذی ۱۳۰)

حدیث ۴۴: دال بر عالم مثال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم نے حضرت جابر رض کو فرمایا اے جابر رض میں تجھے خوشیاں نہ سناؤں حضرت جابر رض نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی آپ کو خوشیاں ہی سناتا رہے مجھے ضرور خوشی کی بات سناؤ آپ نے فرمایا شعرت بان اللہ تعالی احیٰی اباک فقال تمن علی عبدی ما شئت اعطکہ مجھے معلوم ہوا ہے اللہ تعالٰی نے تیرے باپ کو ایک بہت بڑے شان والی مخصوص برزخی زندگی عطا فرمائی پھر فرمایا اے میرے بندے جو تیرا جی چاہے اپنی تمنا کا اظہار کر دے وہ سب کچھ میں تجھے دوں گا (قال یا رب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ (تیرے باپ نے عرض کی اے میرے رب مجھے دوبارہ دنیوی حیات عطا فرما پھر میں دوبارہ جا کر دنیا میں تیرا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں فقال الرب تبارک وتعالی انہ قد سبق منی انہم لا یرجعون (ابن کثیر ۲۹۲/۱ وجامع ترمذی ۱۳۰) تو رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا کہ میری پہلی بات ہو چکی کہ جو یہاں

عالم برزخ میں آجاتے ہیں وہ دوبارہ عالم دنیا میں لوٹ نہیں سکتے۔

حدیث ۴۵ دال بر عالم مثال

عبد الرزاق اور ابن حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ یہ "اڑنے والے قالب در اصل ان کے اعمال صالحہ ہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کی خاطر صورتیں بنا دیتا ہے وھذہ الطیر صور تخلق لھم صور اعمالھم (روح المعانی ص۴۵ ج۴۴ وجامع ترمذی ج۲ ص۱۳۰ و ۱۳۱)

تشریح شیخ عز الدین رح

شرح الصدور ص۹۷ طبع مصر قدیم میں ہے فاختار شیخ عز الدین بن عبد السلام فی ارواح الشھداء انھا کائنۃ فی طیر لا ان نفسھا طائر ویؤیدہ ما تقدم من ابن عمر رضی اللہ عنھما انھا تتراکب فی جسد اٰخر یعنی شیخ عز الدین بن عبد السلام نے ارواح شہداء کے بارے اس رائے کو اختیار فرمایا ہے کہ شہیدوں کی روحیں پرندوں میں رہتی ہیں نہ یہ کہ وہ خود پرندے بن جاتی ہیں۔ اور میری اس رائے کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ وہ ایک دوسرے جسم کو اپنا مرکب بنا لیتی ہیں پھر فرمایا وھو ان کان موقوفاً فلہ حکم المرفوع لان مثلہ لا یقال من قبل الرأی یعنی اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات کو رائے سے نہیں کہا جا سکتا۔ ضرور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہے پھر فرمایا وقد رایت لہ شاھداً مرفوعاً واخرجہ ھمنا ابن السری فی کتاب الزھد اور اس حدیث کا شاہد ایک مرفوع حدیث بھی میری نظر سے گزری ہے جس کو کتاب الزہد میں ابن السری نے بیان کیا ہے۔

تشریح ابن دحیہ رح

شرح الصدور ص۹۷ میں ہے کہ ابن دحیہ نے اپنی کتاب تنویر میں لکھا ہے کہ:

روح الشھید الذی کان فی جوف جسدہ فی الدنیا یجعل فی جوف جسد

اُخر کانہ صورتہ طائر فیکون فی ھذا الجسد الآخر کما کان فی الاول و ذلک مدّۃ البرزخ الیٰ ان یعیدہ اللہ یوم القیامۃ کما خلقہ یعنی شہید کی روح جو پہلے دنیا میں اپنے عنصری جسم کے اندر تھی اب شہادت حاصل ہونے کے بعد ایک دوسرے برزخی ومثالی جسم میں ڈال دی جاتی ہے جو اڑنے والے پرندے کی طرح لگتا ہے سو پھر یہ روح اسی دوسرے برزخی جسم میں اسی طرح رہتی ہے جس طرح اس پہلے عنصری جسم میں رہتی تھی اور یہ اس دوسرے جسم میں روح کا رہنا برزخ کی مدت میں ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ اس روح کو اس جسم عنصری میں لوٹائیگا جس طرح اس کو پیدا فرمایا تھا۔

تشریح وہب بن منبہؒ

شرح الصدور ص۳۵ میں وہب بن منبہؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ:

ان النفس تخرج من الانسان قدر کل شیٔ من ارکانہ واما الجسد فانہ مثل القمیص یخلعہ الانسان منہ فان کان القمیص یجد مس شیٔ فان الجسد علیٰ قدر ذٰلک ولکن النفس التی تجد الراحۃ والبلاء یعنی روح جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے تو وہ انسان کے اجزاء کے اندازہ پر ہوتی ہے اور یہ عنصری جسم تو انسان کے لیے قمیص کی طرح ہے جسے انسان اتار پھینکتا ہے جتنی قمیص ہوتی ہے جسم بھی اتنا ہی ہوتا ہے اسے کوئی چیز مس کرے تو روح کو دُکھ درد محسوس ہوتا ہے۔

تشریح علامہ تفتازانیؒ

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے فرمایا: وان ارواح الشھداء اعنی نفوسھم التی بھا الادراک والتمیز تحل ابدان الطیور الخضر المتنعمۃ فی الجنۃ فتلتذ بذٰلک او تتمثل طیوراً خضراً اھ (اکلیل ص۱۲۴) شہیدوں کی روحیں یعنی جانیں جن کے ذریعے سمجھ بوجھ، ادراک اور تمیز حاصل ہوتی ہے ہرے ہرے پرندوں کے بدنوں میں حلول کر جاتی ہیں جو جنت کی نعمتوں میں رہتی ہیں اس ذریعے سے ان شہیدوں

کی روحوں یعنی جانوں کو لذت محسوس ہوتی ہے یا ایسا ہوتا ہے کہ خود وہ ارواح سبز پرندوں کے ہم مثل ہوجاتے ہیں (مگر یہ قول ضعیف ہے)

اسی صفحہ پر ابوالحاکم بن مرجان کا قول نقل ہے کہ حیاۃ الشھداء عند ربھم کاملۃ بالاضافۃ لحیاتھم بالدنیا مخلصۃ من الاجساد الدنیوۃ و ظلماتھا مطھرۃ من ارجاسھا سالمۃ من الاضداد متصلۃ بالحیاۃ الاخرویۃ الصالحۃ صحیحا لکنھا انما تتم بوجودھا فی اجسادھا یوم بعثھا۔

شہیدوں کے لیے رب کے ہاں ان کی وہ برزخی زندگی بہ نسبت دنیوی زندگی کامل ہوتی ہے دنیوی اجسام کے خبث اور ظلمات سے چھوٹ جاتی ہے۔ دنیوی گندگی سے پاک ہوتی ہے اضداد سے صحیح سالم ہوتی ہے اخروی زندگی کے ساتھ اس کا صحیح اتصال ہوتا ہے لیکن تام حیات بعث ہی کے دن ہوگی جس دن کہ ان ارواح کا وجود پھر سے ان عنصری اجسام میں ہوجائے گا۔

تفسیر قاسمی

تفسیر قاسمی صـ ۲۲۳/۲ میں ارواحھم فی جوف طیر خضر کی تشریح طیبیؒ سے نقل فرمائی ہے کہ ان محسوس بدنوں سے جب روحیں جدا ہوتی ہیں تو ان کے بجائے ان کی روحوں کی خاطر اسی ہیئت پر ڈھانچے پیدا کردیئے جاتے ہیں جو ان محسوس ابدان کے نائب اور قائم مقام ہوتے ہیں اور اب ان ارواح کا تعلق ان نئے پیدا کیے ہوئے ڈھانچوں کے ساتھ ہوجاتا ہے اب ان نئے ڈھانچوں کے ذریعے حسی لذتیں حاصل کرتے ہیں ای یخلق لارواحھم بعد ما فارقت ابدانھم ھیاکل علی تلک الھیئۃ تتعلق بھا وتکون خلفا عن ابدانھم فیتوسلون بھا الی نیل ما یشتھون من اللذات الحسیۃ۔

تشریح ملا علی قاریؒ

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ صـ ۳۱/۴ میں فرمایا۔ ترکیب للارواح ابدان لطیفۃ عاریۃ بدلا عن اجسادھم الکثیفۃ مدۃ البرزخ لتتمتع الارواح بالذات الحسیۃ من الاکل والشرب وغیرھما لیقع النعیم علی الوجہ الاکمل۔

یعنی جتنی مدت برزخ میں رہنے کی ہے اتنی مدت میں ان ارواح کی خاطر ان کے ان کثیف عنصری اجساد کے بدلے لطیف قسم کے مثالی ابدان جوڑ دیئے جاتے ہیں تاکہ یہ روح ان ابدانِ لطیفہ کے ذریعے کھانے پینے وغیرہ حسی لذتوں کے ساتھ متمتع اور محظوظ ہوسکیں یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ التنعیم وغیرہ علی الوجہ الاکمل ہو۔

تشریح سعید بن جبیرؒ

حضرت سعید بن جبیرؒ (تابعی مفسر قرآن) نے فرمایا ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الآیہ کی بابت فرمایا کہ یہ خوشی اس وقت ہوتی ہے لما دخلوا الجنۃ ورأوا ما فیھا من الکرامۃ للشھداء الخ جب وہ جنت میں جاتے ہیں اور شہیدوں کی عزت واحترام کا جو سامان جنت میں مہیا موجود ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

نوٹ: یہ جو احادیث نبویہ وآثار صحابہؓ و تابعینؒ واقوال مفسرینؒ و محدثینؒ و متکلمینؒ و صوفیاء کرامؒ میں دخول جنت کا لفظ صراحت کے ساتھ آتا ہے اس میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ روح کا دخول جب جنت میں ہو گیا جسدِ عنصری سے نکلنے کے بعد اور اسی طرح پھر قبل الحشر اس روح کا جنت سے نکلنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور بغیر ثبوت کے جنت سے روح نکلنے اور پھر جسدِ عنصری میں اس کے داخل ہونے کا قول کرنا رجماً بالغیب ہے بلکہ شریعت کے حکم سے تعدی ہے۔

اگر کہو کہ روح جنت میں بھی داخل ہے اور جسدِ عنصری میں بھی داخل ہے تو یہ قول عقل ونقل کے خلاف ہے کیونکہ دخول کے معنی فقہاء کرام نے لکھے ہیں انفصال من الخارج الی الداخل (ہدایہ اولین ص۴۸۲ کتاب الایمان باب الیمین فی الدخول والسکنیٰ) یعنی دخول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر سے منفصل اور جدا ہو کر اندر کی طرف منتقل ہو جانا) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ روح جب تک جسم عنصری میں تھی جنت سے باہر تھی پھر جب بدن عنصری سے منفصل ہو گئی اس کے بعد فرشتوں نے اسے ایک ایک آسمان سے گزارتے گزارتے ساتوں آسمانوں سے اوپر برزخی جنت میں داخل کر دیا

اس وقت وہ ارواح جسم عنصری میں نہیں ہو سکتیں جب تک وہ جنت برزخی میں ہیں اور اگر بقول شُما وہ ارواح جسد عنصری میں داخل ہو گئی ہیں تو جنت برزخی سے جدا ہو کر ہی جسد عنصری میں داخل ہو سکتی ہیں ورنہ دخول کی تعریف صادق نہیں آسکتی۔

اب یہ کہنا کہ یہ قبر (گڑھا) ہی اس کی جنت ہے۔ یہ خود اختراع کیا ہوا مسئلہ ہے۔ جس کی تائید نہ قرآن کی کسی آیت سے ہے نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے نہ یہ بات صحابۂ کرامؓ نے سمجھی ہے اور نہ کسی تابعی و تبع تابعی نے سمجھی ہے اور نہ کسی مجتہد نے سمجھی۔

ہمارے ذمے فرض ہے کہ وہی عقیدہ رکھیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو بطریق تواتر پہنچا ہے یا صحابۂ کرام یا مجتہدین نے ہم کو سمجھایا ہے۔ جو بات ان کے خلاف ان کے بعد آنے والے علماء ہمیں بتائیں گے ہم ماننے سے معذور ہیں اور ان علماء کا فہم ہمارے لیے حجت نہیں۔

تشریح امام الہندؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے "الخیر الکثیر" کے الخزانۃ الرابعہ ص۵۵ میں لکھا ہے " فاذا مات العبد لحق النفس با لبدن الغیر المحسوس ولزمت بھا فلا یکون ھناک ادراک الا بحسب المدرکات الباطنۃ الحس المشترک والوھم والادراک واذا قامت القیامۃ تعلقت بالابدان المحسوسۃ بسبب بعض الاسباب المعدۃ من الکون والفساد واذا جاء یوم الحساب اسبغت بالروح فنشأ من صلبھا بدن فرقت البدن العنصری ثم یدخل اما فی الجنۃ واما فی النار۔ یعنی جب بندہ مر جاتا ہے تو اس کی روح ایک غیر محسوس بدن سے لگ جاتی ہے اور اس کے ساتھ چپٹی رہتی ہے تو وہاں حس مشترک، وہم وغیرہ باطنی مدرکات ہی کے لحاظ سے ادراک ہوتا ہے اور جب قیامت قائم ہو جائے گی تو کون و فساد جیسے بعض معدہ اسباب کی وجہ سے پھر انہیں محسوس ظاہری ابدان کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہو جائے گا اور جب حساب کتاب کا

روز آئے گا تو پھر روح کے ساتھ ان ابدان کو کامل کر کے ان کی صلب سے بدن پیدا ہوگا جسے بدن عنصری کے ساتھ جوڑ لیا جائے گا پھر وہ جنت میں جائے گا (اگر صالح ہوا) یا آگ میں جائے گا (اگر غیر صالح ہوا)

امام عبدالعزیز رح

تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:
"بدن حقیقی او روح ہوائی است، و روح ہوائی را تعلق مے کنند، بدنے دیگر از عالم مثال"

تفسیر نیشاپوری رح

مفسر نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے ص ۱۴۸/۴ میں لکھا ہے ذھب کثیر من المحققین الیٰ انھم احیاء فی الحال لکن بحیاۃ روحانیۃ وان ارواحھم ترکع وتسجد کل لیلۃ تحت العرش الیٰ یوم القیامۃ یعنی محقق علماء کی کثیر تعداد اس طرف گئی ہے کہ شہید لوگ اس وقت بھی زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی روحانی ہے عنصری نہیں اور ان شہیدوں کی روحیں عرش کے نیچے ہر رات خدا کے آگے رکوع سجود کرتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا اسکے بعد آپ نے لکھا:
ثم ذالک الشیئ المغایر لھذا البدن المحسوس سواء کان جسما مخصوصا سایا او جوھرا مجردا لا یبعد ان ینفصل بعد موت البدن حیا اذ اماتہ اللہ فیعیدہ حیا وبھذا یثبت عذاب القبر وثوابہ وتنزول الشبھات،
یعنی وہ چیز جو اس محسوس بدن کے مغایر ہے وہ کچھ بھی ہو خواہ کوئی مخصوص جسم جو جسم میں سرایت کرے یا جوہر مجرد ہو جس کی جدائی زندہ رہنے کی صورت میں اس بدن عنصری کے مرنے کے بعد کوئی بعید نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو مار کر پھر دوبارہ زندہ کر دے اور اس طریق سے ثواب وعذاب قبر کا بھی ثبوت ہو سکتا ہے اور تمام شبہات بھی دور ہو سکتے ہیں۔

تفسیر خازن

مفسر خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے ص۹۵ میں لکھا ہے: قلت معناہ لا تقولوا اموات بمنزلۃ غیرھم من الاموات بل ھم احیاء تصل ارواحھم الی الجنان کما ورد ان ارواح الشھداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فھم احیاء من ھذہ الجھۃ وان کانوا امواتا من جھۃ خروج الروح من اجسادھم یعنی لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مردوں کی طرح ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ بایں طور زندہ ہیں کہ ان کی ارواح جنت میں جاتی ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں رہ کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں، سو وہ شہدا اس جہت سے زندہ ہیں، اگرچہ وہ اس اعتبار سے کہ ان کے بدنوں سے روحیں خارج ہو چکی ہیں، وہ مردہ ہیں اور دوبارہ ان کے مردہ جسموں میں روح نہیں آئی۔

تشریح عبدالوہاب شعرانی رح

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواہر ص۱۳۸ میں لکھا ہے:

ان اللہ اذا قبض الارواح من ھذہ الاجساد اودعھا صورًا جسدیۃ فی مجموع ھذا القرن النوری فجمیع ما یدرکہ الانسان بعد الموت فی البرزخ من الامور انما یدرکہ بعین الصورۃ التی ھو فی القرن بنورھا یدرکھا فھو ادراک حقیقی یعنی جب اللہ تعالیٰ ان عنصری جسموں میں سے ارواح کو کھینچ نکالتا ہے تو ان ارواح کو دوسرے جسمانی ڈھانچوں میں امانتاً رکھ چھوڑتا ہے جو اس نوری قرن میں جمع ہیں۔ پس مرنے کے بعد اس عالم برزخ میں جن جن امور کا انسان ادراک کرتا ہے تو وہ اسی صورت کی آنکھ وغیرہ کے نور کے ساتھ ادراک کرتا ہے جو اس نوری قرن میں ہے۔ تو حقیقی ادراک بھی ہوتا ہے۔

ایک مشہور سوال کا جواب علامہ سندھی رحمہ اللہ کے قلم سے

علامہ سندھی رحمہ اللہ نے مسلم حاشیہ ص۸ میں لکھا ہے: ولعل سبب السوال ان بقاء الروح مشترک بین تمام الاموات وبقاء الجسد غیر موجود فی احد فما بال تخصیص الشهداء بکونهم احیاء وحاصل الدفع ان ارواحهم فی اجواف یتنعمون نعیم الجنة بخلاف سائر الاموات تحصل الفرق بین الشهداء وغیرهم وبه خصت الشهداء بانهم احیاء

یعنی سوال یہ تھا کہ روحیں تو تمام اموات کی زندہ ہیں اور جسم کسی ایک کا موجود نہیں تو خاص شہداء کے بارے میں کیسے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحیں دوسرے قالبوں میں رہ کر جنت کی نعمتوں میں مزے کرتے ہیں اور دوسرے "وات کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی یہ فرق اس طرح ہوا اور خاص شہیدوں کے حق میں اسی واسطے کہا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

قاشانی رحمہ اللہ

شرح فصوص الحکم ص۲۶۵ میں علامہ قاشانی رحمہ اللہ کا فرمان منقول ہے احیاهم الله بالحیوٰة الاخرویة نهم الذین فازوا بلقاء الله تعالیٰ علی الاطلاق یعنی اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں کو اخرویہ زندگی کے ساتھ زندہ فرمادیا ہے اب وہ ہستیاں وہی ہیں جو علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ساتھ فائز ہیں۔

تشریح نسفی رحمہ اللہ

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے بحر الکلام ص۹۶ میں فرمایا کہ ارواح کی چار قسمیں ہیں ایک تو ہیں ارواح انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنے اس جسد عنصری سے نکل کر ان کی صورت میں مشک و کافور کی معطر ہوتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں اور دوسری قسم ارواح شہداء کی ہے جو

اپنے ان اجسادِ عنصریہ سے نکل کر سبز پرندوں کے پیٹ میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آبسیرا کرتی ہیں اور تیسری قسم مطیع مومنین کی ارواح ہیں جو جنت کے باغات میں رہ کر انتظار کر رہی ہیں کھاتی پیتی نہیں الیٰ آخرہ الاس واح علی اس بعۃ اوجہ منہا ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا وتصیر صورتہا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی باللیل الیٰ قنادیل معلقۃ بالعرش وارواح الشھداء تخرج من جسدھا وتکون فی اجواف طیر خضر فی الجنۃ تاکل و تشرب وتتنعم وتاوی باللیل الیٰ قنادیل معلقۃ بالعرش وارواح المطیعین من المومنین تتربص بالجنۃ لا تاکل ولا تشرب ولا تتنعم ولکن تنتظر الی الجنۃ الخ (قرطبی ج ۲ ص ۲۲۴ ومظہری ج ۱ ص ۲۲۴ وتفسیر روح المعانی ج ۵ ص ۱۶۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور امام ربانیؒ

"قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ نے فرمایا: قلت وما ذکر فی ارواح الانبیاء انھا تصیر فی مثل صورتھا المسک والکافور یعنی ان لھا اجسادا کاجساد الانسان وعبرھا بالمسک لتطییب ریحھا وعبر المجدد الامام الربانی مجدد الالف الثانی عن تلک الاجساد بالجسم الموھوب ویکون ذٰلک للانبیاء ولکمل اتباعھم الصدیقین قبل الموت (مظہری ص ۲۲۴) یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ ارواح انبیاء کی صورتیں مشک وکافور کی طرح ہوتی ہیں سو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجساد بالکل انسان کے اجساد کی طرح ہی ہوں گے چونکہ وہ خوشبودار اور معطر ہوں گے اس لیے ان کو مبالغۃً مشک وکافور کے ساتھ تعبیر کر دیا اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے ان اجساد کو جسم موہب کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور یہ جسم موہب صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے اور نیز ان صدیقین کے لیے جو موت سے قبل

انبیاء کے کامل متبع رہے ہیں۔

تفسیر رازی رحہ

امام فخر الملۃ والدین امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے:

ان ثواب القبر وعذابہ اما ان یصل الی ھذہ البنیۃ او الی اجزاء من اجزائھا؟ والاول مکابرۃ لانا نجد ھذہ البنیۃ متفرقۃ متمزقۃ فکیف یمکن القول بوصول الثواب والعقاب الیھا و اذا جاز ذلک فلم لا یجوز ان یقال الانسان ھو الروح فانہ لا یعرض لہ التفرق والتمزق فلا جرم یصل الیہ الالم واللذۃ ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبریٰ حتی ینضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ یعنی قبر کے عذاب ثواب کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس سارے پنجرے کو پہنچتا ہے یا اس پنجرے کی کسی چیز کے ساتھ لیکن پہلی صورت تو محض مکابرہ ہے کیونکہ اس قالب کو تو ہم ٹوٹا پھوٹا ہوا پاتے ہیں اب اس کو ثواب و عذاب پہنچنے کی بات کس طرح کہی جا سکتی ہے اور جب یہ ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ روح ہی دراصل انسان ہے کیونکہ روح بھی ٹوٹتا پھٹتا نہیں تو دکھ سکھ یعنی لازماً روح کو پہنچتا ہے پھر قیامت کبریٰ کے دن اللہ تعالیٰ اسی عنصری بدن کی طرف روح لوٹا دے گا حتی کہ جسمانی احوال روحانی احوال کے ساتھ جڑ جائیں گے۔

تفسیر بیضاوی رحہ

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولکن لا تشعرون تنبیہ علی ان حیاتھم لیست بالجسد ولا من جنس ما یحس بہ من الحیوانات و انما ھی امر لا یدرک بالعقل بل بالوحی وعن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ ان الشھداء احیاء عند ربھم تعرض ارزاقھم علی ارواحھم فیصل الیھم الروح والفرح کما تعرض النار علی ارواح آل فرعون غدوا وعشیا فیصل الیھم الوجع اس امر پر تنبیہ کرتا ہے کہ شہدا کی حیات نہ تو اس جسد عنصری کے ساتھ ہے اور نہ حیوانات کی اس حیات کی جنس میں سے ہے جسے محسوس کیا جا سکے وہ تو کوئی ایسی

چیز ہے جو عقل کے ادراک سے بالاتر ہے صرف وحی سے اس کا علم ہو سکتا ہے اور وہ حسن بصری رحمہ اللہ کی زبانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مرسلاً معلوم ہوا ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں اس طرح زندہ ہیں کہ ان کے ارواح پر رزق پیش ہوتے ہیں تو اس طرح ان کو جنت کی خوشبو اور خوشی پہنچتی ہے جس طرح فرعونیوں پر صبح و شام آگ پیش ہوتی ہے پھر انہیں دکھ پہنچتا ہے۔

اجماع سلف صالحین صحابہؓ و تابعینؒ

اس کے بعد لکھتے ہیں وفیہا دلالۃ علی ان الارواح جواھر قائمۃ بانفسہا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن تبقی بعد الموت دراکۃ وعلیہ جمہور الصحابۃ و التابعین وبہ نطقت الآیات والسنن یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارواح ایسی ذات ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اپنے ہونے میں جسم وغیرہ کے محتاج نہیں ہیں اور وہ ایسی ذات ہیں جو اس محسوس بدن سے مغایر ہے اور مرنے (یعنی جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی باقاعدہ علم و فہم اور ادراک سے متصف رہتی ہیں اور جمہور صحابہ و تابعین اسی مذہب پر ہیں اور قرآنی آیتیں اور احادیث نبویہ کا یہی بیان ہے۔ انتہیٰ کلام البیضاویؒ

شیخ زادہؒ کی تشریح

حضرت شیخ زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ علامہ بیضاوی کی اس تفسیر کی مزید تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ محصول ماروی عنہ انہ لا شک ان حیاۃ الشہداء لیست بہذا الجسد بالضرورۃ لانعدامہ وتلاشیہ واضمحلالہ فلا بد ان تکون حیاتہم بوجہ آخر روحانی ولہذا قال ولکن لا تشعرون لان شعورہم لیس الا بالحیوۃ بہذا الجسد۔ والحیاۃ لیست بہذا الجسد بل ہی حیوۃ معنویۃ روحانیۃ فان الانسان ان کان محسنًا کان روحہ متنعما الی یوم القیامۃ وان کان مسیئًا کان معذبا الی یوم القیامۃ والی ہذا ذہب جماعۃ الصحابۃ والتابعین واصحاب الحدیث ولم یخالف فی ذلک الا جماعۃ من المعتزلۃ جعلوا الارواح اعراضا لا قوام لہا بانفسہا بل تحتاج الی جسم تقوم بہ ومہما فارقت الاجسام تلاشت

دیطلت ۔ یعنی خلاصہ روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اس بات میں تو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور بالکل بدیہی اور واقع ہے کہ شہیدوں کی زندگی ..... اس عنصری جسم کے ساتھ ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ جسم محسوس عنصری تو معدوم الشئے اور نیست و نابود ہوچکا ہے اس لیے لازمی امر ہے کہ ان شہداء کی زندگی کسی اور طرح کی ہو جو روحانی ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے ولکن لاتشعرون فرمایا کیونکہ ان دنیا کے رہنے والوں کو تو اسی حیاۃ کا شعور ہوسکتا ہے جو اس عنصری محسوس جسد کے ساتھ ہو اور یہ جو شہداء کی حیات ہے وہ اس جسم عنصری محسوس کے ساتھ تو ہے نہیں بلکہ وہ شہداء کی حیاۃ معنوی اور روحانی ہے کیونکہ انسان دنیا میں اگر نیکی کرتا رہا ہے تو (عالم قبر میں) روز قیامت تک اس کا روح آسودہ حال اور عیش و خوشی میں رہے گا اور اگر دنیا میں انسان برے کام کرتا رہا تو (عالم برزخ میں) روز قیامت تک اس کا روح دکھی اور مار کھاتا رہے گا اور صحابہ و تابعین اور تمام محدثین کا یہی مذہب ہے اور اس مسئلہ میں م

وہ معتزلہ ہیں جو عذاب ارواح کے منکر ہیں

م معتزلہ کی ایک جماعت کے سوا کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کیونکہ معتزلہ کی اس ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ ارواح ذات نہیں بلکہ صفت ہیں جو اپنے وجود میں جسم موصوف کے ساتھ قائم رہنے کے محتاج ہیں اور جسم سے جونہی الگ ہوئے لاشئی اور باطل اور نیست و نابود ہوگئے (مگر یہ قول ان کا خود باطل ہے۔)

مواھب الرحمٰن

قولہ تعالیٰ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ف ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ زندگی فقط روح کو ہے جسم کو نہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس وقت ان کی روحیں اس طرح مثل ستاروں کے زندہ ہیں اور حشر میں سب کے سب زندہ ہوں گے تو ان کے جسم (عنصری) بھی زندہ ہوں گے ۔ امتیاز یہ ہے کہ ان کی روحیں ابھی سے جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور باقیوں کی روحیں حشر کے حساب سے بعد جاویں گی (لیکن انبیاء و صدیقین کا ان پہ

قیاس نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کا مرتبہ شہیدوں سے بڑھا ہوا ہے اور جمہور کے نزدیک ان کی زندگی تحقیقی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مثالی ہے اور یہ غلط ہے.... اور صحیح یہ ہے کہ یہ رزق حقیقی ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے ثنائے جمیل ہے اور یہ بدعتی ملحد کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن پ ۲ ص ۱۰۵)

مولوی عبدالحکیم سیالکوٹیؒ

فلکن لا تشعرون وھو تنبیہ علی ان حیاتھم لیست بالجسد ولا من جنس حیاۃ الحیوان لانھا بصحۃ البنیۃ واعتدال المزاج (عبدالحکیم بر بیضاوی ص ۳۰۱)
یعنی ولکن لا تشعرون میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس جسد عنصری کے ساتھ حیاۃ نہیں نہ حیوانی حیات کی جنس سے۔

سید انور شاہ صاحب

ثم ھذہ ابدان مثالیۃ لانھا ارواح مجردۃ ولعلہ عجل لھم ارزاقھم قبل الحشر واما سائر الناس فقد اخر انتفاعھم بھا الی یوم القیامۃ۔
(فیض الباری ص ــــ)

مولانا نانوتویؒ

ارواح شہداء کا ان اجسام سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اسپر شاہد ہے اور نیز لفظ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو کلام اللہ میں واقع ہے اس جانب مشیر ہے (آب حیات ص ۱۳) بعد از مرگ جسد مردہ من جملہ جمادات ہو جاتا ہے (آب حیات ص ۳۶) شہداء و دیگر مومنین.... اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتے ہیں۔ (جمال قاسمی ص ۱۴) حیات شہداء ہو تو یوں ہو کہ اس حجاب کو رفع کر کے چاہیں تو یونہی رکھیں چاہیں کسی اور بدن کے ساتھ چھوڑ دیں اور شاہد شہداء کے لیے یہی ہوتا ہے چنانچہ احادیث مشعرہ ادخال اجواف طیر خضر اور لفظ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو آیت لَا تَحْسَبَنَّ

اَلَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا میں واقع ہے اس پر دال بھی ہیں ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ اول انفعال مذکور بھی زائل ہو جائیے پھر نئے سر سے ایجاد وانفعال کے بعد ابدان طیور خضر کے ساتھ علاقہ لگائیں اور یہی تعلق ابدان طیور خضر کے ساتھ حیات شہداء کے لیے کافی ہے اور اس امر کے تسلیم سے تو چارہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تعلق مابین ارواح شہداء واجساد شہداء منقطع ہو جائے۔ گو علاقہ فیما بین روح نبوی صلعم وارواح شہداء جو سرمایہ حیات شہداء ہے بحال خود باقی رہے اور اس وجہ سے حیات روحانی تو زائل نہ ہو پر حیات جسمانی شہداء منقطع ہو جائے یعنی شہداء میں وجود حیات روحانی وقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہ رہے اور اس وجہ سے حرمت ازواج اور سلامت اجساد اور عدم میراث لازم نہ آئے لیکن ہر چہ باداباد بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے اور نہ ارواح مومنین کو۔ ... بہرحال ابدان دنیا سے دونوں (شہداء ومومنین) کو کچھ تعلق نہیں رہتا (آب حیات ۱۶۵) سو جب روح کو اس جسم سے تعلق ہی نہ رہا تو یہ ازواج واموال روح کے حق میں بے کار محض ہو گئے اور دوسرے عالم کے اجسام سے اگر تعلق پیدا ہو گیا تو وہ اس باب میں (یعنی باب منافع دنیویہ میں) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعۂ انتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج واموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتا ہے (آب حیات ۱۶۶) اور شہداء کی وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیات ثانی ہے (۱)

نوٹ: حضرت نانوتوی کی بے شمار عبارتیں اس طرح کی موجود ہیں سب کی سب نقل کریں تو کتاب بہت ضخیم بن جائے گی عقلمند خود سمجھ سکتا ہے۔ بے وقوف کے لیے دفتر بھی بے سود ہے۔

تشریح تھانوی

مولوی اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہو گا جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہو گا جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے

زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت دوزخ میں پھر جسم عنصری پھر مل جائیگا۔ گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلافِ مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں ثواب و عذاب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص۳۱۴/۳۱۳)

خیر الحیاۃ:

تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہوجاتی ہے۔ اس لیے اس جسم کو تو عذاب و ثواب، تکلیف و آرام کچھ نہیں ہوتا الخ (خیر الحیات و خیر الممات ص۴۳/۴۴ منقول از تسکین القلوب ص۶۷)

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

بعض ایسی روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کرکے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی۔ اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رؤیائے صادقہ پہلے گزرا ہے (سیرۃ النبی میں) جن جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب اور جسم نہیں جو جہان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہوگئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوگئے اور ذرّے ہوا میں اڑ کر منتشر ہوگئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن گئے (سیرۃ النبی للسید سلیمان ندوی ص۶۷/۴)

پھر جاننا چاہیے کہ گروہ معتزلہ کے نزدیک روح ایک عرض ہے کہ بدون بدن کے اس کا قیام نہیں ہوسکتا جب بدن سے نکلی نیست و نابود ہوگئی اور یہ بڑی جہالت ہے بلکہ کفر ہے۔ اگر تاویل نہ کی جائے۔ اور میرے گمان میں شاید

معتزلہ ایسا نہ کہتے ہوں۔

بالجملہ کوئی فرقہ کہے۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اسے رد کر دیا کہ ان نصوص میں دلیل ہے کہ روحیں سب جوہر ہیں جو بذات خود قائم ہیں جسموں پر موقوف نہیں اور یہ بدن جو محسوس ہوتا ہے اس سے غیر ہیں اور بعد موت کے بھی ان کو ادراک رہتا ہے یعنی دکھ درد، خوشی و نعمت جو حال ان کو پہنچے اس کا ادراک ہوتا ہے اور وجہ رد یہ ہے کہ روح کے لیے حیات ثابت کر دی جائے کہ جو عرض ہے۔ پس اگر روح جوہر نہ ہو اور عرض ہو تو عرض کے ساتھ عرض کا قائم ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے کہ قیام العرض بالعرض کا بطلان اپنے موقع پر ثابت ہو لیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: شیخ الاسلام نے فرمایا جامع البرکات میں "تحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است و او را علم و شعور بزائران و احوال ایشاں ثابت است و امرے است مقررہ در دین" یعنی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ اور زائرین اور ان کے احوال کا علم و شعور بھی روح کے لیے ثابت ہے اور یہ امر دین میں مقرر اور محقق ہے۔

جواب: روح کی بقا جسد عنصری کے اندر سے نکلنے کے بعد واقعی قرآن و سنت سے ثابت ہے اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے اور جو لوگ روح کے فنا ہو جانے کے قائل ہیں ان کا قول باطل عاطل مردود و مطرود ہے کیونکہ کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ لیکن روح کا زندہ و باقی رہنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اہل دنیا کی باتیں بھی سنا کرے بلکہ وفات کے بعد اور روح کا جسد عنصری سے جدا ہونے کے بعد ہر ایک طرح سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مشغول ہو کر اس طرف سے (دنیا کی طرف سے) بالکل غافل اور بے خبر ہوتی ہے اور خود ہمارے اکابر میں سے امام شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس طرف سے

کم توجہی اور اُدھر بے حد متوجہ ہونا تسلیم کرتے ہیں اور دین میں یعنی قرآن مجید کی چند آیات سے اہل قبور کا نہ سننا ثابت ہو چکا ہے۔ پس قرآن کے خلاف بھلا اور کیا چیز دین ہو سکتی ہے۔ خود حضرت امام اعظم رح اور جمہور فقہائے حنفیہ اہلِ قبور کی سماعت کے منکر ہیں، ان حضرات سے الگ، دین کس چیز کا نام ہو سکتا ہے اور رُوح کا باقی رہنا اہلِ دنیا کے کلام کو سننے کا مستلزم کس قاعدہ سے ہے۔ روح کا قبر میں ہر وقت موجود رہنا کس دلیل سے ثابت ہوا جب تک دلیل کے اجزاء ثابت نہ ہوں اس وقت تک دعوٰے کے ثبوت کا کیا ذکر ہے۔

پیرِ طریقت مولانا حسین علی رح

اور تحقیق بَلْ اَحْیَاءٌ کی مختصر یہ ہے کہ اَحْیَاءٌ سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس جسم کے ساتھ زندہ ہیں، یا تی رُوح خود زندہ ہوتے ہیں مع النفس یا بدون النفس اور نفس اور رُوح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے۔ باقی خاص ان کو اس معنیٰ کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ عیش و خوشی میں ہوتے ہیں۔۔۔
(بلغۃ الحیران من امالی حسین علیؒ)

وقیل ان المعذب والمنعم من الارواح والاجساد جزءٌ من الجسد تبقی فیہ الروح وھو الذی یتألم ویتلذذ فغیر مستحیل ان یصوّر اللہ تعالیٰ ذٰلک الجزء طائرًا اَو یجعل فی جوف طیر فتسرح فی الجنۃ (تعریبہ حدیث من حسین علی رح) قلت ھٰذَا المعبر بالجزء الباقی من البدن ھو النفس وھی شبیھۃ بالروح ممازجۃ متلازمۃ لھا کالدخان للنار فھی المتألمۃ المتلذذۃ (تحریرات ص ۲۰۹)

تشریح شہرستانی رح

(وقد قال الشہرستانی رح فی نہایۃ الاقدام ص ۲۶۹)
(عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

تفسیر موضح القرآن

شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک طرح کی زندگی ہے کہ اور مُردوں کو نہیں، کھانا پینا اور عیش اور خوشی ان کو پوری ہے اور وں کو قیامت کے بعد ہو گی۔ (موضح القرآن ملخص)

سید محمد انور شاہ صاحبؒ

سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بلکہ تحقیق آن ست کہ معنی حیات تعلق روح ببدن در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند در حل مشکلات القرآن ص۳۱ (کیسی صاحب تسکین کی ہیرا پھیری معلوم ہو گئی)

اس ساری بحث کا ماحصل اور نتیجہ

بہرحال یہ امر تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ خورد و نوش شعور و ادراک کا مخصوص ہونا صحیح نہیں ہے جیسے صاحب تسکین نے بغیر کسی تائیدی حوالہ کے دعویٰ کر دیا۔

کیا اس قدر احادیث نبویہ صحیحہ کثیرہ متواترہ اور آثار صحابہ کرام رض و خیر القرون و سلف صالحین و علمائے مجتہدین و صوفیائے کرام و شیوخ امت کے براہین و دلائل ساطعہ سے ہٹ کر علیحدہ راہ اختیار کرنا اور عوام کے مجالس و محافل میں اپنی جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنا اور دوسرے پیا اعتزال کا بہتان لگانا محترم مولانا جیسے قائدین و زعمائے ملت کو زیب دیتا ہے؟ کیا موت یاد نہیں، خوفِ خدا نہیں، خدا کے سامنے کس منہ سے پیش ہوں گے، کیا کذب بیانی، دھوکہ دہی، اتہام گناہ کبیرہ نہیں، کیا قرآن و سنت میں تاویل اور ہیرا پھیری چند ٹکوں کی خاطر یہود کی سی چال نہیں ہے؟

عالمِ مثال کا مشاہدہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنی معصوم آنکھوں سے معراج میں عالمِ مثال ملاحظہ فرمایا

فتاویٰ عزیزی میں معراج کے بیان میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ناگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک ایک بوڑھی عورت پر پڑی کہ راستہ کے کنارہ پر تھی اور بلاتی تھی۔ تو حضرت جبریل نے کہا کہ یہ دنیا ہے آپ کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ پھر راستہ کے داہنے طرف یہود کا داعی ملاحظہ فرمایا اور راستہ کے بائیں جانب نصاریٰ کا داعی ملاحظہ فرمایا پھر ناگاہ ملاحظہ فرمایا کہ ایک شیخ ہے کہ راستہ سے پھرتا ہے اور بلاتا ہے کہ ادھر آیئے ادھر آیئے تو حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ شیطان ہے پھر تین بزرگوں کو ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ ہیں اور اور ان حضرات نے کہا یا آخر یا حاشر یا اول، اور یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ اپنی قبر میں کثیب احمر کے بائیں راستے سے داہنی طرف نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ ناگاہ آنحضرت ایسے مقام میں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ ہیں کہ ہر روز غلہ بوتے ہیں اور کاٹتے ہیں مگر ان کی زراعت کم نہیں ہوتی، ہمیشہ ایک طور پر برابر رہتی ہے اور وہ لوگ مجاہدین تھے کہ مشغلی زاد میں جہاد کرتے ہیں وہ نیکی کرتے ہیں تو اس کا ثواب سات سو درجہ زیادہ کر دیا جاتا ہے پھر آنحضرت چند لوگوں کے پاس گزرے کہ ان کا سر پتھر کے ساتھ توڑا جاتا تھا اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ فرض نماز پڑھنا ان پر بار گزرتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ وہ لوگ جانوروں کی طرح چرتے تھے اور ضریع اور زقوم کھاتے تھے اور دوزخ میں پتھر گرم کرکے اس سے ان کو داغا جاتا تھا اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پھر آنحضرت ایسے

لوگوں کے پاس گزرے کہ ان کے سامنے دیگوں میں پاکیزہ گوشت پکایا ہوا موجود تھا مگر وہ نہیں کھاتے تھے، اور دوسری دیگوں میں خبیث سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا، وہ کھاتے تھے اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ اپنی حلال بیویوں کی طرف التفات نہیں کرتے اور حرام کی خواہش کرتے ہیں۔ پھر ایک شخص کے پاس گزرے کہ بڑا گٹھا یعنی بوجھ لکڑی کا اپنے اوپر لیے ہوئے تھا اور اٹھا نہ سکتا تھا اور اس پر اور زیادہ انبار کیے جاتا تھا اور وہ خائن تھا کہ لوگوں کی امانت اپنے پاس رکھتا تھا اور اس کو ضائع کیا کرتا تھا اور پھر چاہتا تھا کہ اس کے پاس اور بھی امانت رکھی جائے۔ پھر آنحضرت ایسے لوگوں کے پاس گزرے کہ وہ لوگ اپنی زبان اور اپنا ہونٹ لوہے کی مقراض سے کاٹتے تھے اور فوراً پھر بجنسہٖ درست ہو جایا کرتا تھا اور وہ لوگ مفسدین خطیب تھے۔ پھر آنحضرت کا گزر ایک ایسے مقام میں ہوا کہ وہاں چھوٹا بل تھا یعنی زمین میں سوراخ تھا ایک بڑا اژدہا نکلا، اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اس میں چلا جاوے مگر نہ جا سکتا تھا اور وہ صورت اس شخص کی تھی کہ وہ کوئی کلمہ عظیمہ کہہ دیتا ہے اور پھر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے۔ اور اس کے بارے میں جواب نہیں دے سکتا۔ پھر آنحضرتؐ ایک پاکیزہ وادی کے پاس گذرے کہ وہاں عمدہ خوشبو معلوم ہوتی تھی اور بہتر آواز سنائی دیتی تھی، وہ بہشت کی آواز تھی۔ اللہ تعالےٰ سے التجا کرتی تھی اس امر کے لیے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے حق میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا فرما دے پھر آنحضرتؐ ایک ایسی وادی سے گزرے کہ یہ وادی سابق وادی سے خلاف تھا اور وہ جگہ جہنم تھا۔ پھر آنحضرت کچھ ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کا شکم گھر کے مانند بڑا تھا اس میں سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے اور ان میں سے ہر ایک سانپ دوسرے کو کاٹتا تھا اور وہ لوگ سود خوار تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کے مانند تھا وہ لوگ آگ کا انگارہ نگلتے تھے اور وہ ان کے نیچے سے نکلا کرتا تھا وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ کچھ عورتوں کی طرف گزرے کہ ان کا ہاتھ بندھا تھا اور سرنگوں منہ لٹکائے ہوئے تھیں۔

اور وہ زانیہ عورتیں تھیں، پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کا پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور وہ لوگ اپنے دانتوں سے چکھتے تھے وہ لوگ چغلخور تھے۔

پھر بیت المقدس کے پاس پہنچے۔ آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح موجود کی گئیں۔

شرح الصدور

شرح الصدور ص میں ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز صبح سے فارغ ہو کر فرمایا کہ رات میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور میرے دونوں بازو پکڑ کر آسمان پر لے گئے یہاں ایک فرشتہ کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری پتھر ہے اور ایک آدمی کے سر پر وہ پتھر مارتا ہے ایسی سخت مار کہ اس کا دماغ اور دونوں طرف کا گلا دور جا گرتا ہے جب فرشتہ پتھر اٹھانے جاتا ہے تب تک اس کا دماغ اور گلا درست ہو جاتا ہے اور پھر پتھر مارتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھ والے فرشتوں سے پوچھا یہ کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا آگے چلیے۔ میں آگے بڑھا تو ایک فرشتہ کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں لوہے کی سیخ ہے جس کا سر ٹیڑھا بنا ہے ایک آدمی اس کے سامنے ہے اس کے منہ میں ڈال کر کان تک پھاڑتا ہے پھر بائیں طرف جاتا ہے اور سیخ منہ میں ڈال کر کان تک پھاڑتا ہے۔ اتنے عرصہ میں داہنا منہ درست ہو جاتا ہے میں نے فرشتوں سے پوچھا یہ کیسا آدمی ہے کہا آگے چلیے میں آگے بڑھا ایک نہر خون کی دیکھی وہ ایسے جوش و خروش سے جاری ہے جیسے دیگ چولہے پر جوش مارتی ہو اس نہر میں آدمیوں کی ایک جماعت ہے جو ننگے بدن ہے اور نہر کے کنارے فرشتے ہیں ان کے ہاتھ میں پتھر ہیں جب وہ جماعت تیرتی ہوئی کنارے آتی ہے فرشتے پتھر مارتے ہیں وہ پتھر ان کے منہ میں گھس جاتا ہے اور پتھر کے صدمے سے لوگ نہر میں نیچے اور بہت دور جا رہتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیسے ہیں؟ کہا آگے چلیے۔ میں آگے بڑھا آگے ایک مکان کو دیکھا جس کے نیچے کا حصہ کشادہ اور اوپر کا حصہ تنگ ہے مثل تنور

۲۵ کے اور آگ سے بھرا ہوا ہے اس میں ایک جماعت آدمیوں کی ننگی ہے اور بے صبر
اور شور و فریاد کرتی ہے ان سے سخت بدبو آتی ہے میں نے پوچھا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہا
آگے چلیئے۔ میں آگے بڑھا ایک سیاہ ٹیلہ دیکھا اس پر ایسے آدمی ہیں جن کے نیچے سے
آگ بھڑکتی ہے اور ان کے منہ اور ناک اور کان اور آنکھ سے آگ کا شعلہ نکلتا ہے میں نے
پوچھا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہا آگے چلیئے میں آگے بڑھا دیکھا کہ یہاں آگ دوزخ تک جلتی ہے
۲۶ اس پر ایک فرشتہ خوفناک مقرر ہے جب کوئی شعلہ اڑ کر باہر جاتا ہے وہ فوراً جمع کرتا
۲۷ ہے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا آگے چلیئے میں آگے بڑھا ایک باغ نہایت سرسبز
۲۸ دیکھا طرح طرح کے پھول کھلے ہیں اس میں نہایت خوبصورت ایک بوڑھے آدمی بیٹھے
ہیں ایسا خوبصورت کوئی نہیں ہو سکتا ان کے آس پاس بہت سے لڑکے بیٹھے
ہیں۔ اس باغ میں ایک درخت ہے اس کے پتے بڑے بڑے ہاتھی کے کان کے
مثل ہیں میں اوپر گیا جہاں تک اللہ نے چاہا وہاں میں نے مکانات دیکھے اچھے اچھے
عمدہ خوبصورت جو موتی اور زبرجد سبز اور یاقوت سرخ کے بنے تھے۔ پوچھا یہ کیسے مکانات
۲۹ ہیں؟ کہا آگے چلیئے جب آگے بڑھا تو ایک نہر ملی اس پر دو پل سونے اور چاندی کے
تھے اور دونوں کناروں پر اچھے اچھے محل تھے ان سے اچھا محل کوئی نہیں ہو سکتا، موتی
اور زبرجد اور یاقوت سرخ کے بنے تھے کناروں پر پیالے اور لوٹے رکھے تھے میں نے
پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا اس میں جا کر دیکھئے میں اس کے کنارہ پر گیا اور ایک پیالہ نہر سے
پانی نکالا اور پیا شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا اور مکھن سے زیادہ
ملائم اور پاکیزہ تھا۔ اب میں نے فرشتوں سے کہا آج کے جو عجائبات ہم نے دیکھے ہیں
اس کو بیان کرو۔

۳۱ انہوں نے کہا جن کے سر کچلے جاتے تھے اور دماغ اور گلے دور جا گرتے تھے یہ وہ
لوگ ہیں جو عشاء کی نماز نہ پڑھتے تھے اور باقی نمازوں کو بے وقت پڑھتے تھے یہ عذاب
ان پر قیامت تک کرتے رہیں گے۔
اور جس کا منہ سیخ سے پھاڑا جاتا تھا یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے درمیان چغلخوری کرتے تھے

اور جھوٹ اور غیبت سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے اور فساد کرتے تھے۔ یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۳ اور جو خون کی نہر میں غوطہ لگانے تھے اور ان کے منہ میں پتھر بھرتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے۔ یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۴ اور جو مرد و عورتیں ننگی آگ کے تنور میں تھے یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرتے تھے یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۵ اور جو سیاہ ٹیلہ پر ہیں اور ان کے منہ اور ناک اور کان اور آنکھ سے آگ کا شعلہ نکلتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو عمل قوم لوط کا کرتے تھے یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۶ اور جو آگ دور تک جلتی ہے وہ جہنم ہے اور جو باغ سرسبز ہے وہ جنت عدن ہے

۲۷ اور بوڑھے آدمی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور جو لڑکے ان کے گرد ہیں وہ مسلمانوں

۲۸ کے بچے ہیں جو بچپن میں مر گئے اور وہ درخت درخت سدرۃ المنتہیٰ ہے اور نہر کے کنارے

۲۹ جو محل ہیں وہ انبیاء و صدیقین و شہداء و صلحاء کے محل ہیں اور وہ نہر حوض کوثر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے اور وہ محل آپ کا محل ہے اور آپ کے اہلبیت کا۔

فائدہ: علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث عذاب قبر پر دال ہے ہر بد شخص کو اپنے عمل کے موافق عذاب قبر کا مزہ چکھنا ہے اس لیے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حق ہے اور آپ نے فرمایا کہ یہ عذاب قیامت تک ان پر کیا جائیگا۔

نیز روایت ہے ابوامامہ سے کہ متوجہ ہوئے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف بعد از نماز صبح اور فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے یہ سچا ہے اسے سمجھو اور یاد رکھو۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ لے چلا۔ راستہ میں بہت اونچا ایک پہاڑ ملا۔ مجھ سے کہا اس پر چڑھیے میں نے کہا میں نہیں چڑھ سکتا۔ کہا آپ کے واسطے میں پہاڑ کو نرم کر دیتا ہوں پھر جب نرم کر دیا تو میں نہایت آسانی سے اوپر چڑھ گیا میں نے

۳۰ دیکھا کہ یہاں مرد اور عورتیں ہیں جن کے منہ دونوں طرف سے کان تک پھاڑے گئے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سوراخ سے لوگوں کے گھروں میں

جھانکتے تھے اور جو بات سننے کی نہ تھی اس کو کان لگا کر سنتے تھے۔ ہم آگے بڑھے دیکھا

۳۲ کہ عورتوں کو پیر باندھ کر اوندھے منہ لٹکاتے ہیں اور ان کے سینہ میں اژدھے کاٹتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو بھوکا رکھتی تھیں

۳۳ اور دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ آگے بڑھے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کے پاؤں باندھ کر اوندھے منہ لٹکائے گئے ہیں یہ لوگ کالا کیچڑ اور گندا پانی چاٹتے ہیں میں نے پوچھا یہ

۳۴ کون لوگ ہیں کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ روزے رکھتے اور وقت سے پہلے افطار کرتے تھے۔ آگے بڑھے ایک جماعت مردوں اور عورتوں کی دیکھی جو نہایت بدشکل تھی ان کا لباس بہت بدتر تھا ان سے ایسی بدبو آتی تھی جیسے بخار کے بعد پسینہ کی بدبو ہوتی ہے میں نے

۳۵ پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ زانی مرد و زن ہیں۔ آگے بڑھے کچھ مردوں کو دیکھا ان کے بدن اور کل اعضا پھولے ہیں اور بہت گندی بدبو آتی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا

۳۶ یہ کافروں کی لاشیں ہیں۔ آگے بڑھے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے ہیں

۳۷ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ مسلمانوں کی لاشیں ہیں۔ آگے بڑھے دیکھا کہ دو نہریں جاری ہیں اس میں لڑکے اور لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ

۳۸ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ آگے بڑھے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے روشن چمکتے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے اور خوشبو سے معطر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ لوگ صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔

عبدالرحمن بن سمرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے آج کی رات عجیب خواب دیکھا ہے کہ اپنی امت

۳۹ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاس ملک الموت روح قبض کرنے آئے تو اس وقت اس کا احسان جو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا تھا آیا اور ملک الموت کو رخصت کیا

۴۰ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جب اس کو دفن کر کے واپس ہوئے تو اس پر عذاب قبر آنے

۴۱ لگا اس کے وضو نے اسے آ کر بچا لیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جان کنی کی حالت میں شیاطین نے اس کو رنج و مشقت میں ڈالا ہے پس ذکر اللہ نے آ کر اسے

۴۲ .... شیاطین سے نجات دلائی اور ایک امتی کو دیکھا کہ ملائکۃ العذاب نے اسے مغموم وخوفزدہ
۴۳ کر دیا پس اس کی نماز آئی اور بچا لیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ مارے پیاس کے زبان نکالے
ہوئے ہے جب پانی پینا چاہتا ہے روک دیا جاتا ہے پس روزہ اس کا آیا اور پانی پلا دیا
اور سیراب کیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس سے کچھ دور انبیاء حلقہ کیے ہوئے بیٹھے تھے
جب وہ ان کے پاس آنے کا قصد کرتا ہے تو منع کیا جاتا ہے پس اس کا غسل جنابت آیا
۴۴ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پہلو میں بٹھا دیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے چاروں طرف
نہایت اندھیرا ہے وہ پریشان ہے کہ کدھر جاؤں کیا تدبیر کروں پس اس کا حج آیا اور
۴۵ عمرہ آیا اور اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لایا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے
باتیں کرتا ہے مگر وہ اس کی بات نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں پس اس کا سلوک جو قرابت
۴۷ داروں کے ساتھ کیا تھا آیا اور پکار کر کہا اے مومنو! اس سے گفتگو کرو پس سب نے گفتگو کی اور
ایک امتی کو دیکھا کہ دوزخ کے شعلہ اور گرمی سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھے
۴۸ ہے پس اس کا صدقہ آیا اور دیوار بن کر اس کو گرمی سے بچایا اور اس پر سایہ کر لیا۔ اور ایک امتی
۴۹ کو دیکھا کہ ملائکۃ العذاب نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے پس اس نے دنیا میں جو نیکی کرنے کا حکم
اور برائی سے بچنے کا حکم لوگوں کو سنایا تھا وہ آیا اور فرشتوں سے چھڑا لیا اور ملائکہ رحمت
۵۰ کے حوالے کیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل اللہ کے دربار میں جاتا ہے لیکن درمیان
میں ایک پردہ پڑا ہے پس اس کی اچھی خصلت آئی اور ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں
۵۱ پہنچا دیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا نامۂ اعمال بائیں طرف سے آیا پس اللہ تعالیٰ کا خوف
جو دنیا میں اس کے دل میں تھا وہ آیا اور اس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا۔ اور
۵۲ ایک امتی کو دیکھا کہ حساب کتاب کے وقت اس کی نیکی کا وزن ہلکا ہو گیا اس کا فرط
آیا اور وزن کو بھاری کر دیا۔ فرط ان بچوں کو کہتے ہیں جو بچپن میں مر گئے اور ماں باپ
۵۳ نے ثواب کی امید سے ان پر صبر کیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارہ پر کھڑا ہے پس
اس کا خوف جو اللہ سے دنیا میں رکھتا تھا آیا اور اس کو نجات دی اور ایک امتی کو دیکھا
۵۴ کہ جہنم میں گر جانے کے قریب ہو گیا ہے پس اس کا آنسو جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے

۵۵ خوف سے رویا کرتا تھا آیا اور اسے جہنم سے بچا لیا۔ ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کھڑا خوف سے کانپتا تھرتھراتا ہے پس اس کا گمان جو اللہ کے ساتھ رکھتا تھا آیا اور خوف
۵۶ نکل گیا اور پل صراط سے پار اتر گیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھٹنوں کے بل چلتا ہے اور کبھی سرین کے بل پس اس کی نماز آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ وہ
۵۷ پل صراط سے گزر گیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازہ تک پہنچتا تھا کہ دروازہ بند ہو گیا پس اس کا کلمۂ شہادت آیا اور دروازہ کھولکر اسکو جنت میں داخل کیا اسکے بعد میں نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی زبان
۵۸ اوپر کو کھینچی ہے اور لوگ لٹکتے ہیں میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ مومن مرد اور مومن عورتیں
۵۹ کو جھوٹی تہمت لگاتے ہیں زنا کی اور میں نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ان کے دونوں لب قینچی سے کاٹے ہیں پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ مسلمانوں میں چغل خوری کرتے تھے۔

صحیح بخاری

صحیح بخاری میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ چکتے تھے تو ہماری طرف منہ کر لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے اگر آج رات کوئی خواب دیکھا ہے تو بیان کرے سمرہ کہتے ہیں اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ اسے بیان کر دیتا پھر جو کچھ اللہ چاہتا آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے پس اسی دستور کے موافق ایک دن آپؐ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا مگر میں نے آج رات دو مردوں کو خواب میں دیکھا کہ وہ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے ایک مقدس زمین میں لے
۶۰ گئے لیکایک میں وہاں پہنچ کر گیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا آدمی کھڑا ہوا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آنکڑا ہے وہ اسے اس بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ میں داخل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی گدی تک پہنچ جاتا ہے پھر اس سے ایک طرف کا جبڑا الیپاڑ دیتا ہے پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے اور اس کا وہ جبڑا مندمل ہو جاتا ہے پھر دوبارہ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے ان
۶۱ دونوں مردوں نے مجھے جواب دیا کہ آگے چلیے یہاں تک کہ ہم ایک شخص کے پاس پہنچے

۶۱ کہ وہ چیت لیٹا ہوا تھا اور ایک مرد اس کے سرہانے ایک پتھر لیے ہوئے کھڑا تھا پس وہ اس پتھر سے اس لیٹے ہوئے آدمی کے سر کو توڑتا تھا جب اسے پتھر مارتا تھا اور پتھر لڑھک جاتا تھا تو جا کر اسے اٹھا لیتا اور جب تک اس لیٹے ہوئے آدمی کے پاس لوٹ کر آئے اس وقت تک اس کا سر اچھا ہو چکا تھا اور جو حالت اس کی پہلی تھی ویسی ہو جاتی تھی،

۶۲ پھر وہ دوبارہ اسے مارتا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا کہ آگے چلیے چنانچہ ہم چلے ایک گڑھے کی طرف ہمارا گزر ہوا وہ مثل تنور کے تھا منہ اس کا تنگ تھا اور نیچا اس کا چوڑا تھا اس گڑھے میں آگ جل رہی تھی اس کے اندر کچھ برہنہ مرد اور عورتیں تھیں جب آگ بہت بھڑک اٹھتی تھی تو وہ لوگ اٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے

۶۳ تھے تو میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا کہ آگے چلیے چنانچہ ہم چلے، یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے اسکے بیچ میں ایک آدمی تھا اس کے سامنے کچھ پتھر کے ڈھیر تھے اور وہ اس شخص کے سامنے کھڑا ہوا تھا پس جب وہ اس نہر سے باہر نکلنا چاہتا تھا تو یہ شخص ایک پتھر اسکے منہ میں کھینچ مارتا تھا تو وہ جہاں تھا وہیں واپس ہو جاتا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے؟

۶۴ تو ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا آگے چلیے چنانچہ ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہایت شاداب اور سرسبز باغیچہ میں پہنچے اس میں ایک بڑا سا درخت لگا ہوا تھا اس کی جڑ کے پاس ایک بوڑھے آدمی اور کچھ بچے بیٹھے ہوئے تھے اور یکایک میں کیا دیکھتا ہوں کہ درخت کے قریب ایک آدمی ہے اس کے سامنے کچھ آگ ہے وہ اسے روشن کر رہا ہے پھر وہ دونوں مرد مجھے اس درخت پر چڑھا لے گئے اور اس درخت کے اندر ایک گھر تھا اس میں مجھے داخل کیا میں نے کبھی اس سے عمدہ اور شاندار مکان نہیں دیکھا اس گھر میں کچھ بوڑھے اور کچھ جوان مرد اور کچھ عورتیں اور کچھ بچے تھے پھر وہ دونوں مرد مجھے اس گھر سے نکال لائے اور درخت کی دوسری شاخ پر مجھے چڑھایا اس میں بھی ایک گھر تھا اس میں مجھے داخل کیا یہ گھر بھی نہایت عمدہ اور شاندار تھا اس میں بھی کچھ بوڑھے اور جوان مرد تھے جب میں یہ سب کچھ دیکھ چکا تو میں نے ان دونوں سے کہا کہ تم نے مجھے رات بھر گشت کرایا اب بتاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی اصل

۶۵ حقیقت کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم بتاتے ہیں وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا

کہ اس کا جبڑا پھاڑا جا رہا ہے وہ جھوٹ بولنے والا ہے دنیا میں جھوٹی باتیں کیا کرتا تھا اور اس سے نقل کی جاتی تھیں یہاں تک کہ تمام اطرافِ عالم میں پہنچ جاتی تھیں لہٰذا اس کے

۶۲ ساتھ روزِ قیامت تک ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا اور وہ لوگ جنہیں آپ نے گڑھے میں دیکھا

۶۳ وہ زنا کار لوگ ہیں اور وہ شخص جس کو آپ نے نہر میں دیکھا سود خوار ہے۔ اور وہ بوڑھے مرد جو

۶۴ درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام تھے اور چھوٹے بچے جو ان کے گرد تھے وہ لوگوں کے بچے ہیں جو قبل از بلوغ مر گئے ہیں اور وہ شخص جو آگ روشن کر رہے تھے، مالک تھے جو دوزخ کے داروغہ ہیں اور وہ پہلا مکان جس میں آپ تشریف لے گئے تھے عام مسلمانوں کا گھر ہے اور یہ گھر شہیدوں کا ہے اور میں جبریل ہوں اور یہ شخص جو میرے ساتھ ہیں میکائیل ہیں اب آپ اپنا سر اٹھایئے میں نے سر اٹھایا تو یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اوپر ابر کے مانند کوئی چیز ہے انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا مجھے اپنے مقام میں داخل ہونے دو۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ابھی کچھ تھوڑی عمر آپ کی باقی ہے جسے آپ نے پورا نہیں کیا۔ اگر آپ اسے پورا کر چکے ہوتے تو اپنے مقام میں جا سکتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۵)

مولوی عبدالحق حقانیؒ:

حقانی صاحبؒ مقدمہ تفسیر ص ۵۴ عالمِ مثال کو خوب سمجھاتے ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ بات بھی نظری الیقین ہے کہ ہر چیز پر بالخصوص انسان کے ہر ہر فعل ارادی پر ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے کہ جس کو عرض کہتے ہیں۔ آگ کی صورت نوعیہ کا مقتضیٰ گرمی اور پانی کی صورت کا اثر خنکی ہے۔ جو شخص کہ سنکھیا کھاوے گا ضروری ہے اس کو حرارت و یبوست با فراط عارض ہوگی نمک کھانے کے بعد زبان پر نمکینی اور مٹھاس کے بعد شیرینی ضرور پیدا ہوگی اسی طرح انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے، ہر نیک یا بد کام کرنے کے بعد اس کا رنگ انسان کی روح پر جمتا ہے (چنانچہ اس حدیث میں کہ جب انسان بدی کرتا ہے تو ایک نقطہ اس کے دل پر ہو جاتا ہے پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے الحدیث اسی طرف اشارہ ہے، کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے تو اس کو خدا اس طرح پالتا ہے کہ جس طرح کوئی

اونٹ یا گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے پھر قیامت کو احد پہاڑ کی مانند بنا کے ملا دے گا (رواہ البخاری) اور مال وغیرہ کا قیامت میں سانپ انا کنزک انا مالک کہنا کما فی صحیح البخاری اسی طرف اشارہ کرتا ہے) اور قیامت اور بعد اس کے جو کچھ صورتیں بنا کے وہ عمل ظاہر ہوگا وہ سب باتیں اس عمل میں بالقوہ اس وقت موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے تخم میں پھول و پھل پتے، شاخیں تمام بالقوہ موجود ہوتی ہیں اور آنا فانا وہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ درخت کے وہ حالات جو کہ اس تخم کے برآمد ہونے میں خیالی نہیں اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہونا بھی خیالی باتیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اول ہر چیز کی اصل عالم مثال میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اس عالم حس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسی کا ظل اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متاثر میں مناسبت ہونی چاہیے پس باری تعالیٰ کا اثر اولی سلسلہ موجودات ہے اور اسی جگہ سے اہل تحقیق نے تنزلات ستہ قرار دیے ہیں کہ اول مرتبہ ذات بحت پھر مرتبہ صفات الی ان ینتہی الی المحسوسات یعنی (حتیٰ کہ محسوس چیزوں تک پہنچ جاتا ہے)

الغرض یہ محسوس چیزیں گویا کہ اظلال (سائے) و آثار ہیں اور اسی لیے جو بات کہ عالم ظہور میں آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر ہونے سے پہلے خواب میں یا کبھی اصحاب نفوس قدسیہ کو حالت بیداری میں اصلی صورت میں دکھائی دی جاتی ہے اور کبھی عالم بیہوشی یا غشی یا نزع روح کے وقت جب کہ روح کی توجہ جسم سے کم ہوتی ہے اور اس عالم کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہاں کی چیزیں اس کے آئینہ دل پہ منعکس ہو جاتی ہیں، عمل مسمریزم اور مراقبۂ اہل تصوف میں بھی اسی لیے انکشاف مغیبات ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوا ایک اور عالم (عالم مثال) ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہ و اشیاء اپنی مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاء موجود ہو چکتی ہے۔ تب اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم کی یہاں سے نقل کر جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا کہ قیامت کے روز سورۂ بقرہ اور آل عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری
کے حق میں شفاعت کریں گی۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کیے جاویں گے۔
نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے آویں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا بڑھیا عورت
کی شکل میں لاویں گے۔ اور فرمایا کہ شب معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو ظاہر میں
دو باطن میں جاری تھیں پس میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت
میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیث صلوٰۃ کسوف میں یہ
آیا ہے کہ آپ نے فرمایا دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئیں۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے
کہ مصلّٰی اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا خوشہ
لیں۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے روبرو ذبح
کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا کہ جبرائیل حضرت مریم کو آدمی کی صورت میں نظر آئے اور حدیث میں ہے
کہ حضرت جبرائیل حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی دیتے تھے اور آپ سے کلام کرتے
تھے مگر وہ اور کسی کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے
ہیں ان کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے۔ اور قبر میں میت کو ملائکہ بری شکل میں دکھائی
دیتے اور سوال کرتے ہیں اور انسان کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آکر دکھائی دیتے ہیں
علاوہ ان کے اور بے شمار صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہیں چنانچہ کتب صحاح ستّہ
وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالا مال ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزا اور سزا
اخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری
صورتوں میں آکر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۂ قدس میں روح اعظم
کی طرف اس طرح کھینچ کر جاتا ہے کہ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس حظیرۂ
قدس کو علیین بھی کہتے ہیں پس وہاں اس کو ملائکہ مقربین اور ارواح طیبین سے
ملاقات ہوتی ہے اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال و ادراکات و
اخلاص نہایت عمدہ صورتوں میں اس کو دکھائے جاتے ہیں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں

اس کو آتی ہیں اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لیے متشکل ہو جاتی ہیں اور جو بدشکل ہے تو اس کے اعمال منکر نکیر نہایت بری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں اس کا بخل اور شہوت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر ڈستے ہیں اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلمانی ہیں کہ جس کو سجین کہتے ہیں اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں ناز یبا باتوں سے رنج اٹھاتا رہتا ہے اور سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر سمجھنے کے لیے خواب کی نظیر

اگر آپ کو قبر کے ثواب و عذاب کا سر اچھی طرح معلوم نہ ہوا ہو تو آپ کے لیے میں اس عالم کی خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں، صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اس کو جلاتی ہے اور وہ اس عالم میں بڑی تکلیف پاتا ہے بلکہ بعض کی چیخ نکل جاتی ہے اور رونے کا اثر آنکھوں میں آ ترپاتا ہے اور بیداری میں بھی بدن کا جلنا رہتا ہے اور اسی طرح بلغمی المزاج دریا اور ہوا سرد دیکھتا ہے اور اس سے تکلیف پاتا ہے اور درندہ سیرت خواب میں درندے کو دیکھتا ہے۔ الحاصل ان کی کیفیات متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور اس خواب میں وہ چیزیں اصلی طور پر اثر پہنچاتی ہیں۔ ہاں ان کو خیالی باتیں جو ہم کہتے ہیں تو اس حالت بیداری میں کہتے ہیں۔ اگر عالم بیداری نہ ہوتا تو یہ راز نہ کھلتا۔ نہ کبھی ان کو خیالی باتیں کہا جاتا۔ پس اسی طرح عالم مثال ہے کہ یہ کیفیات وہاں متشکل ہوتی ہیں، وہ بھی گویا ایک عالم خواب ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اس سے حشر تک بیداری نہیں ہوتی۔

دوم وہاں اس قدر جسمانی تعلق باقی نہیں رہتا جو جس قدر جسم کا اثر کچھ مدت تک باقی رہتا ہے اس عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف حال ہیں اکثر ان لوگوں کو کہ جن کا جسم سے نہایت تعلق ہے اور وہ جسم اور روح کو ایک ہی سمجھتے ہیں جسم کا کوئی عضو کٹنا اپنا عضو کٹنا سمجھتے ہیں، تو یہی صورت پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کی قوت بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں لیکن ملکیہ میں بہیمیہ کا اثر نہیں پہنچا اور ان میں ملائکہ ساتھ سے مل جانے کی بڑی قابلیت ہوتی ہے تو وہ بعد مردن ملائکہ سانہ میں جا ملتے ہیں اور انہیں کے سے کام کرتے ہیں

اور ایک نوع سے دوسرے نوع میں منتقل ہو جانا اس عالم حس میں بھی مشاہد ہے۔ پانی کے
کیڑے کا چھلکا اتار کر بھڑ بن جانا بہت بار تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کو قوی
بہیمیہ مغلوب اور قوت ملکیہ نہایت غلو پر ہوتی ہے وہ ملائکہ عالیہ میں جا ملتے ہیں اور یہ حدیث
کہ جس میں آنحضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے دیکھا
اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بعض اہل بصیرت کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام و صحابہ کرام کو بعض مواقع میں تشریف لاتے
دیکھنا اسی سے متعلق کرتا ہے اور جن کی روح ہوائی (جو روح حقیقی کا مرکب ہے) نہایت قوی
ہوتی ہے تو وہ مرنے کے بعد مقتضی صورت نوعیہ کے بموجب الطعام لذیذ اور بعض لذات و
شہوات کی خواہش بھی کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت
میں اسی طرف اشارہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا
بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور بعض لوگ کہ جن کی نورانیت نہایت غالب ہوتی ہے ان کا اس عالم سے نہایت

تعلق رہتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام، بلکہ وہ نورانیت ان کے جسم اطہر پر سرایت کر جاتی
ہے اسلیے وہ گلتا سڑتا نہیں۔ اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میں نے موسیٰ ؑ
کو نماز پڑھتے اور یونس کو لبیک کہتے دیکھا۔ اسی لحاظ سے انبیاء کے لیے بعد موت کے
حیات ثابت کی جاتی ہے اور حیوۃ النبی مشہور بین الجمہور ہے یعنی حیات کا جسم
کا نہ گلنا سڑنا۔

اور بعض کہ جن کی قوت بہیمیہ نہایت غالب ہے اور ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے
تو وہ بعد موت کے اپنی مناسبت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔

اَلْغَرَض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر
شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ تمام عالم حسی فنا ہو جائے گا یعنی کثافت کی
جا و آثار کثیفہ لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالم حشر یا روز قیامت کہتے ہیں تب ان
متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے۔

جسمِ مثالی کا اقرار

از مفتی صاحب "بینات" کراچی

"بینات کراچی ت۱۲ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۴ھ میں تحت عنوان "معجزہ و کرامت اور ڈاکٹر عثمانی" ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب معین مفتی کا دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی سے ایک فتوای شائع ہوا ہے جس میں جسم مثالی کو احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت بتایا گیا ہے چنانچہ ان کی عبارت ذیل میں من وعن درج کی جاتی ہے:

"نیز مذکورہ واقعہ کا تعلق جسم مثالی سے ہے اور جسم مثالی کا ثبوت احادیث صحیحہ مشہورہ سے ہے جیسا کہ "معراج النبی" میں انبیاء کرام کے اجسام مثالی سے ملاقات و کلام کا تذکرہ موجود ہے۔ دیکھو بخاری و مسلم و تفسیر ابن کثیر و دیگر کتب احادیث و تفسیر۔ نیز جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت و کلام و مصافحہ وغیرہ۔ جسم مثالی سے ہوتا ہے اسی طرح عالم بیداری میں جسم مثالی سے کلام و مصافحہ وغیرہ ہو سکتا ہے اور اس میں کچھ بُعد نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج و اسراء میں انبیاء کے اجسام مثالی سے کلام وغیرہ تو عالم بیداری میں ثابت ہے یہ کلام وغیرہ انبیاء کے اجسام مثالی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا معجزہ میں سے ہے الخ۔"

بحمد اللہ اس سائنسی دور میں اس کی حسی نظیر بھی موجود ہے کہ جسم مثالی عکس ہے جسم اصلی کا۔ نظیر اس کی ٹیلی ویژن ہے اس میں جس کا فوٹو و عکس ہے وہ کہاں ہوتا ہے اور اس کے تمام حرکات و سکنات و کلام تک بعینہٖ حالت میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح عالم مثال میں جسم مثالی کی حقیقت ہے۔ ٹیلی ویژن میں آنے والا عکس دو ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ایک آئینہ اور دوسرے بجلی کے کرنٹ سے۔ ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو، تو ٹی۔ وی میں عکس نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب آدمی کا قلب آئینہ کی طرح چمک جاتا ہے اس کا تزکیہ باطن ہو جاتا ہے اس کے قلب پر کوئی داغ نہیں رہتا اور تعلق مع اللہ اور محبت و عشق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنٹ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو بھی عالم بیداری میں نگاہ باطن سے

جسم مثالی نظر آنے لگتا ہے۔

افسوس صد افسوس ہے عقل خام پر اگر آج ٹی وی کا رواج نہ ہوتا تو جسم اصلی کے اس موجودہ عکس کا کوئی قائل نہ ہوتا لیکن لوگ اس کے عینی مشاہدہ کی وجہ سے قائل ہیں حالانکہ نگاہوں کو دھوکہ ہو سکتا ہے قرب و بعد کی وجہ سے آنکھوں میں کسی بیماری یا جالے وغیرہ ہونے سے یا دیگر عوارض کے آنے سے،

لیکن جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کسی حالت میں سر مو فرق نہیں آسکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ اسراء و معراج کے اندر میں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی اور ان کے ساتھ کلام ہوا آپ نے بیان فرمایا جو احادیث مبارکہ میں مفصل موجود ہے۔ حالانکہ اس وقت وہ انبیاء وفات پا چکے تھے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، اور وفات شدہ انبیاء علیہم السلام سے کلام و زیارت در حقیقت ان کے اجسام مثالی سے تھا۔ جسم اصلی تو قبور میں موجود تھا۔

اس شرعی مسئلہ "جسم مثالی" کے متعلق الامین الصادق المصدوق کے فرمان کا پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے..... کتبہ محمد عطاء اللہ عفا اللہ عنہ دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵ ۔ الجواب صحیح (حضرت مفتی) ولی حسن (رحمت برکاتہم العالیہ) رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری

مولانا تھانویؒ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عالم مثالی ایک عالم ہے جو عالم شہادت و عالم غیب کے درمیان ہے اس کو برزخ بھی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے اشارات سے اور اہل کشف کی تصریحات سے اس کا وجود ثابت ہے، بعد مرگ تا قیامت اسی میں رہنا ہوتا ہے اور خواب میں وہی منکشف ہوتا ہے انتہی بقدر الحاجہ (التکشف ص۵۵)

اور فرماتے ہیں مومنین کا بھی مکان ہے (برزخ) جو آسمان پر ہے مسمّٰی بہ علیین جیسا کہ برزخ کفار کا ارض سفلی میں ہے مسمّٰی بہ سجین (التکشف ص۵۵) (دیکھو ص۴۴ حوالہ جات اشرف الجواب وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے حواصلِ طیور خضر میں سوار ہوں گی۔ آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے؟

اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے نقل ساکت ہے اہلِ کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالمِ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف عالمِ برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلافِ مشاہدہ ہے۔ اہلِ کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۱۴/۲، ۳۱۳)

تعجّب ہے!

تعجب ہے کہ صاحب تسکین سوال نکیرین و تعذیب و تنعیم کے لیے جسد عنصری کہتے ہیں۔ حالانکہ علمائے سلف و خلف میں سے کسی نے جسد کے ساتھ عنصری کا لفظ نہیں بڑھایا، اور تسکین الصدور میں جتنی کتابوں کے حوالے درج ہیں کسی میں جسد و بدن کے ساتھ عنصری کا لفظ نہیں۔

اور شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے ان کی کتاب "نہایۃ الاقدام" میں صاف مرقوم ہے کہ سوال نکیرین صرف ان اجزاء انسانی سے ہوتا ہے جو سمجھتے ہیں اور ناطق ہیں۔

واما وجه ذلك وسوال القبر على الطريقة المرضية ليس ذلك للروح المجرد خاصة ولا للبدن على هذه الهيئة المشاهدة حتى يلزم عليه ما يناقض الحس ولو كان الخطاب اعنى خطاب الملكين خطابا بالاعتقاد المجرد لكان التزام الاعتقاد على الروح المجرد ولو كان الخطاب بالاعتقاد والقول والعمل جميعا لكان يشترط فيه حشر الجسد على الصورة المخصوصة لكنه خطاب يقتضي عقلا وجوابا من حيث القول من ربك ومن دينك ومن نبيك فمكان الترحم حيا ونجعه فيه فذا الخطاب استدعى منه فهما للخطاب وجوابا والاجزاء التى هى من الانسان والناطقة اجزاء مخصوصة وتلك الاجزاء

مستقلة بالجواب وان كان الشخص من حيث هو شخص غير مستشعر بذلك كالنائم مثلاً او كالسكران فيجوز ان يحيي الله تلك الاجزاء فيكون السؤال متوجهاً عليها من حيث انها فاهمة وناطقة ثم يكون الحشر بعده للشخص بصورته اذ السؤال متوجه عليه حتى يخرج عن عهدة العقد والقول والعمل۔

اس مندرجہ بالا تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صاحب تسکین کی یہ توجیہ صحیح نہیں کہ مردہ کے بدن عنصری کو تو عذاب و ثواب محسوس ہو اور دیکھنے والے کو محسوس نہ ہو۔

یہ تو دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان کو بچھو کاٹتا ہے جس کا درد صرف اسی کو محسوس ہوتا ہے جس کو بچھو نے کاٹا ہے دوسرے آدمی کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اسی طرح بخار سردرد وغیرہ خود بیمار ہی کو محسوس ہوتی ہے دوسروں کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

اور حضرت نانوتویؒ نے بھی انسان اور بدن عنصری کے درمیان خوب وضاحت سے مثالیں دے کر اپنی کتاب آب حیات ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰ میں فرق بیان فرمایا ہے۔ نور اللہ مرقدہ

صاحب تسکین کی دو عبارتوں کا تعارض

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۷۴ میں لکھا جب تک مادی اور عنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ یہ دیکھ لیا! اب آگے اس کے برخلاف صرف ایک صفحہ کے بعد دیکھیں...

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۷۸ میں لکھ دیا: قبر کی راحت و عذاب کے سلسلہ میں روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔

یا للعجب! سچ کہتے ہیں لیس للباطل اساس جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے نیز کسی نے محاورہ کہا ہے "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔

جسد کے معنے !

صاحب تسکین نے یُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهٖ والی حدیث لکھ کر اس کی صحت پر زور دیا پھر جَسَد کے لفظ سے عنصری مراد لیا وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ:

جب مطلق جَسَد بولا جائے تو اس سے مراد جسد عنصری ہی ہوتا ہے۔ یہی متبادر الی الفہم ہے اور ایک طرف فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے جسد حق کی ضرورت ہے کھانے پینے ادراک شعور کے لیے روح کا جسد عنصری سے تعلق ضروری ہے (تسکین الصدور ص۱۲۰ وغیرہ)

جواب: ناظرین ہماری تحقیق مالتقدم سمجھ گئے ہوں گے کہ صاحب تسکین کا یہ فقرہ غیر تحقیقی ہے کیونکہ اگر ادراک و شعور کے لیے جسد عنصری کی ضرورت ہے تو روز میثاق کے عہد کو غلط کہنا پڑے گا۔ کیونکہ اس روز جسد عنصری نہیں تھا۔ پھر ادراک کیسے تھا؟ اگر ادراک نہ مانو تو غیر ذی شعور کو خطاب خداوندی کیسے؟ پھر غیر ذی شعور کا بے سوچے جواب دینا کیسے؟ پھر انسان کو یہ واقعہ سُنانا بھی بے معنی بن جاتا ہے۔

ایک معترض کا اعتراض

جسد سے متبادر جسد عنصری سمجھا جاتا ہے اور تبادر فہم حقیقت کی امارات میں سے ہے لہٰذا یہاں بھی جسد عنصری ہی مراد ہے۔

سو اس معترض کو چاہیئے کہ توضیح تلویح حاشیہ کافری ج ا ص ۲۶۷ کا مطالعہ کرے جس کے الفاظ ہیں لا انہ موضوع لہ وکون التبادر امارۃ الحقیقۃ لا یستلزم الحقیقۃ ۔ یعنی یہ لفظ اس معنی کے لیے موضوع نہیں رہا یہ کہ تبادر معنی حقیقت کی امارت ہوتی ہے تو امارت ہی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جہاں امارت ہو وہاں خواہ مخواہ لازمی اور وجوبی طور پر حقیقت بھی ہو۔ اور یہ مسئلہ تو اصول فقہ میں بصراحت مذکور ہے جہاں علت، سبب، شرط، مانع اور امارت کے فروق ذکر ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس چیز سے عہد الست لیا گیا تھا ایفائے عہد کا سوال بھی اسی سے ہو گا یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ وعدہ تو کسی سے لیا جائے اور اس کے پورا کرنے ذکر نے

کا سوال کسی اور سے کیا جائے۔

وعدہ کے وقت یہ جسد عنصری نہ تھا پھر اس جسد عنصری سے نکیرین کے سوال کرنے کا کیا مطلب؟

دوسرے جب یہ آیت اتری لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا تو صحابہ کرام کو اشکال ہوا، حضورؐ سے سوال کیا، تو حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس آیت کی تفسیر سمجھائی جو تواتر سے ثابت ہے کہ اس آیت میں حیات شہداء بجسد عنصری مراد نہیں بلکہ بطور خضر تعلق اشجار الجنۃ فرمایا۔ یہ صریح ہے اس امر میں کہ جسد سے مراد جسد عنصری نہیں بلکہ وہ جسم عالم برزخ کا ہے۔

اور یاد رہے کہ یہ تفسیر آیت قرآنی کی حدیث مرفوع کے ساتھ ہے اور یہی مذہب ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا۔

معتزلہ کا مذہب

لیکن معتزلی یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآنی آیت کی تفسیر حدیث سے کی جائے چنانچہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے اطبقت المعتزلۃ انہ لا یجوز تفسیر الآیۃ بالحدیث

(حاشیہ سنن ابوداؤد ص ۲۹۹ ج ۲)

اسی طرح ارواح مومنین کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور ارواح کفار کے متعلق بھی دوسرے اجساد کے ساتھ ارواح کا تعلق بیان فرمایا۔

اور یہ قاعدہ صاحب تسکین کو بھی مسلم ہے جیسے تبرید النواظر ۳۱ میں نقل فرمایا کہ:

"قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر جب بسند صحیح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اس کے مقابلہ میں اگر کوئی بڑے سے بڑا مفسر بھی کچھ کہے تو اس کی بات مردود ہو گی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی قابل اخذ ہو گی جب کہ اس کی سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو۔"

اب ما نحن فیہ آیت کی نبوی تفسیر اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے خبر واحد و مشہور سے بڑھ کر تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے جس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور نہ

اس کا انکار کیا جا سکتا ہے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس کو سن کر تسلیم کرلے اور اس میں کسی قسم کی تاویل نہ کرے، ہیر اپھیری نہ کرے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "واصل این حدیث تواتر است (فتح العزیز ص ۱۷۴ پ) چنانچہ مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔

ابن مسعودؓ، ہذیلؓ، ابن عباسؓ، ابو قبیسؓ، کعبؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، عائشہؓ، ابی بن کعبؓ، انسؓ، عباسؓ بن عبد المطلب، ام بشرؓ، ابو الدرداءؓ، ابو سعید خدریؓ، عبد اللہ بن عمروؓ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور مندرجہ ذیل مفسرین بھی یہی تفسیر کرتے ہیں:

مجاہدؒ، قتادہؒ، مکحولؒ، ضمرہؒ، حبان بن جبلہؒ، وہب بن منبہؒ، عکرمہؒ، ربیعؒ، حسن بصریؒ، ابن مبارکؒ، ابو العالیہؒ، ابن یسار الاسلمیؒ، سعید بن جبیرؒ اور مقاتل، سدی، کلبی حمزہ بن حبیبؒ، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ابن جریرؒ، رازیؒ، ابن کثیرؒ، بغویؒ، صاحب مدارکؒ، بیضاویؒ، خازنؒ، شیخ عز الدین بن عبد السلامؒ، شیخ ابراہیم کورانیؒ، صاحب روح المعانیؒ، ابو السعودؒ، نیشاپوریؒ، ابن دحیہؒ، جصاصؒ، خطیبؒ، قرطبیؒ، صاحب تفسیر مظہری، صاحب الاکلیلؒ، صاحب مواہب الرحمن صاحب کتاب الارشاد، شیخ زادہؒ، صاحب منتقیؒ، تفتازانیؒ، قاشانیؒ، صاحب تنویر المقیاس ابو الحکم بن مرجانؒ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیزؒ، شاہ محمد اسحاقؒ، محمد قاسم نانوتویؒ، اشرف علی تھانویؒ، حسین علیؒ، محمد انور شاہ، صاحب تفسیر قاسمیؒ، عبد الحقؒ، سلیمان ندویؒ، صاحب قرۃ العینینؒ، صاحب تفسیر فتح البیانؒ، صاحب تفسیر فتح القدیرؒ، عبد الحکیمؒ وغیرہ، اور مندرجہ ذیل اولیاء و شارحین حدیث بھی یہی فرماتے ہیں۔

ابن عربیؒ، عبد الوہاب شعرانیؒ، امام غزالیؒ، مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ ملا علی قاریؒ، عینیؒ، ابن حجرؒ، قسطلانیؒ، صاحب خیر الحیات والممات، ریحان تفتنی مرعشیؒ، احمد حنبلؒ، شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ

مولانا محمد شفیع صاحبؒ

معارف القرآن ج اص ۲۹۷: بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو

حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام... شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیاتِ برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ آثار جو ظاہری احکام پر پڑتے ہیں ان سے حیاۃ جسدِ عنصری پر استدلال کرنا خام لوگوں کا کام ہے آثار کا ظہور اور چیز ہے اور نفس حیاۃ جسدِ عنصری اور چیز ہے۔ یہ سمجھتے نہیں کہ اَلمَتی ہوئی ہنڈیا چولہے پر سے اتار دیتے ہیں نیچے رکھے ہوئے بھی بغیر آگ کے اُبلتی رہتی ہے اسی طرح جب نماز فوت ہوتا ہے تو نفس موت کے ساتھ نکاح ٹوٹ جاتا رہا۔ مگر اس نکاح کے آثار ابھی باقی ہیں کہ مرد کے مال میں سے اس بیوہ کے لیے نفقہ و سکنیٰ واجب ہے اور چار ماہ دس دن تک جیسے وہ نفقہ سکنیٰ کی مستحق ہے ایسے ہی اس کو نکاح والی بیوی کی طرح دوسری جگہ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب احکام نکاح کے ہی آثار ہیں۔ مگر آثار کے ظہور کے یہ معنی نہیں کہ موت نکاح کے منافی نہیں یا موت کے ساتھ نکاح قائم رہتا ہے۔

قبر کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کا اصل منشاء

صاحب تسکین کو بنی نجار کے باغ کے قبور والی حدیث سے لغزش ہوئی۔

ص۲۴۱ طبع اول دیکھیں فرماتے ہیں کہ:

بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں اور جن کے گزرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا تھا وہ مٹی قبریں تھیں۔ سجین کا وہ برزخی مقام نہ تھا جو ارواح کفار کا مستقر ہے کیونکہ خچر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ بنو نجار کے باغ میں جو قبریں تھیں ان کے پاس سے گزرا تھا اور انہی قبروں کی نشاندہی ایک انصاری نے کی تھی۔

جناب من! واقعی یہ واقعہ حدیث کا ٹھیک ہے برحق ہے اور ہمارے سر آنکھوں پر مگر آپ نے عقیدۃ الاسلام نہیں دیکھی جس میں ہے:

"خلاصہ عقیدۂ اسلامی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب انسان اس منزل فانی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالم غیر محسوس میں نیکوں کا مقام عالم بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سجین۔ جن کی روحیں کثافت اور ظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں وہ اس ناپاک جگہ میں ڈالے جاتے ہیں قبر عرفِ شرعی میں اسی عالم کا نام ہے۔ حشر کے بعد ارواح کو ان کے ابدان (عنصریہ) سے پھر متعلق کیا جائے گا۔ کبھی مرنے کے بعد جسم (عنصری) پر بھی عذاب و ثواب کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں، بندوں کی عبرت اور رغبت کے لیے اور کاملین کی روحوں کا عالم عنصری میں کبھی تصرف بھی نمایاں ہو جاتا ہے (عقاید الاسلام ص۱۷۱)

دیکھا جناب! یوں ہے اصل بات، اور شرح الصدور میں اس قسم کے جتنے واقعات درج ہیں سب کا محمل یہی ہے۔ فافہم!

خلاصۃ الامر، ایسے خرق عادت، معجزات اور کرامت سے حجت پکڑنا صحیح نہیں، ایسے واقعات پیش کرنا اپنی کم فہمی کی دلیل ہے۔ کاش اگر آپ اپنے شیخ مولینا حسین علیؒ کا رسالہ "الجرید تین" کا مطالعہ فرما لیتے تو یہ حدیث استدلال میں پیش نہ کرتے نیز یہ فرمائیں کہ وہ حدیث تو صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ اس عذاب کی آواز جن و دوابّ کے سوا سب ہی سنتے ہیں، تو وہ آواز تو دنیا کی ہر خوفناک سے خوفناک آواز سے زیادہ ہیبتناک ہے لیکن مع ہذا دنیا کی ایک بندوق چھوڑنے سے تو سارے ڈر کے سب پرندے اڑ جاتے ہیں پر قبرستان میں پرندے بڑے پریم سے چہچہاتے رہتے ہیں اور اس ہیبت ناک آواز اور گرزوں کی آواز سے کیوں نہیں اڑتے، چاہیے تو یوں تھا کہ قبرستان میں کوئی پرندہ چرند کبھی نہ دکھتا۔ یا پھر یہ کہو کہ ہمارے زمانے میں سب قبرستان والے بخشے ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی کے ساتھ عذاب قبر مختص تھا معلوم ہوا کہ جریدہ کا واقعہ محض بندوں کی عبرت کے لیے دکھایا گیا تھا۔

لطیفۃ القدس فی تفسیر اٰیۃ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ

ہمارے اس طویل عریض بیان سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ روح انسانی اس جسد عنصری

کو داغ مفارقت دینے کے بعد دوسرے جسم میں اپنی رہائش اختیار کر لیتی ہے اور قیامت تک اسی دوسرے جسم میں رہتی ہے اور جب قیامت کو صور پھونکی جائے گی تو وہی روح اپنے اس دوبارہ جسد عنصری کی طرف واپس لوٹ آئے گی اس سے پہلے روح اپنے جسد عنصری کی طرف نہیں لوٹتی۔

اس بات کی دلیل ہمارے پاس قرآن مجید، احادیث نبویہ صحیحہ، اقوال علماء و مسائل فقہ ہیں، قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی لوگوں کے مرتے وقت اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں ان کی روحیں بھی ان کے سوتے وقت خدا کے ہاں بلا لی جاتی ہیں، تو جن کی نسبت خدا موت کا حکم صادر فرما چکا ہے ان کو اپنے ہاں روک کے رکھتا ہے اور باقی سونے والوں کو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

مرزا حیرت نے ص ۷۰۶، اس آیت کے تحت یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور خواب کے وقت بھی مگر موت کی قبض کی ہوئی روحوں کو روک لیتا ہے کہ پھر وہ بدن میں نہیں جاتیں اور خواب کی قبض کی ہوئی روحوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ موت میں قبض کلی ہوجاتا ہے اور بدن سے بالکل تعلق باقی نہیں رہتا اور خواب میں قطع تعلق کلیتہً نہیں ہوتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیر مظہری اردو ج ۱۰، ص ۱۷۱: یتوفی الانفس یعنی بدنوں سے لیکر قبضے میں کر لیتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں (۱) بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کر دیتا ہے، بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی، ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھینچ جانے کے بعد ہوتا ہے (۲) جانوں پر مکمل نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کر لیتا ہے۔ بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہوجاتا ہے، نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ، اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشباح) کے مطالعہ

کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ باہر کے تعلق سے رُوح خالی ہو جاتی ہے۔ اس کا رُخ عالمِ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالمِ مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات و احوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں۔ رُوح ان کا مطالعہ کرتی ہے۔ کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں، کبھی آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔

توفی کے دو معنی ہیں (۱) اول معنی وفات دینا پورا پورا قبضہ کر لینا اور بدن سے بالکل نکال لینا حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ یہاں عمومِ مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضا کی ارادی حرکت ختم ہو جائے۔ یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا جائے روح کا تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا جائے، نہ اندرونی نظامِ زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس و حرکت یعنی موت آجائے اور بدن سے رُوح نکل جائے۔

(۲) اَلَّتِیْ لَمْ تَمُتْ سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کر لیتا ہے۔ (بیرونی احساس و حرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے۔

فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ پھر ان جانوں کو روک لیتا ہے جن کی موت کا حکم دے چکا ہے یعنی نفخۂ قیامت تک ان جانوں کو بدنوں کی طرف نہیں لوٹاتا۔

وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اور باقی جانوں کو ایک میعادِ معین تک کے لیے رہا کر دیتا ہے یعنی سوتے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

الی اجل مسمی یعنی اس وقت تک کے لیے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے ان فی ذٰلك یعنی روحوں پر قبضہ کرنے پھر بعض کو روک رکھنے اور بعض کو رہا کر دینے میں۔

لآیات بیشک بکثرت نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ حکمتِ دقیقہ اور رحمتِ عامہ پر دلالت کر رہی ہیں۔ لقوم یتفکرون ان لوگوں کے لیے جو غور کرنے اور سوچنے کے عادی ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ روحوں کا اجسام سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے؟

پھر کس طرح مرتے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے یا واپس کر دیا جاتا ہے اور بدن کے فنا ہو جانے کے بعد ان کا بقاء کیسے رہتا ہے، پھر ان کی سعادت و شقاوت کے احوال کیسے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو کچھ دیر کے لیے ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لیے حس و شعور سے یہ معطل ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے (تفسیر مظہری کا ترجمہ)

شبیر احمد عثمانی

تفسیر عثمانی میں ... حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے۔ اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہ ہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو ظاہری ہوش کہتے ہیں اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی (موضح القرآن)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالماجد دریا بادیؒ

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی رحمہ نے فرمایا: نفس کا مفہوم بہت وسیع ہے وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں یا نفس حیاتی (ریا فزیکل لائف) دوسرے

نفس شعوری (یا سائیکیکل لائف) ولکل انسان نفسان احدھما نفس الحیاۃ وھی التی تفارقہ عند الموت فتزول بزوالھا النفس والاخری نفس التمییز وھی التی تفارقہ اذا نام وھو بعد النوم یتنفس (معالم ومدارک) ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس ادراک وہ نیند کے وقت اس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آجاتا ہے یتوفی ..... موتھا یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور نہ ادراک۔ والتی ..... منامھا یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے لیکن شعور و ادراک باقی نہیں رہتا، نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے ۔

سو وہ معطل تو ہیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں فیمسک ..... الموت سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسد فبذالک یری الرؤیا فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الی جسدہ باسرع من لحظۃ (معالم، مدارک) اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے اور سوتا ہوا انسان اسی جزئی تعلق کی بنا پر خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آجاتی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: کہ فی ابن آدم نفس وروح بینھما شعاع مثل شعاع الشمس فالنفس ھی التی بھا العقل والتمییز والروح ھی التی بھا النفس والتحرک فاذا نام العبد قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہ (مدارک) ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ پس نفس تو وہ ہے جو

اوراک وشعور کا سبب ہے اور رُوح وہ ہے جس سے تنفس وحرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالٰی اسکے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔

نعیم الدین مراد آبادی

پھر جس پر موت کا حکم فرمادیا اسے روک رکھتا ہے (یعنی اس جان کو اس کے جسم کی طرف واپس نہیں کرتا۔

سحبان الہندرح

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ کشف الرحمٰن ص ۳۸ ، میں فرماتے ہیں خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم میں نفس ایک روح ہے ان دونوں کے درمیان ایسا ہی تعلق ہے جیسا آفتاب کا تعلق شعاع سے پس نفس تو وہ ہے کہ بسبب اس کے عقل وتمیز ہے اور روح وہ ہے کہ بسبب اس کے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے پس جب سوجاتا ہے بندہ، تو قبض کرتا ہے اللہ تعالٰی نفس اس کا اور نہیں قبض کرتا روح اس کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں نکل جاتی ہے روح (یعنی ہوش) اور باقی رہتی ہے شعاع اسکی بدن میں، پس سا تھ اس کے خواب دیکھتا ہے پس جب جاگنے لگتا ہے نیند سے پھر آتی ہے روح (ہوش) اس کے بدن کی طرف جلد تر پلک مارنے سے۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ نیند موت کی بہن ہے نیند میں بھی کوئی چیز قبض ضرور ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آدمی رات کو سویا اور سویا کا سویا رہ گیا۔ جیسا کہ پچھلے دنوں انگلستان کا بادشاہ سویا کا سویا رہ گیا تھا اور لاکھوں مخلوق رات کو سو کر صبح اٹھ بیٹھتی ہے۔ اگر من کل الوجوہ موت نہیں آتی تو من بعض الوجوہ حیات رہتی ہے اور اسی حیات کو صحابہؓ نے شعاع سے تعبیر کیا ہے سوتے میں جو تصرف ہوتا رہتا ہے وہ شعاعوں کا اثر ہوتا ہے اور من کل الوجوہ موت وہ ہے جس میں حیات کا کوئی اثر نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت فرمایا کرتے تھے بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِاسْمِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ

نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ الصَّالِحِينَ یعنی تیرے ہی نام کے ساتھ اے پروردگار اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ اس کو اٹھاتا ہوں۔ اگر آپ میرے نفس کو روک لیں تو اس پر رحم فرمائیں اور اگر اس کو چھوڑ دیں تو پھر نفس کی ان باتوں سے حفاظت کریں جن باتوں سے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتے ہو۔

محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن میں اس آیت کا ترجمہ و مطلب اس طرح بیان فرمایا ہے "اللہ ہی قبض یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقت معین آگیا ہے ان کی موت کے وقت (مکمل طور پر کہ زندگی بالکل ختم ہو جاتی ہے) اور ان جانوں کو بھی جن کو موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (یہ تعطیل بالکلیہ نہیں ہوتا۔ ایک حیثیت حیات کی باقی رہ جاتی ہے مگر ادراک نہیں رہتا اور موت کی صورت میں نہ ادراک رہتا ہے نہ حیات) پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو (بدن کی طرف عود کرنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو (جو نیند کی وجہ سے معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا) ایک میعاد معین (یعنی مدت تک کے لیے آزاد کر دیتا ہے کہ پھر واپس جا کر بدن میں بدستور سابق تصرفات کرنے لگے) اس (مجموعہ تصرفات الٰہیہ) میں ان لوگوں کے لیے جو سوچنے کے عادی ہیں (خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بلا شرکت غیرے تمام عالم کے انتظامات کرنے پر) دلائل ہیں (جن سے اللہ کی توحید پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد ص ۵۶۲ پر معارف و مسائل کے تحت فرماتے ہیں۔

موت اور نیند کے وقت قبض روح اور دونوں میں فرق کی تفصیل۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا توفّی کے لغوی معنے لے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں وہ جب چاہے

ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرّف خداوندی کا مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخرکار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدنِ انسانی سے قطع کر دینے کے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے اسی کا نام موت ہے۔ اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے، باطناً باقی رہتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامتِ زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روحِ انسانی کو عالمِ مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیتِ مذکورہ میں لفظ توفی بمعنی قبض بطور عمومِ مجاز کے دونوں معنوں پر حاوی ہے موت اور نیند دونوں میں قبضِ روح کا یہ فرق جو اوپر ذکر کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔

پھر یہ خواب اگر روح کے عالمِ مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی طرف واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رؤیائے صادقہ نہیں رہتا۔ اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روحِ انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔

شیخ زادہ

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا ای یقبضھا عن الابدان بان یقطع تعلقہا عنہا وتصرفہا فیہا اما ظاہراً وباطناً وذالک عند الموت او ظاہراً لا باطناً وھو فی النوم فیمسک التی قضی علیہا الموت ولا یردھا الی البدن (بیضاوی) فنقول انہ فی وقت الموت ینقطع تعلقہ عن ظاہر ھذا البدن و عن باطنہ حیث لا ینصرف فی ظاہر البدن فقط حیث تتعطل حواسہ الظاہرۃ باسرھا لا عن باطنہ لان النائم حی متنفس کما فی حال یقظتہ۔ فالموت والنوم جنس واحد بہذا الاعتبار لکن الموت انقطاع تام کامل والنوم انقطاع ناقص

اس سے پہلے لکھا فالنفس المائتۃ والنائمۃ یشترکان فی ان لکل واحد منہما مقبوضۃ للہ تعالیٰ بمعنی انہ تعالیٰ یقطع تعلقہا عن الابدان وتصرفہا فیہا ویفترقان من حیث ان النفوس النائمۃ یرسلہا ولا یردھا الی یوم البعث (شیخ زادہ)

مولانا تھانویؒ

اللہ ہی قبض یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقتِ موت آگیا ہے ان کی موت کے وقت (من کل الوجوہ) اور جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (من بعض الوجوہ) کہ حیات رہتی ہے ادراک نہیں رہتا اور موت میں دونوں چیزیں بدن میں نہیں رہتیں پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو نوم میں معطل ہو گئی تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین یعنی مدت عمر تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں (بیان القرآن ج۱۰ص۲۳)

صفدری خیانت

عبارت بالکل واضح ہے جس کی تشریح کی کچھ ضرورت نہیں علم سے معمولی تعلق رکھنے والا بھی بآسانی و بسہولت مطلب سمجھ لیتا ہے کہ موت کے وقت من کل الوجوہ تعطل ہو جاتا ہے کہ نہ توجہات رہتی ہے اور نہ ادراک رہتا ہے یعنی جو مر گیا وہ سب کے بغیر عالم دنیا میں نہیں آتا اور نہ عالم دنیا کے لوگوں کا ادراک کر سکتا ہے نہ انہیں پہچان سکتا ہے نہ ان کی باتیں سن سکتا ہے۔

مگر مولینا نے پہلی عبارت جو ان کے خیال کی صحیح تردید کرتی تھی بالکل ہضم کر لی، کہ اس میں ہیرا پھیری نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ جس عبارت میں ہیرا پھیری کر سکتے تھے وہ عبارت تسکین طبع دوم ص ۲۷۵ میں لکھ کر ہیرا پھیری کر کے جمہور کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا۔ پھر کہا روح پر تو موت ہی وارد نہیں ہوتی (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۷۵ سطر ۱۰)

صفدری جہالت

مخدوما! حق چھپانا حرام ہے۔ آپ نے کتاب الروح ص ۲۳۶ میں نہیں پڑھا؟

الروح توصف بالوفاة والقبض والامساك والارسال روفاة، قبض، امساک، ارسال روح کی صفتیں ہیں، کیا روح المعانی ص ۱۴۸ ج ۵ میں آپ نے نہیں پڑھا

الصواب ان يقال موت الروح هي المفارقة عن الجسد (صحیح بات یہی ہے، جسد عنصری سے روح کا جدا ہونا ہی روح کی موت ہے۔

فرمان سیوطیؒ

شرح الصدور ص ۱۰۱ میں سیوطیؒ کا قول آپ نے نہیں پڑھا جو فرماتے ہیں۔

قلت وهو المراد بما اخرجه ابن السنى عن ابن مسعودؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل المقابر قال السلام عليكم ايتها الارواح الفانية والابدان البالية والعظام النخرة التى خرجت من الدنيا،

ھی باللّٰہ مومنة اللھم ادخل معھم روحا منک وسلاماً منا موقول۔

بان الصرا دبفناء ھذہ الارواح ذھا بھا من الاجساد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں داخل ہوتے وقت فرماتے تھے اے فنا ہونے والی روحو! اے بوسیدہ ہونے والے بدنو! اے گل سڑ کر کھوکھلی ہو جانے والی ہڈیو! جو عالم دنیا سے نکل گئی ہو اور اللہ پر ایمان رکھتی تھیں تم پر سلامتی ہو ۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روحوں کے فنا ہونے سے مراد ارواح کا اجساد عنصریہ سے نکل جانا۔

امام عبدالعزیزؒ

تفسیر فتح العزیز پارہ عم ص ۱۰۶ بھی آپ نے ضرور پڑھا ہوگا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

رُوح کی موت کا مفہوم

رُوح را بدو معنی موت لاحق شود یکے از باز ماندن از ترقی، دوم از بعضے تمتعات وتلذذات مثل اکل وشرب وسیر ودور باز ماند ۔۔۔۔ موت روح بایں ہر دو معنی مر غیر شہیدان راہ خدا است۔ اما شہیدان راہ خدا را درحقیقت ایں ہر دو معنی موت ہم نیست غایت فنائے او (یعنی روح) آن است کہ مفارقت بدن نماید وباز نیز محفوظ ومصئون است در دست موکلان ارواح (فتح العزیز پ عم ص ۱۰۶)

رُوح کو دو معنوں سے موت آتی ہے ایک اس معنی سے کہ جسم سے نکلنے کے بعد ترقی کرنے سے رہ جاتی ہے۔ دوسرے اس معنی سے کہ کھانے پینے سیر کرنے اور دَور کرنے جیسے منافع حاصل کرنے سے رہ جاتا ہے لیکن جو خدا کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں درحقیقت ان کی روحوں کو ان دونوں معنوں کے اعتبار سے موت نہیں ۔۔۔۔ ہاں زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ اس معنی سے روح کا فنا ہونا ہے کہ بدن عنصری سے روح کی مفارقت رہتی ہے۔ پھر بھی موکلان ارواح کے ہاتھوں سے

محفوظ و مصون رہتی ہے۔

عربی تفسیروں کے حوالجات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (ای الارواح) یقبضها حین فناء اکلها وانقضاء اجالها (حین موتها) موت اجسادها) وَ (یتوفی الانفس) الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ (التی یکون بها العقل والتمیز) (یعنی روح اور انسان کا شعور) فِیْ مَنَامِهَا (تشبیهاً للنائمین بالموتی حیث لا یمیزون ولا یتصرفون کما ان الموتی کذالک ومنه قوله تعالیٰ وهو الذی یتوفکم باللیل (مدارک ص۴۷ ج۴) فیمسک التی (ای النفس) قضی علیها الموت (الحقیقی) فلا یردها الی الجسد) ویرسل الاخری (التی لم یقض علیها الموت الی الجسد) الی اجل مسمی (ای الی ان یاتی وقت موته. (خازن ص۵۷ ج۴) وفی البیضاوی لا یردها الی البدن ص۳۱۹ پ۲۴) یعنی اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا، اور جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدے تک یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے، پھر بھیجتا ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے جیسے موت میں، اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی وہی موت ہے۔ مگر یہ جان وہ ہے جس کو ہوش کہتے ہیں اور ایک جان جس سے دم چلتا ہے اور نبضیں چلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔

فیمسک التی قضی علیها الموت ولا یردها الی البدن انما یبقیها علی ما کانت علیه ویستمر الی ذالک قطع تعلق التصرف باطنا وغیرہ عن ذلک بالامساک لیناسب التوفی (روح پ۲۴ ص۹) ثم کتب تحت قوله تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ، یتفکرون فی کیفیة تعلق الانفس بالابدان وتوفیها عنها تارة بالکلیة عند الموت و امساکها باقیة لا تفنی بفنائها الی ان یعید اللہ تعالیٰ الخلق الخ (پ۲۴ ص۹ روح)

قال ابن عباس یمسک انفس الاموات ویرسل انفس الاحیاء ولا یغلط
(ابن کثیر پ۲۴ ص۳۴۸)

ان سب کا خلاصہ مطلب وہی ہے جو اردو تفسیروں میں پڑھ چکے ہو۔

آیت نمبر۲

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ، اور جب جیوں کے جوڑ بندھیں۔

تفسیر بغوی ج۴ ص۲۱۵ میں حضرت عکرمہؓ سے یہ معنی روایت کیے ہیں: ردت الارواح الی الاجساد وذالک یوم البعث یعنی جس وقت روحیں ان اجساد عنصریہ کی طرف واپس کردی جائیں گی، اور یہ واپسی اسی دن ہوگی جو یوم البعث کہلاتا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر ج۸ ص۳۲۹ میں لکھا کہ اذا النفوس زوجت کے کئی معنی ہیں جن میں سے ایک معنی یہ ہیں قرنت الارواح بالاجساد یعنی روحوں کو ان عنصری بدنوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔

امام ابوالسعود نے بھی اپنی تفسیر ج۸ ص۳۹۴ میں یہی لکھا ہے ای قُرِنَتْ باجسادھا یعنی روحیں اپنے جسموں کے ساتھ جوڑ دی جائیں گی۔

علامہ سید محمود آلوسی رح نے روح المعانی پ۳۰ ص۵۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر نقل فرمائی تو سل الارواح فتزوج الاجساد فذالک قول اللہ تعالیٰ وَاِذَا النفوس زُوِّجت یعنی روحوں کو چھوڑ دیا جائے گا اپنے اپنے مقاموں سے پھر ان کو ان اجساد عنصریہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور واذا النفوس زوجت جو فرمان الٰہی ہے اس کا یہی مفہوم ہے اور ضحاک نے بھی یہی مفہوم بتایا ہے۔

تفسیر ابن کثیر پ۳۰ ص۴۷۲ میں ہے کہ یہی معنی ابوالعالیہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، شعبی اور حسن البصری نے بھی کیے ہیں ای زُوِّجت بالابدان یعنی ابدان عنصریہ کے ساتھ ان روحوں کو جوڑ دیا جائے گا۔

اسی طرح علامہ مفسر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسانید کے ساتھ ص۴۵ پ۳۰

میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح علامہ نیشاپوری تحت ج ۳۰ ص ۳۲ میں بتایا کہ تزوج یعنی النفوس اقتران الارواح بالاجساد یعنی تزویج نفوس کے معنی یہ ہیں کہ روحیں اجساد عنصری کے ساتھ مقترن و متقارن ہو جائیں گی۔

اور حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ فتح الرحمن میں ترجمہ اس طرح فرمایا: "وقتیکہ ارواح را با اجساد جمع کردہ شود" یعنی جس وقت کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہؒ، ضحاکؒ، ابوالعالیہؒ، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے یہی تفسیر فرمائی ہے کہ قیامت کے روز ہی ارواح اپنے اپنے عنصری بدنوں کی طرف واپس لوٹائے جائیں گے اس سے پہلے کوئی روح بدن عنصری کی طرف نہیں لوٹے گی۔

واذا النفوس زوجت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اسی طرح حضرت ابوالعالیہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، شعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے جیسے روح المعانی ج ۳۰ ص ۴۷ میں صراحۃً موجود ہے ثم تتصل الارواح فتزوجت الاجساد فذالك قوله تعالیٰ واذا النفوس زوجت ای زوجت بالابدان۔

تفسیر مرادیہ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ میں ہے: پھر حضرت اسرافیلؑ بہت خوش آوازی سے دوسرا صور دم کریں گے اور اس آواز میں کہیں گے اے ارواح! تم سب اپنے اپنے بدنوں میں داخل ہو جاؤ، سب ارواح صور میں سے ٹڈی کی طرح سے اڑ کر اپنے اپنے بدنوں میں داخل ہو جائیں گی۔ ترتیب سے اول آخر کے سب مردے جی اٹھیں گے حشر کا دن ظاہر ہو جائے گا۔ قیامت قائم ہو جائے گی اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا واذا النفوس زوجت جس وقت روحیں بدنوں کے ساتھ ملائی جائینگی سب آدمی زندہ ہوں گے۔ جی اٹھیں گے۔ پھر اچھے لوگوں کو اچھوں کے ساتھ جمع کریں گے۔ برے لوگوں کو بروں کے ساتھ جمع کریں گے، مومنوں کو مومنوں کے ساتھ، کافروں کو کافروں

کے ساتھ، اسی طرح ہر جنس کو ہر جنس کے ساتھ ملائیں گے، بچوں کو بچوں کے ساتھ، دوستوں کو دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کو دشمنوں کے ساتھ، جھوٹوں کو جھوٹوں کے ساتھ، شاہوں کو شاہوں کے ساتھ، چوروں کو چوروں کے ساتھ، جیبیوں کو نفیسوں کے ساتھ جمع کریں گے۔ سب کی جمع تفریق ہو جائے گی۔

جواہر القرآن پ ۳۰ ص ۱۳۴۸ میں ہے لکھا وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ یہاں تک کروہ چھ احوال مذکور ہوئے جو نفخۂ اولیٰ کے بعد ظاہر ہوں گے، آگے ان احوال کا بیان ہے جو نفخۂ ثانیہ کے بعد ظہور پذیر ہوں گے وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ اور جب روحیں بدنوں سے ملادی جائیں گی اور تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کے احوال میں سے پہلا حال ہے۔

آیت نمبر ۳

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ (اے جی چین پکڑنے! پھر چل اپنے رب کی طرف)

بغوی ج ۴ ص ۴۸۳ و خازن ج ۴ ص ۳۷۹ و ابوسعود ج ۸ ص ۲۴۴ میں حضرت عکرمہ، عطا اور ضحاک رح سے اور بغوی ج ۴ ص ۴۸۰ میں بروایت عوفی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل کیا گیا ہے کہ اے روح! واپس اپنے صاحب یعنی اپنے جسد عنصری کی طرف جا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم فرمائے گا کہ اپنے اجساد عنصریہ کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ رہا یہ کہ یہ ارشاد اللہ کا کب ہوگا سو اس وقت ہوگا جب حساب کتاب کے لیے مختلف لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائیگا

ای الی صاحبك وجسدك ويامر الله الارواح ان ترجع الى الاجساد انما يقال ذالك عند البعث۔

خازن ج ۴ ص ۳۷۸ میں ہے کہ بعض نے کہا کہ یہاں نفس سے روح مراد ہے اور فادخلی فی عبادی کا مطلب فادخلی فی اجساد عبادی یعنی میرے بندوں

کے اجسادِ عنصریہ میں داخل ہو جا جن سے تو جدا ہوئی تھی اور یہ بات بعث کے وقت روح کو کہی جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم فرمائے گا کہ اپنے عنصری اجساد کی طرف واپس لوٹ جائیں وقیل المراد بالنفس الروح والمعنی فادخلی فی اجساد عبادی التی فارقت عنها۔ انما یقال ذلک لها عند البعث نیام اللّٰہ الارواح ان ترجع الیٰ اجسادها۔

روح المعانی ج ۳ ص ۱۳۲ میں ہے کہ بعض نے یہ معنی کیے ہیں ارجعی الیٰ ربک موت کے وقت کہا جائے گا کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف واپس جا اور رب تعالیٰ کی طرف جانے کا مطلب ہے روح کا عالمِ دنیا سے نکل کر عالمِ برزخ کی طرف جانا، پھر جب قیامت کا دن ہو گا تب روح کو کہا جائے گا کہ اب میرے بندوں کے اجسادِ عنصریہ میں واپس جا پھر میری جنت میں داخل ہو هذا عند الموت ورجوعها الیٰ ربها خروجها من الدنیا فاذا کان یوم القیامة قیل لها ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

ابن جریرؒ نے کہا مراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ قیامت کے روز ارواح اپنے اجسام میں واپس کی جائیں گی اور جو ثواب جمیل ہو گا اس سے راضی اور خوش ہوں گے۔

یہ اقوال جو بیان ہوئے ہیں ان میں کچھ اختلاف نہیں، سب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قیامت کے روز ہی ارواح اپنے اپنے اجسادِ عنصریہ میں داخل ہوں گے اس سے پہلے نہیں۔

معارف القرآن ج ۸ ص ۷۴۴ میں ہے یعنی لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف، لوٹنے کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پہلا مقام بھی رب کے پاس تھا اب وہیں سے واپس جانے کا حکم ہو رہا ہے۔ اس سے اس روایت کی تقویت ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ... مومنین کی ارواح ان کے اعمال ناموں کے ساتھ علیین میں رہیں گی اور علیین ساتویں آسمان پر عرش الرحمٰن کے سائے میں ولی مقام ہے۔ کل ارواح انسان کا اصلی مستقر وہی ہے وہیں

سے روح لاکر انسان کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور پھر موت کے بعد وہیں واپس جاتی ہے۔

آیت نمبر ۴

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط (حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں)

قوم نے اس سے دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں قوم کی خیر خواہی رہی کہ اگر معلوم کریں میرا حال تو سب ایمان لاویں۔

ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ارشاد ہوا کہ جنت میں جا داخل ہو۔

سبحان الہند فرماتے ہیں (اس مقام پر علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ شہید کر دیا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ زندہ اٹھا لیا گیا) اگر وہ شہید کر دیا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ دخول جنت سے مراد شہداء کا وہ مقام ہوگا جو جنت سے متصل ہے اور اگر زندہ اٹھا لیا گیا تو جنت ہی مراد ہوگی اور وہ اس وقت تک زندہ رہے گا جب عالم روحانیت کے باشندوں کو موت آئے اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہو کر جنت میں داخل کیا جائے۔ فرمایا کہ زندہ اٹھائے جانے کا قول حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب ہے۔

نیکوی کہتا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے کسی نے یونہی حسن بصری کی طرف منسوب کر دیا۔ مدارک و خازن ج ۴ ص ۶ میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ آدمی شہادت پا چکنے کے بعد ایسا ہوا کہ اس کی روح جنت میں داخل ہو گئی اور اس کا جسم انطاکیہ شہر میں دفن تھا۔

تفسیر ابن عباس میں بھی یہی ہے کہ اس کی روح کو حکم ہوا کہ جا جنت میں۔ پھر جنت میں جا چکنے کے بعد اپنی قوم کے بارے آرزو کرنے لگا۔ (تفسیر تنویر المقباس ج ۳ ص ۲۰۳)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ نے قیل ادخل الجنۃ کے ف میں لکھا یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی سے شہید کر ڈالا۔ اور ادھر شہادت واقع ہوئی اُدھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا۔ جیسے کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل

ہوتی ہیں۔ اگلے وقت میں فرمایا "قوم نے اس کی دشمنی کی کر مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام خدا تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب ایمان لے آئیں۔

جواہر القرآن ج ۳ ص ۹۸۳ میں تفسیر مظہری ج ۸ ص ۹۵ کے حوالہ سے لکھا ہے، حبیب نجار چونکہ شہید تھا اس لیے دیگر شہداء کی طرح اس کی روح کو پرندے کے قالب میں جنت میں داخل کر دیا گیا۔ فادخلہ اللہ الجنۃ وھو حی فیھا یرزق یعنی حیاۃ الشھداء

دخول کا مفہوم

دخول کے معنی اس سے پہلے ہدایہ کے حوالہ سے گزر چکے ہیں انفصال من الخارج الی الداخل تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ حبیب نجار جب جنت میں داخل ہو گیا تو جنت سے باہر نہیں، اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری جنت میں نہیں بلکہ انطاکیہ میں مدفون ہے۔ اور انطاکیہ اس زمین میں ہے جنت میں نہیں اور حبیب نجار کی روح جنت میں داخل ہوئی ہے۔ وہیں عیش و عشرت میں رہتی ہے۔

تبادر ان آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب موت کے وقت روح جسد عنصری کے قفس کو چھوڑ کر پرواز کر جاتی ہے تو واپس اس جسد عنصری میں یوم حشر تک نہیں آتی۔ یوم حشر میں دوبارہ روح اس جسد عنصری میں ڈال جائے گی۔ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُوْنَ - لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ (فی البرزخ) اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَھٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ -

آیت نمبر ۵

قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ -

بولے اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ، اور زندگی دے چکا دوبار

حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی حاشیہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں:

پہلے مٹی تھے یا نطفہ، تو مردے ہی تھے، پھر جان پڑی تو جی پایا پھر مرے پھر جیسے، یہ ہوئیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم جو حیاتِ ثانیہ کا انکار کیا کرتے تھے اور اسی کے انکار سے کفر و شرک و جمیع معاصی پر دلیر تھے۔ اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ چنانچہ ہم نے دیکھ لیا کہ آپ نے ہم کو دو بار مُردہ رکھا (ایک بار قبل تولد جبکہ حالتِ جمادیت میں تھے جس میں جان متعارف نہیں ہوتی اور دوسری جس کو سب موت کہتے ہیں، اور دو بار زندگی دی (ایک دنیا کی زندگی دوسری آخرت کی۔

(بیان القرآن ص۳۲، ۱۰)

اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو العالیہؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ابو صالحؒ، ضحاکؒ، عطاء خراسانی وغیرہ مفسرینؒ سے مروی ہے۔ قال سفیان الثوری عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن ابن مسعودؓ قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا قال ھی التی فی البقرۃ وکنتم امواتا فاحیاکم وقال ابن جریج عن ابن عباس کنتم امواتا فاحیاکم امواتا فی اصلاب اٰبائکم لم تکونوا شیئًا حتی خلقکم ثم یمیتکم موتۃ الحق ثم یحییکم حین یبعثکم قال وھی مثل قولہ تعالٰی امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین وقال الضحاک عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین قال کنتم ترابا قبل ان یخلقکم فھٰذہٖ میتۃ ثم احیاکم فخلقکم فھٰذہٖ حیاۃ ثم یمیتکم فترجعون الی القبور فھٰذہٖ میتۃ اخرٰی ثم یبعثکم یوم القیامۃ فھٰذہٖ حیاۃ اخرٰی فھٰذہٖ میتتان وحیاتان فھو کقولہ تعالٰی کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون وھٰکذا روی عن السدی بسندہٖ عن ابی مالک وعن ابی صالح عن ابن عباس وعن مرۃ عن ابن مسعود وعن ناس من الصحابۃ وعن ابی العالیۃ والحسن ومجاھد وقتادۃ و

الی صالح والضحاک وعطاء الخراسانی نحو ذالک ثم قال وھو الصحیح وھو کقولہ تعالیٰ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ الی یوم القیامۃ الآیۃ۔ کما قال تعالیٰ فی الاصنام اموات غیر احیاء وما یشعرون الآیۃ۔ وقال وَ اٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ (ابن کثیر ج ۱ ص ۱۳۳) واما قول اھل النار ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فتفسیر ھٰذہ الآیۃ التی ھی فی البقرۃ وھی قولہ تعالیٰ کیف تکفرون باللّٰہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون فکانوا امواتا وھم نُطَفٌ فی اصلاب آبائھم وفی ارحام امھاتھم ثم احیاھم بعد ذالک ثم اماتھم ثم یحییھم یوم النشور ولیس فی ذالک اماتۃ ارواحھم قبل یوم القیامۃ رکنا (الروح ص ۵۲)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اس آیت کا ترجمہ مولینا محمد شفیع صاحب نے یہ کیا:

معارف القرآن ج ۷ ص ۵۸۶ میں ہے۔ وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم جو دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا کرتے تھے اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی چنانچہ دیکھ لیا کہ آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ رکھا (ایک مرتبہ پیدائش سے پہلے کہ ہم بے جان مادہ کی صورت میں تھے اور دوسری مرتبہ اس عالم میں آنے اور زندہ ہونے کے بعد متعارف موت سے مردہ ہوئے) اور دو مرتبہ زندگی دی (ایک دنیا کی زندگی اور دوسری آخرت کی زندگی۔ یہ چار حالتیں ہیں جن میں سے انکار تو صرف ایک یعنی آخرت کی زندگی کا تھا، مگر باقی تین حالتوں کا ذکر اس لیے کر دیا کہ وہ یقینی تھیں اور اس اقرار کا مقصد یہ تھا کہ اب چوتھی قسم بھی پہلی تین کی طرح یقینی ہو گئی)

مفسر رازیؒ کا بیان

ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبریٰ

حتی تنضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ (رازی ج ۹ ص ۱۵۶)

روز قیامت ہی میں اللہ تعالٰے اس روح کو بدن کی طرف واپس کرے گا حتیٰ کہ جسمانی احوال روحانی احوال کی طرف آجڑیں گے۔ منضم ہوں گے۔

سید آلوسی رح کا بیان

الارواح فی غایۃ اللطافۃ وفیہا قوۃ التعجب..... واما القول بحیاۃ ھذا الجسد الرمیم مع ھدم بنیتہ وتفرق اجزاءہ وذھاب ھیئتہ وان لم یکن ذلک بعیدا عن قدرۃ من یقول (؟) للخلق ثم یعیدہ لکن لیس الیہ کثیر حاجۃ ولا فیہ مزید فضل ولا عظیم منۃ بل لیس فیہ سوی ایقاع ضعفۃ المومنین بالشکوک والاوھام وتکلیفھم من غیر حاجۃ بالایمان بما یحد دن تا ئلہ من سفھۃ الاحلام الخ ص ۱۹ روح المعانی

صوفی خازن رح کا بیان

فان قلت نحن نراھم موتی فما معنی قولہ بل احیاء وما وجہ النھی فی قولہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات قلت معناہ لا تقولوا اموات بمنزلۃ غیرھم من الاموات بل ھم احیاء تصل ارواحھم الی الجنان کما وردت ان ارواح الشھداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فھم احیاء من ھذہ الجھۃ وان کانوا امواتا من جھۃ الخروج من اجسادھم (خازن ص ۹۵)

اس اعتبار سے ان کی روحیں جنت کا سیر کرتی ہیں، زندہ ہیں اور اس اعتبار سے کہ جسدِ عنصری سے روح خارج ہے وہ مُردے ہیں۔

بہرحال قرآنی آیات، جمہور صحابہؓ و تابعینؒ وکثیر من المحققینؒ اسی طرف ہیں کہ اس جسدِ عنصری کی طرف دوبارہ قیامتِ کبریٰ سے پہلے روح نہیں لوٹتی اور وہ حیات روحانی اور جنّاتی ہے۔ نہ ابتدائی اور نہ اعادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانید صحیحہ ثابت ہے بلکہ اصح الاسانید سے۔

مفسر ابن کثیرؒ

حضرت مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۲ ص ۲۸ میں لکھتے ہیں:

ارادوا بالاماتۃ الاولی امواتا وبالثانیۃ اماتتھم عند انقضاء آجالھم وبالحیوۃ الاولی احیاءتھم بنفخۃ الروح فیھم وھم فی الارحام وبالثانیۃ احیاءتھم باعادۃ اروا حھم الی ابدانھم للبعث مروی عن ابن عباس و ابن مسعود وعبد بن حمید وقتادۃ والضحاک وابی مالک وجعلوا ذلک نظیر وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم وھذا ھوالصواب الذی لاشک فیہ ولا مریۃ (ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸۲)

مولانا عثمانیؒ

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں پہلے مٹی تھے یا نطفہ وہ مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے پھر مرے پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ قال کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون وقیل غیر ذالک وھوالاظھر ھذا (حاشیہ شبیر ص ۶۰۶) اور بقاعدہ مسلمہ یہ نقل تفہیم ہے۔ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ نے شاہ صاحبؒ کے قول کی تصویب فرمائی۔

الحاصل

اب دیکھئے صحابہ، تابعین، مجتہدین و مفسرین کی جماعت کثیرہ ہم تفسیر ضحاک سدی ابوالعالیہ، حسن، مجاہد، قتادہ، ابوصالح، عطاء خراسانی، عبد بن حمید، ابومالک، الثوری وغیرہ سب یہی کہتے ہیں کہ ثم یحییکم سے وہی حیات مراد ہے جو قیامت کو ہوگی

اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے یعنی دوسرے اقوال غلط ہیں اور غلط کیوں نہ ہوں جب اس کا راوی سدی ہے جس کے متعلق خود صاحب تسکین ازالۃ الریب، ص۳۲۴ میں لکھتے ہیں "یہ سند کمزور ہے اور ضعیف ہے اس قابل نہیں کہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔ پھر سدی کبیر کے متعلق جوزجانی سے کذاب شتام کے الفاظ طبری سے لا یحتج بحدیثہ کے الفاظ نقل فرمائے اور سدی صغیر کے متعلق محمد طاہر کی کتاب تذکرۃ الموضوعات ص۹۰ کے حوالہ سے کذاب لکھا۔ پھر ص۳۲۷ میں جریر بن عبدالحمید کے حوالے سے بھی کذاب لکھا۔ نسائی، ابو حاتم، بیہقی، ابن کثیر کے حوالے سے متروک الحدیث لکھا، صالح بن محمد کے حوالے سے کان یضع لکھا (ص۳۲۷)

اور ظاہر ہے کہ غلط احتمال صحیح احتمال کی قطعیت کے لیے کیسے آڑے بن سکتا ہے؟

لہٰذا حق یہی ہے کہ جسد عنصری سے روح نکل کر برزخ میں خوش عیشی یا عذاب میں رہتی ہے۔ قیامت سے پہلے اس جسد عنصری میں واپس نہیں آتی۔

احادیثِ نبوی در تائید آیاتِ ربّی

ارواح المؤمنین فی الجنۃ احادیث متواترہ

(۱) شرح الصدور میں بحوالہ بزار و طبرانی حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ سے حضرت خدیجہؓ کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے ساحل پر ایک عالی شان مکان میں دیکھا ہے جو جنت کے سرکنڈوں سے بنا ہوا ہے بڑے چین سے ہے نہ وہاں بیہودہ گوئی ہے نہ تھکن۔

(۲) حضرت فاطمہؓ نے نبی ؐ سے پوچھا ہماری اماں جان خدیجہؓ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا جنتی یاقوت و قصب سے تیار کیے ہوئے عالیشان مکان میں ہیں۔

(۳) حضرت ثوبانؓ نے فرمایا جس کی روح جسم سے الگ ہو جائے اور تکبر، حرام خوری اور قرض سے بری ہو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۴) ایک آدمی نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ نبی پاکؐ کی روح قبض ہوئی، اب کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ جنت میں!

(۵) ہذیل نے فرمایا! فرعونیوں کی ارواح کالے پرندوں کے پوٹوں میں رہ کر صبح شام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں، اور مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت کی چڑیوں میں رہ کر چگتی اور سیر کرتی ہیں۔

(۶) حضرت عمرؓ نے فرمایا مومنین کی روحیں عرش کے سایہ میں سفید پرندوں کی صورتوں میں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں رہتی ہیں۔

(۷) ابن عمرؓ فرماتے ہیں مومنوں کی ارواح جنت کا پھل کھاتی ہیں۔

(۸) حضرت کعبؓ نے فرمایا جنت الماویٰ میں سبز پرندے چرتے ہیں ارواح مومنین و شہداء ان میں رہ کر جنت میں سیر کرتی ہیں اور فرعونیوں کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں رہ کر صبح و شام آگ پر جاتے ہیں اور مومنین کے نابالغ بچوں کی

ارواح جنتی چڑیوں میں رہتی ہیں۔

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا جسم سولی پر لٹکا ہوا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو تسلی دینے گئے کہ غم نہ کرو کیونکہ ارواح تو اللہ کے پاس آسمان میں (خوش عیش) ہیں۔ یہ تو نرا دھڑ ہے اسے کیا تکلیف۔

(۱۰) حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں ارواح مومنین جبرئیلؑ کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔

(۱۱) ام کبشہ کے پاس حضورؐ آئے ارواح کے بارے سوال ہوا ... پھر فرمایا: ارواح مومنین سبز پرندوں کے قالب میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی ہیں وہاں کے پھل کھاتی ہیں وہاں کا پانی پیتی ہیں، عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں لٹکتی ہیں۔ اور کفار کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں رہ کر دوزخ سے کھاتی پیتی ہیں اور دوزخی چٹان پر لٹکتی ہیں۔

(۱۲) خالد بن معدان نے فرمایا جنت میں طوبیٰ نام کا ایک درخت ہے اس کے تھن ہیں اہل جنت کے بچے ان تھنوں کا دودھ پیتے ہیں اور مسلم عورت کا ناتمام بچہ بھی جنت کی نہر میں قیامت تک اپنا تیراکی کرتا ہے پھر ۴۰ سالہ ہو کر اٹھے گا۔

(۱۳) ضمرہ بن حبیبؒ نے فرمایا آپؐ سے ارواح مومنین کے بارے سوال ہوا آپؐ نے فرمایا سبز پرندوں کے قالب میں رہ کر جہاں چاہتے ہیں جنت کی سیر کرتے ہیں۔ پھر سوال ہوا ارواح کفار کے بارے آپ نے فرمایا وہ سجین میں بند ہیں۔

(۱۴) کعب بن مالک فوت ہونے لگے تو ام بشرؓ نے آکر کہا فلاں شخص سے تمہاری ملاقات ہو گئی تو اس کو میرا اسلام کہہ دینا۔ کعب نے فرمایا وہاں ہمیں کہاں فرصت؟ ام بشرؓ نے کہا کیا تم نے یہ سنا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مومن کی نسمہ جہاں چاہتی ہے جنت میں سیر کرتی رہتی ہے اور کافر کی نسمہ سجین میں رہتی ہے تو حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ تو میں نے آپ سے سن رکھا ہے تو ام بشرؓ بولیں بس تو یہی بات ہے۔

(۱۵) حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت حارثہ رضؓ شہید ہوگئے تو ان کی اماں نے پوچھا وہ کہاں ہیں اگر جنت میں ہیں تو مجھے صبر آجائے گا۔ ورنہ تو ۔ ۔ ۔ آپ نے فرمایا کہ باغات تو بہت ہیں مگر تیرا بیٹا سب سے عالی باغ فردوس اعلیٰ میں ہے۔

(۱۶) کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ مومن کی نسمہ پرندہ کی طرح اڑتی ہوئی جنت کے درختوں میں سے کھاتی رہتی ہے یہاں تک کہ بروز قیامت اس کے جسد کی طرف واپس کر دے گا۔

(۱۷) حضرت ام ہانی نے حضورؐ سے پوچھا کہ جب ہم مر جائیں گے تو باہمی زیارتیں ہماری ہوں گی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ تو آپ نے فرمایا نسمے پرندوں کی طرح جنت کے درختوں سے کھاتے رہتے ہیں رباہم ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ جب روز قیامت ہوگا تو ہر نفس اپنے اپنے جسد میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۸) حضرت ابوالدرداءؓ سے سوال ہوا شہداء کے بارے، تو فرمایا کہ وہ سبز پرندوں کی طرح عرش کے نیچے قندیلوں میں معلق ہوتی ہیں اور جہاں چاہیں جنت کے باغات میں سیر کرتی ہیں۔

(۱۹) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں جنت کے کھلے میدان میں باغات ہیں ان میں گنبدوں والی کوٹھیوں میں شہید رہتے ہیں۔

(۲۰) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے لپٹیں مارتی ہوئی جہنم دیکھی اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا۔

(۲۱) حضرت مسور بن مخرمہ کو بیہوشی سے افاقہ ہوا تو کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رفیق اعلیٰ میں ہیں اور عبدالملک اور حجاج دونوں دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہے ہیں۔

(۲۲) ایک اعرابی اونٹ سے گر کر فوت ہوگیا حضورؐ نے فرمایا۔ میرا گمان ہے کہ بھوکا مرا کیونکہ میں نے اس کی دو بیویاں حور عین دیکھی ہیں جو جنت کے پھل اس کے منہ میں دے رہی ہیں۔

(۲۳) حضرت قاسم بن محمدؐ کی وفات پر حضرت خدیجہؓ کو رونا آگیا... آپ نے فرمایا قاسم کو دودھ پلانے والی دائی جنت میں اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے اس کی آواز سنا دوں جو جنت میں کر رہا ہے، عرض کی میں اللہ و رسولؐ کی تصدیق کرتی ہوں مجھے اس کی آواز سننے کی ضرورت نہیں کہیں ایمان بالغیب کا ثواب ہی نہ ملے۔

(۲۴) نعمان بن نوفل جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اسکو جنت میں دیکھا ہے

(۲۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمنہ زانیہ عورت کو جنت میں دیکھا اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

(۲۶) مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴۴: معنی یہ ہیں کہ ارواح انبیاؑ کی روبرو لائی گئیں جو بشکل ان صورتوں کے تھیں دنیا میں پس ناگہاں دیکھا میں نے کہ موسیٰؑ مرد کم گوشت دبلے ہیں ——— گویا وہ مردوں شنؤہ کے سے ہیں کہ نام ایک قبیلہ مشہورہ کا ہے یمن میں کہ وہ دبلے ہوتے ہیں۔

(۲۷) مشکوٰۃ ص ۲۴۳: حضورؐ نے فرمایا تم سے پہلے ایک آدمی ہوا۔ اس کی جان قبض کرنے کے لیے اس کے پاس فرشتہ آیا۔ اس سے پوچھا گیا تجھے اپنے کسی نیک عمل کا کچھ علم ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے کہا گیا سوچ لے! اس نے سوچ کر کہا اور تو میں نہیں جانتا۔ ہاں اتنا ہے کہ دنیا میں میں لوگوں کے ساتھ لین دین رکھتا تھا اور تقاضا کے وقت میں ان کے ساتھ احسان کرتا تھا کہ غنی کو مہلت دیتا تھا اور مفلس کا سارا یا بعض حق معاف کر دیتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ یہاں یہ نہیں ہے کہ جب وارثوں نے اسے قبر میں رکھا تب قبر اس کے لیے جنت بن گئی۔

(۲۸) باب فضل من شهد بدرًا حدثني... سمعت انسا رضي الله عنه يقول اصيب حارثة يوم بدر وهو غلام فجاءت امه الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله قد عرفت منزلة حارثة مني فان

یکن فی الجنۃ اصبر واحتسب وان تکن الاخری تر ما اصنع فقال ویحک اوھبلت او جنۃ واحدۃ ھی؟ انھا جنان کثیرۃ وانہ فی جنۃ الفردوس

(بخاری ج ۲ ص ۵۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حارثہ ابن سراقہ جنگ بدر کے دن شہید ہوگئے اور وہ ابھی نوجوان تھے ان کی ماں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ میرے لیے کیا تھا۔ اب اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور ثواب سمجھوں گی اور اگر کسی دوسری جگہ ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں ہو کیا گیا ہے کیا تم سمجھتی ہو کہ جنت ایک ہی ہے جنتیں تو تعداد میں زیادہ ہیں اور تمہارا بیٹا (حارثہ بن سراقہ) تو سب سے اعلیٰ جنت الفردوس میں پہنچا ہے۔

(۲۹) روی الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالک عن الزھری عن عبد الرحمن بن مالک عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسمۃ المومن طائر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ الی جسدہ یوم یبعثہ (موطا امام مالک صـ۸۳، ابن کثیر ج ۲ صـ۳۶۲)

(۳۰) روی کعب بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما نسمۃ المومن طائر فی شجر الجنۃ حتی یبعثہ اللہ الی جسدہ یوم القیامۃ

(۳۱) عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرض علی احدکم اذا مات مقعدہ من الغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار یقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الی یوم القیامۃ (صـ۲۳۰ معیق)

اور احادیث کثیر تعداد میں پہلے گزر چکی ہیں۔

مشکوٰۃ ص ۴۱۹ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلت الجنۃ فسمعت فیھا قراءۃ فقلت من ھذا؟ قالوا

حارثة بن النعمان.... وكان ابرّ الناس بامّه یعنی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا یہ حارثہ بن النعمانؓ ہیں۔ یہ اپنی امی جان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے

حضرت بتول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرماتی ہیں یا ابتاہ اجاب ربًّا دعاہ یا ابتاہ من جنة الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ اے میرے ابا جان! آپؐ کے رب نے اپنے حضور میں آپ کو بلایا اس کی دعوت قبول کر کے چلے گئے اے میرے ابا جان! اے وہ شخص جس کا ٹھکانا اب جنت الفردوس ہے۔ اے میرے ابا جان! جبرائیل کی طرف ہم اس کی موت کی خبر پہنچاتے ہیں (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) اجاب ربا دعاہ کے نیچے بین السطور ای الی الجنة کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

قال رجل لابن مسعود رض قُبِضَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این ھو؟ قال فی الجنة　　(شرح الصدور ص ۹۸)

اخرج سعید بن منصور فی سننه عن ابن عمر انه عزّٰی اسماءَ بابنھا عبد اللہ بن الزبیر وجثته مصلوبة فقال لا تحزنی فان الارواح عند اللہ فی السماء وانما ھٰذہٖ جثة (شرح الصدور ص ۹۳)

بریلویوں کے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا اعتراف حق

سوال: مردہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے؟

جواب: مومنین کی روح افلاکِ سبعہ کے اوپر مقام علیین میں اور کفار کی روح اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جواب دہی کے لیے بدن عنصری کے ساتھ تعلق[1] دیا جاتا ہے جس کا اثر دیگر گونہ حیات ہے نہ یہ حیات دنیوی، جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا ہے۔
(فتاوی مہریہ ص ۱۲)

---

[1] تعلق کو اس پر قیاس کرنا فرض ہے ۱۲

نوٹ: دنیا میں رُوحِ حقیقی جو فاں الروح من امر ربی سے مراد ہے روح ہوائی کے ساتھ ترا کیب اور ترکیب کا تعلق رکھتا ہے۔ بعد الموت روح ہوائی بعنوان دیگر بخار لطیف مع جسم عنصری کے فنا ہو جاتے ہیں اور روح حقیقی کو بجائے روح ہوائی کے ایک اور روح برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالم مثال میں سے ہے۔ دنیا میں بھی اور بعد الممات عالم مثال میں بھی، یہ مرکب جسے نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (فتاویٰ مہریہ ج ا ص ۱۲۹ ربیع اول ۱۹۶۲ء)

قبر سے صرف گڑھا مراد لینے کی خرابیاں

اس گڑھے میں انسان مع روح و جسد کے زندہ موجود ہوتا ہے اہل دنیا کو گھات میں بیٹھا دیکھتا رہتا ہے ان کے تمام جسم کو سر سے لیکر پاؤں تک نظر ڈالتا ہے ان کی ہر بات سنتا ہے ان کو جانتا پہچانتا ہے یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے کئی لوگ اس نظریہ تک پہنچ گئے ہیں کہ:

جاہلیت کے ورثا کفن میں عہد نامہ رکھتے ہیں جیسے عہد جاہلیت میں مصری قبر میں عہد نامہ رکھ دیتے تھے۔

قبر پر حافظ بٹھا دیتے ہیں تاکہ یہ قرآن پڑھیں گے میت سُن کر خوش ہو گا (جیسے مسیحی قبر پر بیٹھ کر انجیل پڑھتے ہیں) اور عذاب کے فرشتے بھی عذاب چھوڑ کر قرآن پاک سننے لگ جائیں گے۔ قبر پر پھول چڑھاتے ہیں (جیسے ہندوؤں میں رسم ہے) تاکہ میت پھولوں کی خوشبو سونگھ کر مسرور ہو۔ ہری ٹہنی رکھتے ہیں تاکہ اس کی تسبیح سُن سُن کر خوش ہوتا رہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جب اس قبر (گڑھے) میں منکر نکیر سوال کرنے آتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر (گڑھے) میں آجاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔

دنیا کے گوشے گوشے میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مرتے ہیں بیک وقت ہر ایک کی قبر میں بہ نفس نفیس پہنچنا سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر آپ دنیا میں جب دھرتی کے اوپر لیتے تھے اس وقت جو لوگ مرتے تھے ان کی قبروں میں بھی حضور پاک تشریف لے جایا

کرتے تھے یا اپنی عمر ۶۳ سال پورا کرنے کے بعد آپ کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے اگر دھرتی کے اوپر بسنے کی مدت میں بھی قبور میں حاضری دینے کی ڈیوٹی آپ کی تھی تو عموماً آپ مکہ مدینہ سے غائب رہتے ہوں گے اور یا ہر جگہ حاضر رہتے ہوں گے دھرتی کے اوپر بھی اور دھرتی کے اندر قبروں اور گڑھوں اور سمندروں میں بھی اور ھُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ کی صفت آپ کی تھی؟

اور رسالہ "کرامات غوث پاک" میں ہے کہ ایک میت سے فرشتے سوال کرنے لگے تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے، تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ مُردہ جو کچھ نہ جانتا تھا "یا پیر دستگیر یا غوث اعظم" چلانے لگا تو پیر صاحب قبر میں تشریف لے آئے اور مردے کو فرشتوں کے سوال سے بچا لیا۔ خدا ستیاناس کرے ایسے غلو کا، شیطان بھی کیسے بہکاتا ہے۔

یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مردہ اندر سے سنتا دیکھتا ہے تو قبور اولیاء و صوفیاء عظام پر جب غیر شرعی کام ہوتا ہے تو اسے چپ سادھ دیکھتے سنتے رہتے ہیں اور انہیں صرف سلام کا جواب تو دیتے ہیں اور ان کی فریادیں بھی سنتے ہیں اور ان کی حاجتیں مرادیں پوری کرتے ہیں یا خدا سے کروا دیتے ہیں لیکن ان غیر شرعی کاموں سے منع نہیں کرتے۔ حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ جو بھی تم میں سے کوئی بھی غیر شرعی کام دیکھے تو اسے بدل دے۔

جس طرح وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ الآیۃ میں کوئی قید فی الحیات کی مذکور نہیں اور یہ حکم فی الحیاۃ و بعد الممات دونوں کو شامل ہے اسی طرح مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ میں بھی "فی الحیات" کی کوئی قید نہیں اس لیے اس حکم میں بھی دونوں حالتیں شامل ہیں، اگر نہیں تو وہ قرینہ ہونا چاہیے جو پہلے حکم کی تعمیم (فی الحیاۃ و بعد الممات) بتائے اور دوسرے حکم کی فی الحیات کی تخصیص بتائے۔

لہٰذا ہر الاہم فالاہم کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل دنیا کے استغفار کی بجائے انہیں غیر شرعی اور مشرکانہ کاموں سے روکنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جلب منفعت سے دفع مضرت

بہت زیادہ اہم ہے

بجائے اس کے الٹا مشرکین کی حاجتیں مرادیں، ان کے (قبور اولیاء پر) مشرکانہ کام کرنے کے باوجود پوری ہو جاتی ہیں اور ان مشرکین کا عقیدۂ شرکیہ اور پختہ ہوتا ہے پھر وہ قبور اولیاء پر پہلے سے زیادہ شرک کرنے لگتے ہیں، مگر وہ اولیاء کرام باوجود یکہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! تو فلاں کی مراد پوری کر (اور فتاوی عزیزی و فتاوی رشیدیہ کے حوالہ سے محترم جناب مولانا صاحب بھی اس کے جواز پر زور دیتے ہیں) یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! اس مشرک بے ایمان کی مراد پوری نہ کر۔ اگر تو اس کی مراد پوری کرے گا تو پہلے سے زیادہ پختہ مشرک بن جائے گا بلکہ داعی الی الشرک بن جائے گا اور لوگوں سے کہے گا کہ آؤ فلاں بزرگ کی قبر پر وہاں اس بزرگ کو کہو وہ خدا تعالیٰ سے عرض معروض کر کے تمہاری مراد پوری کرا دے گا۔ پھر جب ان کی مراد بھی پوری ہو جائے گی وہ آگے اوروں کو شرک کی دعوت دیں گے بلکہ یہ عقیدہ کر لیں گے کہ وہ بزرگ خود حاجتیں مرادیں پوری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں جس طرح خلیفہ کے ماتحت سلطان ہوتے ہیں انہیں خلیفہ کی طرف سے اختیارات ملے ہوئے ہوتے ہیں، اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ان اولیاء کرام کو اختیارات ملے ہوئے ہیں، یہ خدا کے سلاطین ہیں جیسے سلطان باہو، سلطان سخی سلطان بری۔

تو اہم کام کی طرف توجہ نہ کرنا اور غیر اہم پر نظر رکھنا عقلاً نقلاً بعید ہے۔

برزخ والوں کا دنیا والوں کے ساتھ تعلق

حقیقت یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق اہل دنیا کے ساتھ نہیں، اہل برزخ کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کی زندگی برزخی ہوتی ہے اس کا ادراک شعور برزخی، سننا دیکھنا برزخی اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا برزخی سب کچھ برزخی، وہ مکلف زندگی سے جو دنیوی تھی نکل گیا اب جہاں گیا وہاں خدا کے حکموں کا مکلف نہیں تو اہل دنیا کی حاجتیں مرادیں پوری کرنے کرانے کا مکلف کیسے؟ اہل دنیا کے سلام کا جواب دینے کا مکلف کیسے؟

نہ اہلِ برزخ اہلِ دنیا کو دیکھتے ہیں اور نہ اہلِ دُنیا اہلِ برزخ کو!

مشکوٰۃ ص۲۳۰: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے چلے بڑے سکون سے اور لوگوں کو بھی سکون کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ البتہ وادی محسر میں اونٹنی کو تیز چلایا اور لوگوں کو حکم فرمایا چنے جیسے برابر کنکر یاں لے کر جمیریوں کو مارو۔ پھر فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں۔ یعنی میں انتقال کروں گا۔ ابھی سے دین اور حج کے احکام مجھ سے معلوم کر لو۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ اہل قبور اہل زمین کو نہیں دیکھتے۔

مشکوٰۃ ص۵۵ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا تم پر ایک ایسا دن آئیگا کہ تم میں سے کوئی مجھ کو نہ دیکھے گا پھر تمہارا مجھے دیکھنا بہت دوست رکھا گیا ہے اہل مال سے۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل زمین بھی اہل قبور کو نہیں دیکھ سکتے ہاں مکاشفہ اور خواب اس سے الگ ہیں جیسے ابراہیمؑ و موسیٰ و یونسؑ اور دجال کا دیکھنا حدیثوں میں وارد ہے۔

وفات کے بعد اس جسدِ عنصری کے ساتھ حج نہیں ہوتا

مشکوٰۃ ص۲۳۰ میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے افعالِ حج مجھ سے سیکھ لو کیونکہ مجھے خبر نہیں شاید اس حج کے بعد میں حج نہ کر سکوں اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد جسدِ عنصری کے ساتھ انبیاء کرام حج نہیں کرتے اور جن احادیث میں حضرت موسیٰؑ و حضرت یونسؑ کے حج اور تلبیہ کا ذکر آیا ہے وہ اجسادِ مثالیہ تھے نہ اجسادِ عنصریہ۔

دُنیوی زندگی میں پس پردہ دیکھ پہچان نہیں ہو سکتی تو مر نیکے کے بعد کیسے؟

مشکوٰۃ ص۱۷۱: حضرت زینبؓ زوجہ ابن مسعودؓ نے فرمایا، حضورؐ نے فرمایا صدقہ کرو اے عورتوں کے گروہ! اگرچہ تم زیور کاٹ کر دو۔ زینبؓ نے گھر آ کر شوہر کو کہا کہ حضورؐ سے جا پوچھ کہ میں شوہر اور شوہر کی اولاد کو بھی صدقہ دے سکتی ہوں یا نہ؟ ابن مسعودؓ نے کہا

تو خود جا پوچھ، کہتی ہیں میں خود گئی، ایک انصاری عورت حضورؐ کے دروازہ پہ یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھ سے پہلے کھڑی تھی، حضورؐ کا بڑا رعب تھا، آخر کار بلال رضؓ نکلے ہم نے کہا حضورؐ کو جا کر کہو کہ دروازہ پر کھڑی عورتیں یہ مسئلہ پوچھ رہی ہیں اور یہ نہ بتانا کہ وہ کون کونسی عورتیں ہیں تاکہ شائبہ ریا کا نہ ہونے پائے، بلال رضؓ نے جا کر عرض کی حضرتؐ نے پوچھا کہ وہ دو کون کونسی عورتیں ہیں۔ بلال رضؓ نے بتایا کہ ایک انصاری عورت ہے اور دوسری زینبؓ ہے۔ پوچھا کونسی زینب؟ کہا ابن مسعودؓ کی بیوی۔ آپ نے فرمایا دوہرا ثواب ملے گا، قرابت کا اور صدقہ دینے کا۔

نیلکومی کہتا ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی میں آپؐ نے باہر دروازے کھڑی ہوئی عورتوں کو نہ دیکھا نہ پہچانا اور نہ حضرت بلال رضؓ کے ساتھ ان کی گفتگو سنی۔ اب بعد از وفات ساتھ پردوں سے پرے بیٹھ کر کھڑے ہونے والوں کو آپ کیسے دیکھ پہچان سکتے ہیں اور ان کی آواز کیسے سن سکتے ہیں پھر مختلط آوازوں کے امتیاز کا مسئلہ الگ ہے۔

مشکوٰۃ ۲۵۲ کعب بن مالک نے ابن ابی حدرد سے اپنے دین کا تقاضا حضورؐ کے عہد میں مسجد کے اندر کیا اس گفتگو میں ان دونوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوگئیں کہ حضورؐ نے بھی اپنے گھر بیٹھے ہوئے سن لیں تو آپ نے گھر سے نکل کر ان کے پاس آنے کا ارادہ فرمایا یہاں تک کہ اپنے حجرہ شریفہ کا پردہ ہٹایا اور کعبؓ کو آواز دی یا کعبؓ! کعبؓ نے عرض کی لبیک یارسول اللہ میں حاضر ہوں پس حضورؐ نے اپنے ہاتھ مبارک کے اشارہ سے سمجھایا کہ اپنے دین میں سے آدھا موقوف کردے۔ کعبؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے کردیا۔ پھر حضورؐ نے ابن ابی حدرد رضؓ کو فرمایا کھڑا ہو اور باقی آدھا ادا کر۔

اس حدیث سے جس طرح اور مسائل مستنبط ہوتے ہیں مثلاً مسجد میں دین کے تقاضا کا جواز، صاحب حق سے سفارش کرنے کا جواز اور جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کروا دینے کی افضلیت اور غیر معصیت میں سفارش قبول کر لینے کا جواز، اسی طرح یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنے گھر میں تھے۔ مسجد میں دو باتیں کرنے والوں کی آواز

آپ نے نہیں سُنی۔ حتیٰ کہ جب گفتگو بڑھی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تب جا کر حضورؐ کے کانوں نے سُنا (حتیٰ سَمِعَهَا رسول اللّٰہ ؐ کا لفظ اس مطلب کے لیے صریح ہے) جب یہ بات صحیح ہے تو بعد از وفات سات پردوں سے پرے بیٹھ کر ہم جیسے نا اہلوں کی آواز حضورؐ تک نہیں پہنچ سکتی،

پھر کہتے ہیں اِسْمَاع کی نفی ہے سماع کی نہیں کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں ؟

قبر کی زمین اور ہے اور اہلِ دُنیا کی زمین اور ہے

مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶ میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں پڑا ہوا مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے ڈوبنے والا فریاد کرنے والا کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے، منتظر رہتا ہے دُعا کا جو باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے اسے پہنچے اور جب اس کو دُعا پہنچ جاتی ہے تو دنیا و مافیہا سے اسے زیادہ پیاری لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف سے قبر والوں کو پہاڑوں جتنا ثواب اور رحمت پہنچاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر اور زمین دو الگ الگ مقام ہیں۔

ارض کے معنے

صاحب تسکین نے جس طرح قبر سے گڑھا مراد لیا ہے اور جسد سے جسد عنصری، اسی طرح ارض کے لفظ سے بھی متبادر معنی (خاکی زمین) مراد لی ہے اور قبر کے تنگ و وسیع ہونے سے بھی اسی محسوس خاکی زمین کا تنگ و وسیع ہونا مراد لیا ہے حالانکہ اس خاکی زمین مراد لینے سے ماقبل عبارت کے ساتھ تعلق نہیں رہتا۔ کیونکہ اصل عبارت کا معنیٰ یہ بنتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منہا خلقتھم وفیہا اعیدھم ومنہا اخرجھم تارۃ اُخرٰی فتعاد رُوحہ فی جسدہٖ - اس کے معنی ظاہر ہیں کہ دفتر

علیین ہیں، روح کو لے جا کر اس کا نام وہاں درج کرایا گیا پھر اس روح کے متعلق فرشتوں کو کہا جا رہا ہے کہ اسے زمین کی طرف واپس بھیجو کیونکہ میں نے اس روح کو زمین سے بنایا اور ظاہر ہے کہ روح کی پیدائش تو زمین سے ہوئی نہیں ہے۔ روح خاکی نہیں بلکہ نورانی جسم لطیف ہے پھر اس کو یوں کہہ کر واپس زمین کی طرف بھیجنا کہ میں نے زمین سے اس کو بنایا ہے یہ خلاف واقع امر ہے جو کسی طرح حضور ﷺ سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اور مستقلاً بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو پھر ارض سے مراد یہ خاکی زمین نہیں ہو سکتی بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارض برزخیہ جیسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے۔ قرآن پاک میں بھی جنت پر ارض کا اطلاق آیا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ قیامت کو جب مومنین جنت میں پہنچ جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں (یریدون المکان الذی استقروا فیہ علی الاستعارۃ۔ ابوالسعود) اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ پاک کا ارشاد ہے: اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں ارض سے جنت مراد لی ہے۔

نیز اسی حدیث میں کافر کے حق میں آیا ہے الارض السفلی اور بعض روایات میں الارض السابعۃ اور بعض میں السجین وھی الارض السفلی کے لفظ ہیں، حاشیہ مسامرہ ص ۲۶۳ اور بحر الکلام ص ۸۷ میں ہے والسجین تحت الارض السابعۃ سجین ساتویں زمین سے نیچے ہے۔

تو یہ الفاظ صریح قرینہ ہیں اس امر کے کہ حدیث میں الارض سے مراد ارض عنصریہ خاکی نہیں بلکہ مستقر مراد ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مستقر ارواح کونسی جگہ ہے؟ سو اس کی تشریح بتفسیر واضح

طور پر احادیث میں مذکور ہے جس میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں۔

پس ارض بمعنی مستقر ہے نہ بمعنی ارض عنصر یہ خاکی گڑھا جس میں مردے کی لاش کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی ارض (مستقر ارواح) کو قبر کہتے ہیں۔ وہی عالم برزخ ہے جو قبر کے معنی اصطلاح شرع میں مراد ہیں یعنی وہ عالم جو اہل دنیا کی آنکھوں سے مستور ہے۔ اسی لیے حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں:

"تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے (اشرف الجواب ص ۲۴۵/۳)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۲۴۷/۳)

" وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے ۔۔۔ وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ایضاً)

قبر کی وسعت اور تنگی

ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ خاکی عنصری زمین ہی اہل قبور پر تنگ یا وسیع ہوتی ہے حالانکہ حضرت تھانویؒ نے کیسے صاف صاف بتایا کہ یہ زمین مراد نہیں، دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے جو نسمہ مع الروح کا نام ہے (تحقیق سابق) اس دھڑ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں جیسے حضرت نانوتویؒ نے صاف صاف فرمایا:

" بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان (عنصریہ) کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح مومنین کو، بہرحال ابدان دنیا سے دونوں (شہداء و مومنین) کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔

(آب حیات ص ۱۶۶، ۱۶۸)

اب فرمایئے کہ ان اکابر کی بات مانیں یا صاحب تسکین کی، کیا صاحب تسکین کا ہمنوا ایک بھی اکابر میں سے ہے جو کہے کہ تھانویؒ اور نانوتویؒ کی بات کو رد کر کے

صاحب تسکین کی بات پر صاد کرتے ہوئے کہے کہ یہی گڑھا سوالات اور عذاب و ثواب جسد خاکی کا مقام ہے۔ اسی گڑھے میں اسی خاکی جسد عنصری کو عذاب و ثواب ہوتا ہے دوسرا جسد مثالی جو مراد لیتا ہے وہ جھوٹا کذاب اور مفتری ہے۔ جسد عنصری ہی اُٹھایا بٹھایا جاتا ہے وہی کھاتا پیتا ہے وہی چلتا پھرتا، نماز پڑھتا اور حج کو چلا جاتا ہے اور اس کی اونٹنی بھی جی جاتی ہے جس پر سوار ہوتا ہے۔ ہم اکابر کی بات کریں تو مجرم! اگر آپ اکابر کے تبرا آزما بھی ہوں تو تابع و فرمانبردار! سبحان اللہ ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتے ہیں: وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، حَتّٰٓى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ یہاں ضیق الارض کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والا اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے جس میں مفسرین مجازی معنی مراد لے رہے ہیں والمعنی لم تجدوا موضعا لفرارکم عن اعدائکم فکانها ضاقت علیکم (مدارک پ ۱۰ ص ۱۰۲) لا تجدون فيها مقرا تطمئن فیہ نفوسکم من شدۃ الرعب (بیضاوی پ ص ۱۰۲) والمعنی انکم لشدۃ ما لحقکم من الرعب لم تجدوا فی الارض ذات الطول والعرض موضعا يصلح لهربكم اليه فكانها ضاقت عليكم (نیسابوری برابن جریر پ ص ۹۵) وقس علیہ اب یقال للارض التنمی سے تنگی روح کیوں مراد لینا منع ہے جب کہ عرف میں مستعمل ہے، پھر اختلاف اضلاع بھی ایک عام محاورہ عرب ہے قال حماد بن زید رأیت ثابتا (ابن اسلم البنانی البصری) یبکی حتی تختلف اضلاعه (تذکرة الحفاظ ص ۱۱۰)

سوال: قبر بمعنی برزخ قرآن مجید سے دکھاؤ۔

جواب (۱) اگر قبر کے معنی قرآن مجید میں برزخ کے نہیں آئے تو برزخ کے معنی قبر کے آپ قرآن سے دکھائیں۔

(۲) اصطلاحات شرعیہ (فرض، واجب، سنت، مستحب، الکروہ، حرام، اعد، بیع

وغیرہ) کے معنے قرآن مجید میں تم دکھاؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف عربی لغت میں اترا ہے اس میں الفاظ انہیں عرب کے عرف کے مطابق استعمال ہوئے ہیں، شرعی تعریفیں مجتہدین کی اصطلاحیں ہیں جنہیں منقول شرعی کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مجتہدین صحابہؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ قرآن کریم کی آیت اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اور مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے عذاب قبر ثابت کرتے ہیں، حالانکہ جن کے حق میں یہ آیتیں اتری ہیں یعنی فرعونی اور نوح کی غرق شدہ قوم، ان میں سے کسی کی لغوی یا عرفی قبریں نہیں بنائی گئیں، سب کے سب سمندروں جوہڑوں میں سڑے پڑے رہے وہیں گل سڑ گئے، اگر کسی مفسر نے یوں نہیں کہا کہ ان کی قبریں خدا نے بنا دی تھیں یا وہی پانی ان کے لیے بمنزلہ قبر کے ہو گیا۔ بلکہ سب مفسرین جو عذاب قبر ان آیات سے ثابت کرتے ہیں وہ حضورؐ کی تفسیر پیش کرتے ہیں کہ ارواحهم طيور سود تعرض على النار غدوا وعشيا۔ اور نہ کسی مفسر نے یوں کہا کہ ان ارواح کا ان کے اجسادِ عنصریہ کے ساتھ تعلق قائم کر دیا گیا۔ اس طرح ان کے روح مع الجسد کو مُعًا عذاب ہو رہا ہے اگر بالفرض والتقدیر کسی نے یوں کہا بھی ہو تو لا یعبأ بہ ہے کیونکہ حدیث نبی ؐ اس مفہوم سے بالکلیہ خالی ہے اپنی طرف سے اس پر زیادتی کرنا تفسیر بالرای ہے جس کی وعیدیں احادیث پر ہیں۔

قرآن کریم میں جس عذاب قبر یا تنعیم قبر کا ذکر ہے اس کی تفسیر تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے یہ الفاظ ارواحهم طيور سود، یا ارواحهم طيور خضر، وارد ہے۔ ان گڑھوں میں عذاب و ثواب ہونے کا کہیں بھی قرآن پاک میں ذکر نہیں،

وَمَنِ ادَّعٰى فعليه البيان

حضرت سید محمد انور شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر فرمائی قوله غدوا وعشيا

وهذا في القبور (فیض الباری ص ۲۹۴) (حالانکہ غرق شدہ ہزاروں فرعونیوں کو گڑھوں میں)

قال الآلوسي فَاُدْخِلُوْا نَارًا هي نار البرزخ والمراد عذاب القبور (روح المعاني پ ۲۹ ص ۹۰) فانه يعرض عليهم النار في القبور بكرة وعشيا (جامع البيان پ ۲۹ ص ۴۰۹)

اکتفی فی القبر بإیصال العذاب فی هٰذین الوقتین (نیشاپوری ص۴۴/۲)
یستدل بهٰذه الآیة علی اثبات عذاب القبر (کشاف ص۳۴۳/۲) هٰذه الآیة
تدل علی عذاب القبر (احکام القرآن للجصاص ص۳۴۴/۳) اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا الخ
(فی هٰذه الآیة اثبات عذاب القبر وان الروح لاتفنی بفناء الجسد
لان العرض لایقع الا علی حی (فتح الباری ص۱۸۹/۳) فنا جسد سے روح فنا نہیں اور
آگ زندہ پر پیش ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۴۴ میں صحیح حدیث مذکور ہے۔ ایک کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم والعیاذ باللہ مرتد ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی اطلاع فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ زمین اس کے مرنے کے بعد اس کو اس کی لاش کو قبول نہیں کرے گی چنانچہ وہ مرتد مر گیا۔ لوگوں نے اسے دفن کیا۔ دوسرے دن دیکھتے ہیں کہ قبر سے باہر زمین کے اوپر اس کی لاش نکلی پڑی ہے۔ اسی طرح کئی بار لوگوں نے اس کی لاش کو دفن کیا مگر ہر بار اس کی لاش قبر سے باہر زمین کے اوپر نکلی پڑی ہوتی ہے ایک دن ایک صحابی کی گزر اس مقام پر سے ہوئی اور دیکھا کہ ایک مردہ کی لاش قبر سے باہر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے ان گاؤں والوں کو جا کر کہا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اپنے مردہ کو دفن نہیں کرتے لوگوں نے کہا ہمارا کچھ قصور نہیں ہے ہم نے اس کی لاش کو کئی دفعہ دفن کیا ہے پھر جب ہم یہاں سے گزرتے ہیں تو اس لاش کو پھر سے قبر سے باہر زمین کے اوپر نکلا ہوا ہی پاتے ہیں۔ زمین اس کی لاش کو قبول نہیں کرتی (مسلم و بخاری) عن انس رضی اللہ عنہ (بیہقی عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ)

اگر عذاب قبر اس گڑھے میں مانا جائے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے تو اس مرتد کی بابت کہنا پڑے گا کہ یہ عذاب قبر سے محفوظ ہے اور ضغطہ قبر بھی اس کے لیے نہیں بلکہ قبر اس کو باہر پھینکتی ہے کہ تو عذاب قبر کا اہل نہیں ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص بدتر تھا اصلی کافر سے بھی مرتد زیادہ پلید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اسی پر بس نہیں کی گئی کہ اس کے روح کو صرف اجزاء

اصلیہ کے ساتھ ملا کر عالم قبر (عالم برزخ) میں عذاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی عنصری لاش کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر کے قبر سے باہر پھینک۔ یا تاکہ لوگ بھی اس مرتد کی حالت کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے نکلی ہوئی بات کو حق سمجھیں اور ایمان لائیں اور کفر و شرک سے باز آ کر اپنے تینوں جہانوں میں سعادتمندی حاصل کریں۔ بہرحال اس مرتد کی لاش کو قبر کا باہر پھینک دینا، اس کی انتہا درجہ کی تذلیل و تخریب ہے اور عالم قبر (عالم برزخ) میں جو گت اس کی ہو رہی ہو گی وہ اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ اللّٰہم انا نعوذبک من عذاب القبر۔

عذاب قبر برحق ہے، شیعہ، سُنی اور معتزلہ سب متفق ہیں

ہم تمام اہل السنۃ والجماعۃ بلکہ سوائے دو متقدمین معتزلہ کے تمام متقدمین معتزلہ اور روافض اہل التشیع بھی اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا و جزا ہے۔ لیتمر مریسی اور ضرار کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں۔ مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک اپنی آنکھوں سے ان کی عبارتیں دیکھ نہ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں یا قائل۔ ممکن ہے انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھا ہو۔

بہرحال بعد از موت قبل از بعث و حشر و نشر جزا و سزا کے جیسے اہل السنۃ والجماعۃ قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ و اہل التشیع روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں جیسے علم عقائد کے ماہرین نے لکھا ہے

اور انکار کرنے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی جب کہ قرآن پاک کی واضح آیات، عذاب و ثواب، بعد از موت قبل از بعث کو صریح عبارات کے ساتھ بیان فرماتی ہیں۔ جیسے سورۂ نوح میں نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا مما خطیئٰتہم اغرقوا فادخلوا نارا یعنی اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے طوفان میں پھر فوراً اسی وقت بلا مہلت آگ میں

داخل کیے گئے۔ یعنی پانی کے بعضور سے نکال کر فوراً ہی آگ میں منتقل کر دیے گئے۔
وہ آگ برزخیہ ہے تمسک اصحابنا فی اثبات عذاب القبر (تفسیر کبیر) عذاب قبر کے اثبات میں ہمارے اہلسنت کے نزدیک یہ آیت بھی ایک دلیل ہے اور آخرت کا عذاب یہاں سے مراد نہیں ہو سکتا (جیسے منکرین عذاب قبر کہتے ہیں) کیونکہ ف کا مفہوم ضائع ہو جاتا ہے تدل علی انہ حصلت تلک الحالۃ عقیب الاغراق فلا یمکن حملها علی عذاب الاٰخرۃ والا بطلت دلالۃ ھذہ الفاء (تفسیر کبیر) والفاء للایذان بان بعضہم بانہم عذبوا بالاحراق عقیب الاغراق فیکون دلیلا علی عذاب القبر (مدارک) کشف الرحمٰن منیر ص۹۱۵ میں ہے یعنی نوح کی بدکردار قوم اپنے گناہوں کے سبب آخر کار پانی میں غرق کی گئی اور برزخی نار میں داخل کر دی گئی الخیالی ص۱۱۸ میں اس قرآنی آیت کے بعد فرمایا وجہ الاستدلال ان الفاء للتعقیب من غیر تراخ یعنی ف بتا رہی ہے کہ غرق کے متصل بعد آگ میں جلے گئے۔ نبراس کمال میں ہے: یعنی ان الفاء یدال علی ان ادخال النار عقیب الاغراق متحقق بلا مہلۃ.... فقد ثبت عذاب بعد الموت قبل عذاب القیامۃ وھو المراد بعذاب القبر یعنی ف بتاتی ہے کہ پانی میں غرق ہونے کے فوراً بعد بلا مہلت آگ میں داخل کیے گئے۔
پس مرنے کے بعد قیامت سے پہلے عذاب کا ثبوت ہو گیا اور عذاب قبر سے یہی عذاب مراد ہے (اس حسی گڑھے میں خواہ مخواہ عذاب ہونے کا نام عذاب قبر نہیں۔ جیسے قوم نوح کی قبر کسی نے نہیں کھودی۔ اور عصام الدین اسفرائنی نے بھی یہی فرمایا لان عذاب القبر ھو العذاب بعد الموت وقبل البعث (ص۲۰۳) عصام اور عبدالحکیم نے بھی اپنے حاشیہ ص۱۳۱ میں یہی فرمایا کہ فقد ثبت عذاب بعد الموت قبل یوم القیامۃ وھو المراد بعذاب القبر، نیز عبدالحکیمؒ وغیرہ کا لفظ ادخال النار صاف بتا رہا ہے کہ پانی سے نکل گئے۔ پھر آگ میں فوراً داخل کیے گئے جیسے بعض نے سمجھ رکھا ہے کہ پانی ہی میں ان کے بدن غرق ہوئے اور اسی پانی ہی میں آگ انہیں محسوس ہو رہی ہے یعنی یہی پانی ان کے لیے آگ ہے۔

لیکن یہ مفہوم غلط ہے اس لیے کہ قرآن پاک میں فرمان ہے فَاُدْخِلُوْا نَارًا اور ادخال دخول سے ہے اور دخول کے معنی ہیں انفصال من خارج الی داخل باہر سے الگ ہو کر اندر کی طرف کو ہو جانا تو جب تک اس پانی سے الگ نہ ہوں گے جس میں وہ غرق ہوئے ہیں اس وقت تک دخول فی النار کا لفظ صادق نہیں آسکتا اور قرآن پاک عرف عرب میں نازل ہوا ہے تو اس عرف میں یہی معنی ہیں دخول کے تو مطلب یہ ہوا کہ جب ان کے ابدان پر پانی غالب آگیا تو ابدان پانی میں پڑے اور ان کے ارواح ان ابدان کو چھوڑ کر نکلے اور فوراً برزخ کی آگ میں داخل ہو گئے۔

نیز فَاُدْخِلُوْا ماضی کا صیغہ ہے جس طرح اُغْرِقُوْا ماضی کا صیغہ ہے تو جس طرح غرق اس قوم کا عہد نوح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہونے سے ہزاروں سال پہلے کا ہو چکا ہے اور اب تک برزخی آگ میں جل رہے ہیں اور بعث تک اسی برزخی آگ میں جلتے رہیں گے۔ تو اسی آیت سے عذاب قبر پر استدلال دوسرے طریق سے بھی ہوا۔ اور اس طرز استدلال کو سامنے رکھیں تو اگر بالفرض ف کی جگہ و بھی ہوتی، عذاب قبر اس آیت سے پھر بھی ثابت ہو جاتا۔ اب ف کی صورت میں عذاب قبر کا اثبات زیادہ پر زور طریق سے ثابت ہو گیا وللہ الحمد۔

اسی طرح عذاب قبر کا ثبوت سورۂ مومن کی آیت النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب سے ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں وہ (برزخی) آگ ایسی ہے کہ ان فرعونیوں کو اب بھی صبح و شام اس آگ کے سامنے لایا جاتا ہے اور جس دن کہ قیامت قائم ہو گی اس دن تو خدا کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ فرعونیوں کو نہایت ہی سخت عذاب میں داخل کر دو۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: یہ عالم قبر کا حال ہے کافر کو اس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے اور قیامت کو اس میں بیٹھے گا اور مومن کو بہشت۔

کشف الرحمن ص۳۵۵ میں ہے "عالم برزخ کی مختلف کیفیات کا ذکر ہے۔ کافر کی روح صبح و شام دوزخ پر حاضر کی جاتی ہے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ حضرت قتادہؒ

مقاتل، کلبی اور سدی کا یہی قول ہے جصاص نے احکام القرآن ج ۳ ص میں فرمایا دل علی ان المراد الناس یعرضون علیہا قبل القیامۃ یعنی یہ آیت بتارہی ہے کہ قبل القیامت جو آگ ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے وہی یہاں مراد ہے۔ نیز کہا ہذہ الآیۃ تدل علی عذاب القبر، یہ آیت عذاب القبر کی دلیل ہے (معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ہونے والے عذاب کا نام عذاب قبر ہے) مدارک ج ۴ ص ۵۵ میں ہے ہذہ الآیۃ دلیل علی عذاب القبر۔ تفسیر احمدی ص ۶۴۸ میں ہے ھذہ الآیۃ تمسک بہا اھل السنۃ فی اثبات عذاب القبر صرح بذلک فی علم الکلام وکتب التفاسیر جمیعًا اثبات عذاب قبر میں یہ آیت بہ تصریح علماء عقائد و تفسیر کے اہل سنت کی دلیل ہے۔ تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۳ میں ہے احتج اصحابنا بھذہ الآیۃ علی اثبات عذاب القبر نیز کہا۔ ذلک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق ھؤلاء وانما ثبت فی حقھم ثبت فی حق غیرھم لانہ لا قائل بالفارق یعنی فرعونیوں کے عذاب قبر کے بارے میں جب یہ آیت دلیل ہوئی تو دوسرے کافروں کے بارے میں بھی عذاب قبر ثابت ہوگیا کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو فرعونیوں کے عذاب قبر کا قائل ہو اور دوسرے کافروں کے عذاب قبر کا قائل نہ ہو۔ قرطبی نے کہا ہے کفار کا آگ کے سامنے پیش ہونا عالم برزخ میں ہے ... عند الجمہور والجمہور علی ان ہذا العذاب فی البرزخ بیضاوی ص ۳۵۶ نے کہا ہے وفیہ دلیل علی بقاء النفس وعذاب البرزخ یعنی اس آیت میں دلیل اس امر کی ہے کہ نفس (جسد عنصری سے نکل جانے کے بعد بھی) باقی رہتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ نیز عذاب برزخ پہ بھی دلیل ہے۔ ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱ نے لکھا ہے ھذہ الآیۃ اصل کبیر فی استدلال اھل السنۃ علی عذاب البرزخ فی القبور، یہ آیت بڑی دلیل ہے اہل السنۃ کی کہ قبروں میں عذاب برزخ ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قبر سے یہ گڑھے کھودے ہوئے گڑھے مراد نہیں کیونکہ فرعونیوں کی قبریں کسی نے نہیں کھودیں۔ دیکھیے خود فرعون جو اس قوم کا سرغنہ تھا، اس کی قبر نہیں ہے بلکہ وہ یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کے بارے نص صریح موجود ہے۔ جیسے مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے دیا بیہ آیت اثبات قبر و وجود برزخ میں ایک نص صریح ہے۔

اور اس آیت سے پہلے ہے وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ (آل فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا) یہ بھی بصیغۂ ماضی ذکر فرمایا جو صریح دلیل اس امر کی ہے کہ آنحضور کے سامنے خطاب سے ہزاروں سال پہلے ہی سے فرعونی موذی عذاب میں گھرے ہوئے ہیں اور اب تک گھرے ہوئے ہیں اور بعثت تک گھرے رہیں گے کیونکہ یُعْرَضُونَ مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور غُدُوًّا وَعَشِيًّا سے مراد بعض علماء نے کنایۃً دوام لیا ہے وہ بھی اسی کے مؤید ہے۔ جیسے مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے معنی کیے ما دامت الدنیا یعنی رہتی دنیا تک یہ برزخی عذاب ان کو مسلسل ہوتا رہیگا۔

اور عرض علی النار کی تشریح بزبان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و ہذیل بن شرحبیلؒ و کعبؒ و عبداللہ بن عباسؓ و ام کبشہ بنت معرورؓ و ابو قبیصؒ وغیرہ یہی ہے کہ ان کی ارواح سیاہ رنگ کے پرندوں کے قالب میں رکھ کر آگ میں پیش کرتے رہتے ہیں (اکلیل ص ۲۵۱ و روح المعانی پ ۲۴ ص ۶۵۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ و ابن جریر پ ۲۶ ص ۴۲ و سامرہ ص ۲۲۶ و ابن کثیر ص ۳۰۱ و الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۶۲)

تفسیر ابن کثیر پ ۲۴ ص ۲۹۹ میں ہے سوء العذاب وھو الغرق فی الیم. ثم النقلۃ الی الجحیم یعنی سوء العذاب سے مراد غرق ہے اور غرق کے بعد دوزخ (برزخی) کی طرف منتقل ہونا اور جس چیز سے انتقال ہوتا ہے دوسری چیز کی طرف تو اس پہلی چیز میں وہ چیز منتقل ہونے والی نہیں رہتی جیسے محیل کے ذمے سے دَین منتقل ہو کر محتال علیہ کے ذمہ پر چڑھ جاتا ہے تو وہ قرض محیل کے ذمے نہیں رہتا جیسے ہمارے حنفیہ کا مسلک صاحب ہدایہ نے ص ۱۰۳ ج ۳ میں بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی جسم تو غرق ہونے کے بعد گو سمندر میں رہا مگر روح جسم سے نکل کر برزخی دوزخ کی طرف منتقل ہو گئی اگر جسم میں مُدغم رہے تو لفظ کا اطلاق درست نہیں رہتا (حتی انتقل من الذمۃ لا یبقی فیہا

یعنی قرضہ جب ایک ذمہ سے منتقل ہو تو اس ذمہ میں باقی نہیں رہے گا۔

جامع البیان ص ۴۰۶ قولہ النار یعرضون علیہا الخ وہذہ الآیۃ اصل فی استدلال عذاب القبر نیشاپوری ص ۴۸ پ ۲۴ وفی الآیۃ دلالۃ علی اثبات عذاب القبر وفی تفسیر جلالین ص ۳۹۴ ویستدل بہذہ الآیۃ علی اثبات عذاب القبر بخاری ص ۱۸۳ باب عذاب القبر وقولہ وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون الآیۃ وفی شرحہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ قال مقاتل تعرض روح کل کافر علی منازلہم فی النار کل یوم مرتین۔ مقاتل نے کہا ہر کافر کی روح دن میں دو بار جہنم کی آگ پر پیش کی جاتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص ۸۱ ج ۴ میں ہے فان ارواحہم تعرض علی النار صباحا و مساءً الی قیام الساعۃ فاذا کان یوم القیامۃ اجتمعت ارواحہم واجسادہم فی النار ولہذا قال ادخلوا آل فرعون اشد العذاب ای اشد الما وعظمہ نکالا آل فرعون کے ارواح صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں تا قیام قیامت قیامت کے دن بدن اور روح جمع ہو کر معذب ہوں گے۔ یہی اشد العذاب ہے۔

فتح القدیر للشوکانی ج ۴ ص ۴۸۱ استدل بہ من قال ان ارواح الکفار بعد مفارقۃ البدن مقرہا النار۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ارواح کفار بعد از مرگ آگ میں جلے جاتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اس کے ساتھ لکھا۔

وفی العجائب للکرمانی فی ہذہ الآیۃ ادل دلیل علی عذاب القبر عجائب کرمانی میں ہے کہ اس آیت میں عذاب قبر پر بڑی دلیل ہے۔

وفی الفتح الربانی ص ۳۹ وذہب الجمہور الی ان ہذا العرض ہو فی البرزخ وقال الامام مالک رحمہ اللہ بلغنی ان الروح مرسلۃ فی البرزخ من الارض تذہب حیث شاءت وہو قول سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ والبرزخ ہو الحاجز بین الشیئین فکانہ ارض بین الدنیا والآخرۃ وہو قول قوی فانہا فارقت الدنیا ولم تدخل الآخرۃ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں جو عرض ارواح آیا ہے وہ برزخ میں ہوتا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ارواح برزخ میں پھرتی رہتی ہیں۔۔۔

برزخ اصل میں پردہ کا نام ہے جو دنیا اور آخرت میں حائل ہے۔ روح دنیا سے تو چلی گئی اور ابھی آخرت میں نہیں گئی، درمیان میں ہے جو برزخ ہے اللہ بہی قول قوی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم ص ۲۵ میں لکھا "سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ یہ امر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لوگوں کے دلوں میں کئی تشویشیں پھیل گئیں، بعض خیال کرنے لگے کہ یہ موت نہیں بلکہ ایک حالت ہے جو وحی کے وقت آپ پر طاری ہوتی ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ موت مرتبہ نبوت کے منافی ہے۔ اور جو لوگ نفاق پیشہ تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ دین اسلام کو درہم برہم کر دیں۔ حضرت صدیقؓ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے چہرۂ مبارک سے چادر اٹھا کر معلوم کیا کہ آپ نے اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا اس کے بعد حضرت صدیقؓ کلمات حیات فرسا مثل وا نبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ وغیرہ کہتے ہوئے مسجد میں آئے اور ایک بلیغ خطبہ کہا۔"

اسی طرح قرآن کریم کی دیگر آیات سے بھی عذاب و ثواب کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد بعث سے پہلے ہوتا ہے جیسے بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ اور قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ، وقیل ادخلا النار، قال ادخلوا فی امم .... فی النار

اسی متواتر احادیث سے قبر کا عذاب و ثواب ہے، اکثرت سے صحابہؓ اس کو بیان کرتے ہیں، مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، امام عمرؓ، امام علیؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابو بکرہؓ، مسلم بن ابی بکرہؓ، زید بن ارقمؓ، ابو اسعد السائب، ابو مسعود، انسؓ بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، خالد بن عرفطہ، سلیمان بن صردؓ، براء بن عازبؓ، ابو سعید خدریؓ، فضالہ بن عبید، عقبہ بن عامرؓ، ابو برزہؓ، ابو امامہؓ، زید بن خالدؓ، ذکل بجیشیؓ، وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام صحابہ تابعین و تبع تابعین کا اس پر اجماع ہے جبھی بہت سے علماء نے بعد الموت عذاب و ثواب کے منکر پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ مگر مع ہذا معتزلہ کو کسی نے کافر نہیں کہا۔ معلوم ہوا

کہ معتزلہ بعد الموت عذاب و ثواب کے منکر نہیں ہیں اسی لیے سید محمد انور شاہ صاحب نے
بھی کہ بشر مریسی و ضرار بن عمر کے بارے کہا کہ جب تک ان کی عبارت نہ پڑھوں
میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ہاں اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ عذاب و ثواب قبر کہاں ہوتا ہے۔ سو اس بات
کو سمجھنے کے لیے روح کا مقام معلوم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جماد کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ فرقی
(بے جان) کو عذاب ہونے کے قول کو علمائے عقائد نے سفسطہ کہا ہے کیونکہ جماد کو حس نہیں
ہوتی۔ بعض نے کہا روح جسد عنصری میں لوٹ آتی ہے۔ بعض نے کہا جسد و کفن کے
درمیان رکھی جاتی ہے۔ بعض نے کہا فناء قبر پر رہتی ہے۔ بعض نے کہا مقام روح علیین
ہے یا سجین۔ یہی قول احق و اسلم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کے لیے الافراح
فی مقام الارواح کا مطالعہ کریں۔

براء بن عازبؓ کی حدیث جو یُعَادُ رُوحُہٗ فی جسدہٖ کے معارض ہے

براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسول مقبول صلی اللہ علیہ
وسلم کی وفات ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ان کے لیے ایک
دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے (صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۵)

متبلوی کہتا ہے کہ اصولی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیمؑ قبر عرفی میں نہیں ہیں بلکہ
جیسے مرضعہ (دودھ پلانے والی دائی) جنت میں ہے ایسے ہی حضرت ابراہیمؑ بھی جنت
میں ہیں۔ کیونکہ دودھ پلانا اصولی قاعدہ کے مطابق فعل متعدی ہے اور فعل متعدی ہو۔ تو
مفعول کا ظرف کے مصداق میں ہونا ضروری ہے۔

یہ روایت بھی براء بن عازبؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس طرح ردّ روح کی
روایت کے معنی علی تقدیر صحۃ الحدیث ایسے کریں گے جو اس مرکزی حدیث کے خلاف
نہ ہوں۔

اور اس حدیث میں حضرت براءؓ کے تلمیذ عدی بن ثابت ہے جو غالی شیعہ ہے

مگر یہ حدیث اس لیے مقبول ہے کہ اس سے اس کے مذہب کی تائید کسی طرح نہیں ہوتی۔

اُصُولی قاعدہ

اصول شاشی ص ۶۱ میں رقی کی بحث میں اصولی قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ علماء حنفیہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی فعل پر قسم کھائی اور اس فعل کو زمان یا مکان کی طرف مضاف کیا تو وہ فعل اگر ایسا ہے کہ اس کا اثر فاعل پر تمام ہوجاتا ہے تو اس زمان و مکان میں فاعل کا ہونا شرط ہے اور اگر فعل متعدی ہے یعنی اس کا اثر مفعول کی طرف پہنچتا ہے تو اس مفعول کا اس زمان و مکان میں ہونا شرط ہے۔ کیونکہ فعل اپنے اثر سے پایا جاتا ہے اور اس کا اثر محل (مفعول) میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اثر میں اختلاف پیدا ہوجانے سے فعل کا نام بدل جاتا ہے۔ مثلاً اینٹ مارنے سے کسی کو صدمہ پہنچے تو اس اثر کی وجہ سے یہ فعل چوٹ کہلائے گا۔ اور اگر اینٹ سے زخم پیدا ہوجائے تو اس اثر کی وجہ سے وہ فعل گھاؤ کہلائے گا اور اینٹ لگنے سے دم نکل جائے تو وہ فعل قتل کہلائے گا اور جب کہ اثر میں اختلاف کی وجہ سے ایک فعل مختلف ہوگیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ فعل کا نام اس معنی کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے جو محل سے مختص ہوتا ہے اسی زمان و مکان کی رعایت، محل (مفعول) کے حق میں کی جاتی ہے۔

فعل لازم کی مثال یہ ہے کہ کسی نے دوسرے کو کہا کہ اگر میں تجھے مسجد میں گالی دوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ اس صورت میں اگر مسجد میں داخل ہوکر گالی دی اور جس کو گالی دی وہ مسجد سے باہر ہو تو حانث ہوجائیگا اور گالی دینے والے کا غلام آزاد ہوجائے گا اور اگر گالی دینے والا مسجد سے باہر ہے اور جس کو گالی دی وہ مسجد کے اندر ہے تو گالی دینے والا حانث نہ ہوگا اور اس کا غلام آزاد نہ ہوگا۔

فعل متعدی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے دوسرے کو کہا کہ اگر میں تجھے مسجد میں نہ ماروں یا تیرا سر زخمی نہ کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔" تو اس صورت میں مضروب و مشجوج (یعنی جس کو مار گیا ہے یا جس کا سر زخمی کیا ہے اس کا مسجد میں ہونا حانث ہونے کیلئے شرط ہے۔ مارنے

والے اور سر زخمی کرنے والے کا مسجد میں ہونا شرط نہیں۔ اب اگر مضروب و مشجوج مسجد میں تھا تو ضارب و شاج کا غلام آزاد ہو جائے گا خواہ ضارب و شاج مسجد میں ہو خواہ مسجد سے باہر اور اگر مضروب و مشجوج مسجد سے باہر تھا تو ضارب و شاج کا غلام آزاد ہو گا۔

اب اس قاعدۂ اصولیہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت میں تشریف فرما ہیں، تبھی جنت کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) جنت میں ہی آپ کو دودھ پلا رہی ہیں، کیونکہ دودھ پلانا فعل متعدی ہے جس کا اثر محل (مفعول) پر پڑتا ہے کہ وہ دودھ پیتے ہیں اور دودھ پینے کا اثر ان میں ہوتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم کی رُوح مبارک کا جنت میں ہونا مع اجزاء اصلیہ کے ضروری ہوا۔ گو غیر ضروری یعنی غیر اصلی اجزاء جنت میں نہ ہوں بلکہ معروف قبر میں ہوں۔

ایک فقہی مسئلہ

اس جسدِ عنصری ہی میں بعد از دفن دوبارہ رُوح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہو جانا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی، حالانکہ خصم کو مسلم ہے کہ دفنِ میت کے فوراً بعد روح واپس اس جسدِ عنصری میں داخل کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موافق حدیث متفق علیہ کے میت واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور یہ بھی سب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی بلکہ اگر کسی کے پاؤں کی طرف سے رُوح نکل چکی ہے اور گلے میں رُوح آکر اٹک گئی ہے، باقی سارا بدن بے حس و حرکت ہو چکا ہے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اسی طرح مرضِ سکتہ والے کو میت سمجھ کر نہلا دیا گیا ہو اور اس کو کفن بھی دیا جا چکا ہو۔ اب نمازِ جنازہ کی تیاری کی جا رہی ہو، اچانک اس سکتہ کے مریض میں حرکت محسوس ہوتی ہو تو جنازہ پڑھنا روک دیا جائے گا کیونکہ اس میں رُوح ہے یہ زندہ ہے اور نمازِ جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے۔ نہ زندہ پر۔ اب اگر تسلیم کر لیا جائے کہ بعد از دفن جسد عنصری میں رُوح واپس آ جاتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر نمازِ جنازہ ادا :

فرماتے کیونکہ واپس آنے کی وجہ سے اب وہ زندہ ہوچکا ہے اور زندہ کا جنازہ نہیں ہوتا

دوسری دلیل یہ ہے کہ فقہ کی ہر کتاب میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جس میت کو نماز جنازہ پڑھنے کے بغیر ہی دفن کردیا گیا ہو تو جب تک احتمال اس کے پھٹنے کا نہ ہو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے اور اگر غالب گمان ہے کہ میت کا جسم پھٹ رہا ہوگا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

اگر اس جسد عنصری میں عود رُوح کا مسئلہ صحیح ہوتا تو فقہاء جواز نماز جنازہ کے لیے عدم تفسخ کی شرط نہ لگاتے بلکہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کردیتے۔ کیونکہ دفن کے بعد جسم عنصری میں روح واپس آجاتی ہے جس کی وجہ سے میت میت نہیں رہتا بلکہ زندہ ہو جاتا ہے اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی لہٰذا دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

لیکن سب فقہاء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جس میت کو نماز جنازہ پڑھنے کے بغیر دفن کیا گیا ہو تو قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے بشرطیکہ میت پھٹا نہ ہو اور پھٹ جانے کے بعد نماز جنازہ قبر پر نہ پڑھی جائے۔ معلوم ہوا کہ اس جسد عنصری میں رُوح واپس نہیں آتی اور جن علماء نے عودِ رُوح لکھا ہے اس سے سارا جسم مراد نہیں بلکہ علیٰ سبیل المجاز بعض حصہ جسم کا مراد ہے جس طرح یجعلون اصابعھم فی اذانھم میں اصابع بول کر انامل مراد لیے گئے ہیں اسی طرح یہاں جسد بول کر اس کی وہ اجزاء اصلیہ مراد لیے گئے ہیں جو عالم ارواح میں تھے اور ان میں عقل و شعور اور فہم مکمل تھا، زبان کان وغیرہ تھے۔

آیۃ قرآن سے اشارہ کہ قبر میں بغیر روح کے محض مردہ جسم ہوتا ہے

اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ، متن: قبروں سے انسان اٹھائے جائیں گے (جو ذوی العقول ہیں، ما کا لفظ کیوں لایا؟ جواب: ابوالسعودؒ نے کہا کہ انسان عاقل تو دنیا کی زندگی تک تھا اور قبر میں فقط مردہ جسم ہے اس لیے ما سے تعبیر کیا

شہداء کی ارواح بھی ان کے اجسادِ عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سالوں کے بعد شہداءِ احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی یہی مسلک علماءِ حنفیہ کا ہے اور شوافع جو شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں ان کو ہمارے علمائے حنفیہ کی طرف سے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداءِ احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ زندہ پر۔ اگر جسدِ عنصری میں روح واپس آنے کا مسئلہ صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں پر نماز پڑھی؟ ہرگز نہیں! ۔ دنیا کے اعتبار سے شہداء اموات میں داخل ہیں، اسی لیے ان پر نماز جنازہ عند الاحناف پڑھی جاتی ہے، لحد بنا کر ان کو دفن کیا جاتا ہے قبر کو مسنم بنایا جاتا ہے اس پر پانی چھڑکا جاتا ہے اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان کی بیویاں عدتِ وفات بیٹھتی ہیں۔ مضی عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔

بلکہ انبیاء کرام کی ارواحِ طیبہ بھی ان کے اجسادِ عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیال نبیؑ کی نعش مبارک ملی جو لوگ وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی کسی عضو کی ہیئت وصورت میں فرق نہیں آیا تھا اور..... ابو موسیٰؓ نے بھی ان کی نسبت حضرت عمرؓ کو خط لکھا، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر نماز پڑھ کر دفن کردو، ابو موسیٰ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل وکفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کی نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرا دیا، تاکہ لوگ ان کو پھر نہ نکالیں، جیسے حضرت سید احمد حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "حیاتِ خضر" کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے۔

یہ ہیں حضرت خلیفۂ ثانی امامنا و امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جن کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعل الحق علیٰ لسان عمرؓ اور متعدد آیات ان کی رائے عالی کے موافق نازل ہوئی تھیں، اس ہستی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو بیر کے پتوں اور خوشبودار پانی سے غسل دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر خدا علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غسل دو اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر خدا علیہ السلام کو کفن دو اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح پیغمبر خدا علیہ السلام پر بھی نماز پڑھو جس طرح میت کے لیے زمین میں لحد کھود کر دفن کیا جاتا ہے اسی طرح پیغمبر خدا علیہ السلام کے لیے زمین میں لحد کھود کر دفن کر دو۔

اگر یہ بات صحیح ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام قبض روح کے بعد دوبارہ زندہ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کے اجساد عنصریہ میں باقاعدہ روح واپس لا کر دنیا کی طرح زندگی عطا فرمائی جاتی ہے۔ تو اتنے بڑے اولوالعزم دین سے باخبر مجتہد اعظم امام عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صریح صاف اور صحیح اور متواتر حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے ایک پیغمبر خدا علیہ السلام کے ساتھ اموات والا معاملہ کرنے (نہلانے، کفنانے، دفن کرنے) کا حکم کیونکر دیا؟ پھر جس کو حکم دیا وہ سپہ سالار بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے دوبارہ استفسار نہیں فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! دانیال علیہ السلام تو پیغمبر خدا ہیں اور پیغمبروں کی روح جب قبض ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی روح مبارک کو واپس جسد عنصری میں لوٹا کر زندہ کر دیا کرتا ہے وہ تو زندہ ہیں اگرچہ ہماری حس اس کا ادراک نہیں کر سکتی، آپ نے ان کے بارے غسل، کفن اور دفن کا حکم کیسے فرما دیا۔ پھر اس فوج میں ہزاروں نہیں، تو سینکڑوں کی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ ان میں سے ایک صحابی رضؓ نے بھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی بلکہ سب نے اس حکم کی تعمیل کی اور سب نے خیر و برکت کے اس کام میں شمولیت فرمائی۔

تو اس طرزِ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات تو تسلیم کرتے تھے، مگر دنیوی حیات کے قائل

نہ تھے بلکہ دنیا کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام کو اموات ہی میں داخل سمجھتے تھے۔
یہی وجہ ہے کہ انہوں نے غسل، کفن، دفن میں دانیال پیغمبر کے ساتھ اموات والا برتاؤ
کیا۔ نیز یہ بھی سمجھا دیا کہ رد روح کا یہ مفہوم نہیں کہ جسد عنصری میں دوبارہ روح واپس
کر دی جاتی ہے۔

حضرت بنوریؒ کی تقریظ پر ردِ روح کے بارے ایک نظر

تسکین ص ۲۴۳ میں کہا روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں۔ فی حالۃ الجنین
بعد الولادۃ فی الدنیا (اور اس کی دو صورتیں ہیں، حالت نوم اور حالت یقظہ) بعد الموت
فی البرزخ، بعد البعث فی الحشر۔ ضعیف ترین اول و رابع ہے قوی ترین خامس اور
متوسط دنیوی الخ: پیٹ میں بچہ نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا نہ بولتا نہ سمجھتا ہے کیونکہ روح
کا تعلق ضعیف ترین ہے اور بعد الموت فی البرزخ بھی روح کا تعلق ضعیف ترین ہو
جاتا ہے اب وہ کس طرح سنتا دیکھتا بولتا سمجھتا ہے جب کہ متوسط تعلق والا دنیوی زندگی
والا بس پردہ دیکھ نہیں سکتا اور زیر زمین بیٹھ کر زمین سے اوپر والے کی آواز نہیں سن
سکتا۔ اگر استدلال حدیثوں سے ہے تو حدیثوں کی رو سے اضعفیۃ تعلق کا قول ترک کر دو
پھر یہ اضعفیت تعلق سب کے لیے ہے یا انبیاء و شہداء مستثنیٰ ہیں، اگر مستثنیٰ ہیں تو ان
کا ذکر ضروری تھا، خصوصاً افحام خصم کے لیے ورنہ کہنا پڑے گا کہ آپ بھی بعد الموت برزخ
میں انبیاء و شہداء کے ارواح کا تعلق ضعیف مانتے ہیں۔

پیرِ طریقتؒ کی تحقیق انیق

ہمارے پیر و مرشد سیدی سندی مفسر و محدث محقق و مدقق منذر الناس فی
الاخفاف حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ کافیۃ وافیۃ نے
اپنی تحریرات میں عود روح کے بارے صاف طور پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے قول کی
صریح تردید فرمائی وما فی المرقاۃ فلیس بشیء ولم یقبلہ احد ولم یعتد بہ

یعنی عود روح وغیرہ کے متعلق جو تقریر ملا علی قاری رح کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں موجود ہے وہ کچھ نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے اور نہ یہ معتبر ہے اور اس سے پہلے لکھا واما العود الی الجسد فھو اما من الرواۃ او المعنی العود الی جزء من الجسد الذی ھو النفس کما قالہ صاحب الخازن کما فی قوت المغتذی علی جامع الترمذی یعنی یہ کہنا کہ قبر میں روح واپس جسم کی طرف آجاتی ہے یا تو راویوں کی طرف سے ان کے فہم کے مطابق اپنا تصرف ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم انسان کا وہ جز جس کو نفس کہتے ہیں اس کی طرف روح انسانی عود کرتی ہے جیسے خازن والے نے کہا ہے چنانچہ جامع ترمذی کی شرح قوت المغتذی میں ایسا ہی ہے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں فالقول الثابت ان اجزاء البدن من المیت لاسماع لھا ولا شعور والفرح والسرور فی البرزخ نعم قد یری اشیاء من القبور ویسمع الاصوات علی خرق العادات (تحریرات الحدیث ص۲۱۰) پس پختہ بات یہی ہے کہ میت کے بدن کے اجزاء کا نہ سماع ہے اور نہ ہی ان کو کسی طرح کا شعور ہے۔ اور خوشی اور سرور تو برزخ میں اس کی روح کو حاصل ہوتی ہے۔ ہاں کبھی کبھی جو چیزیں کہ قبروں میں نظر آجاتی ہیں یا وہاں سے آوازیں سنائی دیتی ہیں وہ سب خرقِ عادت کے طور پر ہوتی ہیں جن پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

جسدِ عنصری کی طرف روح کا عود تواتر سے ثابت ہے؟

پھر تواتر تو کیا ہوتا جب کہ عودِ روح کی حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ یہ علماء اس مسئلہ میں تردد نہ کرتے چنانچہ جذب القلوب ص ۱۸۶ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے فرمایا: "بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند و تلازم روح وحیات را منع نمودہ"

قرۃ العینین ص ۵۹۵ میں ہے ومنع کثیر من الاشاعرۃ والحنفیۃ اعادۃ الروح الیہ وقالوا لا تلازم بین الروح والحیوۃ الاتی لعادۃ۔

روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۷ میں ہے جب تک اللہ کو منظور ہوگا جسد سے روح جدا رہے گی پھر قیامت کو جسد کی طرف واپس آئے گی پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام میں یا عذاب میں جسد کے ساتھ ہی رہے گی۔

دُکھ سُکھ روح کو اور جسد کے ایک جزو کو ہوتا ہے جس میں روح رہتی ہے اور یہ کوئی محال نہیں کہ اس جزو کو خدا پرندہ بنا دے یا پرندے کے قالب میں رکھ دے اس میں جنت کی سیر کرے اور قنادیل تک ٹھکانا پکڑ لے۔

حدیث عودِ روح کو متواتر کہنا غلط ہے

تسکین الصدور طبع اول ص ۵۵ میں ابن تیمیہؒ و صدیق حسن خانؒ کے حوالے سے عودِ روح کی حدیث کو متواتر کہا اور دلیل میں براء ابن عازبؓ کی حدیث ذکر فرمائی اس کی تصحیح پر زور لگایا پھر تین شواہد بھی ذکر فرمائے ایک ابن عباسؓ سے دوسرا ابو ہریرہؓ سے تیسرا جابرؓ سے۔

الجواب

قطع نظر اس کے کہ سنداً یہ حدیثیں کیسی ہیں اور قطع نظر اس کے کہ یہ احادیث ایک دوسری کی مؤید ہیں یا معارض، اور قطع نظر اس کے کہ آیات قرآنیہ کے موافق ہیں یا مخالف علمائے اسلام کا اس میں بہت اختلاف ہے

مذہب نمبر ۱: بعض علماء فرماتے ہیں کہ سوال کے وقت (سوال نکیرین کے وقت) روح جسم کی طرف واپس آجاتی ہے اور اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں الاحادیث متواترۃ علی عود الروح الی البدن وقت السؤال (شرح الصدور ص ۵۸)

یہی قول ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، سیوطیؒ اور نواب صدیق حسن خان کا

مذہب نمبر ۲: بعض علماء بالکل اس کے برعکس لکھتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ملتی کہ نکیرین کے سوال کے وقت روحیں مجردوں کے اجساد عنصریہ کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں کتحریات قطع عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خبر صحیح ان الارواح الموتی ترد الی اجسادھم عند المسالۃ (کتاب الروح ص ۶۵) یہی قول ہے ابن حزم ظاہریؒ، ابن عقیلؒ، ابن جوزیؒ، ابن میسرہ کا اور ابن قیمؒ کی بعض روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو شرح الصدور۔

یاد رہے کہ ابن حزم ظاہریؒ اہل بدعت سے نہیں جیسے آج کے بعض علماء دیوبند سمجھے ہوئے ہیں، آج تک کسی نے ان کو اہل بدعت نہیں لکھا حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ قلمی ورق ۲۹۰ کے دوسرے صفحہ میں ابن حزمؒ کو علمائے اہلسنت میں سے شمار کیا ہے۔ نیز دیکھو فیض الباری ص۴۹۲

نیز کتاب الروح کی عبارت بالا سے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ اس گروہ کا قول عود روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ سوال روح سے ہوتا ہے اعادۂ روح پر تو اتر بہرحال موجود ہے۔ وہ لوگ عبارت میں غور کریں جو اپنے مطلب میں واضح ہے۔ نیز جو لوگ کہتے ہیں کہ سوال صرف بدن سے ہوتا ہے وہ علیحدہ گروہ ہے چنانچہ شرح الصدور ص ۷۵ میں ہے کہ

مذہب نمبر ۳: ابن زاغونی، ابن جریر طبری، اور فرقہ کرامیہ اسی بات کے قائل ہیں کہ بغیر اعادہ روح کے صرف بدن سے سوال ہوتا ہے۔

مذہب نمبر ۴: حضرت ابن عبدالبرؒ کا خیال ہے کہ ارواح ان اجساد عنصریہ کے اندر داخل نہیں ہوتیں بلکہ قبور کے گرد رہتی ہیں (کتاب الروح)، لیکن اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوال روح سے ہوتا ہے جسم سے علیحدہ

طرفۃ اللباب، غیر مسلموں کا عقیدہ بھی سن لیں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ والے مکتوبات طیبات المعروف بہ مہر چشتیہ ص۲ میں لکھتے ہیں "بعض اہل ہنود کا مذہب یہ ہے کہ مردہ کی روح وفات کے بعد دنیا میں اپنے جسم عنصری کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے"

مذہب نمبر ۵: ہندو لوگ مردہ کو جلا دیتے ہیں اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مردہ کا جسم جل چکنے کے بعد بھی راکھ ہو کر جسم عنصری ہی ہے۔ جیسے آج کے علماء خاک راکھ

یا جزء بدن آکل ہو جانے کے بعد بھی جسم عنصری بدستور باقی ہونے کے قائل ہیں اگر ہندو لوگ مردہ کے جسم کو نہ جلاتے بلکہ دفن کرتے تو شاید وہ بھی ابن عبد البر کی طرح کہتے کہ مردہ کی روح مردہ کی قبر کے ارد گرد رہتی ہے۔

مذہب نمبر ۶: اور ایک ہے مذہب منصور جو مذہب ہے صحابہ کرام رض تابعین، خیر القرون، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، اور ان کے متبعین کا کہ ارواح کو ان کے اجساد عنصریہ کے ساتھ ماسوائے تعلق محبت کے کچھ تعلق نہیں رہتا۔

اس بدن عنصری میں تو قیامت کبریٰ ہی میں روح واپس آئے گی نہ اس سے پہلے چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ص ۴۴ میں فرمایا ثم ان سبحنہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبریٰ حتی ینضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ یعنی پھر اللہ تعالیٰ بروز قیامت روح کو بدن کی طرف واپس لوٹائیں گے حتیٰ کہ جسمانی احوال روحانی احوال کے ساتھ ضم ہو جائیں گے۔

مذہب نمبر ۷: ساتواں مسلک ایک اور بھی ہے جسے صاحب تسکین نے طبع اول کے ص ۷۰ میں تفسیر مظہری کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ بعض الاحادیث الصحاح تدل علی ان ارواح المومنین حتی الانبیاء وارواح الکفار کلھا فی القبور۔ بعض صحیح احادیث تمام ارواح کے قبروں میں ہونے پر دال ہیں خواہ مومنین وانبیاء کرامؑ کی ہوں خواہ کفار کی ہوں۔

نوٹ: نیلوی کہتا ہے کہ جب یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اس قول کو غلط کہنا چاہیے جو فتح الملہم وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تو علیین میں ہے مگر اس کا تعلق جسد عنصری سے ہے۔

اور قبروں کے اندر ارواح ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو بدن کے اندر کلاً یا بعضاً حلول کیے ہوئے ہیں یا بدن اور کفن کے درمیان روح رکھ دی جاتی ہے اور اس عبارت سے بظاہر تبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں حلول نہیں ہے البتہ قبر کے اندر ہے یعنی بدن اور کفن کے درمیان جیسے بعض کا قول ہے اور ابھی کہنے والا تا حال نہیں ملا کہ قبر کے

اندر ہو اور کفن سے باہر۔

الی صل مندرو مذہب کو چھوڑ کر جتنے مذاہب اوپر مذکور ہیں ان میں سے اہلسنت کے علماء بھی ہیں چنانچہ اوپر کچھ اشارہ کیا جا چکا ہے اور کرامیہ کا جو مسلک ہے وہ بھی بڑا بدمذہبوں کا نہیں بلکہ ابن جریر طبری مشہور مفسر اہلسنت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے غلطی لگ سکتی ہے مگر ہمارا مقصد اس بیان مذاہب سے ان کی تصویب کرنا یا تغلیط کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تسکین الصدور، شرح الصدور اور کتاب الروح میں ابن حزم کا یا ابن تیمیہ وغیرہ کا تواتر کا دعویٰ کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب خود اہلسنت کے علماء میں چھ قول پائے جاتے ہیں تو ایک قول پر سب اہلسنت کا اتفاق کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس بات کو جاہل بھی سمجھتے ہیں۔

ازالۂ وہم

جب مندرجہ بالا بات ناظرین سمجھ گئے۔ اب یہ کہنا کہ ابن عقیل اور ابن جوزی کا قول جہاں لکھا ہے وہاں وھو غلط کہہ کے اس کی تردید بھی کی گئی ہے جسے صاحب ندائے حق صفحۂ قرطاس سے چاٹ گیا ہے۔ یہ محض الزام ہے کیونکہ غلط کا لفظ نہ لکھنے سے اس کی تصویب نہیں ہوتی، ورنہ لازم آئے گا کہ جن لوگوں نے ابن تیمیہؒ اور ابن حزم کے دو متضاد قول نقل کیے ہیں اور وہاں وھو غلط کا لفظ کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں لکھا تو ان دونوں مذہبوں کو صحیح مان کر اجتماع نقیضین کو جو بالاتفاق محال ہے ممکن اور جائز ماننا ہوگا۔

ن یہ ہے کہ مذہب منصور بیان کرنا ہی خود تردید ہے باقی مذاہب کی جیسے بلغۃ الحیران ص ۵۰۷ میں معتزلہ کا مذہب بیان کیا اور ان کی توجیہ آیات بھی اور دلائل بھی بیان کیے اور اس کے بعد مذہب اہلسنت کا بتا کر ان کی توجیہ مختصراً بیان فرما دی۔ اسی طرح بلغۃ ص ۲۵۹ و ۲۶۰ میں معتزلہ کا مذہب بتانے کے بعد اہل سنت کا مذہب بتا دیا۔ اس سے مذہب معتزلہ کا بتا دینا اور اہلسنت کا بعد میں ذکر کرنا ہی معتزلہ کے مذہب کی تردید ہے جیسے کہ صاحب ہدایہ کی عادت مبارک ہے کہ مفتیٰ بہ مسلک کو

اخیر میں ذکر فرماتے ہیں۔ لیکن بریلویہ فرقہ اسے اعتراض کی شکل میں ہمیشہ سے پیش کرتے آرہے ہیں اور عوام کے ذہن میں یہ بات بٹھاتے ہیں کہ اگر یہ مذہب معتزلہ ان کے نزدیک غلط تھا تو اس کی تردید کرنا ضروری تھا، تو تردید نہ کرنا اس کے حق سمجھنے کی دلیل ہے حالانکہ ایک مقام پر تردید نہ کرنا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے مصنفین کئی مقامات پر ایسا کرتے رہتے ہیں جیسے پڑھنے پڑھانے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

الحاصل

بہرحال اگر اس اعادۂ روح الی الجسد العنصری پر تواتر ہوتا تو اس قدر اہلسنت کے مابین اختلاف نہ ہوتا۔

نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اس مسئلہ عود روح میں توقف نہ فرماتے اور نہ اشاعرہ وحنفیہ کو اس مسئلہ میں کوئی تردد ہوتا جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ جذب القلوب ص۱۶۹ میں فرماتے ہیں "بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادہ (ای اعادۂ روح بسوئے جسد عنصری) تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ"۔ یعنی روح کا جسد عنصری کی طرف واپس لوٹائے جانے میں بہت سے اشاعرہ (یعنی اہل سنت والجماعت کی دو اہم جماعتیں ماتریدیہ تلامذۂ ابومنصور ماتریدیؒ اور اشعریہ تلامذۂ ابوالحسن اشعریؒ) اور حنفی علماء کو تردد ہے اور روح اور حیات کو باہم لازم وملزوم ہونے کو بھی نہیں مانتے یعنی کہتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جہاں روح نہ ہو وہاں حیات بھی نہ ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جہاں حیات ہو تو وہاں ضرور روح بھی ہو۔ ورنہ تسلسل لازم آئیگا کہ روح کی روح ہو اور پھر روح الروح کی روح ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔

حوالہ صاحب قرۃ العین

نیز قرۃ العین ص۵۹۵ میں سوال وجواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں:

مسئل فی المیت اذا سئل بعد الموت نعود الیہ روحہ وتلابسہ ملابسۃ

حقیقیۃ حتی یرد الجواب کما فی کتب التوحید واعتقاد اھل السنۃ او تکون مجردۃ مماسۃ صوریۃ افتونا؟ اجاب اتفق اھل السنۃ علیٰ اِعَادَۃ الحیاۃ للمیت فی القبر (ای البرزخ) خلافا للکرامیۃ ومن وافقھم (فانھم قالوا بتعذیب الجماد) واختلفوا فی ھٰذہ الحیاۃ فقال بعضھم یخلق لہ حیوٰۃ کاملۃ کما قبل الموت وقال بعضھم حیاۃ بقدر ما یفھم بھا الخطاب ویقدر علی رد الجواب ویدرک الالم وھذا ھو الظاھر لان الضرورۃ تندفع بہ ومنع کثیر من الاشاعرۃ والحنفیۃ اعادۃ الروح الیہ وقالوا لا تلازم بین الروح والحیوٰۃ الا فی العادۃ۔ ومن الحنفیۃ من قال توضع فیہ الروح الیہ۔ لکن ھل تعود الی جمیع بدنہ؟ قیل نعم! وقال ابن حجر وظاھر الخبر تدل علی انھا تحل فی نصف المیت الاعلی فیسأل البدن وفیہ الروح وھو مذھب الجمھور۔

صاحب کشف المغالطات کا مغالطہ

مؤلف کشف المغالطات حوالوں کی کثرت دیکھ کر مرعوب ہو گئے انہوں نے مندرجہ ذیل سوال جواب لکھا:

سوال: نکیرین کے سوال کے وقت مرنے کے بعد اس میت کی طرف اس کی روح کیا واپس کردی جاتی ہے جس کا بدن کے ساتھ صحیح صحیح کا ملاپ ہو تاکہ میت نکیرین کے سوالات کا جواب دے سکے جیسے توحید کی کتابوں اور اہلسنت کے عقاید میں یہ بات ملتی ہے، یا کہ روح ایک مجرد چیز ہے جس کا صوری مس ہوتا ہے بدن کے ساتھ؟ بتاؤ!

جواب: تمام اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ قبر یعنی عالم برزخ میں میت کی طرف حیات اور زندگی واپس آجاتی ہے۔ کرامیہ اور ان کے موافقین اس بارے میں مذہب اہلسنت والجماعۃ کے مخالف ہیں (کیونکہ وہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بے جان کو عذاب ہو سکتا ہے) اور اہل السنۃ والجماعۃ جو میت میں زندگی کے واپس

منے کے قائل ہیں ، ان کا آپس میں اندرون خانہ اختلاف ہے بعض تو صاف کہتے ہیں کہ جیسے مرنے سے پہلے انسان زندہ تھا اسی طرح اب اس کو حیات کاملہ مل جائے گی (گویا اس کی خلقت دنیا کی خلقت کی طرح دوبارہ ہو گی ۔ اور بعض دوسرے کہتے ہیں کہ دنیا کی طرح تو وہ زندگی نہ ہو گی البتہ وہ برزخی حیات ہے جو صرف اسی قدر ہو گی جس سے وہ فرشتوں کی بات سمجھ سکے اور اس کا جواب دے سکے اور دکھ درد عذاب برزخی کا محسوس کر سکے اور ظاہر بھی یہی ہے ۔ کیونکہ صرف اس قدر حیات آجانے سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور دنیا والوں اور زائرین کا کلام وسلام سننا اور ان کو دیکھنا اور جاننا یہ بھی زائد از ضرورت ہے اور اشاعرہ (ماتریدیہ واشعریہ) اور حنفی علماء کی کثیر جماعت رُوح کا جسد کی طرف واپس آجانے کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ روح اور حیات کا باہم کوئی تلازم نہیں ہے ، ہاں دنیاوی حیوٰۃ میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ روح ہو تو حیوٰۃ ہوتی ہے ۔ روح چلی جائے تو حیوٰۃ بھی نہیں رہتی ۔ اور کچھ حنفی علماء وہ بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ میت کی طرف دوبارہ روح لوٹا کر اس میں رکھ دی جاتی ہے ۔ لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تمام بدن میں روح لوٹ آتی ہے ؟ تو بعض نے یہی کہا کہ ہاں تمام بدن کے اندر روح لوٹ آتی ہے ۔ لیکن ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے نصف اعلیٰ میں روح حلول کرتی ہے تب بدن سے سوال ہوتا ہے ۔ پھر ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہی جمہور کا مذہب ہے ۔

مغالطہ کا منشا

قرۃ العین اور کشف المغالطات والوں کو جو مغالطہ ہوا اس کی اصل وجہ مندرجہ ذیل فقہاء کرام کی توجیہات اور تاویلات ہیں :

(۱) فتح القدیر باب الجنائز میں ہے : واشکل علیھم ما فی صحیح مسلم ان المیت یسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا اللھم الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسؤال ۔ یعنی شبہ کیا گیا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حالت ابتداءً ہی قبر میں رکھنے

کے بعد نکیرین کے سوال کے لیے ہوتی ہے یعنی اس کے بعد پھر اصلاً مردہ کچھ نہیں سنتا۔

(۲) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۲۲۴ میں علامہ عینیؒ نے کہا التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمرؓ محمول علی ان مخاطبتہ اھل القلیب کانت وقت المسئلۃ دوقتھا وقت اعادۃ الروح الی الجسد وان حدیث عائشۃ رض محمول علی غیر وقت المسئلۃ فعلی ایتفق الخبران یعنی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ قلیب بدر والے مشرک مقتولوں سے اس وقت گفتگو ہوئی جب سوال نکیرین کا وقت تھا اور وہ وہی وقت ہے جب روح جسم کی طرف نکیرین کے سوال کے لیے لوٹائی جاتی ہے اور حضرت ام المومنینؓ کا مطلب ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت کے ماسوا دوسرے اوقات میں میت نہیں سنتا۔ بس اس طرح ان دونوں حدیثوں کی باہم تطبیق ہو گئی۔

(۳) علامہ سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بھی حاشیہ درمختار یعنی ردالمحتار میں اس طرح لکھا ہے جس طرح امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے۔

(۴) علامہ فاضل لاہوری عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے شرح عقاید جلالی کے حاشیہ میں فرمایا: اما احیاء القبو فاحیاء ناقص لمجرد السؤال یعنی قبر میں جو زندہ کیا جاتا ہے سو وہ ناقص قسم کا ہے وہ بھی صرف سوال نکیرین کے واسطے اور بس۔

(۵) علامہ محقق دوانی حنفیؒ بھی یہی سوال نکیرین کے بعد دوبارہ مرجانے کے قائل ہیں۔
(شرح عقاید عضدیہ صفحہ ۹۳)

(۶) حضرت میر سید سند جرجانی بھی سوال نکیرین کے بعد دوبارہ مرجانے کے قائل ہیں
(شرح مواقف صفحہ ۱۱)

(۷) علامہ ابوالسعود مفسر محقق حنفی بھی قبر میں نکیرین کے سوال کے بعد مرجانے کو بہت انسب قول فرماتے ہیں ۔ ش ۴۲۸

سے شیلوی کہتا ہے کہ علامہ دوانی حنفی نہ تھے شافعی تھے۔ دیکھو کتب طبقات م ۱ اور یہ حضرت العقدالدین حنفی ہیں

(۸) علامہ تفتازانی نے بھی شرح مقاصد ص ۱۶۳ ج ۲ بحث سوال قبر میں فرمایا الاماتتان فی الدنیا وفی القبر دو موتوں سے مراد ہے ایک دفعہ دنیا میں مرنا اور دوسری دفعہ قبر میں زندہ ہو کر مرجانا (اس قول کے خلاف اقوال مفسرین پہلے گزر چکے ہیں)

(۹) تفسیر کبیر ص ۲۶۲ ج ۵ احتج اکثر العلماء بہذہ الاٰیۃ فی اثبات عذاب القبر وتقریر الدلیل انہم اثبتوا لانفسہم موتتین فاحدی الموتتین مشاہد فی الدنیا فلا بد من اثبات حیاۃ اخری فی القبر حتی یصیر الموت الذی یحصل عقیبہا موتًا ثانیًا یعنی اکثر علماء نے اس آیت سے قبر کے عذاب کو ثابت کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر لوگ اپنے لیے دو موتیں تسلیم کرتے ہیں پس ایک موت تو دنیا کی سب کو نظر آتی ہے۔ اب ضروری بات ہے کہ قبر میں جا کر زندہ کیے جائیں پھر اس کے بعد یعنی سوال منکر نکیر کے بعد قبر میں مرجانا دوبارہ کی موت ہوگا۔

(۱۰) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ ص ۳۱۲ میں ہے "قالوا یعنی الکفار فی النار ربنا امتنا اثنتین مرتین مرۃ بقبض ارواحنا ومرۃ بعد ما سألنا منکر ونکیر فی القبور واحییتنا اثنتین مرۃ قبل ان سألنا منکر ونکیر فی القبور ومرۃ للبعث یعنی کافر دوزخ میں کہیں گے کہ اے اللہ تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی ایک دفعہ دنیا میں جب ہماری عمر پوری ہوئی۔ دوسری دفعہ جب موت دی جب کہ منکر نکیر قبر میں ہم سے سوال کر چکے اور دو ہی دفعہ جلایا ایک قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت، دوسری دفعہ قیامت میں۔ پس اس آیت کا صاف مطلب ہے کہ قبر والا سوال کے وقت زندہ ہوتا ہے پھر سوال کے بعد مرجاتا ہے اب زندہ پر مردہ کو قیاس کرنا کیسا لغو ہے۔

(۱۱) بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا: پہلا مارنا اس وقت کا جب انسان کی عمر پوری ہو جاتی ہے اور دوسرا مارنا منکر نکیر کا قبر میں سوال ہو چکنے کے بعد۔

(۱۲) شیخ زادہ ص ۲۲۵ ج ۳ میں لکھتے ہیں قبر میں سوال نکیرین ہو چکنے کے بعد دوبارہ نفخ صور تک مر کر پڑے رہیں گے۔ اور بھی بہت سی تفسیروں میں لکھا ہے چنانچہ:

(۱۳) سدی نے کہا ہے کہ پہلی بار موت تو دنیوی زندگی کے خاتمہ پر ہوئی، پھر سوال جواب کے لیے قبر میں مردہ کر دیا۔

مغالطہ کا منشا نمبر ۲

میر سید سند رحمہ اللہ نے شرح المواقف ص۱۱ میں فرمایا ہے هذا هو الشائع المستفيض بين اصحاب التفسير۔ اہل تفسیر میں اس آیت کی یہی تفسیر مشہور اور مستفیض ہے۔

حتی کہ جن لوگوں نے دوسری تفسیر فرمائی ہے کہ پہلی موت سے نطفہ کا مردہ ہونا اور دوسری موت سے دنیا کی موت مراد لینا اس کو معتزلہ کا مذہب بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ زمخشری نے جو تفسیر کی ہے وہ اسی کے اپنے مذہب اعتزال پر مبنی ہے کیونکہ وہ حیات فی القبر اور منکر نکیر کے سوال کا منکر ہے، اسی لیے اہلسنت کے خلاف، لغت عرب کے خلاف اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ اور بعض اہل سنت مفسرین بھی اسی کی اتباع میں یہ کشاف کی بیان کردہ تفسیر ہی بیان کر جاتے ہیں، مگر محققین مفسرین اور علماء متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ نے زمخشری اور اس کے ہم خیال لوگوں کی خوب تحقیق سے تردید کر دی ہے اور کہتے ہیں کہ بعض مفسرین نے زمخشری کے خیال کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جو بالکل غلط اور غیر ثابت ہے اور کہتے ہیں کہ پہلی موت سے مردہ نطفہ مراد لینا شاذ قول ہے اور معتبر و معتمد قول وہ ہے جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں اب ان علماء مفسرین و متکلمین و فقہاء کے فرمان کے مطابق مطلب حدیث خفق نعال والی کا یہ ہوگا کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو منکر نکیر میت سے سوال کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میت میں روح ڈال دیتا ہے اس وقت وہ جوتوں کی آواز سنتا ہے اور پھر منکر نکیر کے سوالوں کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھر جواب دیتا ہے۔ جب امتحان ہو چکتا ہے پھر اس پر موت آ جاتی ہے پھر اس موت کے بعد کسی اہل دنیا کے کلام سننے کا اہل نہیں رہتا اور نہ ہی اہل دنیا کے ساتھ بات

کر سکتا ہے اور نہ ہی اہلِ دنیا کو دیکھ پہچان سکتا ہے اور سوالِ منکر نکیر کے وقت اس کی حالت کو سنبھلنے والی حالت سمجھ لو۔ نیز مختلف تمال والی حدیث عبدالاعلیٰ سے بخاری نے روایت کی ہے۔

ضروری نوٹ: اصول کافی مطبع نولکشور صفحہ ۶۲ میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام موجود ہے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن محمد بن خالد والحسین بن سعید جمیعًا عن النضر بن سوید عن یحیی بن عمران الحلبی عن عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام عن ابی عبداللہ قال ان البیت اذا کان فیہ المسلم یتلو القراٰن یتراءاہ اھل السماء کما یتراءا اھل الدنیا الکوکب الدری فی السماء

فقہاء کرام کا یہ قول ہمارے دوسرے مدعا کی تائید ہے

کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصل جزاء سزا مرنے کے بعد جسدِ عنصری کو نہیں ہوتا جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے۔

دلیل اس امر کی کہ جزاء و سزا اجزاءِ اصلیہ کو ہوتی ہے نہ اجزاءِ زائدہ کو، فقہاء کرام کا یہ قول ہے کہ سوال نکیرین کے موقع پہ اعادہ روح کر دیا جاتا ہے پھر فراغت کے بعد جسدِ عنصری سے پھر روح کا تعلق نہیں رہتا۔ حالانکہ یہ تمام فقہاء حنفیہ تعذیب و تنعیم میت کے قائل ہیں اور یہ امر واقع ہے کہ بے جان (جماد) کی تعذیب و تنعیم سفسطہ و باطل ہے پس روح کا تعلق اجزاءِ اصلیہ ہی کے ساتھ مانا جائے تب تعذیب و تنعیم میت ہوگی۔

مع ہذا فقہاء کے اس تاویل میں بحث ہے

اس طور پر فقہاء کے قول کو ہم نے بچایا ہے اس اعتراض سے جو بظاہر ان پر وارد ہوتا ہے کہ شاید یہ توجیہ کرنے والے عذاب و ثواب قبر کے منکر ہوں جو اہلسنت والجماعت کے مسلک کے سراسر خلاف ہے ...... لیکن سچ پوچھو کہ جیسے قدوۃ الاولیاء نے فرمایا ہے

یہ بحث مستقل طور پر ہے اگرچہ اس طرف کثرت سے علماء کرام گئے ہیں اور خود ان کو بھی اس اشکال کے حل صحیح اور تام نہ ہونے اور ضعیف ہونے کا اعتراف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے سوال کو استشکل کے عنوان سے بیان فرمایا اور اس اشکال کے جواب کو اللّٰھم الا کے لفظ سے شروع فرمایا اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ شراح وغیرہ اسی موقع پر اللّٰھم الا کے عنوان کے ساتھ جواب شروع کرتے ہیں جہاں جواب کے ضعف اور ناتمام ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے ایک دو مقام بطور نمونہ پیش خدمت ہیں رغلام یحییٰ نے حاشیہ زاہدیہ بر رسالہ قطبیہ ص۶۵ کے اللّٰھم الا کے عنوان کے ساتھ جواب دینے میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ جواب ناتمام ہے۔ اسی طرح سلم العلوم کی شرح ص۱۱ میں ملا حسن نے ایک سوال کا جواب اللّٰھم الا کے ساتھ دیا۔ محشی نے ص۱۱ میں کہا قولہ، اللّٰھم الا اشارہ الی الضعف۔ اسی طرح مختصر المعانی ص۶۹ میں علامہ تفتازانیؒ نے ایک سوال کا جواب اللّٰھم الا کے ساتھ شروع کیا علامہ یعقوب البنانیؒ نے تجرید البنانی ص۱ میں فرمایا قد جرت العادہ باستعمال ہذا اللفظ فی ما فی ثبوتہ ضعف وکانہ یستعان فی اثباتہ باللہ تعالیٰ۔ یعنی علماء کرام کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جس چیز کے ثبوت میں ضعف ہو وہاں اللّٰھم الا کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ ان کا مطلب گویا یہ ہوتا ہے کہ اس جواب کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کی اعانت کی اشد ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اعتبار حین کی تفسیر میں جو اماتہ فی القبر کہا گیا ہے اس کو علامہ بیضاویؒ نے ص۳۶ ج۱ میں کلمہ تمریض "قیل" کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح تفسیر خازن ص۴۸ ج۱ اور مدارک ص۶ ج۱ میں بھی ہے۔

حیات ضروریہ

نیز علی سبیل التسلیم قبر میں جو حیات ملتی ہے وہ تو محض اس ضرورت کو ملتی ہے تاکہ منکر نکیر کے سوال سن سمجھ سکے اور پھر ان کے سوالوں کا جواب دے سکے نہ کہ اہل دنیا کے جوتوں کی آواز سننے سنانے کے لیے میت کو زندگی ملتی ہے کیونکہ اہل دنیا کے جوتوں کی آواز سننے کی نہ تو میت کو ضرورت ہے نہ کوئی فائدہ اور اصول فقہ کا مسلم

قاعدہ ہے الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ اور ظاہر ہے کہ نفی تعالی ضرورت سے نامام ہے

احتمال ہے کہ لَیُسۡمِعُ ہو

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ انہ لَیُسۡمِعُ خرق نعالہم بصورت بناء للفاعل لَیَسۡمَعُ (مضارع معلوم) نہ ہو بلکہ مبنی للمفعول لَیُسۡمَعُ (مضارع مجہول) ہو۔

سدی کا خیال اور تفسیر غلط ہے

اب رہی وہ آیت کریمہ سو اس میں جو مراد اماتتین سے سدی وغیرہ علماء نے لیا ہے (۱) دنیوی زندگی کے خاتمہ پر اور (۲) نکیرین کے سوال کے بعد والی موت، یہ قول اس خیال پر مبنی ہے کہ اماتت سے پہلے حیات ہونا ضروری ہے اور نطفہ کی حالت میں حیات نہیں ہوتی، حیات کا آغاز تو رحم مادر سے ہوتا ہے۔

سدی وغیرہ علماء کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اماتت کا معنی زندہ کو مردہ بنانا نہیں ہے بلکہ کسی کو بے جان بنانا ہے خواہ ابتداء ہی میں اس کو بے جان بنایا گیا ہو یا زندگی دینے کے بعد اس کی زندگی سلب کر لی گئی ہو جیسے منقول ہے سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے مچھر کو چھوٹا بنایا اور ہاتھی کو بڑا بنایا۔ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ پہلے مچھر بڑا تھا اور ہاتھی چھوٹا تھا، پھر مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو بڑا بنا دیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے اللہ تعالی نے مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو ابتداء ہی سے بڑا بنایا۔ اور اسی طرح عرب کنواں کھودنے والے کو کہتے ہیں ضیق فم الرکیۃ یعنی کنواں کھودتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا کہ کنوئیں کا منہ تنگ اور چھوٹا رہے۔ یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو کنوئیں کا منہ کھلا وسیع اور چوڑا تھا اور پھر اس کو تنگ اور چھوٹا کر دینا۔

سوال جواب کے لیے زندگی برزخی ہے نہ دنیوی

اب رہی سوال وجواب کے لیے قبر کی زندگی تو وہ دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے

وہ تو برزخی زندگی ہے۔ اور اگر سوال کے لیے جسمانی زندگی ہونا ضروری مانا جائے (جس سے اہل دنیا کی جوتیوں کی آواز سنائی دے) تو پھر عذاب قبر کے لیے بھی عنصری زندگی کی ضرورت لازم ہے اور جب منکر نکیر کے سوال کے بعد عنصری زندگی ختم ہو جائے اور امانت فی القبر تسلیم کی جائے تو لازم آئے گا کہ کافروں پر عذاب قبر نہ ہو اور مومنوں کو تنعیم قبر نہ ہو اور یہ عقیدہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ حدیث مبارک میں تو کافروں پر عذاب قبر ہونا اور نیکوں کو تنعیم قبر ہونا بڑی صراحت اور وضاحت سے مذکور ہے۔

مفسرین کا بیان کہ جسد عنصری کے ساتھ دو ہی زندگیاں ہیں

ابن کثیر رح نے لکھا کہ یہاں کی آیات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ واپسی کی درخواست میں ایک تمہید بیان کریں گے اور اقرار کریں گے کہ اے رب تیری قدرت بہت بڑی ہے کہ پہلے ہم لوگ مردہ تھے پھر تو نے ہم کو زندہ فرمایا اور پیدا کیا، پھر تو نے ہمکو موت دی پھر اب قیامت میں تو نے زندہ فرمایا۔ پس تیری قدرت بہت ہے جو کچھ تو چاہے وہ کرے اب ہم نے اقرار کر لیا کہ ہم لوگ گنہگار اور ظالم تھے، ہمارے نفوس نے خود ہم پر ظلم کیا پس اب یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ یعنی بھلا ہماری یہ درخواست قبول ہوگی کہ ہم دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں۔

ابن کثیر رح نے فرمایا کہ سفیان ثوری رح نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مثل آیت کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون کے ہے۔ یعنی پہلے نطفہ مردہ تھے، پھر دنیا میں زندگی دی، پھر موت دے کر قبر میں ڈالا، پھر قیامت میں زندہ کیا۔ پس دو دفعہ موت ثابت ہوئی اور دو دفعہ حیات ثابت ہوئی اور یہی قول ابن عباس رض، ضحاک، قتادہ اور ابو مالک رحمہم اللہ کا ہے اور یہی قول ٹھیک اور صحیح ہے۔ اور سید امیر علی صاحب رح نے مواہب الرحمن ص ۱۰ ج ۱ میں فرمایا۔ اور یہی حضرت ابن مسعود اور ایک جماعت صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم

سے روایت ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کنتم امواتاً میں امواتاً سے مراد عناصر، غذائیں، اخلاط اور نطفے، خون بستہ، گوشت کے ٹکڑے اور جسم بلا روح ہے (کیونکہ جان پڑنے سے پہلے آدمی انہی اشیاء میں سے کوئی شے ہوگا) پھر فرمایا انسان دس چیزوں سے مرکب ہے پانچ عالم خلق سے یعنی چار تو عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) اور پانچواں نفس حیوانی جو اربعہ عناصر سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پانچ عالم امر سے قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور فرمایا کہ فاحیاکم کا مطلب یہ ہے پھر اسی نے تم میں جان ڈال یعنی پھر تمہیں عالم امر کے عناصر خمسہ مذکورہ کے ساتھ ترکیب دے کر زندہ کیا۔ ثم یمیتکم پھر تمہیں مدت عمر دنیوی گزرنے اور ختم ہونے کے بعد مارتا ہے۔ ثم یحییکم یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قبر میں حیات نہ ہوگی، کیونکہ حیات دس اجزاء مذکورہ کی ترکیب کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قبر میں یہ اجزاء مجتمع نہ ہوں گے اس لیے وہاں زندگی متصور نہیں ہو سکتی۔

رہی یہ بات کہ جب قبر میں حیات نہ ہوگی تو ثواب و عذاب کیسے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے خاص اس حیات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ثواب و عذاب اجزاء لطیفہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ الخ

معنیٰ کی رو سے سدی کا قول غلط ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلوی نے تفسیر عزیزی ص۱۲۱ میں یہی معنی لکھ کر ص۱۲۲ میں ان لوگوں کا قول نقل فرما کر جواب دیتے ہیں جو ثم یحییکم سے احیاء فی القبر اور ثم الیہ ترجعون سے احیاء لبعث روز حشر و نشر مراد لیتے ہیں۔ جواب بایں طور دیا کہ یہ توجیہ بعض مفسرین کی لفظی طور پر محتمل ہے مگر معنیٰ کی رو سے چسپاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قبر کی زندگی اگر حقیقی مانیں تو قیامت کے روز اس قبری حقیقی زندگی پر دوسری حقیقی زندگی کی کچھ صورت ہی نہیں بن سکتی کیونکہ زندہ کو زندہ کرنا

بے معنی سی بات ہے، اس لیے لازماً دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنا ہوگی، یا تو یوں کہنا ہوگا کہ قبر میں منکر نکیر کے سوال اور ان کا جواب دے چکنے کے بعد، دوسری موت ہے تو یہ کہنا ایک تو اجماع کے خلاف ہے دوسرا اسلوب کلام کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں عبارت یوں ہونی چاہیے تھی ثم یحییکم ثم یمیتکم ثم الیہ ترجعون اور یا یوں کہنا ہوگا کہ قیامت کے روز جو زندگی ہوگی وہ مجازی زندگی ہوگی اور حقیقی زندگی نہ ہوگی اور یہ کہنا صریح باطل اور غلط ہے آگے فرمایا۔

تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق۔ اور قبر میں روح کا بدن کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں ہے بلکہ اہل شریعت کی اصطلاح ہے کہ بدن سے روح جدا ہونے کے بعد جو روح کا ادراک اور شعور قائم اور باقی رہتا ہے اسی کو حیات سے تعبیر فرما دیتے ہیں۔ پس قبر کی حیات مجازی ہوئی نہ حقیقی یعنی اس حیات کا تعلق اس بدن عنصری سے نہیں ہے بلکہ روح میں ادراک و شعور قائم رہنے کو مجازی طور پر حیات کہہ دیتے ہیں۔

بہرحال اس بدن عنصری میں حیات نہیں ہوتی جس میں سننے سمجھنے اور دیکھنے پہچاننے کی صلاحیت ہو یہی وجہ ہے کہ جب ابی بن خلف جمحی نے ایک بوسیدہ ہڈی لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس ہڈی کو ہاتھ سے مل کر ہوا میں اڑایا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم یقین کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے مبعوث فرمائے گا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی مارے گا پھر زندہ فرما دے گا پھر تجھ کو جہنم رسید کرے گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ الیٰ اٰخر السورۃ۔ یعنی کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا سو اب وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگ گیا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا

اور اپنی خلقت کو بھول گیا کہتا ہے کہ ہڈیوں کو خاص طور پر جب کہ وہ بوسیدہ ہو گلی ہوں کون زندہ کرے گا؟ اس اعتراض کے جواب میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہڈی تو زندہ ہے تجھے شعور نہیں اور نہ خدا تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ یہ ہڈی اگرچہ بوسیدہ لگتی ہے مگر در اصل یہ زندہ ہے۔ تیرا سوال اور تیری اس حرکت کا اسے علم ہے اور اس کے علم و دانش اور حیات کا تجھے احساس نہیں ہے اور اس ہڈی کو اور جس انسان کی یہ ہڈی ہے اس کو تجھ سے یہ زیادہ احساس ہے، تیرے جوتوں کی آواز بھی سنتی ہے۔ تیرا یہ سارا مباحثہ سن رہی ہے۔

بلکہ خدا نے اس ملعون کے سوال و اعتراض کا جواب بایں طور دیا کہ قل یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی اے نبی کریم آپ اس المعترض کا لا علمی کو یوں جواب دیں کہ ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی ذات زندہ کرے گی جس نے پہلی بار ان کو زندگی عطا فرمائی تھی اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے، یعنی مخلوقات کی تفصیل اور کیفیت تخلیق کو خوب جانتا ہے وہ اجسام کے منتشر اور متفرق اجزاء کے اصول، مواقع اور امتیاز کے طریقوں اور سابق کے طرز بیان کو باہم جوڑنے اور گذشتہ اعراض اور قوتوں کو لوٹا کر لانے یا از سر نو پیدا کرنے سے واقف ہے۔

آمدم برسر مطلب

آمدم برسر مطلب اس تمام تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ جن علماء کرام نے خفق نعال والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ دفن کے بعد میت کو سوال منکر نکیر کا سننا سمجھنے اور ان کے سوال کا جواب دینے کے لیے زندہ کر دیا جاتا ہے اس لیے وہ میت، اس کو دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر سوال جواب سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ قبر میں اس کو مار دیا جاتا ہے، اس قول میں بہت سی خرابیاں مستور ہیں، عذاب قبر کا انکار اجماع کا خلاف، واقعہ کا خلاف، شرع کا خلاف، قول بلا دلیل، تحصیل حاصل یا مجاز کا ارتکاب وغیرہ وغیرہ۔

مزید برآں یہ سوال اٹھے گا کہ سوال نکیرین صرف مقبور کے لیے مخصوص ہے، یا سب کے لیے ہے؟ ہم حنفیہ کے اصول کے مطابق تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ مفہوم شرط و مفہوم مخالف، ہمارے ہاں دلیل نہیں، لیکن دوسرے کیا جواب دیں گے، نیز جس میت کا سر کاٹ کر کوئی لے گیا، باقی دھڑ کو جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا تو فرشتے سوال سر سے کریں گے یا دھڑ سے؟ اگر کہو کہ سر اور دھڑ دونوں کا باہم کنیکشن ملا لیتے ہیں، اور رابطہ قائم کر کے سوال جواب کر لیتے ہیں تو جہاں سر ہے وہاں کے لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنے گا، یا جہاں دھڑ ہے وہاں کے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنے گا یا دونوں جگہوں کے جوتوں کی آواز سنتے گا، اور اگر دونوں جگہوں کے باشندوں کے جوتوں کی آواز سنتے گا تو اگر سر اور دھڑ کے مابین مثلاً دس ہزار میل کا فصل ہو تو درمیان میں جتنا علاقہ ہے اس ربط باہمی کی وجہ سے سب کی آواز سنے گا یا نہیں، ہر بات کے لیے شرعی جواب ملنا چاہیے۔ نیز یہ بات بھی کتب میں لکھی ہے کہ جب تک میت دفن نہ کیا جائے فرشتے نہیں آتے، تو جن کو مسالہ لگا کر رکھا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے، اس کے پاس فرشتے نہ آتے ہوں گے۔ اس طرح معتزلہ کا قول ماننا ہوگا اور اہل سنت کے عقیدہ کو خیرباد کہنا ہوگا۔

نیز جس طرح فرماتے ہو نماز پڑھنا جسم کی صفت ہے، دفن جسم کا ہوتا ہے، پسلیاں جسم کی ہوتی ہیں وہی ادھر کی ادھر ہوتی ہیں، تو اسی طرح فرشتوں کا اٹھانا بیٹھانا بھی برحق ہے، یہ بھی جسم عنصری کی صفت ہے تو جس جسم عنصری کو جانور کھا گئے ہیں ان کا اٹھانا بیٹھانا کیسے ہوگا۔ اس کے کان تو ختم ہو گئے وہ سنے گا کیسے۔ اگر کہو یہ سب کچھ ممکن ہے تو بے جان دھڑ کو سنانا کیونکر ناممکن ہے اور اس کو سفسطہ کس بنا پر کہا جاتا ہے لانما تم من انطاق اللہ الجسد بغیر روح۔ (لامع الدراری)

ایک حدیث سے پیدا ہونے والے مشہور سوال کا جواب

فرماتے ہیں کہ خدا کی قدرت پر ایمان لانا فرض ہے اور حدیث پیش کرتے ہیں، بخاری، مسلم اور احمد کی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے یوں فرماتے ہوئے سُنا کہ اگلے زمانہ میں ایک شخص تھا یعنی اپنے عقیدہ میں مسلمان تھا مگر تھا کفن چور، مُردوں کی قبریں خفیہ کھود کر کفن نکال لیا کرتا تھا پھر جب اس کی موت کا وقت آیا اور وہ اس زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل و عیال اور بیٹوں کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے واسطے بہت بڑا انبار لکڑیوں کا جمع کیجیو پھر اس میں آگ لگا دیجیو حتیٰ کہ آتش کدہ ہو جائے اور مجھ کو اس میں ڈال کر جلائیو یہاں تک کہ جب وہ میرا گوشت و پوست کھا جائے اور ہڈیوں تک پہنچے یہاں تک کہ ہڈیاں جل کر کوئلہ ہو جائیں تو میری ہڈیوں کو لے کر کوٹ کر خوب باریک پیس ڈالیو پھر جب میدا ہو جائے تو آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں ایسے دن اڑا دیجیو جس دن تند ہوا چلتی ہو۔ پھر جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی پس اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم کیا تو اس نے اس شخص کی راکھ کے ذرات جہاں تک کہ اس میں بہہ گئے تھے سب جمع کئے اور ادھر خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی اس شخص کے تمام ذرات جمع کیے پھر حق تعالیٰ عزوجل نے اس کو فرمایا کہ ہو جا یعنی زندہ ہو جا تو وہ زندہ موجود ہو گیا پھر حق تعالیٰ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کس وجہ سے کی ؟ اس نے عرض کیا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے خوف کی وجہ سے یہ حرکت کی تھی اور میں جانتا ہوں کہ تو ہر بات پر قادر ہے پس حق تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے۔

الجواب

ہم مسلمان ہیں بفضلہ تبارک و تعالیٰ اور اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں اور اس بات کو من وعن تسلیم کرتے ہیں، بلکہ ہر وہ شخص جو معرفت الٰہی سے سرفراز ہو اور نور توفیق سے اس کی آنکھیں روشن ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اس سے بھی بڑھ کر بے انتہا اور بے حد جانتا ہے کہ وہ چاہے تو وہ ہزار بار زندہ کرے اور ہزار بار موت

دے وہ چاہے تو ان پراگندہ اجزاء کو جمع کر کے جزا سزا دے تب بھی دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان پراگندہ اجزاء کو جمع کیے بغیر جزا دے سکتا ہے تو وہ اگر چاہے جسدِ عنصری میں روح ڈال کر جزا سزا دے اور چاہے تو بغیر روح کے محض جسم کو جزا دے سزا دے یا دونوں دے یا گویا کر دے۔ قدرتِ الٰہیہ میں کسی اہلسنت مسلمان کو ذرا شک نہیں اور اگر شک کرے تو اسلام کے دائرے سے نکل کر فوراً کفر کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ مگر اس سے قاعدہ کلیہ سمجھ لینا آپ جیسوں کا کام ہے۔

اَصَحُّ الْاَقْوَالِ

شرح حدیث خفق نعال

حدیث خفقِ نعال کا اصل جواب

بات ہے اصل عالم کی تحقیق عند اہل السنۃ والجماعۃ حنفیۃ، اور خفق نعال کی حدیث کا صحیح جواب جس پر اعتراض بھی وارد نہ ہو اور حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے اور قرآن شریف کا ظاہر بھی اپنے مقام پر رہے اور اس میں کسی طرح کی تاویل نہ کرنی پڑے سو اس کا حل حضرت قطب العالم شیخ شیخنا مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے جو بیان فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے۔

(۱) الکوکب الدری ص ۳۱۹ میں فرمایا کہ خفق نعال کا مطلب یہ ہے کہ دفن کے بعد فرشتے فوراً آجاتے ہیں، حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(۲) تقریر گنگوہی ص ۶۳ علی صحیح مسلم میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے قرع نعال والی حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب لوگ دفن کر کے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ اگر کوئی زندہ قبر کے پاس ہو تو بھی ان جانے والوں کے جوتوں کی آواز اس کو سنائی دے رہی ہو

بس اتنے میں فرشتے آجاتے ہیں۔

(۳) تحریرات حدیث میں ص۲۳۰ حضرت پیر محسین علی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مطلب اس حدیث کا محققی علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اتنے دور کو رہ جاتا ہے کہ وہاں سے جوتوں کی آواز سنی جا سکتی ہے کہ اتنے میں اس میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں اور حدیث میں تعبیر اور اختصار راویان حدیث کی طرف سے ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو علماء محققین نے بیان فرمایا ہے۔

(۴) لامع الدراری ص۱۴۳ قال القاریؒ فی قوله صلی اللہ علیہ وسلم انه یسمع قرع نعالهم قیل ای یسمع صوتها لو کان حیا فان جسده قبل ان یاتیه الملک فیقعده میت لا یحس بشیئ وهو ضعیف اذ ثبت بالاحادیث ان المیت یعلم من یکفنه ومن یصلی علیه ومن یحمله ومن یدفنه فقال ابن الملک ای صوت دقها وفیه دلالة علی حیاة المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاة ممتنع عادة واختلفوا فی ذلک فقال بعضهم یکون باعادة الروح وتوقف ابوحنیفة ولعل توقف الامام فی ان الاعادة تتعلق بجزء البدن او بکله اھ

یعنی انه یسمع قرع نعالهم کے متعلق بعض کی توجیہ ملا علی قاری نے یہ بتائی کہ آدمی میت کو دفنا کر اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ اگر وہ میت زندہ ہوتا تو ان کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہی ہوتا کہ اتنے میں دو فرشتے آجاتے ہیں۔ اور یہ تاویل کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ فرشتے کے آنے پر میت کو اٹھا بٹھانے سے پہلے پہلے اس میت کا جسم بے جان ہو جاتا ہے جو کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ ان بعض کی تاویل بیان کرنے کے بعد ملا علی قاریؒ نے بایں طریق تضعیف فرمائی ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ میت اس کو بھی پہچانتا ہے جو اسے کفن دیتا ہے اور ان کو بھی جو اس پہ نماز پڑھتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کی چارپائی اٹھاتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کو دفن کرتے ہیں پھر شاید یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے کہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز میت قبر کے

اندر سے سچ مچ سنتا ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں جیسے بعض نے تاویل کی ہے۔ ابن ملکؒ کا قول اپنی تائید میں پیش کیا ہے کہ ابن ملکؒ نے قرع نعالہم سے مراد ای صوت دفنھا (جوتوں کے دب دب کی آواز) بتا کر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قبر کے اندر میت کی حیات کی دلیل ہے، وہ دلیل اس طرح بنتی ہے کہ میت کو جو قبر کے اندر ہے، باہر جوتوں کی آواز کا احساس ہوتا ہے تو بغیر حیاۃ کے احساس نہیں ہوسکتا کیونکہ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے۔

لیکن ہر ذی عقل سے یہ بات مخفی نہیں ہوسکتی کہ ملا علی قاریؒ نے ابن ملکؒ کا قول جو اپنی تائید میں پیش کیا ہے وہ ان کو مضر ہے کیونکہ جب ان کے نزدیک دفن سے پہلے بھی احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے کفنانے، دفنانے، اٹھانے اور نماز پڑھنے والے کو جانتے ہیں تو اس میں دفن سے پہلے ہی حیات آگئی اور روح لوٹ آئی تو پھر دفن اس ذی روح یعنی زندہ کو کر رہے ہیں جو خلاف شرع ہے۔ نیز براء بن عازبؓ کی حدیث کے بھی خلاف پڑتا ہے جس میں قبر کے اندر دفن ہونے کے بعد اعادہ روح کا ذکر ہے۔ نیز علم کا ذریعہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ اسباب علم حواس خمسہ مع العقل ہیں اور میت کی آنکھیں اور منہ نور روح نکلنے کے بعد موافق حکم شرع کے بند کر دیا جاتا ہے اور قبلہ رخ لیٹا دیا جاتا ہے تو وہ دیکھتا کس طرح ہے اور بولتا کس طرح ہے اور سب نمازیوں کو پہچانتا کس طرح ہے جب کہ زندہ آدمی بھی اگر آنکھیں بند کرلے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا اور منہ بند کرلے تو کچھ بول نہیں سکتا اور قبلہ رخ ہوکر مشرق کی طرف پیٹھ کرلے تو مشرق میں موجود کی تعداد اور ان کی شناخت نہیں کر سکتا اور چارپائی پر مریض کو اٹھا کر لے جائیں اور نگاہ ایک طرف ہو تو دوسری طرف والوں کو نہیں پہچان سکتا۔ تو جان نکلنے کے بعد میت میں یہ تمام حواس کیسے کام کرتے ہیں جب کہ قائلین صاف صاف کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حیات ناقصہ ہوتی ہے کاملہ نہیں ہوتی اور کہتے ہیں کہ روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہوگیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا۔ روح کا جسم سے تعلق اگرچہ ضعیف ہے مگر ہے ضرور۔ (تسکین الصدور ص ۲۴۹ طبع دوم)

پھر ابن ملکؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ حیات کے بغیر احساس عادۃً محال ہے اس پر ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ زیر زمین دفن ہونے والے کا بر سر گور سلام سننا کیا عادت کے موافق ہے؟ اگر حیاتِ ناقصہ والا عادۃً سُن سکتا ہے تو حیاتِ کاملہ والا عادۃً کیوں نہیں سن سکتا؟

پھر ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ عودِ روح والا مختلف فیہ ہے۔ بعض عودِ رُوح کے قائل ہیں۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں توقف ہے۔ دیکھو صاف فرما رہے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے پھر آپ ابن تیمیہؒ کی تقلید میں کیسے زور دے رہے ہیں کہ یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے اور اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں۔

لامع الدراری ص۱۲۰ میں ہے استدل به علیٰ ان کلام المیت یسمعه کل حیوان ناطق وغیر ناطق لکن قال ابن بطال هو عام ارید به التخصیص وان المعنی یسمعه من له عقل کالملائکة والجن والانس لان المتکلم روح وانما یسمع الروح من هو روح مثله، وتعقب بمنع الملازمة إذ لا ضرورة الی التخصیص بل لا یستثنیٰ الانسان کما هو ظاهر الخبر وانما اختص الانسان بذٰلک ابقاء علیه وبانه لا مانع من انطاق الله الجسد بغیر روح اھ میرا مقصد صرف اخیر فقرہ کے ساتھ ہے جس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر روح ڈالے جسم کو گویا کر دیوے تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے اللہ تعالےٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔

رَدِّ سہو ناسخ ═══ اس کا جواب

نیلوی نے لکھا تھا کہ خیالی پر عبد الحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ میں سہو کاتب سے "قد" رہ گئی ہے۔ پھر نبراس کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کیا۔ اس پر حضرت محترم نے خیالی کے دوسرے نسخے پیش فرما دیئے کہ ان میں بھی اسی طرح لکھا ہے لہٰذا یہی صحیح ہے اور نبراس میں غلط ہے۔ یہ مولینا عبد العزیز صاحب پرہاروی کا وہم ہے (تسکین الصدور ص۱۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ علماء مدرسین اور طلباء مطالعہ بین خوب واقف ہیں اور وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ خیالی کے نسخوں میں بے شمار غلطیاں ہیں اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو آپ کے سامنے غلطیوں کی فہرست رکھ دیتا۔ اور کاتبوں کا تو یہ حال ہے کہ نقل کرتے جاتے ہیں صحیح غلط کا امتیاز نہیں کرتے۔ اگر اتفاق سے پہلے نسخے میں غلطی ہو گئی تو کاتب وہی لکھ دے گا پھر مصحح کی باری آئی تو وہ دیکھے گا کہ نقل منقول عنہ کے مطابق ہے یا نہ، اگر منقول عنہ کے مطابق ہوگا تو اس کو برقرار رکھے گا اگرچہ واقعہ کے مطابق نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا صاحب نے کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا صرف خیالی کے دوسرے نسخے کو اپنی تائید میں پیش فرما دیا جو کسی طرح سودمند نہیں ہے اور نبراس والے کا بغیر کسی دلیل کے وہم بتا دیا۔ اور نیلوی نے جو خیالی کے نسخہ کو غلط کہا ہے اس پر نیلوی نے ایک نہیں بلکہ دو شاہد پیش کیے تھے اور شرع شریف میں دو شاہدوں سے دعوی ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک شاہد تو تھا نبراس ص ۳۲۲ سے اور دوسرا شاہد تھا نظم الفرائد حاشیہ شرح عقاید نسفیہ ص ۱۷۴ سے حضرت مولانا صاحب نے میرے ایک شاہد پر بغیر کسی وجہ کے جرح کر دی اور دوسرے شاہد کی جرح سے سکوت فرمایا۔ تنقید کے مقام پر تنقید سے سکوت اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایک شاہد ہے گو دوسرا شاہد بھی باقرار حضرت مولانا صاحب "بڑے ذہین، وسیع النظر اور مصنف عالم" قابل رد تو نہ تھے، مع ہذا ایک تیسرا شاہد ان دو شاہدوں سے بہت اعلیٰ فائق اور معتبر ترین ہے، پیش کیا جا رہا ہے دیکھو حضرت میر سید سند صاحب رحمہ اللہ کی کتاب شرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص ۱۷۶ اس میں بھی یہی عبارت ہے واما ما ذهب اليه الصالحی من المعتزلة وابن جرير الطبری وطائفة من الكرامية من تجويز ذلك اى تعذيب على الموتیٰ من غير احياء فخروج عن المعقول لان الجماد لا حس له (صالحی معتزلی اور ابن جریر طبری اور کرامیہ کا ایک طائفہ بے جان مردوں کی الخ

اب فرمائیے کیا حضرت میر سید سند صاحب کو وہم ہو گیا ہے، پرہاروی صاحب

کو بھی وہم ہوگیا ہے اور صاحب نظم الفرائد کو بھی وہم ہوگیا ہے۔ اگر وہم نہیں ہوا تو صرف کاتب حاشیۂ خیالی کو نہیں ہوا، جاہل کاتب خوشنویس عن ذا السلیم من الوھم کا مصداق قطعاً نہیں ہوسکتا، کیونکہ محترم جناب مولینا صاحب کے نظریہ کی تصدیق و تائید صرف حاشیۂ خیالی میں ہے اور وہ تینوں اگرچہ بے نظیر عالم فاضل ہیں مع ہذا محترم کے نظریہ کو ان کے قول سے ٹھیس لگتی ہے، پس قطعاً و یقیناً وہ تینوں وہم کا شکار ہیں لاریب فیہ ولا شک فیہ ومن شک فیہ......

البتہ محترم نے اپنی تائید میں خود ابن جریر طبری کی تفسیر سے حوالے نقل کیے کہ وہ **اتحاد درج** کے قائل ہیں۔

بسا اوقات مفسر اپنے مسلک کے خلاف تفسیر فرما دیتے ہیں

مع ہذا یہ مسلّم ہے کہ ان کی تفسیر میں یہی ہے مگر ان کا مذہب وہ نہیں جو تفسیر میں درج ہے کیونکہ مفسرین بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف تفسیر کر جاتے ہیں، مثلاً امام سیوطی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام آباء و اجداد آدم علیہ السلام تک موحد ہوئے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد بھی موحد تھے اور جو قرآن پاک میں آیا ہے (وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اور جب حضرت ابراہیم نے اپنے والد آزر کو فرمایا) تو یہاں والد مراد نہیں بلکہ آزر چچا تھا ابراہیمؑ کا اور والد کا نام "تارخ" تھا اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مستقل رسالہ لکھا۔

مگر مع ہذا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آزر والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام تھا اور تارخ آزر ہی کا لقب تھا۔

مجازی معنی کا مؤید ۲

یسمع خفق نعالہم اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں اور نہ صحابہؓ نے اس کا حقیقی معنی سمجھا، ورنہ جب قلیب بدر کی حدیث پر حضرت عائشہؓ نے گفتگو فرمائی اور آپ نے قرآن پاک کی آیت سے جواب دیا تھا تو صحابہ کرامؓ آیت پاک سن کر خاموش ہوگئے تھے اور ان میں

سے کسی نے یہ حدیث خفق نعال والی پیش نہیں کی ۔ اگر حقیقی معنے مراد ہوتے تو ضرور
یہ حدیث مورد استدلال میں پیش ہوتی ۔ نیز جب صحابہؓ نے استدلال میں اس حدیث کو پیش
نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کو سماع موتیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں اور صحابہ کرامؓ سے
بڑھ کر اور سلف صالحین کون ہیں ؟ اور آپ کے قول کے مطابق کہ حضرات سلف صالحین
نے اس سے استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس مسئلہ سے بالکل
غیر متعلق ہے (دیکھو سماع موتےٰ ص ۳۱۲ عزیرؑ کے واقعہ سے عدم سماع موتیٰ ثابت
کرنے پر رقیت) اگر واقعہ عزیرؑ عدم سماع موتےٰ کی دلیل صرف اس لیے نہیں بن سکتا
کہ سلف صالحین میں سے کسی نے اس واقعہ کو عدم سماع موتےٰ پر دلیل میں پیش نہیں کیا
اسی طرح خفق نعال والی حدیث، سلام علی القبور والی حدیث، معرفت میت والی حدیث
تلقین میت والی حدیث وغیرہ اس موقعہ پر کسی صحابی نے پیش نہ کی، نہ ابوہریرہؓ، نہ
ابن عباس رضؓ نہ سعد بن ابی وقاصؓ، نہ ابو رزینؓ نہ انس بن مالکؓ، نہ ابوامامہ رضؓ نے، یہ
سب خاموش کیوں رہے ؟ ان کی خموشی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کا سماع
موتےٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں

مجازی معنی کی نظیر

اب جب حقیقی معنے مراد نہ ہوا تو لازماً مجازی معنی مراد ہوگا اور اس کی نظیر قرآن پاک
کی وہ آیت کریمہ ہے جس میں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ
مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا یعنی وہ قیامت کا دن وہ
ہے کہ جب وہ دیکھیں گے تو اس کی ہولناکی اس حد تک پہنچی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی نے
بچے کے منہ میں دودھ دے رکھا ہو تو دہشت کھا کر بچے کے منہ سے چھاتی چھڑا کر بھول جائیگی
اور اگر اس وقت کوئی عورت پیٹ سے ہو تو وہ مارے دہشت کے پیٹ ڈال دے گی
اور قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تو کوئی عورت نہ پیٹ سے
ہوگی اور نہ بچے کو دودھ پلا رہی ہوگی۔ یہاں تو شدت خوف و شدت غم و اندوہ بتانا
مقصود ہے ۔ جیسے اردو محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ ڈر کے مارے فلاں کا پیشاب نکل گیا

یا اس نے پیمانہ پھر دیا ، یا اس قدر غم ہوا کر کمر ٹوٹ گئی یا بوڑھا ہو گیا یا دہشت سے اپنا بچہ بھول گئی یا پیٹ گر گیا تو قیامت میں دہشت اس طرح مجاز عقلی کے رنگ میں بیان کی گئی اور یہی مفہوم حضرت حسن بصریؒ نے بیان فرمایا اور شیخ ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ، اور یہی مطلب ان حدیثوں سے نکلتا ہے جنہیں امام احمد بن حنبلؒ ، نسائیؒ و ترمذیؒ نے عمران بن حصینؓ سے مرفوعاً بیان کی اور ابن ابی حاتم نے انس بن مالکؓ سے اور ابن عباسؓ سے اور امام بخاریؒ نے ابو سعید خدریؓ سے اور امام احمد بن حنبلؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور بخاریؒ و مسلمؒ و احمدؒ نے عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور ان احادیث میں سے بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس وقت میں بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ تو یہ کنایہ بلیغ ہے اس کی شدت ہول و دہشت سے بس حقیقت مراد نہیں اور ساتھ والی عبارت وترى الناس سكارى وما هم بسكارى الآية اسی مجازی معنی کی مؤید ہے کہ تو لوگوں کو نشہ میں دیکھے گا اور حقیقت میں نشہ والے کو سکری کہتے ہیں لیکن وما هم بسكارى وہ سچ مچ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کا عذاب سخت ہے۔

اور اس کی ایک اور نظیر بھی قرآن پاک میں ہے فكيف تتقون ان كفرتم يوما يجعل الولدان شيبا ۔ پھر کیونکر بچ سکو گے اگر کفر پر جم رہے اس دن سے جو دن بچوں کو بوڑھا بنا دے گا یعنی اس دن ایسے خوفناک حالات و واقعات رونما ہوں گے کہ اگر اس وقت بچہ ہو تو دہشت سے بوڑھا ہو جائے تو یہ کنایہ ہے اس روز کی سختی سے۔

اسی طرح یہاں بھی سمع خفق نعال سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے قرب بتانا مقصود ہے۔ یعنی دفن میت کے بعد فرشتے دیر نہیں لگاتے فوراً آجاتے ہیں۔

فیض الجواد

فی شرح

مسئلۃ المبدأ والمعاد

نسمہ کیا چیز ہے؟

ندائے حق ص ۳۷ میں نسمہ کے معنی لکھے تھے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے برآمدہ عبارت سے مفہوم ہوتے تھے۔ مسند امام اعظم ص ۸ میں آپ کا ارشاد ہے الحمد للہ الذی انقذ بی نسمۃ من النار یعنی شکر اس خدا کا جس نے میرے سبب ایک ذی روح نفس کو بچالیا۔ محشی رحمہ اللہ نے بین السطور میں نسمہ کے معنی لکھے ہیں ای نفسا ومخلوقا ذا روح۔ اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بارہا روح اور نسمہ میں فرق بیان فرمایا کہ حدیث میں کھانے پینے کی نسبت نسمہ کی طرف کی ہے نہ جسد اور بدن کی طرف کیونکہ بدن تو مٹی میں مدفون ہے اور نرے روح کا کام کھانا پینا نہیں جب تک وہ جسد مادی یا مثالی کے ساتھ متصل نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ روح اور نسمہ میں ڈبل فرق ہے۔ قال الشاہ ولی اللہ انما النسمۃ الروح الھوائی و لیس بصحیح عندی (فیض الباری ص ۲۵۲ ج ۴) التوربشتی الحنفی لما مر علی حدیث النسمۃ لم یفسرہ بالروح بل وضع ھذا اللفظ بعینہ نفھمت منہ شیئ یغایر الروح عندہ ولذا لا یضع لفظ الروح مکانہ ولا یترک ھذا اللفظ فکانہ حقیقۃ اخری فیخشی ان لا تنتبہ لتلک الحقیقۃ بترک لفظہ وقد مر علیہ الشاہ ولی اللہ فی الطاف القدس وقال ان النسمۃ جسم ھوائی سار فی بدن الانسان محفوظ من الفلاشی وقال انہ یبقی کذلک

بعد الموت ایضاً ص ۳۴۴/۳) ان الروح والنفس والنسمة والذر کلها اشیاء متغایرة ولیست حکایة عن معنی واحد ولذا ترجم ابن سینا الحیوان "جان" والروح "روان" ففیهما فروق ولم یتکلم التوربشتی لما مرّ علی شرح احادیث الذر الا بالذر ولم یغیّر هذا اللفظ ولم یضع مکانه لفظاً آخر ففهمت ان لا یترک هذا اللفظ لهذه الدقیقة والنسمة وان کان قریباً من الروح لکنه اطلق علی الجسد ایضا (ص ۳/۲) الروح لا یسند الیه الاکل والشرب ما لم یتصل بجسد مادی او مثالی ان الحدیث اسند الاکل والشرب الی النسمة دون البدن والجسد فانه فی التراب (فیض الباری ص ۴۳۵/۱) قال الخطابی وغیره هی (النسمة) نفس الانسان (نووی ص ۹۲/۱) النسمة تطلق علی ذات الانسان جسماً وروحاً وعلی الروح المفردة (مجمع البحار ص ۱۲۵/۱) کل دابة فیها روح فهی نسمة (مجمع البحار ص ۳۵۳/۳) النسمة هو الانسان کما قال علیه السلام من اعتق نسمة مؤمنة (کتاب الروح ص ۱۸۱)

خلاصہ ترجمہ عبارت بالا کا

شاہ ولی اللہؒ نے ہوائی رُوح کو "نسمہ" فرمایا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے توربشتیؒ نے نسمہ کی تفسیر روح سے نہیں کی۔ بلکہ "نسمہ" کا لفظ بعینہ برحال رکھا تو میں سمجھا کہ توربشتی کے ہاں نسمہ روح سے الگ کوئی چیز ہے۔ تبھی تو نسمہ کی جگہ رُوح کا لفظ نہیں رکھا اور لفظ "نسمہ" کو ترک بھی نہیں کرتے۔ گویا نسمہ الگ حقیقت ہے تو ڈرتے ہیں کہ لفظ کی ترک سے وہ حقیقت کہیں نہ بدلے۔ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا نسمہ ایک ہوا کی طرح جسم ہے جو انسان کے جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے اور نتار سے محفوظ ہے اور مرنے کے بعد بھی محفوظ رہتا ہے پھر فرمایا رُوح، نفس، نسمہ اور ذرّ یہ سب الگ الگ چیزیں ہیں نہ ایک شے۔ تبھی ابن سینا نے حیوان کا ترجمہ جان کیا اور رُوح کا ترجمہ رواں تو ان میں کئی فرق ہیں اور توربشتیؒ نے ذر کی شرح کرتے ہوئے لفظ ذر بھی برحال رکھا اس کی جگہ

کوئی اور لفظ نہیں رکھا تو میں سمجھا کہ اسی باریک نکتہ کی وجہ سے ذر کا لفظ ترک نہیں کیا اور ذر کا معنی اگرچہ روح کے قریب ہے مگر جسد پر بھی بول دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب تک روح کا اتصال جسد مادی یا مثالی کے ساتھ نہ ہو روح کی طرف کھانے پینے کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ حدیث میں کھاتے پینے کی نسبت نسمہ کی طرف ہے نہ بدن اور جسد کی طرف کیونکہ بدن اور جسد تو مٹی میں ہے۔

خطابی نے فرمایا نسمۃ انسان کے نفس کا نام ہے، محمد طاہر فتنی نے فرمایا نسمہ کا اطلاق ذات انسان یعنی جسم اور روح کے مجموعہ پر آتا ہے اکیلے روح پر بھی آجاتا ہے، پھر فرمایا جس ذات میں روح ہے وہ نسمہ ہے، ابن قیم نے فرمایا نسمہ ذات انسان ہے جیسے نبی پاک نے فرمایا جو مؤمن نسمہ کو آزاد کرے ...... یہی نسمہ ہے جس کا ذکر نسمۃ المؤمن طیر یعلق فی الجنۃ میں آیا ہے اسی نسمہ کا ذکر روز میثاق والی حدیثوں میں آیا ہے۔ روی عن ابن عباس رض انہ لما خلق اللّٰہ آدم مسح ظھرہ فاخرج منہ کل نسمۃ ھو خالقھا الی یوم القیامۃ فقال الست بربکم (ابو السعود ص ۴۹، ابن جریر ص ۹) وقد ثبت وصح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما خلق اللّٰہ آدم مسح ظھرہ فسقط من ظھرہ کل نسمۃ من ذریتہ الی یوم القیامۃ (احکام القرآن ابن عربی ص ۸۰۹، رازی ص ۴۸ ج ۱۵، ابن کثیر ص ۲۵۸ ج ۲) قال الترمذی ص ۱۳۸ ج ۱ ھذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجہ عن ابی ھریرۃ رض عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

ترجمہ عبارت

ابو السعود، ابن جریر، ابن العربی، رازی، ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے ابن عباس رض و ابی ہریرہ رض سے روایت لکھی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو بنایا تو اپنی قدرت کا ہاتھ ان کی پیٹھ پر مل کر اس سے ہر وہ نسمہ نکالا جس کا بنانا اللہ کو منظور ہے قیامت تک پھر ان سب کو خطاب کر کے فرمایا الست بربکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

پھر اسی نسمہ کی تفسیر خود رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رض کی زبانی سنیے! عن

عن ابن عباس رضؓ قال ان اللہ خلق آدم ثم اخرج ذریتہ من صلبہ مثل الذر (فی الصغر) فانطقھم وتکلموا وفی روایۃ امثال الخردل (ابن جریر ص ۹۸) قال عمرؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئل عن ھذہ الایۃ فقال علیہ السلام ان اللہ سبحنہ وتعالیٰ خلق آدم ثم مسح ظھرہ فاستخرج ذریتہ فقال ھؤلاء للجنۃ الخ (ابن جریر ص ۹) وروی عن الامام مالک بن انس مثلہ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن (ابن کثیر ص ۵۸، ۹) عن ابی بن کعبؓ فی قولہ تعالیٰ واذ اخذ ربک فجمعھم لہ یومئذ جمیعا ما ھو کائن منہ الیٰ یوم القیامۃ فجعلھم فی صورھم ثم استنطقھم فتکلموا واخذ علیھم العھد والمیثاق واشھدھم علیٰ انفسھم ص ۵۹ ابن کثیر) قال مقاتل وغیرہ من اھل التفسیر ان اللہ مسح صفحۃ ظھر آدم الیمنی فاخرج منہ ذریتہ بیضاء کھیئۃ الذر یتحرکون (البغوی ص ۵۰۵)

ابن جریر اور ابن کثیر اور بغوی نے ابن عباسؓ، عمرؓ، ابی بن کعبؓ، مقاتلؒ و دیگر مفسرین اور امام مالکؒ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ کی تشریح پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرما کر اپنی قدرت کاملہ کا ہاتھ ان کی پیٹھ پر پھیرا تو آپ کی پیٹھ سے چیونٹیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ذریتہ (اولاد) نکلی جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ ان سب کو صورت بخشی وہ سب حرکت میں آئیں ان کو گویائی اور سمجھ عطا فرمائی اور سب سے عہد و پیمان لیا ان کو اپنے آپ پر گواہ بنایا نیک پیٹھ کی دائیں طرف سے سفید منور ہونے کی حالت میں نکلے بد، بائیں طرف سے سیاہ مظلم ہونے کی حالت میں، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

الحاصل

ان تمام روایات سے ثابت ہو گیا کہ آدم کی معصوم پشت سے اللہ پاک نے قیامت تک ہونے والی جنتی اور دوزخی سب اولاد کو ظاہر فرمایا تھا جو دیکھنے میں بہت

ہی باریک تھی، مگر ان کی باقاعدہ اپنی اپنی شکل وصورت تھی عقل رکھتی سنتی سمجھتی، ہلتی، حرکت کرتی، باتیں کرتی چلتی پھرتی تھی، عہد و پیمان اور گواہ بننے کے اہل تھی اور باقاعدہ اپنا جسم رکھتی تھی۔

صاحب تسکین کا مایۂ ناز محقق عالم مولوی عبدالشکور سلمی، اپنی کتاب "التمہید فی بیان التوحید ص۱۷۱ میں لکھتے ہیں وقال اهل السنة والجماعة المیثاق علی الاجساد صحیح ثابت بدلیل قوله تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى فالله تع اخبر انه اخذ المیثاق علی جمیع بنی آدم وهو خبر ماضٍ وکان علی الاجساد لان الله تعالی قال مِن بنی آدم وکافروا سے یدون الاجساد لیست من بنی آدم ولان الله تعالی قال من ظهورهم ذریتهم والذریة هو الجسد مع الروح ..... وقال بعض الفقهاء ان الله امر جبریل حتی یضع جناحیه علی ظهر آدم فاخرج اولاده وذریاته من اصلابهم من کان منهم الی یوم القیامة بروحهم وجسدهم عاقلین بالغین وخاطبهم بقوله اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ انتهٰی

عبارت کا ترجمہ

اہل سنت والجماعۃ نے فرمایا کہ یہ عہد و پیمان آدمیوں کے اجساد سے لیا گیا تھا صحیح اور ثابت ہے جس کی دلیل قرآنی آیت ہے واذ اخذ ربك من بنی آدم الآیۃ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ عہد و پیمان تمام بنی آدم سے لیا گیا، یہ گزشتہ زمانہ کی خبر ہے اور یہ عہد و پیمان اجساد (اولاد آدم کے جسموں) سے لیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں من بنی آدم فرمایا اور جسد کے بغیر تر سے روح بنی آدم میں سے نہیں، نیز اللہ نے

؎ قال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ وقال وجعلنا ذریته هم الباقین وقال ومن ذریته داؤد وسلیمان وقال ومن ذریتنا امة مسلمة لك وقال ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذریة۔

لفظ ذریتہ کا نفظ کہا اور ذریتہ جسد مع الروح کا نام ہے۔ بعض فقہار نے فرمایا کہ اللہ نے جبرئیل کو حکم دیا تو اس نے آدم کی پیٹھ پر اپنے پر رکھے پھر ان کی اپنی اپنی بیٹھوں سے اپنی اپنی اولاد مع روح اور جسم کے نکالی جس جس نے قیامت تک ہونا ہے وہ سب عاقل بالغ تھے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا الست بربکم

ودر حاشیہ عقائد النسفیہ آوردہ کہ میثاق از فرزندان آدم بارواح واجساد بود چنانچہ حدیث نبوی بداں ناطق است کہ حق تعالیٰ مسح کرد پشت آدم بدست یمین وقتیکہ از بہشت بیروں آمدہ بود فخرج منہ جمیع ما خلق اللہ الی یوم القیامۃ علی مثل ذرات علی ہیئۃ الرجال والنساء وقال الست بربکم الآیۃ بخلاف معتزلہ ورافضی کہ نزد ایشاں میثاق از ارواح بود نہ از اجساد۔ کذا۔ نافع المسلمین منہ (شرح عقائد)

شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ میں ہے کہ فرزندان آدم سے میثاق ان کے ارواح واجساد کے ساتھ تھا جیسے حدیث نبوی میں مذکور ہے کہ ہر بچہ اپنی اپنی مردانہ اور زنانہ حالت میں تھا یہ مسلک اہلسنت کا ہے لیکن معتزلی اور رافضی شیعہ کے مذہب میں عہد و میثاق صرف ارواح سے لیا گیا اجساد سے عہد نہیں لیا گیا۔

شیعہ ومعتزلہ کا مذہب

معلوم ہوا کہ معتزلہ اور شیعہ کا مذہب ہے کہ عہد صرف ارواح سے ہوا تھا، اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے جو عاقل بالغ تھے مرد وعورت کی الگ الگ ممتاز صورت تھی اس بول سمجھ سکتی تھی بعض خوبصورت تھیں بعض بدصورت، اسی نسمہ کو کہیں ذریتہ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ مراد ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے وہی نسمہ ہے جو اپنے معہود اجل مسمی کے وقت اس بدن عنصری کو چھوڑ کر علیین یا سجین میں موافق اعمال کے بدن میں رہے گا وہی کھائے گا وہی پیئے گا اسی کو سوال جواب کے لیے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے اسی سے پوچھ کچھ ہو گی من ربک وما دینک وغیرہ ذلک اور یہ تمام تر

سے ثابت ہے۔ وھو لاءِ ھم ما لم اللہ وھذا ھو الحق الذی لا ینبغی العدل عنہ ولا المصیر الی غیرہ لمثوبۃ مرفوعاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وموقوفاً علی غیر واحد من الصحابۃ ولا ملجئ للمصیر الی المجاز ..... واختلفوا فی کیفیۃ الاستخراج علی اقوال لا مستند لھا والحق وجوب اعتقاد اخراجھا من ظھر آدم کما شاء اللہ کما ورد فی الصحیح وقال العقیلی فی الابحاث ولا یبعد دعوۃ التواتر المعنوی فی الاحادیث والروایات الواردۃ فی ذالک (فتح ص ۱۲۷ جامع البیان)

اور یہی ہے عالم ذر یہی مذہب حق ہے جس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ملتا ہے اس مسلک سے ہٹنا نامناسب ہے اور مجازی معنی لینے کے لیے مجبوری بھی نہیں۔ رہا یہ کہ آدم کی پیٹھ سے ذریت نکالنے کی کیفیت کیا تھی؟ سو یہ اختلافی مسئلہ ہے اور اختلاف کرنے والوں کے اقوال کی سند بھی کوئی نہیں حق یہی ہے کہ اجمالی عقیدہ رکھنا ضروری ہے، عقیلی نے الابحاث میں فرمایا ہے کہ بعید نہیں کہ ان روایات واحادیث کے تواتر معنوی کا دعویٰ کیا جائے۔ بہرحال نسمہ اور روح میں فرق ہے اور جن احادیث میں ارواح کا لفظ وارد ہے اس سے بھی نسمہ مراد ہے نہ روح مجرد کیونکہ انسان میں جزو اعظم روح ہی ہے نسمہ پہ روح کا اطلاق ایسا ہے جیسا سارے التحیات پر تشہد کا اطلاق تسمیۃ باسم جزءہ الاشرف ص ۱۸ حاشیہ مشکوٰۃ) اسی طرح نماز کا اطلاق فاتحہ پہ اطلق الصلوۃ علی الفاتحۃ (مشکوٰۃ ص ۷۸)، وقوف عرفہ پر حج کا اطلاق الحج عرفۃ، اور صلوٰۃ اللیل پہ وتر کا اطلاق زبان نبویؐ سے ہوا۔

البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۹۳ میں علامہ زرکشی نے کیا خوب فرمایا: ؎

علیک بالنفس فاستکمل فضائلھا　　فانت بالنفس لا بالجسم انسان

یعنی اپنے نفس کی اصلاح اپنے ذمے لے تو نفس کے فضائل کو کمال تک پہنچا کیونکہ تو نفس ہی کے اصلاح کے ساتھ انسان کہلا سکتا ہے نرے جسم کے اصلاح سے انسان نہیں کہلا سکتا۔

انسان اور بدن عنصری میں فرق

انسان اور بدن میں فرق ہے:

(۱) کیونکہ بدن میں فربہی اور لاغری کی وجہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے مگر انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اسی لیے انسان کلی متواطی ہے نہ کلی مشکک

(۲) قرآن کریم میں شہداء کو زندہ کہا گیا ہے حالانکہ بدن ان کا مردہ ہے۔

(۳) نیز نصوص شرعیہ سے جن لوگوں کا مسخ ثابت ہے ان کی نسبت یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ حالت مسخ میں انسان رہے یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بحالت مسخ وہ انسان باقی نہیں رہا، تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ جس کو مسخ کیا گیا ہے وہ تو بالکل معدوم اور فنا ہو گیا اور یہ بندر اور سور جس کی صورت پر مسخ ہوا یہ حیوان از سر نو پردۂ عدم سے وجود میں لایا گیا اور یہ ظاہر البطلان ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مسخ ہونے کے بعد انسان تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر ہیئت اور صورت بدل گئی، اصل حقیقت وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہے کہ انسان اس بدن اور اس ہیئت مخصوصہ کا نام نہیں۔

(۴) نیز انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ انسان بدن محسوس سے مغایر ہے اور اصل اور بالذات مُدرِک رُوح ہے۔

لیکن انسان فقط رُوح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں (۱) ایک اجزائے اصلیہ کہ جو اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور (۲) دوسرے اجزاء زائدہ۔ اور انسان کے اجزائے اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے ذرات کی شکل میں عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

الست بربکم قالوا بلیٰ (اعراف) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے ذرات ہیئت وشکل پر نکالا اور عجب نہیں کہ یہ ذرات چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اجزاء لا تتجزیٰ ہوں اور صورت اور ہیئت کے اعتبار سے انسان ہوں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر "ذُرِّیَّتَہُمْ" کا اطلاق فرمایا "ذرات" کا لفظ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ذریت کا اطلاق جب ہی آتا ہے جب صورت بن چکی ہوں پس رُوح کا اصل تعلق انہیں اجزاء اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے اور وہ بالکل صحیح سالم رہتے ہیں ان میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا اور قبر و برزخ میں سوال انہیں ذرات سے ہوگا اور انہیں میں روح اور حیات واپس کردی جائے گی اور وہی سوال کا جواب دیں گے (جیسے روز میثاق میں انہیں ذرات سے سوال ہوا تھا اور انہیں ذرات نے سنا سوچا سمجھا اور جواب بھی دیا تھا) روز میثاق میں نسمہ میں عقل تھی اور بدن عنصری نہ تھا اسی طرح بعد الموت سمجھ لیجیے۔

یہی مطلب ہے اس عبارت کا جو صاحب تسکین نے مسامرہ سے نقل فرمائی ہے جاز ان یحفظ اللّٰہ من الاجزاء ما یتاتی بہ الادراک، نیز اعادۃ الحیاۃ الی الجزء الذی بہ فہم الخطاب ورد الجواب ..... واحیاء جزء یفہم الخطاب ویجیب ممکن اسی لیے فرمایا والانسان قبل موتہ لم یکن یفہم بجمیع بدنہ بل بجزء من باطن قلبہ اور ظاہر ہے اعبارات سابقہ کے مطالعہ کے بعد کہ یہ انسانی جزو وہی نسمہ ہے جس کا مقام صاحب المسامرہ نے (قبل از موت) باطن قلب بتایا ہے اسی جزو کو ملک الموت محفوظ کر لیتے ہیں اور اسی میں حیات لوٹا کر اس سے سوال کرتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے فتح القدیر کی عبارت کا جسے صاحب تسکین نے بغیر تحقیق کے اپنی تائید میں نقل فرمایا جعلت الحیوۃ فی تلک الاجزاء التی لا یاخذھا البصر وان اللّٰہ علیٰ ذٰلک لقدیر اور یہی مطلب ہے آلوسیؒ کا والجمھور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ، اور یہی مذہب ہے نوویؒ کی عبارت کا المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ اَو

او منه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه پہلی شق غیر محقق بات ہے اور دوسری شق تحقیقی امر ہے اور مراد بعض سے وہی نسمہ ہے۔ اور یہی مطلب ہے فتح الباریؒ کے قول کا الجمهور قالوا تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث اور ابن قیمؒ کا بھی ان ذلك (العذاب والتنعيم) يحصل لروحه وبدنه اى جزء بدنه یعنی بدن کی اصلی جزء باقی غیر متبدل۔

الغرض حسب تحقیق سابق نووی، سالمی، شعرانی، عبدالحق، رازی، البغوی، ابن جریر، ابن کثیر، ابن العربی، مقاتل، ابوالسعود و صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین وغیرہم کی تشریح و مذہب اہل السنت والجماعۃ کا مسلک یہی ہے کہ نسمہ و انسان ایک ہی چیز ہے جو سدا ایک حال میں رہتا ہے۔ روح کا تعلق نسمہ سے رہتا ہے، عذاب و ثواب کی احادیث میں بدن، جسد یا جزء بدن سے یہی حقیقی انسان (اجزاء اصلیہ) مراد ہیں

معادِ جسمانی

علم الکلام ص۲۷ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ فرماتے ہیں۔

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ معادِ جسمانی حق ہے، کتاب اور سنت کی اور ناقابل تاویل نصوص سے یہ امر ثابت ہے کہ یہی بدن دوبارہ زندہ ہوں گے اور انہی میں روح ڈالی جائے گی۔ معاد، عود یعنی رجوع سے مشتق ہے، معاد دوبارہ زندہ کرنے کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اجزائے بدن عدم کے بعد وجود کی طرف لوٹتے ہیں اور تفرق کے بعد اجتماع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور روح طویل مفارقت کے بعد پھر دوبارہ بدن کی طرف واپس آتی ہے اور جسم پھر موت سے حیات کی طرف رجوع کرتا ہے جس خداوند قدیر نے اس عالم جسمانی کو اوّل بار پردۂ عدم سے نکال کر وجود کا خلعت پہنایا اور نابود محض سے بود کیا وہ خدا دوبارہ اسی طرح زندہ کرنے اور وجود میں لانے پر قادر نہیں؟ کما قال تعالٰی اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (الروم) اللہ تعالیٰ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا

اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ (انبیاء) جس طرح پہلی بار پیدا کیا اسی طرح دوسری بار پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اس کو پورا کریں گے۔

کفار اس عالم کے فنا ہونے اور پھر دوبارہ پیدا ہونے کو محال اور خلاف عقل سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر بحث اسی مسئلہ پر رہتی تھی۔ اس بارہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ شمار سے باہر ہیں اور اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ تاویل کی گنجائش نہیں۔ فلاسفہ بھی معاد جسمانی کے منکر ہیں وہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کے قائل نہیں وہ ان کو ازلی اور ابدی سمجھتے ہیں۔ آسمانوں کے خرق اور التیام یعنی ان کے پھٹ جانے کو محال سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ صریح کفر ہے اس لیے کہ یہ عقیدہ رکھنا نصوص قرآنیہ قطعیہ اور کل انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کا انکار ہے قال اللہ تعالیٰ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ان آیات میں صراحتاً آسمانوں کا پھٹنا مذکور ہے اور اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں، یہ مسئلہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے محض کلمہ شہادت کا اقرار اسلام کے لیے کافی نہیں جب تک دین کی تمام باتوں کو نہ مانے کما قال تعالیٰ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (البقرہ) کیا کتاب الٰہی کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض احکام کا انکار کرکے کافر ہوتے ہو؟

الحاصل فلاسفہ معاد جسمانی کے منکر ہیں، معاد روحانی کے قائل ہیں تفصیل کے لیے امام رازی رحمہ اللہ کی کتاب الاربعین کی مراجعت کریں۔

معاد جسمانی پر بعض شکوک و شبہات اور ان کے جوابات

معاد جسمانی کے منکرین نے جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سب سے زیادہ قوی اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو کھا لے اور وہ اس کا جزو بدن بن جائے اور دونوں مل کر ایک ہو جائیں تو اگر بعث کے وقت دونوں کو متحد الاجزاء ہو جانے

کی وجہ سے ایک جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے تو دو روحوں کا ایک انسان کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور اگر آکل (کھانے والے) اور ماکول (جس کو کھایا گیا) کو علیحدہ علیحدہ زندہ کیا جائے اور حشر کے وقت آکل سے ماکول کے اجزاء علیحدہ کر لیے جائیں تو آکل کا بعینہٖ اور بجمیع اجزائہٖ حشر نہ ہوا، حالانکہ فرض یہ کیا گیا تھا کہ حشر بعینہٖ اور بجمیع اجزائہٖ ہے۔

اور ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزاء اکثر زمین میں مل جاتے ہیں اور پھر اُس زمین پر کاشت کرتے ہیں اور جو غلہ ان اجزاء سے مل کر اس زمین میں پیدا ہوتا ہے وہ دوسروں کی غذا بنتا ہے، غرض اس طرح سے بہت لوگوں کے اجزاء متحد ہو گئے، لہٰذا ہر شخص کا اگر علیحدہ علیحدہ اعادہ کیا جائے تو چونکہ سب کی اصل اور مادہ ایک ہے تو شے واحد کا مختلف اشکال اور مختلف صورتوں کے ساتھ مصور اور متشکل ہونا لازم آتا ہے۔

اور ایک اعتراض یہ ہے کہ انسان نام صورت کا ہے، مادہ کا نہیں، کیونکہ اگر انسانی صورت باطل ہو جائے تو مادہ تو اربعہ عناصر کی طرف لوٹ جاتا ہے اور مادہ محل ثواب و عقاب نہیں اور نہ وہ مکلف ہے پس جب انسان کی وہ صورت ہی باقی نہ رہی تو اس انسان کو ثواب و عقاب نہ ہوا تو دوسرے انسان کو ثواب اور عقاب دینا لازم آتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزائے اصلیہ کہ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور دوسرے اجزائے زائدہ وعارضہ کہ جن میں تغیر اور تبدل کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے انسان، بچہ اور جوان اور بوڑھا ہوتا ہے اول عمر سے اخیر عمر تک زید ہی کہلاتا ہے، حالانکہ اس مدت میں اس کے جسم میں ہزاروں تغیر اور تبدل پیش آئے اور وقتاً فوقتاً جسم گھٹتا اور بڑھتا رہا۔ معلوم ہوا کہ زید کے اجزائے اصلیہ میں کوئی تغیر نہیں ہوا صرف اجزائے زائدہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا، پس حشر کے وقت ہر انسان کے اجزاء اصلیہ علیحدہ کر دیئے جاویں گے اور ہر شخص اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور یہ انسان ماکول یعنی کھایا ہوا انسان، انسان آکل یعنی کھانے والے کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں۔

کل کے اجزاء اصلیہ وہ ہیں کہ جو اس انسان کے کھانے سے قبل اس میں موجود تھے لہٰذا ہر شخص کا حشر اپنے اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا۔ الحمد للہ اب کوئی اعتراض وارد ہوگا

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان اور بدن میں فرق ہے۔ کیونکہ بدن میں فربہی اور لاغری کی وجہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ مگر انسانیت میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں شہداء کو زندہ کہا گیا حالانکہ بدن ان کا مردہ ہے۔ نیز[1] نصوص شرعیہ سے جن لوگوں کا مسخ ثابت ہے ان کی نسبت یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ حالت مسخ میں انسان رہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ بحالت مسخ انسان باقی نہیں رہا تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ انسان جس کو مسخ کیا گیا وہ تو بالکل معدوم اور فنا ہوگیا اور یہ بندر اور سور جس کی صورت پہ مسخ ہوا یہ حیوان از سر نو پردۂ عدم سے وجود میں لایا گیا اور یہ ظاہر البطلان ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ مسخ ہونے کے بعد انسان تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر ہیئت وصورت بدل گئی۔ اصل حقیقت وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہے کہ انسان اس بدن اور اس ہیئت مخصوصہ کا نام نہیں۔

نیز[1] انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو، اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ انسان ابدان کے مغایر ہے اور اصل اور بالذات مُدرِک رُوح ہے لیکن انسان فقط رُوح کا بھی نام نہیں، بلکہ انسان رُوح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزاء اصلیہ کہ اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا، اور دوسرے اجزائے زائدہ، اور اجزاء اصلیہ انسان کے وہی ذرات ہیں کہ جو

---

[1] یہ تفصیل الیواقیت والجواہر اور رسالہ حمیدیہ سے لی گئی ہے حضرات اہل علم اگر حقائق اور معارف کے یواقیت اور جواہر چاہتے ہیں تو اصل کی مراجعت کریں سب کے سامنے ہی رکھے ہوئے ملیں گے۔ کوئی مشقت نہ ہو گی الا یہ کہ دیکھنے ہی میں مشقت محسوس کریں۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے کما قال تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (اعراف) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے ذرات کی ہیئت اور شکل پر نکالا اور عجب نہیں کہ یہ ذرات چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اجزاء لا تتجزیٰ ہوں اور صورت اور ہیئت کے اعتبار سے انسان ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر ذریۃ کا اطلاق فرمایا، ذرات کا لفظ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ذریت کا اطلاق جب ہی آتا ہے کہ صورت بن چکی ہو۔

پس رُوح کا اصل تعلق انہی اجزائے اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے انہیں سے عہد الست لیا گیا اور پیدائش کے وقت بھی رُوح کا اصل تعلق ان اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اجزائے زائدہ ملا کر جسم کو مکمل کر دیا جاتا ہے اور اسی طرح نفخ صور کے بعد رُوح کا تعلق انہی اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور اجزائے زائدہ ملا کر شخص تام یعنی مکمل اور پورا انسان بنا دیا جائے گا۔ اور اسی طرح سے انسان کا دوبارہ زندہ کرنا بعینہٖ اعادہ سمجھا جائے گا۔

مرنے کے بعد انسان کے اجزاء کتنے ہی متفرق اور منتشر ہو جائیں مگر اللہ کے علم ازلی اور قدیم میں اجزاء اصلیہ اور اجزائے زائدہ سب علیحدہ علیحدہ محفوظ اور ممتاز ہیں۔ وہاں ذرہ برابر کوئی اختلاط اور انتشار نہیں،

ذرہ گو در ہوا شد یا کہ ریخت　　　از خزینۂ قدرت تو کے گریخت

لہٰذا ممکن ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اجزاء اصلیہ بمشیت ایزدی محفوظ رہیں اور جس وقت ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا جائے تو اجزائے اصلیہ اس کا جزو بننے سے محفوظ رہیں اور پہلے حیوان کے صرف اجزاء زائدہ دوسرے حیوان کا جزء بن جائیں اور ذکر اصل اعتبار اجزاء اصلیہ ہی کا ہے، اجزاء زائدہ کا اعتبار نہیں جس طرح گھاسوں اور درختوں کے بیج کے اجزاء ریت میں ملے رہتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو مختلف قسم کی گھاس اور مختلف قسم کے درخت اس سے اُگ جاتے ہیں، پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا

مخاطب اور مکلف ہے۔ وہ روح اور ان اجزاء اصلیہ کے مجموعہ کا نام ہے

اسی طرح انسان سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور یہی انسان بعینہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اسی کو ثواب اور عقاب ہوگا۔ اس تقریر سے بحمد اللہ تعالٰی تمام اشکالات دور ہو گئے۔ نہ دوسرے شخص کا ثواب اور عقاب لازم آیا اور نہ جسم واحد کے ساتھ دو روحوں کا متعلق ہونا لازم آیا اور نہ بہت سے انسانوں کے لیے ایک مادہ ہونا لازم آیا۔

پس اصل انسان روح اور ان ذرات کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ ذرات اس قدر لطیف اور باریک ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ جس کو اللہ تعالٰی دوربین نگاہ عطا فرما دیں اس کے لیے مشاہدہ ممکن ہے اور کائنات میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو اپنی لطافت کی وجہ سے حواس سے پوشیدہ ہیں جیسے گیس اور ایتھر وغیرہ اور عجب نہیں کہ یہ اجزائے اصلیہ عجب الذنب میں پوشیدہ اور مخفی ہوں، اور یہ اجزائے اصلیہ ساری عمر باقی رہتے ہیں اور اجزائے زائدہ کم و بیش ہوتے رہتے ہیں اور انہی اجزائے اصلیہ کے ساتھ جب روح کا تعلق ہوتا ہے تو حیات آتی ہے اور جب تعلق منقطع ہوتا ہے تو موت آتی ہے۔

اس تقریر سے منکرین کا ایک شبہ یہ رفع ہو گیا جس کا کان اور ناک کٹ گئی ہو وہ شخص کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اگر اس کو ناک اور کان کے بغیر دوبارہ زندہ کیا جائے تو بعینہٖ حشر نہ ہوا اور اگر کان اور ناک کے ساتھ اٹھایا جائے تو نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ ہونے والوں کے ناک اور کان سب سالم ہوں گے دُرُجُہٗ اِلْوَنْبِ قَاع طَاھِنٌ اور اس قسم کے شبہات اور جوابات الیواقیت والجواہر میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ حضرات اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

فلاسفہ معاد جسمانی کے انکار پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ معاد جسمانی میں اعادہ معدوم کا لازم آتا ہے اور اعادہ معدوم کا بعینہ محال ہے۔

جواب: یہ کہنا کہ اعادہ معدوم محال ہے محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جس طرح ایجاد معدوم کی ممکن بلکہ واقعہ ہے اسی طرح معدوم کی ایجاد ثانی یعنی اعادہ

بھی ممکن ہوگا۔ وجود اور عدم موت اور حیات نفس ماہیت کے عوارض میں سے ہیں نہ عین ماہیت ہیں نہ لازم ماہیت۔ جس طرح نوم اور تیقظ اور حرارت اور برودت کا ماہیت واحدہ پر توارد اور تعاقب جائز ہے اسی طرح وجود اور عدم کا توارد بھی ماہیت واحدہ پر جائز ہے۔ ایجاد اور اعدام احیاء اور اماتت کا امکان کسی خاص زمانہ پر موقوف نہیں لہذا یہ کہنا کہ احیاء اول زمانۂ سابق میں ہونے کی وجہ سے ممکن ہے اور ایجاد ثانی زمانۂ لاحق میں ہونے کی وجہ سے ممتنع ہے غیر معقول ہے اس لیے کہ زمانہ احیاء اور اماتت کے لیے ظرف ہے، شرط نہیں۔ ہاں اگر اعادہ بشرط الزمان الاول مذہب ہوتا تب بیشک استحالہ لازم آتا۔ پس جس طرح معدوم کی ایجاد زمانۂ اول میں ممکن تھی بعینہ اسی طرح دوسرے زمانہ میں اس معدوم کی ایجاد ثانی بھی ممکن ہو گی۔ زمانہ کے بدلنے سے جو ایجاد ممکن تھی وہ محال نہ بن جائے گی۔ تفصیل کے لیے شرح مواقف اور شرح مقاصد اور اتحاف شرح احیاء العلوم کی مراجعت کی جائے (ص ۳۰۳) :

مولانا نجم الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے تہذیب العقائد ص ۲۱۲ میں لکھا ہے "فلاسفہ حشر اجساد کے منکر ہیں اسلیے کہ معدوم کا اعادہ بعینہ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ حشر اجساد سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰے بندوں کے تمام اجزاء اصلی کو جمع کر کے اس میں روح کو داخل کر دے گا۔ اب تم اس کا نام اعادۂ معدوم بعینہ رکھو یا نہ رکھو، اختیار ہے۔

اور ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کو کھالے اور وہ اس کا جزو بدن بالکل بن جائے تو حشر کو اجزاء کا یا تو ان دونوں میں اعادہ ہوگا یا صرف ایک میں؟ پہلی صورت محال ہے اور دوسری صورت میں لازم آئے گا کہ ایک کا اعادہ اس کے تمام اجزاء کے ساتھ نہیں ہوا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اعادہ ان اجزاء اصلیہ کا ہو گا جو ابتداء عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور کھائے ہوئے اجزاء فضلہ ہو جاتے ہیں، اصلی نہیں ہوتے اور تناسخ یہاں اس لیے لازم نہیں آتا کہ جسم ثانی

جسم اول کے اجزا اصلیہ سے بنتا ہے بخلاف تناسخ کے کہ اس میں روح پہلے جس جسم میں ہوتی ہے وہ اور ہوتا ہے اور جس جسم میں اعادہ کرتی ہے وہ اور، انتہی کلامہ

مولوی رحیم بخش صاحب بریلوی

انسان کیا ہے ؟

مولوی رحیم بخش صاحب نے اسلام کی گیارھویں کتاب صفحہ ۲۱۲ میں لکھا ہے "سو واضح رہے کہ انسان یا عبارت ہے نفس سے یا بدن سے پس اگر نفس سے عبارت ہے جیسے مذہب حق یہی ہے تو جب کہ اس کا پہلی بار بدن سے متعلق ہونا جائز ہوا تو اس کا تعلق دوبارہ بھی بدن سے جائز ہوگا اور اگر انسان عبارت ہے بدن سے اگرچہ یہ قول خلافِ تحقیق ہے تو جس طرح پہلی بار اجزائے بدن نے ایک ہیکل مخصوص کے ساتھ تالیف حاصل کرلی ہے اسی طرح دوبارہ بھی حیات کا اس میں آنا ممکن ہے،

درحقیقت انسان بھی ارواح ہی کا نام ہے

انسان کس چیز کا نام ہے ؟

میں نے ندائے حق کے پہلے ایڈیشن میں یہی بات اہل تفاسیر سے نقل کی تھی جو پھر درج ذیل کر رہا ہوں۔

صاحب تسکین سے یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ انسان اس گوشت پوست، ہڈیوں، پٹھوں، خون وغیرہ کا نام نہیں ہے اور نہ اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آتا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں الانسان لیس عبارۃ عن ھذا الھیکل، (رازی صفحہ ۳۰۳) انسان تو آدمؑ اور اولاد آدم کا نام ہے جس کو ذریۃ اور نسمہ بھی کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے بشکل ذرات نکالا جو بالکل صحیح سالم قائم ہیں اور بعداز موت بھی قائم رہتے ہیں انہیں کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہے گا۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بل ھو (الانسان) عبارۃ عن

جسم نورانی سار فی هذا البدن (العنصری) (رازی ص۳۰۲ ج۲) سریان الماء
فی الورد والدهن فی الزیتون والنار فی الفحم لا یقبل التحلل
والتبدل والتفرق والتمزق (ص۳۴۹ ج۵) وکلنا یجد انه شیء واحد
من اول عمره الی آخره والباقی مغایر للمتبدل لا یبعد ان ینفصل
بعد موت البدن حیًا او اماته الله فیعیده حیا وبهذا یثبت عذاب
القبر وثوابه وتزول الشبهات (نیشاپوری ص۳۸ ج۴) الانسان عبارة عن
ذلك الذی هو باق من اول عمره الی الآن فلِمَ لا یجوز ان یقال
انه وان بقیت هذه الجثة فی العدم الا ان الله تعالی نقل تلك الاجزاء
الاصلیة التی هی الانسان المعین منها الی النار والعذاب (رازی ص۲۳۰ ج۲)۔
قال خواجہ زادہ الاجزاء الاصلیة التی هی الانسان فی الحقیقة تقبضها الملائکة
بامر الله تعالی عند حضور الموت فلا یتعلق بها الاکل (ای اکل الارض) ولا تختلط
بالتراب ولا یحصل منها النبات والثمار والحبوب (تهافت الفلاسفة ص۱۲۱)
الفاعل المختار یجوز ان یحفظ الاجزاء الاصلیة عن التحلل (ص۹۳ تهافت)
وتلك الاجزاء قلیلة جدا وهی المسماة بالروح (ای مجازا کما فی العجز
عرفة) فعند حضور الموت یامر الله الملائکة بقبض تلك الاجزاء التی
هی الانسان بالحقیقة من غیر ان یقع فیها تفرق وتبدل وتغیر فی صفاتها
(تهافت ص۱۰۲ والیواقیت ص۳۴ ج۲) قال الامام عبد الوهاب الشعرانی رح ان
الذرة التی تبقیها عزرائیل من الارض اولا باقیة فی کل انسان
لا تتبدل البتة وهی الجزء القائم منه الذی اخذ علیه المیثاق
ویتوجه علیه فی القبر (ای المستقر) کما سیاتی تحقیقه آنشر نیلوی)
سوال الملکین ویتولی جوابهما بعد رد الروح الیه والحیاة له وسائر
اجزائه صمت وهو الذی یتعلق به الروح عند النفخ فی الصور
ثم ینضم الیه سائر الاعضاء حیث کانت بقدرة الله حتی یقوم الشخص

تماماً کما کان فی الدنیا (الیواقیت والجواہر ص۱۳۹)

نوٹ: ان عبارات کا ترجمہ اوپر کی دی ہوئی اردو عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے

سائنس اور اسلام

جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے پر منکرین کی جانب سے ان پر وارد کیے گئے ہیں ان میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اس سے صرف اس کی صورت ہی کے پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ مادہ سے جب اس کی صورت باطل ہو جائے گی اور مادہ اپنے اصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئے گا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو گا، پھر جب اسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائے گی تو اس سے دوسرا انسان پیدا ہو گا نہ یہ کہ پہلا۔ کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے پس لازم آتا ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائے گا وہ نیکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اس کا شریک رہے۔

اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اس کی غذا بن جانے کی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں گے، پس بعثت کے وقت دو روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گے۔

اور نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمین پر پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزاء ہیں اور ان میں بہت کچھ کاشتکاری کی گئی، درخت لگائے گئے اور ان سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بن کر ان کے بدن کا بھی جزء ہو گئی۔ پس ایک اصل اور ایک ہی وہ اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کے لیے کیونکر ہو سکے گا نقشہ ان اشکالات کے مقابلہ میں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفع کرنے کے

لیے اجمالاً یوں کہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور اس کی عظمت قدرت جن دونوں پر کہ اس کے مصنوعات کے عجائب اس کے اعمال کے غرائب وہ دقائق کے ذریعہ سے یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے۔ ان دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کیے گئے ہیں لازم نہ آئیں، ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کسی ایسے طریق پر واقع ہوگا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے ہمارے لیے بالکل کافی ہے۔ اپنے ایمان کے صحیح کرنے کے لیے ہمیں یہ ضروری نہیں کہ ہم اس کی اس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کرے گا، ہمیں اس کا تفصیلی علم خدا کے حوالے کرنا چاہیے۔

لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کے لیے اور کمزور دین والوں کے خیالات کو پریشانی سے بچانے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزاء لوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزاء ہوں گے یعنی وہ اجزاء جو اول عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں نہ زائد اجزاء۔ ایسا ہی اس شبہ کے جواب دینے کے لیے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کو کھا جانے کی بنا پر کیا گیا ہے، جمع الجوامع اور اس کے حاشیہ کمال سے نقل کر کے یواقیت میں اصلی اجزاء اور زائد اجزاء کا ماننا مذکور ہے اور اسی امر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں بھی اس کی تقریر کرتا ہوں۔

پس کون امر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے، انسان کے ان اصلی اجزاء کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں نہ داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزاء کی ترکیب میں داخل ہو جائیں۔ اسی طرح پر اصلی اجزاء ان کے منتشر ہونے کے وقت ان سے جدا ہو جائیں گے، پھر بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت روح کا تعلق خدا تعالیٰ انہیں اصلی اجزاء کے ساتھ کر دے گا اور ان کے ساتھ کچھ زائد اجزاء بھی ملا دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ بعینہٖ وہی اجزاء ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزاء کے

ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت و عذاب کا احساس صرف روح اور انہیں اجزائے اصلیہ کو ہوگا۔ اس کیفیت پر یہ امر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ روح کا اصل اجزاء کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اس کے کہ ان اجزاء سے روح کا تعلق جدا ہوگیا تھا اور انہیں اصلی اجزاء میں حیات لوٹائی گئی ہے اور ان کے ساتھ زائد اجزاء ملا دیئے گئے ہیں جن کے بعینہٖ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ زندہ کیا جانا موقوف نہیں ہے پس اب نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا عذاب دیا جائے گا وہ اس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو روحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور یہ بھی کہ بہت سے آدمیوں کے لیے صرف ایک ہی مادہ ہوگا بلکہ اصلی اجزاء کے ساتھ کسی روح کے متعلق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ قبل موت وہ کوئی انسان تھا اسی طرح بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت بھی اسی روح کا انہیں اصلی اجزاء کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے بعینہٖ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اس کی قدرت اس کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کے لیے جس سے کوئی محال بھی لازم نہ آئے کافی ہے چاہے یہ امر کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔ اور ہمارا ان کو نہ دیکھنا ان کے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزاء کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزاء خواہ اپنے باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے مشاہدہ میں نہ آسکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس، ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہوں۔

خلاصہ کلام: یہ کہ ہماری شریعت کے نصوص بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے ساتھ ناطق ہیں اس لیے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے اور ہمارے ذمہ اس کی تفصیل کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں، اور اگر اس کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے خیال میں ایسی کیفیت جس کی ہم نے تقریر کی، عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کے لیے بالکل کافی ووافی

ہے۔ زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں مدار ہے ان میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں امت محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اس کے پیشتر ذکر کر دوں تاکہ اس کے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔

پس سنیئے کہ شریعت محمدیہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچے کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے، امام رازیؒ ہیں، اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"اس بات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہوتے ہیں، اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ متبدل اور متغیر ہونے والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغایر ہے اور ان دونوں باتوں کے ملانے سے اس کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ اس مجموعی بدن کا نام انسان نہیں ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے باوجودیکہ بدن مردہ ہوتا ہے پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغایر ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے صحیح ہونے کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ یعنی، اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے، پس یہ نص اس بارے میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ بذریعہ حس بدن مردہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے انبیاء اللہ تعالیٰ لا یموتون ولکن ینقلون من دار الی دار یعنی خدا تعالیٰ کے نبی نہیں مرتے بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیئے جاتے جاتے ہیں۔" علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران یعنی قبر یا تو باغات جنت میں سے ایک باغ ہے

یا آگ یعنی دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔"

پس یہ جملہ نصوص اس بات پر دال ہیں کہ انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مردہ ہے اور اگر ہم اس کا اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی اور یہ نرا دھوکا ہے۔

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان زندہ اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان بدن نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہوجانا معلوم ہوا ہے ان کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ حالت مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اس انسان کو مار ڈالنا اور اس حیوان کو جس کی جانب وہ مسخ ہوا تھا از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا، حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہوجانے کی حالت میں بھی وہی انسان زندہ ہے تو اس تقدیر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے۔ البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی، پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغایر کوئی شئی ہو۔

پھر انہوں نے کہا واجب ہے کہ انسان کے لیے صاحب ادراک عقلی ہونا ضروری ہے اور ادراک عقلی قلب میں حاصل ہوتا ہے، نہ کہ بدن میں، پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہیے جو قلب میں موجود ہو۔ اور جب یہ ثابت ہوا تو اس بات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہوگیا، اس کے بعد انہوں نے اس پر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اس پر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

پھر جاننا چاہیے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا جس کا ترجمہ یہ ہے اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر انہی کو

شاہد بنا کر کہا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بیشک تو ہمارا پروردگار ہے، ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔“ اور اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد ہوئی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ذرہ کی ہیئت ان کی پشت سے نکالا۔“

پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے (جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم کی اولاد ذرّہ کی مانند ان کی پشت سے نکالی پھر ان ذروں سے جو آدم کی پشت سے نکلے تھے ان کی اولاد کو ذرّوں کی مانند نکال لیا پھر ان ذروں میں سے بھی ان کی اولاد کو ذروں کی مانند نکالا پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوع انسانی کی انتہا تک چلا گیا پھر ان سب میں عقل مع حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے انہیں اپنے قول الست بربکم کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلیٰ (بیشک) یعنی تو ہمارا رب ہے کہا۔ اس کے بعد سب کو آدمؑ کی پشت میں پھر داخل کر دیا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں ۱۔ ایک یہ کہ وہ ذرے خود منی بن گئے ہوں ۲۔ دوسرا یہ کہ وہ ذرے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادہ منویہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اس مادہ میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہوں اور حقیقت حال کو خدا ہی خوب جانتا ہے (ایسا ہی جمل میں بالاختصار مذکور ہے)

اور بعض نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شعرانی سے منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان کی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالوں کی مسامات کی راہ سے نکال لیا پھر یہ کہا کہ انہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحب عقل اور زندہ تھے۔ کیونکہ عقل کے نزدیک یہ امر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دے دی ہو۔

(میں کہتا ہوں کہ جس نے وہ حیوانات جو بذریعہ مائکروسکوب (خوردبین) کے نظر آتے

ہیں۔ دیکھے ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک انہیں حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں، ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے ایذا رساں چیزوں سے بچتے ہیں، ان کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں تو اسے تو اس امر میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا اور خدا کے علم و قدرت کو لحاظ کرکے اس کو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھے گا)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "ذریۃ" کا لفظ فرمایا ہے "ذرات" کا لفظ نہیں فرمایا اور ذُرِّيَّة کا اطلاق انہیں پر آیا کرتا ہے جن کی صورت بھی بن چکی ہو۔

پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا نے ان کو زندہ نکالا ہے کیونکہ ان کو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں، اس لیے احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپوں کی پشت کی تاریکی میں ان میں ارواح داخل کر دی ہوں اور دوسری مرتبہ ان کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں ان میں ارواح پیدا کر دے گا۔ اور تیسری مرتبہ اس حالت میں جب کہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہوں گے۔ یہی خدا کے اس قول خَلْقًا مِّنۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِى ظُلُمَٰتٍ ثَلَٰثٍ کا مطلب ہے یعنی تین تاریکیوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرنا خدا کی عادت اسی طرح جاری ہوئی ہے۔

پھر کہا ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو ان کی روحوں کو قبض کر لیا کیونکہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانے کے وقت کیا کرتا ہے اس کا قیاس اسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ ان کی روحوں کو قبض کر لیا کرتا ہے اور زمین میں ان کو لوٹا دیتا ہے۔ انتہٰی باختصار (شعرانی کا قول باختصار تمام ہوا)

اور مشہور اماموں میں سے بعض نے (امام ابو طاہر اپنی کتاب سراج العقول میں کہتے ہیں جیسا کہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے معلوم ہوتا ہے) سابق الذکر شبہوں کے جواب میں جو لعبث پر وارد کرتے ہیں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا اور

وہ وہی جزو ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے عہد لیا گیا ہے (یعنی جیسا کہ ذریت سے خطاب کرنے کی آیت میں ہے جو پیشتر گذری) اور قبر میں اسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے اس طرح کہ اس میں روح لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے پھر اسی کے ساتھ ہی باقی اعضاء جہاں جہاں ہوں گے خداوندی قدرت سے مل جاویں گے یہاں تک کہ پورا آدمی بن جائے گا، جیسا کہ دنیا میں تھا یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اس کی مخالف ہے نہ شرع، انتہی بعض اختصار (امام ابوطاہر کا قول مختصراً ختم ہوا۔)

پس یہ دلائل جنہیں کہ اس عالم (رازی) نے اس بات پر قائم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور میں نے انہیں نقل کیا ہے اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدم کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اس بارہ میں علمائے اسلام (خازن اور شعرانی جیسا کہ تمیل سے پیشتر منقول ہو چکا) کی جانب سے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اس اسلامی عالم (ابوطاہر) نے ان شبہوں کو رد کرنے کے لیے جو بعث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جس کی نسبت یہ ذکر کیا گیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کر کے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز ہے کہ ان اجزائے اصلیہ کی تفسیر انہی ذرات کو ٹھہرائیں جن کی نسبت پیشتر گذر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور ان سے عہد لیا گیا تھا سو ان کو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ ذرے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزاء کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلف ہے اور جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جسے نعمت ملے گی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرے مع روح کے ہیں جو ان میں حلول کرتی ہے، اور انسانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور وہ زائد اجزاء ہیں اور اعادہ اور دوبارہ پیدائش کے متحقق ہونے کے باب میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ وہ بعینہٖ اعادہ کیے جائیں یا ان کے مثل اور اجزاء ملا دیئے جائیں، بلکہ

اعادہ کی تحقیق میں جن کا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزاء ہیں جن پر سوائے اس کے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ روح ان سے نکل جاتی ہے۔ اور زائد اجزاء ان سے جدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں انہی کی جانب روح لوٹا دی جائے گی اور زائد اجزا انہیں کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔

اور پہلے بیشتر گذر چکا ہے کہ بعض لوگ روح کے بیان کرنے میں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شے ہے اس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اس کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی میں پانی۔

پس جملہ امور مذکورہ کی بنا پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث سوال قبر اور اسی کے مثل اور شرعی امور پر جو شبہے وارد ہوتے ہیں سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جا سکیں پس یوں کہا جائے کہ:

اس سے کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالے نے ارواح کو لطیف مادہ کے اجزائے فردہ سے جیسے کہ ایتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب اور ایسی کیفیت و وضع پر بنایا ہو جس سے روح کی نسبت جتنے خواص ذکر کیے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب اصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ روح بنفسہ اور خود زندہ ہے یعنی اس کے ساتھ کسی دوسری شے کے ملانے کی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جائے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اسے بھی حیات ادراک، اور زندہ شے کے اور باقی صفات سے موصوف کر دیتی ہے اور اس میں یہ سب خواص آ جاتے ہیں جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اس میں لوہے کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ روح باوجود ان سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرہ ہے جس کو ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے پھر اور اجزا فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرے ایسی کیفیت پر بنائے ہوں جو اپنے ساتھ روح کے متعلق ہونے کے وقت حیات اور ادراک

وغیرہ اسکے باقی خواص کو حاصل کر لیتے ہوں اور ان ذرات کے لیے خدا نے انسانی اعضاء بھی بنا دیئے ہوں جیسے کہ ان حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو مائکراسکوب (خوردہ بین) سے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جن کا پیشتر ذکر ہو چکا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو ان اجزاء سے بنایا ہو اور ان میں کہیں یہ اس ذرہ (جزو اصلی) کو بھی رکھ دیا ہو اور احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے اور علم فزیالوجی جاننے والوں کی عبارت عنقریب آتی ہے جس سے اس کے لیے قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی (آدم کی) ساری اولاد کے ذرّوں کو ان کی ہیکل کی پشت میں رکھ دیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذرّوں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں، کیونکہ پانی کے چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات مائکراسکوب (خورد بین) سے نظر آتے ہیں جن کا شمار روئے زمین پر کے سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہو گا جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔

پس اس سے کوئی مانع نہیں ہو سکتا کہ ان کی پشت میں جمیع بنی آدم کے ذرے جو دنیا کی مدت میں پلنے جائیں گے سما گئے ہوں پھر خدائے پاک نے آدم علیہ السلام کی روح کو ان کے ذرہ (جزو اصلی) میں جو ان کی ہیکل کے اندر تھا داخل کر دیا ہو اور وہ اس میں حلول کر گئی ہو۔

اور عجب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول سے (ونفخت فیہ من روحی) یعنی میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی اسی کی طرف اشارہ ہو اور اس قول میں (روحی، اپنی روح) سے مراد وہ روح ہو جس کے نئے طرح پہ پیدا کرنے اور اس کی پیدائش کی حقیقت کے شناخت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ منفرد ہے۔

پس اس ذرہ (جزو اصلی) میں اس روح کے حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہو گئی ہو اور پھر ساری ہیکل میں سرایت کر گئی ہو۔ کیونکہ خدائے پاک نے اس ہیکل کو اس استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا، پھر اس کی پشت سے بنی آدم کے سارے ذرّوں کو نکالا ہو اور ان میں ان کی روحیں داخل کر دی ہوں جس کی وجہ سے وہ زندہ صاحب ادراک بن گئے ہوں

اس کے بعد ان سے خطاب کیا ہو اور عہد لے لیا ہو پھر ان کی روحوں کو ان سے جدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اس میں داخل کر دیا ہو جس طرح ان سے نکالا تھا اور اسی طرح تو امر اس کے کپڑے بدن میں داخل ہو جاتے ہیں اور انہیں سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ قائل ہو۔

پھر ان روحوں کو جہاں چاہا عالم میں وہاں محفوظ رکھا، پھر یہ ذرے سے حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ منویہ میں جماع کے وقت ان کی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور ان کی زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے پس ان کی ہیکلیں ان تخموں سے منی کے ساتھ مل کر بننے لگیں اور خدا اس کو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیکل انسانی کی صورت بن گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا ذرہ جو ان کے زوجہ کے تخم کی جانب منتقل ہوا تھا اس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے بھی منتقل ہو کر چلے آتے ہوں جن کا سلسلہ توالد اس ذرہ سے چلنے والا ہوگا، پھر اس پہلے ذرہ کی ہیکل سے جو منی نکلی اس کے ساتھ بھی یہ ذرے اسی طرح منتقل ہوتے رہے اور یہی کیفیت ان کی اور ان ذروں کی باقی اولاد میں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہے گی۔

اور شاید کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (اور دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے بعض کی تفسیر کے موافق اسی جانب اشارہ ہو۔

پس اس قول کا یہ مطلب ہو جائے گا "آپ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے رہے اور ہر ہیکل جب ایک محدود حد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو بھیج دیتا ہے پس وہ اپنے ذرہ میں حلول کرتی ہے اور اس میں اور اس ہیکل میں حیات اور حرکت کا سریان ہو جاتا ہے۔

پس انسان روح اور اس ذرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرہ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزاء کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی اب مرنے کے روح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جس سے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزاء

ہیں جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذرہ سے اس کی رُوح کو جدا کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ اس سے اور نیز اس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل ہو جاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کو موت آجاتی ہے اس کے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اس کا پراگندہ ہو جانا اور کسی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ بھی ہونے والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے جیسے کہ سونے کے ذرے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے تو وہ صرف اس کی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنتی ہے داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور جب یہ ہیکل منحل ہو جاتی ہے تو وہ ذرہ پھر اس سے جدا ہو کر زمین کی تہوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس حیوان کی اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا۔

غایت سے غایت اس ذرہ پر موت کی وجہ سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اس کی روح کا اس سے جدا ہو جانا اور اس کی ہیکل کا منحل ہو جانا ہے۔

اور جب خدا اس ذرّہ کو زندہ کرنا چاہے گا تو اس کی رُوح کو پھر اس میں داخل کر دے گا پس اس میں حیات اور رُوح کے باقی خواص آجائیں گے اگرچہ اس کی ہیکل منحل کیوں نہ ہو گئی ہو۔

اور اس موقع سے قبر میں سوال ہونے، نعمت اور عذاب کے دیئے جانے، اور اسی کی مثل اور ان برزخی امور پر جن کی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں، جو شبہے کیے جاتے تھے سب حل ہو گئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور قبل بعث ہوتے ہیں اس کی صورت بھی سمجھ میں آگئی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب کے لیئے ساری خلق کو اٹھائے گا تو ان انسانوں کے ذروں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزاء سے بنی تھیں دوبارہ بنائے گا خواہ یہ ہیکل انہیں اجزاء سے بنے جن سے پہلے بنی تھی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دارومدار تو ان اصلی ذروں کے نہ بدلنے

پیر ہے، از اندا اجزاء ارجاب سے بدلیں یا نہ بدلیں اور ان ذرّوں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دیگا اور چونکہ ان ذرّوں کے ساتھ روح متعلق ہو چکی ہوگی، اس لیے اس میں اور ان ہیکلوں میں حیات قائم ہو جائے گی اور آخرت وقیامت میں لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے جیسے کہ اس دنیا میں تھے۔

اور یہ ساری مذکورہ باتیں ممکن ہے کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل سے واقع ہوں۔

اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور عظمتِ قدرت اور کاتمانت میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی شئی بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کاروائی ان قوانینِ قدرت کے ذریعے سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اسی غرض سے رکھ دیا ہو اور جن کے موافق یہ سارے اتصالات وانفصالات اور زائد اجزاء کے تکوینات حاصل ہوئے ہوں انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔

اور اے اہلِ سائنس! جب آپ ان باتوں میں جن کے کہ آپ حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے قطرہ بھر پانی میں ان کے بکثرت پائے جانے، ان کی حیات وحرکت اور اپنی ضروریاتِ زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارہ میں مائکرسکوب (خوردبین) کے ذریعے سے تحقیقات کرکے قائل ہیں، غور کریں گے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ اس بات میں کوئی تعجب اور کسی قسم کا استحالہ نہیں کہ انسان کے ذروں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں اور یہ کہ جتنے خواص روح کی نسبت بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس میں پائے جائیں اور جب آپ اس بات میں تامل کریں گے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے مسامات موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت میں چالیس لاکھ مسامات پائے جاتے ہیں، تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان ذروں کے نکلنے پھر اس میں ان کے دوبارہ داخل کیے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا۔ اور امراض کے کیڑوں کا (جیسے کہ ملیریا میں) بدن میں داخل ہونا اور بدن سے دوسرے بدن میں متعدی ہو کر منتقل ہو جانا اور ان کا دورانِ خون میں سرایت کر جانا، یہ ایسے امور ہیں جو ہمارے بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے ہیں، اور حقائق مذکورہ کی امثال جیسا کہ آپ لوگ

قائل ہیں آپ کے علوم ڈاکٹری کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دونوں خصیوں سے نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے غایت درجہ چھوٹے ہوتے ہیں اور مائکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں قیراط کے پانچ سو حصوں میں سے ایک حصے سے کر چھ سو حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک ہوتا ہے وہ اپنی دموں کو اس طرح پھیلا کر جس سے ان کا سر مختلف سمتوں میں چلے منی میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی حرکت مستقل ہے اخارجی کیفیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی بالشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ آنے پائے اور مادہ کے بدن کے اندر ان کی حرکت سات یا آٹھ دن تک قائم رہتی ہے اور باہر مرد میں گھنٹے تک اور ان کی حرکت کا کوئی سمت معلوم نہیں ہوتا۔

اور بعض فزیالوجی علم جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ تیرہ منٹ میں ایک قیراط مسافت قطع کرتے ہیں۔ ان کا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات کی منی میں پائے جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے ان کا چھو جانا حاملہ کرنے کے لیے اشد ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے۔

پس اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ خالق سبحانہ نے منی کے انہی کیڑوں کو بنی آدم کے ذروں کا جو کہ ان سے بھی چھوٹے ہوں حاملہ بنایا ہو اور وہ انہیں منی میں لیے پھرتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں ان کو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو تمام اجزاء سے بنتی ہے مادہ کے تخم کے نشو ونما پانے سے بننے لگتی ہو اور حقیقی انسان جس میں کہ روح حلول کرتی ہے اور اس میں اولی حیات آتی ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جس کے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جسے کہ انہوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے داخل ہو جاتے ہیں جو اس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں اور اس کی ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتیٰ کہ اس کی

منی میں نکلتے ہوں اور اس کے فروع کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں، تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلکہ بکثرت عقلاء کا یہ قول متحقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے۔ بخلاف اس بات کے جس کے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔

پس چونکہ آپ لوگوں نے فقط انسانی ہیکل کو دیکھ لیا اور اس کے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اس لیے آپ صرف اسی کے قائل ہو گئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شے کی طرف بھی ہوئی اس لیے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے باپ سے جدا ہو کر آتا ہے اور ماں سے صرف اس کو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ سے جدا ہو کر آنا ایسا امر ہے جس کو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اس قدر شفقت و میلان جو اپنی اولاد پر دیکھا جاتا ہے اس سے اس کی کسی قدر تائید ہو سکتی ہے۔

پھر علماء علم فزیالوجی نے عمل قلبی کے نظام یعنی اس کی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اس کی واہی تباہی وجہیں بتائی ہیں اور پھر خود ہی ان کو توڑا ہے۔ آخر کار جس امر پر آکر قرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے پھر انہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرکت کا نظام ان عصبی گانٹھوں سے پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں پھر اس نظامی عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں سدائمی عمل کیوں نہیں کرتے یعنی ان کی حرکت باقاعدہ اور رُک رُک کر کیوں ہوتی ہے۔ برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر انہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دوران خون کے لیے کافی ہے یہاں تک ان کا کلام ختم ہوا۔

پس جب آپ اس قول میں غور کریں گے تو یہ بات آپ کے نزدیک ظاہر اور آپ کی عقلوں کے قریب تر ہو جائے گی کہ انسانی ذرہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے قلب ہی ہے اور جب اس میں روح حلول کرتی ہے تو اس میں وہ حیات پیدا کر دیتی ہے اور وہ بہ منتظمہ حرکت کرنے لگتا ہے اور اس سے دوران خون پیدا ہوتا ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے اور اسی ذرہ اور روح کا چھوٹا ہونا اس امر سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اس کے اعصاب و عضلات کے اعمال کے لیے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بہتیرے ایسے نہایت ہی چھوٹے آلات ہیں کہ جب ان کو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اس سے ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ بہت ہی بڑے آلہ کے گھمانے کے لیے کافی ہو اور اس سے بڑے بڑے اعمال پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے کرنے کے لیے نہایت ہی عظیم قوت کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات تو انسان کے عمل میں پائی جاتی ہے تو پھر بھلا خیال تو کیجیے کہ خدا کے عمل میں آپ کے نزدیک کونسا استبعاد باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم اور کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جن کے خواص کو دیکھ کر فکروں کو حیرت سی ہو جاتی ہے اور عقلیں اپنے آپے میں نہیں رہتیں۔

خلاصہ

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کیے رہتا ہے اور جس میں کہ روح حلول کرتی ہے پس اس میں حیات پیدا کر دیتی ہے پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے پھر یہ ہیکل محض اس بات کا آلہ ہے کہ اس عالم میں یہ ذرہ اپنے اعمال پورے کرے اور اس کے ذریعے سے علوم معارف حاصل کرلے اور یہی ذرہ مع اس روح کے جو اس میں حلول کیے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اسی کا اعادہ کیا جائے گا اسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جتنے امور انسان کے حق میں وارد ہیں سب اسی کے ساتھ

تعلق رکھتے ہیں۔

اس تقریر کی بنا پر جتنے شبہات کہ شرعی اخبار جیسے کہ بعث، قبر میں سوال ہونے اس میں نعمت یا عذاب کے دیتے جانے اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد کیے جاتے ہیں، سب کے سب ایک سرے سے ساقط ہو گئے، جیسا کہ سچے طور پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کو ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اس کے بعض اجزاء کے اعادہ کی ان میں تصریح موجود ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ یعنی جو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں ہڈیوں کو کون زندہ کریگا؟ حالانکہ وہ گل چکی ہوں گی؟ تو اے پیغمبر ص! ان سے آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پس یہ مضمون بعث اور اعادہ کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہو گا جس کو آپ نے ذکر کیا۔

تو میں کہوں گا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کے لیے کہ یہی انسانی ذرے ہیں بعث ہو گا جس کی کیفیت میں پیشتر بیان کر چکا ہوں، اسی انسانی ہیکل کے لیے بھی جو زائد اجزاء سے بنتی ہے بعث ہو گا، لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر وارد کیے گئے تھے وہ میری تقریر سے اصلی اجزاء یعنی ذرات کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے۔

پھر بعد اس کے کہ اصلی اجزاء کے اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پر بیان کرنے کی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کیے جانے پر جو زائد اجزاء سے بنتی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء بعینہ اعادہ کیے جائیں یا ان کے مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں، وارد نہیں ہو سکتے۔ اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کیے جانے کی تصریح کی ہے اس سے اس کے سوا اور اشکالات کا ازالہ مقصود ہے جو اہل جاہلیت کے خیال کے موافق ان کے اعادہ کیے جانے پر وارد

ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت ان کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب
جس کا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہڈیوں میں گل جانے کے
بعد حیات کیسے عود کر آئے گی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہو گئے
کیسے مجتمع ہو جائیں گے۔ پس نصوص نے ان کے انہیں اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ
خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا۔ پس وہ ان ہڈیوں کو اسی طرح
زندہ کر دیگا جیسے اس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا تھا اس کا علم تمام موجودات کو محیط ہے
اور اس کی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ان کے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں اور تمام اس
توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کے لیے اصلی
اجزاء یعنی انسانی ذروں کے اعادہ کیے جانے کے بارہ میں پیشتر بیان کی گئی ہیں۔
پس چاہیے کہ ذرا غور کر لیا جائے۔

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اس
کے بعد ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اجزاء کے ذروں کے ساتھ
اور زائد اجزاء کی ہیکل کے ساتھ تعبیر اور اس کے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر
بیان کی ہے، وہ سب پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا ان
کے ذمے بعث کا اسی تفصیل و بیان کے موافق اعتقاد کرنا ضروری ہے، ہرگز نہیں بلکہ
میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اصلی اور زائد
دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے ان شبہوں کو دفع کیا ہے
جو بعث وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں۔ اور میں آپ سے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے
بڑے بڑے جلیل القدر کثیر علماء جیسے امام رازیؒ، ابو طاہرؒ مصنف سراج العقول شرح
خازنؒ، اور ایسے ہی اور علماء کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے کوئی امر مانع
نہیں ہو سکتا، اگر اصلی اجزاء سے جنہیں انہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کے
لیے ذکر کیا ہے یہی ذرے مراد ہوں جو اس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیے جانے کا بیان کیا ہے اور یہ کہ روح انہیں ذروں کے ساتھ قبل کر حقیقی انسان کا مستقر تمام ہیکل ہوسے صرف تلبس ہی ہے پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کے لیے اس عالم میں اس کے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ قرار پائے گا اور یہ ایسی بات ہے جس سے بعث پر جو بیشتر اشکالات وارد کیے گئے تھے ان کا مندفع ہونا آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور اس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت نہیں لازم آتی اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کے لیے اس کے قائل ہو سکتے ہیں، ورنہ انہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کے لیے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان کے روح ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی اور خدا انسان کو اس کے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا، اس سے حساب لے گا پھر اسے نعمت یا عذاب دے گا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہوگا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے اور ہمیں اس کی تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور خدا کے علم و قدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شئے کا ہو جانا کوئی محال نہیں۔

حیاتِ برزخیہ میں علماء کرام کا شدید اختلاف!

علماء سابقین اس مسئلہ میں نبرد آزمائی کرتے رہے ہیں، اگر سلف کا طریقہ اختیار فرماتے کہ اس حیات پر ہمارا ایمان ہے، وحی کے ذریعے ہمیں اس کی اطلاع ہوئی ہے ہماری عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی بس کافی تھا، مگر معتزلہ فرقہ جس کی مدار محض عقلی دلائل پر تھی اور قرآن و حدیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ان کا اصول تھا اس فرقہ کا عروج تھا متکلمین اہل السنۃ والجماعت نے ان کے عقلی استدلالات کے جواب عقلی انداز ہی پر دینے شروع کیے اسی لیے سب جواب باہم منطبق نہیں ہوتے چنانچہ متاخرین نے ان سب مختلف اقوال

کو یکجا جمع کر دیا، فرماتے ہیں کہ اس حیات میں علماء کا بہت کچھ اختلاف ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں روحانی حیات ہے محض مجرد روح زندہ ہے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں کہ حیات بالقوہ ہے بالفعل حیات مطلقاً نہیں۔

(۳) بعض کہتے ہیں حقیقی حیات نہیں حکمی حیات ہے یعنی ذکر جمیل وثناء جلیل۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ موت وحیاۃ سے مراد ہدایت وضلالت ہے۔

(۵) بہت سے سلف اس طرف گئے ہیں کہ حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ جسے اس زندگی میں ہم ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔

(۶) متاخرین معتزلہ کا کہنا ہے کہ روح جسم سے منتقل کرتا ہو جاتی ہے پھر حیات کا کیا مطلب؟

ان چھ اقوال میں سے صرف پانچواں قول صحیح ہے اور یہی قول ابن عباسؓ قتادہؒ مجاہدؒ حسنؒ عمرو بن عبید، واصل بن عطا، جبائیؒ، رمانی اور بہت بڑی جماعت مفسرین کا ہے (اور پہلا قول روحانی حیات والا بھی غلط نہیں، باقی سب غلط ہیں۔)

اب رہا یہ امر کہ وہ جسد کونسا ہے؟ یہی جسد عنصری ہے جو ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور مرنے کے بعد زیر زمین دفن کر دیا جاتا ہے۔ یہی گوشت پوست خون پٹھے ہڈیوں پسلیوں والا وجود دنیا میں ہماری نظروں میں آتا ہے یا کوئی اور جسم علیحدہ ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہی عنصری جسم ہے (۲) بعض امامیہ کہتے ہیں ایک اور جسم ہے ہم شکل انہیں دنیاوی ابدان کا، دیکھنے والا یہی سمجھے کہ یہ وہی فلاں معہود شخص ہے (۳) کئی کہتے ہیں کہ پرندہ کی شکل میں ایک جسم عطا ہوگا جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جائیگا

(۴) بعض کہتے ہیں کہ ارواح خود جواہر اور اجسام لطیفہ ہیں اس محسوس بدن سے مغایر اس دنیا میں ان ارواح (اجسام لطیفہ) کا تعلق اس بدن عنصری کے ساتھ ہے، بعد از موت اُن ارواح کا تعلق ابدان برزخیہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے گا، جو ان کثیف ابدان کے مغایر ہیں۔ وہ ابدان برزخیہ تروتازگی سرعت حرکت وغیرہ میں پرندوں سے تشبیہ دیئے گئے ہیں۔

یہ وہ قول ہے جسے محققین مفسرین، متکلمین صوفیاء کرام نے اختیار فرمایا ہے۔

جیسے شروع میں کئی جگہ لکھ آیا ہوں، اس کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو!
ان میں جتنی شقیں حیات حکمیہ کی ہیں سب باطل ہیں اسی طرح جتنی شقیں حیات جسدیہ

محضہ کی ہیں وہ بھی باطل ہیں اور حیاتِ روحانیہ کی طرف بہت سے محققین گئے ہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ روح مع الجسد کو حیات حاصل ہے اب وہ جسدِ عنصری ہے یا مثالی پہلی بات کے محققین قائل نہیں اور جو بیچارے قائل ہیں مصیبت میں پھنس گئے معتزلہ کو جواب دینے میں طرح طرح کی قلابازیاں کھائیں مگر صحیح جواب نہ بن سکا

شعر
خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج!

پیٹ کے کیڑوں سے مثال دو لیکن یہ مثال غلط ہے

بعض علماء تقریباً للفہم مثال سے واضح فرماتے ہوئے اس طرح تقریر فرماتے ہیں: واَمّا تعذیب المأکول بخلق نوع من الحیوٰۃ فی بطن الاٰکل فواضح الامکان کالدودۃ فی الجوف وفی خلال البدن فانھا تتألم وتلتذ بلا شعور منا (خیالی ص۱۴۳) صاحب تسکین نے خیالی کی عبارت نقل فرمائی مگر یہ نہ سوچا کہ یہ مثال صحیح ہے؟ کیا یہ قیاس صحیح ہے۔ ذرا سی توجہ سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ کرمِ شکم بدن کی جزء نہیں ہے ہاں بدن سے ملابس ضرور ہے تو قیاس کیسے صحیح ہوا اسی لیے شرح عقائد کے حاشیہ میں مُلّا احمد جند نے فرمایا لکن ذٰلک قیاس مع الفارق لان الدودۃ لیست جزء من البدن بل ملابسۃ لہ (ص۱۱۱ مصری)

خواب سے مثال

بعض نے دوسری طرح سمجھایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی کو دکھ سکھ محسوس ہوتا ہے مگر پاس بیٹھا ہوا بیدار آدمی اس سونے والے کی حالت کو محسوس نہیں کر سکتا۔ لہ نظیر فی العادۃ وھو النائم فانہ یجد لذۃ وآلما لا یدرکہ جلیسہ بل الیقظان تدیدرک النائم لذۃ لما یسمعہ او یفکر فیہ وانما

أی الغلط من قیاس الغائب علی الشاهد، فتح الباری ص۱۸۲ ج۳)

یہ بھی غلط

لیکن یہ مثال بھی مطابق ممثل لہ کے ساتھ نہیں کیونکہ سونے والے کے روح کا بدن کے ساتھ تعلق منقطع نہیں ہوتا، ہاں ظاہری طور پر حواس معطل ہوجاتے ہیں لیکن تعلق میت کے روح کا تو بدن سے بالکل منقطع ہوجاتا ہے (جیسے تفصیل سے گزر چکا) ظاہراً و باطناً، اسی لیے حضرت ابن حجرؒ فرماتے ہیں: والتنظیر بالنائم لا یصح فان النائم لا ینقطع تعلق روحه بالبدن الا ظاهرا واما المیت فتعلق روحه بالبدن منقطع بالکلیة (فتح الباری ص۱۸۲ ج۳) (یہ اعتراض صاحب تسکین پر چوٹ تھی اس لیے تسکین میں نقل نہیں کیا)

غلطی کی وجہ دوم

نیز نیند پر قیاس اسلیے بھی صحیح نہیں کہ بعض احکام نیند کے ایسے ہیں جن سے احکام مستنبط نہیں ہوسکتے مثلاً کتاب الآثار ص۱۸ میں ہے کہ انبیاءؑ کی نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر اس میں احکام نافذ کریں تو کہیں جیسے ان کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا ایسے ہی انبیاء کے مرنے کے بعد نہ ان کو نہلایا جائے نہ جنازہ پڑھا جائے نہ دفن کیا جائے۔

سورج سے مثال

بعض علماء جو بعد از دفن دوبارہ بدن عنصری میں اعادہ روح کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ روح اپنے مستقر میں رہتے ہوئے جسد عنصری کی طرف جھانکتا رہتا ہے وہ اس کو مثال دیکر سمجھاتے ہیں کہ جیسے روح اپنے مستقر میں موجود ہے مگر اس کی دھوپ زمین پر لگتی ہے ایسے ہی روح اپنے مستقر میں رہ کر بدن عنصری پر اس کا اشراف اور اشراق موجود ہے۔

یہ بھی غلط

مگر یہ مثال بھی ممثل لہ پر منطبق نہیں۔ ابن قیمؒ اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

سے نقل فرماتے ہیں کہ مثال صحیح نہیں کیونکہ سورج اپنے مستقر سے ہٹتا نہیں، رہتا آسمان میں ہی ہے زمین پر نہیں آتا۔ اس کی شعائیں زمین پر گرتی ہیں جو سورج کی عرض ہے اور بخلاف روح کے کہ روح بذات خود ایسی لطیف چیز ہے جو اپنے آپ اترتی چڑھتی ہے قال شیخنا ولیس ھذا مثلا مطابقا فان نفس الشمس لا تنزل من السماء والشعاع الذی علی الارض لیس ھو الشمس ولا صفتھا بل ھو عرض حصل بسبب الشمس والجرم المقابل لھا والروح نفسھا تصعد وتنزل۔

الحاصل

بہرحال یہ سب اقوال تحقیق سے گرے ہوتے ہیں اگرچہ نقل در نقل کتابوں میں چلے آرہے ہیں۔ کتابوں میں ان باتوں کا دہرانا ان کی تصحیح کی دلیل نہیں۔ متاخرین بغیر تردید کے بھی بعض اقوال متقدمین کے نقل کر دیتے ہیں اب اگر آپ یہی باتیں ہزار کتابوں میں نقل شدہ دکھائیں گے تو قابل تسلیم نہیں، کیونکہ ماخذ تو سب کا ایک ہی ہے اور نقل اپنے مقام پر نقل ہی ہے۔

تمثیلات عقائد کی بنیاد نہیں

پھر یہ سب تمثیلات ہیں اور تمثیلات امور ظنیہ میں سے ہیں جن پر قطعیات اور عقاید کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے مثال تو صرف تقریباً للفہم بیان کی جاتی ہے اثبات دعویٰ مثال سے نہیں ہو سکتا، براہین اور دلائل قطعیہ سے ہوتا ہے قرآن ہو یا حدیث متواترہ یا اجماع امت یا اولیات یا حسیات یا تجربیات وغیرہ۔

معتزلہ کی طرف سے ایک سوال

میت کو اٹھا بیٹھا کر پوچھنے کی حدیث پر معتزلہ کی طرف سے ان علماء اہلسنت الجماعت پر سوال پیش کیا گیا جو اسی جسد عنصری میں روح کے دخول کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی جسد عنصری کے ذریعے انسان سوال سنتا سمجھتا اور جواب دیتا ہے سوال

یہ ہے کہ اقعاد میت کی حدیث تو عام ہے۔ اب جو میت جل کر راکھ ہو جائے یا جن کو درندے کھا جائیں اس کو اٹھانا بٹھانا کیسے ہوگا؟

اس کا جواب

تو کرمانی (اہلسنت کا ایک عالم) اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ اٹھانے بٹھانے کی حدیث صرف دفن ہونے والے میت کے ساتھ مخصوص ہو اور ہو سکتا ہے کہ اسی گڑھے کو فراخ کر کے گڑھے میں بٹھایا جائے اور اسے ہتھوڑوں سے مارا جائے...

"واما الاقعاد فیحتمل ان یکون مختصًا فی المقبور ولا امتناع ان یوسع له فی قبرہ فیقعد و یضرب بالمطارق (کرمانی علی البخاری ص۱۱۸)

اس جواب کا رد

لیکن یہ تخصیص اس وقت کرنا پڑتی ہے جب متعارف اور متبادر معنے مراد لیں اور اگر حضرت مولینا حسین علی و اشرف علی و عبدالحق وغیرہم محققین کی تحقیق کے مطابق دوسرا معنی لیں تو حدیث اپنے عموم پر قائم رہتی ہے لہٰذا اصول قاعدہ کے مطابق یہی معنی متعین ہوگا۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ میں دو معنوں کے احتمال ہوں، ایک احتمال میں تخصیص کرنی پڑتی ہے اور دوسرے احتمال میں لفظ اپنے عموم پر رہتا ہے تو ایسے معنی پر حمل کرنا جس سے عموم برحال رہے اس معنی سے بہتر ہے جو تخصیص کا باعث ہو اگرچہ وہ معنی مجازی ہو جس سے عموم قائم رہتا ہو یعنی ایسے موقع پر مجاز لینا حقیقت سے اولیٰ ہے، مگر عموم برحال رہنا چاہیئے اگرچہ حقیقت کو چھوڑنا پڑے۔

مثلاً "اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ" میں ملامست کا لفظ ہے اور اس کے دو معنی ہیں ۱۔ حقیقی (ہاتھ لگانا، چھونا) ۲۔ مجازی (جماع) امام شافعی رح حقیقی معنی مراد لیتے ہیں کیونکہ یہ اصل ہے لیکن النساء کے عموم سے غیر المحارم کی قید بڑھا کر مخصوص منہ البعض بنا کر محارم کو حکم عمومی سے نکالا اور حنفی مجازی معنی مراد لیتے ہیں اور النساء

کا عموم برحال رکھتے ہیں کیونکہ لفظ کے تمام موجب پر عمل کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ بعض موجب لفظ کو ترک کریں کیونکہ تمام موجب پر عمل کرتے ہیں فائدہ کثیرہ ہے:

ومنها ان احد المحتملین اذا اوجب تخصیصًا فی النص دون الآخر فالحمل علیٰ مالا یستلزم التخصیص اولیٰ مثاله فی قوله تعالیٰ او لامستم النساء فالملامسة لو حملت علی الوقاع کان النص معمولا به فی جمیع صور وجوده ولو حملت علی المس بالید کان النص مخصوصًا فی کثیر من الصور فان مس المحارم والطفلة الصغیرة غیر ناقض للوضوء فی اصح قولی الشافعیؒ (ص۴۹ اصول الشاشی)

(۱) تحریرات حدیث ص۲۰۸ میں شیخنا حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فما ورد من سعة القبر والاجلاس یقولون (الحنفیة) المراد بالقبر البرزخ

(۲) مولانا تھانویؒ کی عبارات دو بار گزر چکیں۔

(۳) مولینا عبد الحق الحقانی فرماتے ہیں کہ قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جس میں جسم کو چھپایا جاتا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور وسعت ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔

(۴) حضرت مولنا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالم برزخ میں مردے سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے اکثر سوال کرتے ہیں (علم الکلام ص۲۴۴)

(۵) حضرت مرشدنا حسین علی رحمہ اللہ کی املائی تفسیر بلغۃ الحیران ص۹ میں ہے حدیث میں آیا ہے کہ نیک آدمی کی قبر ستر گز فراخ ہو جاتی ہے اور کفار کی تنگ ہوتی ہے اس سے مراد یہی ظاہری فراخی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو آسانی ہوتی ہے بخلاف کفار کے اور فراخی سے مراد وہ فراخی نہیں جو ہمیں نظر آتی ہے۔

(۶) حضرت نانوتویؒ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ جب انبیاء کے سوا کسی کے روح کا

تعلق بعد از موت جسد عنصری کے ساتھ نہیں مانتے تو ان کے نزدیک قبر کے وسیع یا تنگ ہونے کے کیا معنیٰ؟ شود سے نہ دارد!

(۷) حضرت سید محمد انور شاہ صاحب بھی یہی فرماتے ہیں "بلکہ تحقیق آں است کہ معنیٰ حیات تعلق روح ببدن است و در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراکِ روح را بعد از مفارقت از بدن اعم عنصری تعبیر بحیات فرمودند۔ (حل مشکلات القرآن ص۱۴)

(۸) ابن کثیرؒ فرماتے ہیں وقد یقال ان هذه الآیة دلت علیٰ عذاب الارواح ولا یلزم من ذلك ان یتصل فی الاجساد فی قبورها (تفسیر ابن کثیر)

(۹) شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں: "در قبر احیاء و اماتت حقیقۃً نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح ببدن تعلقے پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمی باشد تا معنیٰ حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق و مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلتِ تعذیب و تنعیم می تواند شد و ایں ہم در صورت است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والا عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است، و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح ہوائی را تعلق مے کنند ببدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزائے حیوانات بہیئتے و شکلیکہ بینندہ را در میان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نشود (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۳۴) دریں جا باید دانست کہ آدمی مرکب از دو چیز است روح و جسم، منشاء روحانیت او آسمان است زیرا کہ نفس ناطقہ او از نفوس سماوی ماخوذ است و بآنہا مشابہت کلی دارد و روح ہوائی کہ مرکب نفس است و در بدن لحمی سائر و دائر است نیز جوہر او بجوہر آسمان مشابہت کلی دارد کہ قابل خرق و التیام را شکستن و ریختن نیست و ہر چند بسبب امراض صدمات عظیمہ برمی دارد و بالکلی مختل نمی شود۔ غایتِ فنائے او انست کہ مفارقت نماید و با نیز محفوظ و مصئون است در دست موکلان ارواح (فتح العزیز ص۱۰۶ عم)

(۱۰) مولوی عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ احیاء سے مراد برزخی احیاء ہے

اور قبر کا ذکر بطور مثال کے ہے۔

وتحقیقہ ان المراد بالاحیاء بالسوال فی القبور الاحیاء البرزخی وھو ان یکون بعد الموت وقبل النشور، وذکر القبر بطریق التمثیل۔
(عبد الحکیم ص۲۴۷ علی البیضاوی)

(۱۱) حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں:

اہل کمال تماشائی نیستند ہمت ایشاں بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق با بدان (مکتوبات ص۶۱)۔

بہرحال سب کے سب مذکورہ اکابر کا خصوصاً حضرت نانوتوی رح جو ہم دیوبندیوں کے روحانی باپ ہیں یہی کہتے ہیں کہ اس بدن خاکی کے ساتھ بعد از موت روح کا کچھ تعلق نہیں اسلیئے ثواب وعذاب برزخی ہے عالم برزخ میں جو قسم کو ہوتا ہے وہی انسان ہے جسد خاکی کا لباس اتر جاتا ہے دوسرے جسد غیر عنصری کا لباس پہنایا جاتا ہے، اصل سزا وجزا روح کو دینا مقصود ہے جو اصل چیز ہے نہ جسد خاکی کو دنیا میں بھی ہم روح انسانی کو سزا دینا مقصود سمجھتے ہیں نہ جسد خاکی کو ورنہ گالی دینے والے کے ہاتھ پاؤں بلیطے کا کیا قصور ہے جسے تم ڈنڈے مارتے ہو جو بالکل بے قصور ہیں اور سب شرارت زبان کی ہے اُسے چھیڑتے بھی نہیں۔ اس جگہ حضرت نانوتوی رح کی عبارت لکھنا موزون تر ہے فرماتے ہیں: دیکھو آب حیات ص ۱۸۸۔

اہل حقیقت کے نزدیک حرکات وسکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ روح در پردہ کارپرداز حرکات وسکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل حرکت ہے فاعل نہیں، فاعل حقیقی وہی روح ہے چنانچہ ضرب وسب وشتم وغیرہ امور جو اعضائے مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں روح کے افعال سمجھے جاتے ہیں جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے ورنہ انعام اور پاداش میں اعضاء جو مصدر افعال تھے محل اکرام وانعام وموردِ عتاب وعقاب ہوا کرتے حالانکہ سب وشتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں بسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست وپا توڑے جاتے ہیں اور زنا کی سزا میں جو ظاہر

فعل عضو مخصوص ہے تا تازیانوں کی مار کمر پر پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سامنے بطن
پر پڑتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس مدح و ثنا یا خدمتِ دست و پا کی جزا میں تاج پہنایا
جاتا ہے لذیذ طعام کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم صریح
کہ کرے کوئی بھرے کوئی"۔ "جان کوئی گنوائے اور مزے کوئی اڑائے"!

معتزلہ کی طرف سے کیے گئے اعتراض کا دوسرا جواب

اس کے بعد حضرت علامہ کریانی رحمہ اللہ نے معتزلہ کی طرف سے کیے گئے سوال کا
ایک اور جواب دیا، چنانچہ فرماتے ہیں: ولا یصح انه (العذاب) للجسد (ای العنصری ۱۲) ولا
بُدَّ من اعادة الروح فیه ان الالم لا یکون الا للحی کہ عذاب جسم عنصری
کو ہوتا ہے مگر چونکہ دکھ زندہ ہی محسوس کر سکتا ہے اس لیے لازمی بات ہے کہ اسی
جسد عنصری کی طرف روح واپس لوٹائی جائے۔

اس توجیہ کی تردید

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قلت اثبات عذاب القبر لا نزاع فیه
واما قوله ولا یصح انه للجسد فغیر مسلَّم لان الجسد یفنی وتعذیب
الذی فنی غیر متصور واما قوله ولا بُدَّ من اعادة الروح فیه ففیه
اختلاف هل تعود الروح فیه حقیقة او تقرب من البدن بحیث ما
یعذب البدن بواسطة او بغیر واسطة فحقیقة ذلك عند الله وقد
ضرب بعض العلماء لتعذیب الروح مثلا بالنائم فان روحه تتنعم
او تعذب والجسد لا یحس بشیء من ذلك واعلم ان نسمة المومن
طائر یعلق فی شجر الجنة ویعرض علیها مقعدها غدوة وعشیا وارواح
الکفار فی اجواف طیور سود تغدو علی جهنم وتروح کل یوم مرتین
فذلك عرضها وقد قیل ان ارواحهم فی صخرة سوداء تحت الارض

السابعة علی شفیر جہنم فی حواصل طیور سود (عمدۃ القاری ۲۲/۹۸)

یعنی عذابِ قبر تو برحق ہے مگر اس جسمِ عنصری کو سزا دینا جو فنا ہو چکا ہے تصور سے باہر ہے اور اعادہ روح کا مسئلہ خود مختلف فیہا ہے حقیقت خدا کو معلوم ہے بعض نے روح کی تعذیب کی مثال سونے والے سے دی کہ روح کو دکھ سکھ ہوتا ہے اور جسم کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اور یہ عقیدہ کر لو کہ مومن کی نسمہ اڑتی پھرتی جنت کے درختوں سے کھاتی ہے اور صبح و شام اس پر اصل مقام پیش ہوتا رہتا ہے اور کافروں کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں صبح و شام جہنم پر آتے جاتے ہیں یہی ان کا عرض ہے بعض کہتے کہ ان کی ارواح ساتویں زمین سے نیچے جہنم کے کنارے سیاہ چٹان پر سیاہ پرندوں کے قالب میں رہتے ہیں۔

ابن بطال نے بھی اسی طرح فرمایا۔ مکمل بحث عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸ دیکھ لیں

امکانِ عقلی مستلزم وقوع نہیں

جو اہلسنت جسدِ عنصری سے تعلق روح کے قائل ہیں انہوں نے اشتباہ کے علاوہ امکان عقلی کہہ کے جواب دیئے ہیں کہ جسدِ عنصری ہیں کل اجزاء میں یا بعض اجزاء میں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کی حیات ڈال دے جس سے دکھ سکھ محسوس کر سکے اس سے یہ ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ بدن عنصری میں روح لوٹے اور بعض نے یوں جواب دیا کہ ممکن ہے کہ بدن کے ساتھ روح کے معمولی لگاؤ سے دکھ سکھ محسوس کرے۔ بعض نے کہا کہ ممکن ہے کہ انسان کے جسدِ عنصری کے نصف اعلیٰ میں روح واپس کی جائے اور نچلا دھڑ بے حس رہے۔ بعض نے کہا زندہ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دکھ سکھ محسوس کر سکے بس اللہ تعالیٰ اس بدن میں اتنی حس پیدا کر دے گا جس سے دکھ سکھ محسوس کرے گا۔

کیا امکانِ عقلی اس جگہ کام دے سکتا ہے اور صالحیہ اور کرامیہ کا بتایا ہوا امکان عقلی کام نہیں دے سکتا جو کہتے ہیں کہ بغیر زندگی کے بھی خدا تعالیٰ میت کو سزا دے سکتا

ہے جیسے بعض درختوں اور پتھروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تھا اور اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بعض پتھر اللہ تعالے کے ڈر سے گرتے ہیں وان من الحجارۃ لما یتفجر...... وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ اور یہ کونسی بعید بات ہے کہ اللہ تعالے جماد میں ادراک پیدا کر دے جو دُکھ سُکھ کا سبب بن سکے گو اس کا جواب اہلسنت میں سے کسی نے یوں دیا ہے کہ تب تو وہ جماد نہ رہا زندہ بن گیا، اور زندگی اسی میں تو بند نہیں کہ جو اختیاری کام کرے۔ مگر اس جواب سے کیا نتیجہ نکلا؛ جواب دینے والے اہلسنت نے اتنا تو مان لیا کہ اللہ تعالیٰ جماد میں بھی ادراک پیدا کر دے تو زندہ کہلائے گا، تعلق یا اتصال یا ادخال روح کی تو ضرورت نہ رہی، پھر اس امر پر زور دینے کا کیا مطلب ہے؟

ساری بات یہ ہے کہ سلف کا طریقہ چھوڑا نبی علیہ السلام نے جو تفسیر فرمائی تھی اسے چھوڑا بھنور میں پھنس گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیز اگر ادھر امکان نکل سکتا ہے تو یہ بھی امکان ہے کہ روح ہی کے ساتھ یہ معاملہ ہو۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: المحال للروح بلا بدن قالہ ابن حزم وآخرون منھم ابن عقیل وابن الجوزی (شرح الصدور ص۵۷) تعذیب الروح لا یحتاج الی عودہ الی البدن (رمضان آفندی ص۲۲) معذب روح است نہ بدن (تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص۱۳۳) امام غزالیؒ فرماتے ہیں المثاب والمعاقب ھو الروح والبدن کالآلۃ (نبراس ص۳۲۹) قال ابن بطال فالعرض الذی یدوم الی یوم القیامۃ ھو العرض الذی علی الارواح خاصۃ لان الابدان تفنی والذی یفنی حکمہ حکم المعدوم ولا یتصور العرض علی المعدوم.... (عمدۃ القاری ص۹۵/۲۲)

الحاصل

اعادۂ روح الی الجسد العنصری کی وزنی دلیل اگر امکان ہے تو یہ امکان ہر طرف سے متصور ہے اگر حدیث ہے تو وہ خود منکر ہے روایۃً و درایۃً و متناً۔ اور آپ کو خود تسکین نہیں

مختلف کتب کے مطالعہ سے کہ کونسی فیصلہ کن بات کروں۔

آیئے! اس کے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر اللہ جمہور صحابہؓ و خیر القرون کا فرمان و محققین کی تحقیق سو وہ پہلے گزر چکی اعادہ کون کرے؟

اگر حدیث عود روح کو تسلیم کر لیں تو ہمیں مضر نہیں کہ جسد سے مراد مثالی ہے اور قبر سے شرعی قبر مراد ہے یعنی مستقر ارواح۔

امکان عقلی ہوتے ہوئے بدن عنصری کی جزا سزا نہ ماننے کی اصل وجہ

اس بات کی وضاحت کے لیے ہم اپنی طرف سے کچھ کہنا نامناسب سمجھتے ہیں کیونکہ ہمیں اجتہاد اور تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہم تو ہر بات میں قرآن و حدیث کے تبع صحابہؓ کے پیروکار اور مجتہدین کے مقلد ہیں یہاں مولانا تھانویؒ کا قول سنیئے!

مولانا تھانویؒ کا ارشاد گرامی

اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے؟ جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے جو اصل طیور خضر میں سوار ہوں گی، آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نقل اس سے ساکت ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہو گا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائیگا۔

گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلافِ مشاہدہ ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۳۱۳، ۳۱۴ ج ۳)

دلیل کشف ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی دلیل شرعی کے مخالف نہ ہو تو صحت

کو محتمل ہے ورنہ نہیں، اور یہ کشف مخالف نہیں ہے کسی شرعی دلیل کے لیس محتمل صحت ہوا (التکشف ص۵۱)

انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل سے ایک ایک امر ثابت کیا ہے اور اپنی اصطلاح میں اس کا نام روح رکھا اور اس سے دوسرے سے تعرض نہیں کیا۔ روح اول یعنی جوہر مجرد کا تعلق بدن سے بواسطہ روح ثانی یعنی جسم غیر عنصری کے ہے اور روح یعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بواسطہ روح طبی یعنی جسم عنصری کے ہے اول کا فعل بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے۔ موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے تو ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف بھی مفارق ہو جاتا ہے اور بعد خروج یہ ثالث عناصر میں مل جاتی ہے جیسا کہ اصل میں جزء عناصر ہے اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جو کہ ایک مکان ہے (التکشف ص۵۲)

رہی یہ بات کہ ثواب و عقاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی؟ سو روح طبی تو عناصر میں مل گئی اور اس پر ثواب و عقاب گو ممکن ہے مگر کہیں مذکور نہیں اس واسطے قائل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ مورد ثواب و عقاب نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مستحیل ہو کر بصیر غذا بنے۔ پھر اس غذا سے کسی دوسرے متغذی کے بدن میں بخار لطیف پیدا ہو اور اس شخص کے اعمال پہلے شخص کے خلاف ہوں پھر یہ مر جائے تو لازم آئے گا روح واحد کا معذب و منعم ہونا اور یہ باطل ہے۔ نیز اس روح کا ہمیشہ گھٹنا بڑھنا حرکت سے تحلیل ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اور روح مذکور فی الشرع کا اس پر عذاب و ثواب کا ذکر آیا ہے اتفاق نقل سے معلوم ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بخار مورد ثواب و عذاب ہے ہی نہیں۔ نیز یہ بخار یہیں رہتا ہے اور روح شرعی کو ملائکہ کا لے جانا وارد ہے۔ اب دو روحیں باقی رہ گئیں۔ ایک غیر عنصری دوسری مجرد۔ سو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مثاب و معاقب ہیں لیکن غیر عنصری کو تو ثواب و عقاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عقاب عقلی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی اور غالباً

اب یعنی دنیا میں کسی راحت و کلفت پہنچنے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں متالم و متنعم ہوتی ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اب رہی یہ بات کہ دونوں روحوں کا تالم و تنعم بواسطہ تعلق بدن کے ہے یا بلا واسطہ سو ممکن تو دونوں امر ہیں لیکن نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے اس روح یعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے۔

اب یہ کہ وہ کونسا بدن ہے آیا یہی بدن دنیوی یا اور کوئی بدن؟ تو اس کی کوئی تصریح وارد نہیں کہ جس میں احتمال مخالف کا نہ رہے لیکن مظنون یہ ہے کہ وہ دوسرا بدن ہے جیسے حدیثوں میں اجواف طیر خضر وغیرہ آیا ہے، اس بدن کو اہل کشف بدن مثالی کہتے ہیں۔ (اس مثال سے وہ مثال مراد نہیں جو لفظ عالم مثال میں مثال سے مراد ہے[۱۲]) یعنی وہ بدن اسی بدن کی مثل یعنی خاص خاص صفات و کیفیات میں اس کے مشابہ ہے اور بعض حدیثوں میں اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ آدم کو ان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھلائی فاذا فیہا آدم و ذریتہ رواہ الترمذی (کتاب التفسیر[۱۲]) اور ظاہر ہے کہ آدم عالم حس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کونسے آدم تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے اور اس دوسری چیز کو آدم کہنا ہمیں سے متبادر بدن مع الروح ہے۔ سو بدن تو یقیناً متعدد ہوا۔

رہی روح! سو ممکن ہے کہ ایک ہی روح دونوں بدنوں سے متعلق ہو الخ

(التکشف ص۱۵)

عالم مثال ایک عالم ہے جو عالم شہادت و عالم غیب کے درمیان ہے اس کو برزخ بھی کہتے ہیں قرآن و حدیث کے اشارات سے اور اہل کشف کی تصریحات سے اس کا وجود ثابت ہے بعد مرگ تا قیامت اسی میں رہنا ہوتا ہے اور خواب میں وہی منکشف ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم مقداری ہے مگر مادی نہیں پس مقداری ہونے کے اعتبار سے عالم اجسام سے مشابہ ہے اور غیر مادی ہونے کے اعتبار سے عالم ارواح سے مشابہ ہے۔ پس اجسام کہ مادہ و مقدار دونوں

رکھتے ہیں اور ارواح کہ مقدار و مادہ دونوں سے منزہ ہیں، یہ عالم ان دونوں کے ساتھ ایک ایک وصف میں مشابہت رکھتا ہے۔

معنی جسمِ مثالی

اہل کشف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو جسم عطا فرمائے ہیں ایک جسم عنصری کہ دنیا میں رہتا ہے اور آخرت میں یہی محشور ہوگا اور اسی پر ثواب و عذاب ہوگا، دوسرا جسم مثالی کہ عالم مثال میں موجود ہے اور خواب میں نظر آتا ہے اور روح حقیقی جو من امر ربی ہے (نہ ظنی کہ اس کا تعلق بجسم عنصری سے ہے) دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ جاگنے کی حالت میں اس روح کی توجہ جسم عنصری کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور سونے کی حالت میں اس کی توجہ جسم مثالی کی طرف زیادہ ہوجاتی ہے پس روح کا بدن سے نکلنا اور عالم مثال سے بدن میں اس کا آنا۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جسم مثالی سے تعلق کمزور ہوکر جسم عنصری سے زیادہ ہوجاتا ہے (ھٰذا التکشف)

امام فخر الدین رازیؒ کا فیصلہ

اس ڈھانچے یا اس کے کسی جزو کو ثواب عذاب پہنچنے کا قول محض مکابرہ ہے انسان تو اسی روح کا نام ہے اس کو ہی دکھ سکھ ضرور پہنچتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قیامت کبریٰ کے روز اسی بدن عنصری کی طرف روح کو واپس کرے گا اور شریعت بھی اسی قول کی مؤید ہے اور ظاہر قرآن اسی قول کا ناصر ہے اور ثواب و عذاب قبر کے متعلق (معتزلہ کی طرف سے) تمام وارد کردہ شکوک و شبہات کے ازالہ کا یہ واحد حل ہے اسی لیے اسی قول کی طرف آنا اور قائل ہونا ضروری ہے ان ثواب القبر وعذابه للروح لا للقالب .... هذه الارواح بعد المفارقة تتألم وتلتذ الى ان يردها الله تعالى الى الابدان يوم القيامة فهناك يحصل الالتذاذ والتألم للابدان فهذا القول متأيد بالشرع وينصره ظاهر القرآن

ويدل على الشكوك والشبهات صادرة فى كتاب الله من ثواب القبر وعذابه توجب المصير اليه ومما يؤكد هذا القول هو ان ثواب القبر وعذابه اما ان يصل الى هذه البنية او الى جزء من اجزائها والاول مكابرة لان هذه البنية متفرقة متمزقة فكيف يمكن القول بوصول الثواب و العقاب اليها واذا جاز ذلك فلم لا يجوز ان يقال الانسان هو الروح فانه لا يعرض له التفرق والتمزق فلاجرم يصل اليه الالم واللذة ثم انه سبحانه وتعالى يرد الروح الى البدن يوم القيامة الكبرى حتى ينضم الاحوال الجسمانية الى الاحوال الروحانية (تفسیر رازی ص ۳۷ ج ۲)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا فیصلہ

تعلق روح بابدا نیکہ دا شتند پس ہم خلاف واقع است وہم خلاف شرع (تحفہ اثنا عشریہ)

اسی طرح میت سے محققین کاملین کا یہی قول ہے کہ جو بدن عنصری کو ثواب و عذاب ممکن ہے مگر خلاف واقع اور خلاف مشاہدہ اور خلاف شرع ہے بعض متکلمین نے امکان بتا دیا کہ اگر اس جسم کو عذاب ہو بھی تو محال نہیں اور بعض نے اصل بات بتا دی۔

ناظرین! اب خود اندازہ لگائیں کتابیں دیکھیں فارسی عربی عبارتوں کا کسی غیر جانبدار سے ترجمہ کرالیں نہ ہم سے پوچھیے نہ فریق ثانی سے اور حق و باطل کا فیصلہ کر کے حق کو لیجیے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

جعلی تطبیق

صاحب تسکین کو جب سوجھا کہ مادہ روح کی حدیث اور ارواح کا طیور خضر کے جوف میں بتانے والی متواتر حدیثیں باہم متعارض ہیں تو قاعدہ تو یہ تھا کہ اخبار متواترہ جو عمل و عقیدہ میں قرآن کی طرح ہوتی ہیں بلا چون و چرا سر آنکھوں پر رکھ کر خبر واحد میں اگر

صحیح بھی مانتے تھے کچھ تاویل کر لیتے جیسے ہم نے علی صورت الفتحۃ تاویل کی ہے مگر جناب نے اس قاعدہ کو پس پشت ڈال کر انو کھی تطبیق کی کوشش کی۔

اولاً تو خود الفاظ حدیث اس تطبیق سے آبی ہیں جہاں محبوستہ یا تسرح فی الجنۃ وغیرہ کے الفاظ ہیں ایک مخلوق ذات کا دو مختلف مکانوں میں وجود نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ جنس ہی علیٰحدہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب روئے زمین پر تھے تو آسمانوں پر نہ تھے اور جب آسمانوں پر گئے تو زمین پر نہ تھے، اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف غلط منسوب موضوع حدیث کا جواب علماء نے اسماء الرجال کی مدد سے دیا کہ یہ حدیث ہی نہیں موضوعات کے قبیلہ سے ہے، جس میں آتا ہے کہ میں نے حضور کا جسم اطہر گم نہیں پایا تھا۔ اور بعض نے جواب دیا کہ معراج کے دنوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے شادی نہیں ہوئی تھی، یہ بات ام المومنین کیسے کہہ سکتی ہیں لہٰذا یہ حدیث نہیں موضوع ہے۔ مگر کسی عالم نے یہ جواب نہیں دیا کہ کچھ بعید امر نہیں ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روئے زمین پر ہو اور آپ کی روح پر فتوح آسمانوں میں پہنچ کر جنت و دوزخ کی سیر بھی کر رہی ہو اور جسد اطہر کے ساتھ بھی تعلق اور اتصال بدستور قائم رہے بلکہ... جنہوں نے ایسا کہا، جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے، تو علمائے حق نے اس کی پر زور تردید فرمائی۔

ثانیاً صاحب تسکین کا یہ کہنا کہ:

"مومنوں کے ارواح کا مستقر تو جنت ہو یا علیین یا آسمان ہفتم مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذت اور کلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک، شعور کے ساتھ وہ منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں" (تسکین ص ۸۸، ۸۹)

اور باقی باتیں اور دعا و استشفاع؟ پھر تخصیص سلام کیوں؟

دلیل ہے اس امر کی کہ بغیر تعلق روح بالجسد العنصری کے نہ ادراک و شعور ہو سکتا ہے اور نہ منکر نکیر کا سوال سن سکتا ہے اور نہ جواب دے سکتا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کلیت کبریٰ نہ پایا جانے کی وجہ سے شکل اول عقیم ہوئی اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی اور اگر قاعدہ کلیہ ہے کہ ادراک و شعور جسد عنصری کے ساتھ تعلق روح کے بغیر نہیں ہو سکتا تو روز میثاق میں جب اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم سے عہد لیا تھا تو اس وقت جسد عنصری تھا؟ اور اگر جسد عنصری نہیں تھا تو ذریت آدم میں ادراک و شعور تھا؟ اور اگر ادراک و شعور تھا تو بغیر تعلق روح بالجسد العنصری کے ادراک و شعور آپ کے ہاں تو ناممکن ہے تو وہاں کیسے؟ اگر ادراک و شعور نہ تھا تو بے شعور سے سوال کیسے اور بے شعور کا جواب کیسے؟

پھر لکھتے ہیں دنیوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا نہ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیوں؟ آپ کی علت تو وہاں بھی موجود ہے یا پھر علت جامعہ نہیں جو مردود ہے۔

نیز یہ بھی بتانے چاہئے کہ کسی سلف یا خلف نے یا مجتہد مطلق یا منتسب نے کسی مفسر یا محدث نے، کسی اصولی یا فقیہ نے یا کسی منطقی یا فلسفی نے کسی متکلم یا صوفی نے یہ اصول لکھا ہے کہ عالم مثال میں ادراک و شعور کے لیے دنیوی آلات یا دنیوی مشاعر کے ساتھ تعلق کی اشد ضرورت ہے؟

تطبیق کے غلط ہونے کی دوسری وجہ

نیز سلف میں سے کسی نے یہ تطبیق نہیں دی الٹا سب متقدمین محققین یہ لکھ گئے ہیں کہ اس جسد عنصری کے عوض میں برزخ میں ان سے بہتر اجساد ان ارواح کو عطا ہوتے ہیں جن میں قیامت بپا ہونے تک رہیں گے۔

ان سب میں حضرت نانوتوی بڑے صریح واضح الفاظ میں کھول کر فرمارہے ہیں:

ارواح شہداء و مومنین کا اس جسدِ عنصری کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رہتا لکھنا فضول ہے حوالہ جات گزر چکے ہیں بار بار

" مسلک " اپنے ہوتے ہوئے پھر بھی اپنی ہی گائے جائے تو اس کا علاج لقمان
علاوہ ... کے پاس بھی نہیں ، انصاف کا تو خون ہوگیا جو حضرت نانوتوی کی ہر ہر بات رد (ٹھکرا) دی
ہے ... کی کتاب بھی نہ ملتے تو وہ حضرت نانوتوی کا خاص الخاص اور کٹر دشمنی اور
دیوبندی ، اور جو شخص حضرت نانوتوی کی ننانوے فی صدی بات تسلیم کرے اور
ایک بات میں کہے کہ یہاں حضرت کو تسامح ہوگیا ہے کہ جو فرماتے ہیں " انبیاء کرام
علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا " تو وہ شخص دیوبندی مسلک سے خارج
اہلسنت سے خارج ، معتزلی فرقہ کا آدمی ہے بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی
ہے ۔ یا للعجب ولضیعۃ الادب اللھم اھدھم فانھم ضلوا عن سواء
السبیل واضلوا کثیرا ممن لا یعلمون

تطبیق کے غلط ہونے کی تیسری وجہ

میرے محترم جناب صاحب تسکین کے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ
اعادۂ روح کی حدیث دوسری متواتر حدیثوں کے معارض ہے ولو کان الروح فی القبر
اوفی فنائہ فکیف یصح معنی حدیث فیاتون بہ ارواح المومنین فیسالون ما
ذا فعل فلان فیقول اما اتاکم فیقولون قد ذھب بہ الی امہ الھاویہ رمضان
تحریرات حدیث) ایک جگہ مخلوق کا موجود ہونا دوسری جگہ سے غائب ہونے کی دلیل
ہے ۔ جب روح ارواح مومنین کے پاس پہنچی ہوئی ہے تو قبر یا فنائے قبر سے یقیناً
غائب ہوگی ۔ اسی طرح ابن رجب نے فرمایا ہے کہ ردِّ روح کی حدیث احادیث کثیرہ
کے معارض ہے ۔

رہا یہ کہنا کہ شان الارواح غیر شان الابدان ، سو یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ کئی جگہوں میں حاضر ہوسکتی ہے اگر یہ روح اس قانون کے تحت ملاء اعلیٰ میں رہ کر

بدن کے ساتھ بھی اتصالی یا دخولی تعلق قائم رکھ سکتی ہے تو اس کی نظر کی وسعت ساری دنیا پر برابر ہونے سے کونسا امر مانع ہے۔ پھر فرقہ بریلویہ کا تصور کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت کی روح کی ایک مقام پر یہ ہے کہ تمام خلقت پر نظر ہے اگر ان کا یہ قول قرآن و سنت سے باہر ہے اور مردود ہے تو آپ کا قول قرآن کی کس صریح آیت سے ثابت ہے۔ یا کونسی حدیث آپ کی حمیت قاطعہ ہے جس میں یہ ثابت ہو کہ روح تو ما وا اعلیٰ علیین یا سجین میں رہتی ہے مگر اس کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ بھی بدستور قائم رہتا ہے۔ ورنہ ادراک و شعور ناممکن ہے۔

عودِ رُوح یا اتصال؟

صاحب تسکین نے حدیث تو بڑے زور شور سے صحیح بنائی۔ مگر اس کا مفہوم بیان کرنے میں بڑے چکر میں پڑ گئے ہیں اتنے پر تو ڈٹے ہوئے ہیں کہ جسد سے جسد عنصری ہی مراد ہے گو تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دکھا سکے صرف تبادر سے کام لیا کہ تبادر الی الفہم ہونا کسی معنی کا خود اس کے حقیقی ہونے کی دلیل ہے گو یہ قاعدہ بھی مجمل ہے حقیقۃ لغوی یا حقیقۃ عرفی یا حقیقۃ شرعی۔ جنیر ہر چہ بادا باد۔ یہ تعیین نہیں ہو سکا کہ عود روح کل اجزاء جسد عنصریہ میں ہے یا البعض میں۔ پھر عود کے معنی بھی متعین نہیں کر سکے۔ حقیقی معنی ہیں یا مجازی یعنی ربط و اتصال۔ اگر مجازی معنی ہیں تو ترک حقیقت کا کونسا سبب ہے اور اگر بعموم المجاز کے اصول پر ہم نے عود بمعنی اتصال کیا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقیقی معنی بھی اس کا ایک فرد ہے یعنی اتصال علیٰ وجہ الکمال جو اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب تمام اجزائے عنصریہ میں روح پہلے کی طرح داخل ہو جائے تو اکمل حیات والوں کے لیے اتصال بھی اکمل ہوگا تو اب دو سوال پیدا ہوئے کہ جو فریق روح کو اعلیٰ علیین میں مان کر اشراق یا اشراف کے قائل ہیں وہ کامل اتصال کے منکر ہیں اس کا رد کرنا آپ کے ذمے تھا۔ مگر بجائے رد کرنے کے آپ نے اس کی تصویب کی یہ کیا وجہ؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے ص۵۵ میں لکھا اگر مطلق اور کامل زندگی ہوتی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا

از مجموعہ الحاوی الاثر الاول ۲ و زبدۃ الانوار ص ۳

ادراک تو ہر شخص کر سکتا ہے۔

اب صورت قیاس اس طرح بناؤ "ہمارے نبی کی زندگی تمام انبیاء کی زندگی سے بھی زیادہ اکمل اور اتم ہے کحیاتہم فی الدنیا" (صغریٰ) اور "ہر وہ زندگی جو مطلق اور کامل ہو جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے۔" (کبریٰ) (تسکین ص۱۲۹، ص۱۳۰، ص۵۵)

پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے (نتیجہ) شکل اول کے انتاج کے لیے ایجاب (فعلیہ صغریٰ) و کلیۂ کبریٰ شرطیں سب یہاں موجود ہیں تو نتیجہ لازماً صحیح آنا چاہیے تھا لیکن نتیجہ تو صریح غلط ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شکل اول کے انتاج کی کوئی شرط یہاں مفقود ہے۔ دیکھا تو ایجاب و فعلیہ صغریٰ میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ یہی کہے گا کہ ہمارے نبی کی زندگی سب سے اکمل و اتم ہے اور کبریٰ بھی واضح ہے، امر بدیہی ہے جس کے لیے دلیل یا تنبیہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

پھر سمجھ نہیں آتی نتیجہ کیوں غلط ہے جس کو سید آلوسیؒ نے صاف صاف فرمایا لا یترتب علیہا کل ما یمکن ان یترتب علی تلک الحیاۃ المعروفۃ ولا یحس بہا ولا یدرکہا کل احد فلو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاء علیہم السلام لا یری الناس النبی فیہ الا کما یرون سائر الاموات الذین لم تاکل الارض اجسادھم (روح المعانی پ۲۲ ص۳۶)

بلکہ خود صاحب تسکین کو بھی مسلّم نہیں کیونکہ فرماتے ہیں "اہل دنیا کو اس کا احساس و شعور نہیں ہو سکتا (تسکین الصدور ص۱۵۱)

تو معلوم ہوا کہ اور خرابی اس اضافے میں ہے جو اعلیٰ زندگی کو گھٹیا زندگی سے تشبیہ دی ہے۔ بجائے تعظیم و تکریم و تعزیر و توقیر کے تذلیل و تحقیر کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لئن اقمتم الصلوۃ و اٰتیتم الزکوۃ و اٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیئاتکم

اور ظاہر ہے کہ دنیوی زندگی بعد الممات کی زندگی سے گھٹیا ہے وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملأ اعلیٰ میں جانے کی خواہش تھی اس لیے دُعا مانگی اللھم الی الرفیق الاعلیٰ صحابہؓ بھی سمجھتے تھے کہ حضرت کی دنیوی حیات محض ضرورت تبلیغ کے لیے ہے جب تبلیغ کا کام مکمل ہو گیا لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگ گئے تو اب حضرتؐ کو خدا تعالیٰ اپنی طرف بلا لیگا۔ اسی وجہ سے فقیہ اور ذہین صحابہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے رونے لگ گئے کہ اب حضرت ہم سے رخصت ہونے والے ہیں جب کہ سورۃ نصر نازل ہوئی تھی پھر روحانی لذات بھی اپنی نرالی شان رکھتی ہیں چنانچہ صاحب تہافۃ الفلاسفہ صفحہ ۱۰۹ میں فرماتے ہیں ان اللذۃ الروحانیۃ الحاصلۃ للنفس اقوی من اللذۃ الجسمانیۃ پھر نا معلوم سبکیؒ شافعی کی تقلید میں یک زبان ہو کر سب کے سب یہی کہہ رہے ہیں الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم کحیوتھم فی الدنیا۔ اور حالانکہ سبکی وہ شخص ہے جس کا کام صاحب تسکین کی طرح ضعیف حدیثوں کی تصحیح و تحسین کرنا ہے، حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے تھے صنّف تقی الدین سبکی رسالۃ فی ردّ ابن تیمیۃؒ وسمّاھا شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام وما وجدت فیھا شیئاً جیداً طریاً وتصدّی الی تقویۃ الضعف ثم صنّف ابن عبد الھادی فی الردّ علی السبکی وسماہ الصارم المنکی علی نحر السبکی وقد اجاد فی تصنیفہ (العرف الشذی ص ۴۲) سبکی نے ابن تیمیہؒ کی تردید میں نئی بات تو کیا کہی الٹا ضعیف احادیث کو قوی بنایا۔

پھر لطف یہ ہے کہ سبکی بھی اس مفہوم کے موجد نہیں وہ بھی غیر سے ناقل ہیں چنانچہ مواہب الدنیہ میں ہے ص ۴۵ نقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حیّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابد الاباد علی الحقیقۃ لا المجاز۔ سبکی نے ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر عزیز میں سچ مچ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں۔

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ ابن فورک کون ہے کہ جس کی تقلید سبکی نے کی ہے

پھر سبکی کی تقلید متاخرین نے کی ہے۔ کس سے کیا پوچھیں خود سبکی طبقات کبریٰ میں
میں لکھتے ہیں: ان ابن فورک کان رجلاً صالحاً ثم قال الذهبی، کان معروفہ
صاحب فلتۃ و بدعۃ۔ ابن فورک صالح مرد تھا۔ ذہبیؒ نے کہا کہ ابن فورک دینداری
کے باوجود بدعتی تھا اور غلطیاں مارتا تھا۔

اب فرمایئے کہ اس قول کا اصل ماخذ ہاتھ لگا یا نہ؟ دنیوی زندگی کی طرح انبیاء
اولیاء، ائمۂ اطہار کو زندہ ماننا اہل بدعت کا کام ہے جیسے روافض کا عقیدہ ہے
کہ علیؓ و باقی ائمہ بقید حیات دنیویہ ہیں۔ سید حمیری کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ نہیں مرے
عبداللہ خراسانی کے متعلق اس کے چیلے کہتے ہیں کہ نہیں مرا۔ محمد بن عبداللہ کے چیلے کہتے
ہیں وہ زندہ بحیات دنیویہ ہے۔ (الملل والنحل ج ۱) اثنا عشریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے حسنؓ فوت نہیں
ہوئے اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر مرنے کے بعد پھر ہمارا عقیدہ ہے
کہ زندہ ہو جائیں گے۔ ابن سبا کہتا تھا کہ علیؓ فوت نہیں ہوئے زندہ ہیں اور وہ
خدا کی جز ہیں۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ محمد بن علی فوت نہیں ہوئے ہم ان کے منتظر ہیں،
واپس آئیں گے جبریلؑ و میکائیلؑ رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت ہونگے
اور وہ امام منتظر مردوں کو زندہ کریں گے۔ بزیغیہ کا تو عقیدہ ہی یہی ہے کہ جب انسان
کمال کو پہنچ جاتا ہے اور پھر مر جائے تو اس کو یوں نہیں کہنا چاہیئے کہ وہ مر گیا بلکہ وُہ
عالم ملکوت کو پہنچتا ہے، اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ اسماعیل بن جعفر فوت نہیں ہوئے
آج کل اہل بدعت کی چال ہے کسی غیر مذہب کی نقال کرنا، مثلاً شیعہ کا عقیدہ تھا
کہ ائمۂ اطہار ماکان و مایکون کے عالم ہیں تو سُنی کہلانے والوں بدعتیوں نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے متعلق یہ کہدیا کہ وہ تو بطریق اولیٰ عالم ماکان و مایکون ہیں۔ شیعہ کہتے
تھے کہ حدیث قدسی ہے لولاھم ما خلقتک وما خلقت الجنۃ والنار
(اے آدم ائمۂ اطہار)
ولا السماء والارض اور حدیث ہے لولا علی لما خلق الانبیاء پھر سُنی
(تحفہ اثنا عشریہ)
کہلانے والے بدعتیوں نے حضورؐ کے متعلق حدیث گھڑ لی اور تھا کوئی ادیب جس
نے مقفیٰ عبارت جوڑ لی اور کہا لولاک لما خلقت الافلاک ۔

عہ اس کلمہ کی لفظی نحوی تحقیق کے لیے میرا رسالہ ضیائے حق دیکھو ۱۲ منہ

[illegible]

شیعہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بشر نہیں کہنا چاہیے، تو سُنی کہلانے والے
بدعتیوں نے یہ بات حضور ﷺ پر چسپاں کر دی، شیعہ نے خدائی صفات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو متصف کیا تو سنی کہلانے والے بدعتیوں نے حضور ﷺ میں خدائی صفات کا قول کیا
شیعہ نے کہا تھا کہ حضرت علی کا خدا پر بڑا حق ہے تو سنی کہلانے والے بدعتیوں نے
تمام انبیاء، اولیاء، علماء، پنج تن پاک کا حق خدا پر سمجھ لیا۔ پھر کہتے ہیں کہ ہماری یہ
مراد نہیں، شیعہ نے اماموں کے تعزیے بنائے اور قبروں کے سجدے کیے سنی گو بدعتیوں
نے اولیاء کے تعزیے بنائے اور ان کی قبروں کے سجدے کیے، شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے
اعمال ائمہ اطہار کے پیش ہوتے ہیں سنی گو بدعتیوں نے کہا ہمارے اعمال حضور ﷺ کے
پیش ہوتے ہیں، صاحب تسکین نے بھی تبرید النواظر ص ۱۱۹ میں اصول کافی باب عرض الاعمال
علی النبی والائمہ کتاب الحجۃ جلد سوم ص ۳۹ مع الشافی کے حوالے سے لکھا کہ در حقیقت عرض جمیع
اعمال شیعہ کا مسلک ہے مگر افسوس کہ سنی کہلانے والے بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو
گئے ہیں۔ اسی طرح ابن فورک نے کہا کہ حضور ﷺ کی اب بھی دنیوی زندگی ہے یہی بات
سبکی نے پکڑ لی سبکی سے پھر دوسروں نے لے لی۔

اسی طرح شیعہ نے کہا کہ دفن ہونے کے بعد آدمی کے دھڑ میں پھر سے روح ڈال دی
جاتی ہے تاکہ فرشتے اٹھا بٹھا کر اس سے پوچھ گچھ کر سکیں یہی بات سنیوں نے کہہ دی
بعض نے لاعلمی میں اور بعض نے تقلیداً اعتماداً۔ حالانکہ رجال کو حق کے تابع ہونا چاہیے
حق رجال کے تابع نہیں ہوتا، ہر ایک کی بات رد ہو سکتی ہے سوائے اس ذات
معصوم کے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

عود کے حقیقی معنی نہ لینے کی وجہ

ص ۲۰۹ حسب دعویٰ صاحب تسکین کے عود روح کی حدیث جب متواتر برہان قاطع ص ۴۳
حجت قاطعہ تھی تو حقیقی معنی مراد لینے سے کونسا امر مانع ہے وہ مواضع جہاں حقیقی معنی
متروک ہوتے ہیں ان میں سے ایک کی تعیین فرمائیں بہرحال عود کے معنی میں کئی

احتمال ہوئے ۱ معنی حقیقی، ۲ معنی مجازی اتصال و رد پھر اس میں احتمال ہیں، اتصال حقیقی ہے یا معنوی غیر ص۶۲ میں بحوالہ القول البدیع ص۱۲۷ کے سبکی کبیر کے جواب سے اتنا بتا دیا کہ ردّ سے مراد ردّ معنوی ہے لیکن ابھی عقدہ پورا حل نہیں ہوا کیونکہ معنوی بھی مجمل لفظ ہے جسد عنصری میں دخول روح کا نام تو ردّ معنوی ہو نہیں سکتا، پھر معنوی کئی چیزوں کے مقابل آتا ہے ۱ معنوی مقابل لفظی کے ۲ معنوی مقابل حسّی کے ۳ معنوی مقابل حقیقی کے اور اس جگہ معنوی نہ مقابل لفظی کے ہو سکتا ہے اور نہ معنی مجازی مقابل حقیقی کے، البتہ مقابل حسّی کے کہا جا سکتا ہے معلوم ہوا کہ علامہ سبکیؒ ردّ حسّی و اتصال حسّی کے قائل نہیں اور اتصال معنوی غیر حسّی پر عمدگی کا حکم صادر فرمایا اسی طرح ابن حجرؒ نے بھی اتصال معنوی ہی فرمایا (شرح الصدور ص۱۰۳) اسی کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم میں نقل فرماتے ہیں پس یہ سب اکابر قائلین اتصال، اتصال معنوی کے قائل اور اتصال حسّی کے منکر اور دخول حسّی روح کا جسد عنصری میں نہیں مانتے۔ صاحب تسکین بھی ص۹۴ میں تسلیم کر چکے ہیں۔ فرماتے ہیں روح کا جسم سے ایک گونہ تعلق ہے لیکن یہ تعلق دنیوی تعلق سے الگ اور حس سے بالاتر ہے۔ فوائد نادرہ شرح عقائد نسفیہ ص۳۰ میں ہے لکل روح بجسدھا اتصال معنوی قلت ولذا قال السیوطی فی شرح الصدور ص۱۰۲ وقال فی ص۱۰۱ التعلق الرابع فی البرزخ فانھا وان کانت فارقتہ بالموت فانھا لم تفارقہ کلیا بحیث لم یبق لھا الیہ التفات ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ان اللہ یعلق روحہ الذی فارقہ بجزءہ الاصلی الباقی من اول عمرہ الی آخرہ (تحریرات حدیث ص۳۰۸)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: در قبر احیاء و اماتت حقیقۃ نیست بسبب انعکاس شعاع روح بر بدن تعلقے پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلت تعذیب و تنعیم مے تواند شد و ایں ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والا عذاب و نعمت

روح را است کہ تعلق مجرد است و بدن حقیقی اور رُوح ہوائی است در رُوح ہوائی را تعلق مے کنند بہ بدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزائے جمادات بہیئتے و تشکلے کہ بینندہ را امتیاز درمیان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نہ شود (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۵۱) بدن نسبت بہ روح حکم لباس دارد و نسبت بہ شخص (تحفہ ص۲۵) عند اہل الاصول مجاز کی نفی کر سکتے ہیں نہ حقیقت کی۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں اور اس جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے اب چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگر ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو رُوح گو وہاں جسم مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا، اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا؟ سو یہ جواب اسی جسد مثالی سے ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ص۵۱۴/۴، ۲۲۵)

حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں واما الجسد فانه مثل القميص يخلعه الانسان منه ..... ولكن النفس هي التي تجد الراحة و البلاء (شرح الصدور ص۳۵)

میں کہتا ہوں جسد عنصری کے ساتھ تو رُوح کا اتصال اتفاقی ہوتا ہی ہے علماء حق نے تو خویش و اقارب کے ساتھ بھی روح کا تعلق لکھا ہے حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ نے لکھا ہے "مرنے کے بعد خویش و اقارب سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ (عقاید اسلام ص۲۳۵) مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں دار العمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق منقطع نہیں ہوا اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعوات صالحات اور صدقات و مبرات مردہ کے حق میں تخفیف عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انبیاء و مرسلین اور بعض صالحین کو بطور تکلیف نہیں بلکہ بطور لذت و فرحت قبر (عالم برزخ) میں عبادت مثل نماز اور حج اور تلاوت قرآن کی اجازت دے دی جاتی ہے (علم الکلام ص۲۳۵)

تا اور ہدایت قومی یعلمون کی تفسیر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے قوم نے اس سے دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں بھی قوم کی خیر خواہی رہی کہ اگر معلوم کریں میرا حال تو سب ایمان لاویں (پ ۲۳ رکوع ۱)

حسی کے معنے

صاحب تسکین جوابات کے ضمن میں انفصال معنوی کے بھی دبی زبان سے منکر اور اتصال حسی بھی ٹھوک بجا کر کہے جا رہے ہیں کہ "ادھر قبر میں جو حیات ان (انبیاء) کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں گو اہل دنیا کو اس کا احساس و شعور نہ ہو سکے اور حسی کے اس معنی میں نقلاً و عقلاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی (تسکین ص ۱۵۱)

(۱) **الجواب:** جناب من! اول یہ کہ آپ کا یہ کلام ص ۵۷ کے کلام کے معارض ہے جس میں آپ لکھ آئے ہیں کہ مطلق اور کامل زندگی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے اس کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے۔ یا پھر یوں کہو کہ انبیاء کی برزخی زندگی ان کی دنیا کی زندگی کی طرح کامل نہیں، والعیاذ باللہ۔

(۲) ثانیاً اگر برزخی زندگی میں حسی کے یہی معنی ہیں تو ایسا تو دنیوی حسی زندگی کو برزخی کہنا چاہیے، کیونکہ دار دنیا میں بھی سماع کی حس کو مخاطب ہی کے کان محسوس کر سکتے ہیں نہ متکلم کے، ضارب کی ضرب چوٹ اور درد مضروب ہی کا بدن محسوس کر سکتا ہے نہ ضارب کا دنیا میں کسی چیز کا دیکھنا اور نظر کی تیزی یا کمزوری ناظر آپ ہی محسوس کر سکتا ہے کہ میں فلاں چیز کو دیکھ رہا ہوں اور میری نظر تیز ہے یا کمزور۔ دوسرے کو کیا خبر۔ غمی خوشی کا احساس، بھوک پیاس کا احساس، سردردی، درد شکم خود اسی کو محسوس ہوتے ہیں۔ اگر برزخی حسی کے یہی معنی ہیں جو آپ نے بتلائے ہیں تو یوں تو خلاصہ ہر باشندہ کی زندگی دنیوی برزخی ہوئی یعنی جن جن امور کو دوسرا محسوس کر سکے ان کے لحاظ سے دنیوی ہوئی اور جن امور کو دوسرے محسوس نہ کر سکیں ان امور کے لحاظ سے برزخی ہوئی۔ مگر مجھے امید واثق ہے کہ صاحب تسکین اس قول کی تسلیم کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوں گے پس ان

گویا ہے کہ حتی کے از خود وضع کردہ مفہوم سے رجوع فرمائیں۔ واللہ الہادی یہدی من
یشاء الی صراط مستقیم۔

یہ تو حتی آپ کے وضع کردہ مفہوم حتی میں عقلی خرابی، رہی نقلاً خرابی سو وہ سن لیجیے۔
علامہ متکلم شہرستانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دھڑ بذات خود سوال وجواب اور خطاب کا
شعور نہیں رکھتا الشخص من حیث ھو شخص غیر مستشعر بذالک (السوال و
الجواب والخطاب وغیرھا) (نہایۃ الاقدام ص۴۶۹)

مفسر خازنؒ فرماتے ہیں وان کانوا امواتا من حیث خروج الروح عن
اجسادھم (تفسیر خازن)

عود روح یا اتصال کونسے جسد میں؟

(علی تعیین معنی الحدیث)
پہلے تو یہی جھگڑا ہو رہا تھا کہ اعادہ روح کی حدیث میں عود کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی
یعنی اتصال، پھر اتصال سے کونسا اتصال مراد ہے پھر وہ کب تک رہتا ہے قیام بدن
تک یا بعد بھی۔ اگر قیام بدن تک اتصال روح کے قائل ہو جائیں جیسے مولانا تھانویؒ فرماتے
ہیں اور آپ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس اتصال کی وجہ سے مردہ زائر کا سلام سنتا اور اسکا
جواب دیتا ہے تو جب بدن فنا ہو جائے گا تو حسب ارشاد تھانویؒ روح کا اتصال بدن
عنصری سے نہ رہے گا۔ آپ اسلیے مولانا تھانویؒ کا ساتھ یہاں چھوڑ بیٹھے کہ اتصال
روح بالجسد العنصری نہیں رہا تو اہل قبور کو السلام علیکم سے خطاب فضول بنتا ہے
حالانکہ مسنون طریقہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سارا مکمل اتصال نہ سہی حسب فرمان ابن قیمؒ وغیرہ
اس قدر اتصال ضرور رہتا ہے جس سے سلام سن کر اس کا جواب دے سکے مثبت بقولہ
انہ لا منافاۃ بین کون الروح فی علیین او فی الجنۃ او فی السماء وان لھا
بالبدن اتصالا بحیث تدرک وتسمع وتصلی وتقرأ (شرح الصدور ص...) مگر اس
بات پر غور نہیں فرمایا کہ:
حضرت تھانویؒ جو فنائے بدن کے بعد اتصال نہیں مانتے تو کیا مقابر بالکل پاک

سے گزرتے ہوئے السلام علیکم کہنے کے منکر ہیں تو پھر یا تو یوں کہنا پڑے گا کہ مولانا تھانویؒ اتصال کے یہ معنیٰ ہی نہیں لیتے جو آپ سمجھ رہے ہیں یا پھر مولانا تھانویؒ غلط کہتے ہیں۔

جو کچھ بھی ہو جسد کا لفظ جو حدیث میں وارد ہے اس میں دو احتمال ہیں جسدِ حقیقی مراد ہے (جسے نسمہ کہتے ہیں یا النفس الناطقہ جو برزخ میں عطا ہوتا ہے) یا جسدِ عرفی جسے عنصری بھی کہتے ہیں، پھر اگر جسدِ عرفی (عنصری) ہی مراد ہو پھر اس میں کئی احتمال ہیں۔ جمیع جسد یا بعض جسد اگر بعض جسد مراد ہیں تو اس بعض سے کونسا بعض مراد ہے۔ نصف اعلیٰ، قلب، دماغ باطن یا اجزاء اصلیہ، پھر فی جسدہ میں فی حقیقی معنی میں ہے یا مجازی اگر عود کے حقیقی معنیٰ لیں تو فی بمعنی اِلیٰ ہوگا اگر عود بمعنی دخول کریں تو فی حقیقی معنیٰ میں رہے گا۔ اگر عود بمعنی اتصال کریں تو فی بمعنی ب ہوگا۔ اگر عود بمعنی اِشراف کریں تو فی بمعنی علیٰ ہوگا تو ان تمام امور میں کہیں عود کے حقیقی معنے لے کر فی کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور کہیں فی کے حقیقی معنی لے کر عود کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور کہیں دونوں کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور حسب قاعدہ اصول المجاز فی الحرف الیسر خیر من المجاز فی الفعل (نور الانوار ص۱۲۳) یہی ہوسکتا ہے کہ عود کو اپنے معنی میں رکھیں اور فی بمعنی اِلیٰ اور جسد سے بھی جسدِ حقیقی مراد لیں نہ جسدِ عرفی تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی جو پہلی حالت تھی (جس حالت میں روزِ میثاق میں تھا) اسی حالت کی طرف اس کے جسدِ حقیقی کی طرف اس کے روح کو واپس کیا جائے گا۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تفسیر

ابنِ قیمؒ

وھذہ حیاۃ ارواحھم ورزقھا دارّ والا فالابدان قد تمزقت وقد فسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الحیاۃ بان ارواحھم فی طیر خضر الخ (کتاب الروح ص۹۲) واخبر ان الروح تنعم وتعذب فی البرزخ الی یوم القیامۃ (ص ۵۹ کتاب الروح)

علامہ ابن قیمؒ نے کتاب الروح ص ۵۹ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ شہداء کی آپ ہی تفسیر فرمادی ہے کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں رہتی ہیں نیز فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب روح کو رہے گا تا روزِ قیامت۔

شاہ عبد العزیزؒ

و این نوع تعلق کہ ارواحِ شہداء را با ابدانِ جانورانِ پرندہ بہم مے رسد ہم بیرون از عالمِ عناصر است و ہم نشو ونما ندارد۔ پس حیاتِ شہداء در عالمِ برزخ حیاتِ جسمانی است نہ حیاتِ ابتدائی، نہ حیاتِ اعادی۔ وبہمیں تحقیق زائل شد اشکالیکہ دریں جا وارد مے کنند وحاصلش آنکہ مراد از زندگیِ شہیداں کہ دریں آیت ودر آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا مصرح است چیست؟ اگر مراد ازاں حقیقتِ حیات است یعنی تعلق روح با بدنے کہ داشتند پس ہم خلافِ واقع است وہم خلافِ شرع زیرا کہ در حقِ شہداء نیز حکمِ موت کردہ اند واحکامِ موتی مثل قسمتِ میراث وتنفیذ وصایا وعدتِ منکوحہ وانقطاعِ نکاح ودفن وغیرہ براں جاری نمودہ۔ واگر مراد از نست

کہ ارواحِ ایشاں باشعور و ادراکِ خود باقی مانند و بانوعِ ثواب مسرور و شاداں پس ایں معنی خاص بہ شہیداں نیست بلکہ جمیع اہلِ نجات ہمیں حکم دارند و مجرد بقائے روح... بادراک و شعور کہ داشت عام تر است در حق ہر مومن و ہر کافر و ہر صالح و ہر فاسق۔

وتحریر جواب آں ست کہ حیاتِ شہداء بمعنی تعلق ارواح با بدان نیست برائے استیفائے لذات کہ موقوف برآلاتِ بدنی است نہ تعلق ارواح با بدان سابقہ و نہ بقائے روح بادراک و شعور و ایں حیات حیاتِ جزائی است (تفسیر عزیزی —) و ہم شاہ صاحب نوشتہ نفخ صور باعث تعلق ارواح مجردہ با بدن باشد مانند نفخ روح و تنبیہ فی تفسیر عزیزی ص ۲۹۱

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر فتح العزیز پارہ تبارک ص ۲۹۴ میں فرمایا ہے کہ یہ خاص نوعیت کا تعلق جو شہداء کی ارواح کو پرندوں کے ابدان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بھی عالم عناصر سے باہر اور اس میں نشو و نما بھی نہیں ہوتا، تو اس عالمِ برزخ میں (جو الیہ عناصر سے باہر ہے) شہداء کی حیات حیاتِ جزائی ہے وہ حیات نہ تو ابتدائی ہے اور نہ اعادی (کہ جس سے روح کو واپس جسدِ عنصری کی طرف لوٹایا جاتا ہو) اور اس تحقیق کے ذریعے وہ اشکال دور ہو گیا جو لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کی ظاہر آیت پر وارد ہوتا ہے کہ شہداء کی اس حیات سے کونسی حیات مراد ہے، اگر اس سے مراد ہے حقیقت حیات یعنی روح کا تعلق انہی ابدان کے ساتھ جیسے پہلے تھے یعنی ابدانِ عنصری تو یہ بات واقع کے بھی خلاف ہے اور شریع شریف کے بھی خلاف ہے کیونکہ شہداء پر حکم موت کا بھی لگتا ہے اور موتی والے احکام بھی ان پر جاری کرتے ہیں، مثلاً ان کا مال وارثوں میں بٹ جاتا ہے ان کی وصیت بھی نافذ ہوتی ہے (اور مسئلہ ہے کہ وصیت مرنے کے بعد ہی نافذ ہوتی ہے) اور شہیدوں کی بیویوں پر عدت میں بیٹھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے اموات کی بیویوں پر عدت میں بیٹھنا فرض ہے، اور ان کی بیویوں کا نکاح ان شہیدوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے اموات کی طرح شہیدوں کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے اور اگر شہیدوں کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ ان کی روحوں میں شعور و ادراک رہتا

ہے اور طرح طرح کے ثواب سے خوش ہوتا ہے تو یہ مفہوم شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب نجات پانے والوں کا یہی حکم ہے اور صرف روح کا باشعور وادراک رہنا سب کو شامل ہے مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد۔

اور جواب اس کا یہ ہے کہ شہیدوں کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ ایسی لذتوں کے حاصل کرنے کے لیے جو بدنی آلات پر موقوف ہیں ارواح کا تعلق (سبز پرندوں کے) ابدان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اور ان سابقہ (عنصری) ابدان کے ساتھ روح کا تعلق نہیں ہوتا اور روح کا باشعور وادراک باقی رہنا یہی حیات شہدا کا مفہوم نہیں ہے اور شہداء کی مذکورہ بالا حیات، حیات جزائی ہے۔

نیز لکھا کہ صور پھونکنے سے ارواح مجردہ کا تعلق (عنصری) ابدان کے ساتھ قائم ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔

البیان فی کیفیۃ تعلق الروح بالابدان

حضرت امام الہند شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر فتح العزیز ص ۵۴ میں فرمایا: انبیاء و شہداء و زاہر چند ارواح در اعلیٰ علیین باشند لیکن علاقہ شان بیدن زیادہ باشد از آنچہ دیگرے را باشند ولہذا احیاء مے گویند وہم چنیں باشد حال صدیقاں و صالحین یعنی اولیاء" یعنی انبیاء اور شہداء کی ارواح ہر چند کہ اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں لیکن علاقہ ان کا بدن کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے اور اسی وجہ سے ان کو زندہ کہتے ہیں اور اسی طرح صدیقین اور صالحین کا حال ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۶۳۵ میں فرمایا ہے:

پس حیات شہداء در عالم برزخ حیات جزائی است نہ حیات ابتدائی و نہ حیات اعادی" یعنی پس شہداء کی حیات عالم برزخ میں جزاء کے لیے حیات ہے

یہ حیات نہ تو ابتدائی جہانی ہے اور نہ حیات اعادی۔

اور ص ۳۴۶ میں فرمایا "حیات شہداء یعنی تعلق ارواح با بدان است برائے استیفائے لذتے کہ موقوف بر آلات بدنی است، نہ تعلق ارواح بہ ابدان سابقہ ونہ بقائے روح با دراک وشعور وایں حیات حیات جزائی دست کہ ثواب عمل ایشاں را بایشاں بایں صورت دادہ اند" یعنی حیات شہداء یعنی ایں کہ تعلق ارواح کا بدن کے ساتھ ہے واسطے اس لذت کے کہ جو آلات بدنی پر موقوف ہے نہ تعلق ارواح کا سابقہ بدنوں کے ساتھ اور نہ بقائے روح ادراک وشعور کے ساتھ۔ اور یہ حیات حیات جزائی ہے کہ ثواب ان کے عمل کا ان کو اس صورت سے دیا جاتا ہے۔

نیز تفسیر فتح العزیز ج ۲ پارہ عم ۳۰ ص ۱۲۳ میں فرمایا

"وارواح نیکاں بعد از قبض درآنجا مے رسند ومقربان یعنی انبیاء واولیاء دراں مستقر مے مانند" نیکوں کی ارواح قبض ہونے کے بعد علیین میں پہنچتی ہیں اور مقربان یعنی انبیاء، واولیاء اس میں بطور استقرار کے رہتی ہیں۔

علیٰ ہذا ارواح مومنین کے لیے بھی جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں رزق عطا فرمایا جاتا ہے چنانچہ موطا امام مالکؒ ص ۸۴ میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انما نسمة المؤمن طیر تعلق فی شجرة الجنة نیز ابن ماجہ ص ۳۲۵ میں ہے ان ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنة مشکوٰۃ ص ۱۴۳ میں بھی ہے یعنی مومنین کی ارواح سبز پرندوں میں ہوتی ہیں جنت کے درختوں میں سے کھاتی پھرتی ہیں۔

پس صراحت سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء وعظام بلکہ کل مومنین کی حیات برزخیہ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان عالم کا نام ہے نہ کہ حیات مماثل دنیا۔

بہر حال اجسام عنصریہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نیز ان کے اجسام عنصریہ جن کا متغیر نہ ہوتا اور محفوظ رہنا حضرت حق بیا ہے اور ساتھ ہی روحوں کا ان اجسام کے

ساتھ معنوی اتصال بلا شک ثابت ہے۔ لیکن کوئی قطعی دلیل صحت اور صراحت کے ساتھ اس امر پہ راہنمائی نہیں کرتی کہ وہ حیات حقیقی حسی دنیوی کے ساتھ ان عرفی قبروں میں ہی روح کے ساتھ متمکن اور مستقر ہیں۔ اگر ایسی کوئی قطعی دلیل ایک بھی پائی جاتی تو محققین علم کلام ائمہ مجتہدین، محدثین اور علمائے عظام میں احتمالات اور اشکالات دربارۂ اجسام و ارواح پیدا نہ ہوتے۔

اتنا ضرور ہے کہ ارواح کے ساتھ عالم برزخ میں ابدان کے ساتھ روح کا اتصال معنوی ہوتا ہے، اور عالم برزخ کی کیفیت سے کوئی باخبر نہیں، یہ ایمان بالغیب میں داخل ہے جس قدر قرآن و حدیث میں فرمایا گیا ہے اس پہ ایمان ہے۔ البتہ حیاتِ برزخی میں سب اعلیٰ درجہ انبیاء اور شہداء کا ہے۔ شہداء کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد گرامی ہے:

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۔

یعنی بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی اس زندگی کا شعور نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے فوت ہونے کے بعد ان کی زندگی کا شعور تم کو نہیں ہے۔

تسکین کی عبارت ص ۱۴۷ والی حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی عبارت سے کس طرح کشید فرمایا گیا جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "تعلقے ببدن خود کشش یا ببدنِ دیگر مثالی"۔ اس کلمہ "یا" سے معطوف علیہ کا مصداق جسم عنصری بحال خود قائم اور معطوف کا مصداق غیر قائم کس قرینہ سے لیا۔ دراصل شاہ صاحبؒ نے دو مذہبوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض تو اسی جسم عنصری کے ساتھ تعلق کے قائل ہیں اور بعض بدن مثالی کے ساتھ تعلق روح کے قائل ہیں۔ اب رہا یہ کہ شاہ صاحب کے نزدیک کونسا مسلک راجح اور محقق ہے۔ سو اس بات کو آپ نے تحفۂ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ میں وضاحت سے بیان فرمایا "بدنِ حقیقی او در روح ہوائی است و روح ہوائی را تعلق می کنند ببدنے دیگر از عالم مثال" یعنی اس کا حقیقی بدن تو روح ہوائی ہے جس کا عالم مثال میں سے ایک اور بدن کے ساتھ تعلق قائم کر دیتے ہیں۔

ص ۳۴۳ شیع دوم میں روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے، نباتی، نفسانی
اور حیوانی، نباتی کا یہ مطلب ہے کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا ہے، حالانکہ بدن
انسانی صرف ۴۰ سال تک بڑھتا ہے۔ کیا ۴۰ سال کے بعد بدن کے ساتھ روح کا
تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ صدرا میبذی شرح ہدایت الحکمت!

ص ۳۴۴ "روح کا بدن سے ..... ادراک و شعور والا تعلق بدستور ہوتا ہے"۔ اس
سے آپ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ بدن عنصری کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ضروری ہے جس سے
وہ ادراک و شعور کر سکے اور اس سند میں قول تحفہ ص ۳۸۲ کا پیش کیا مگر اس میں دو اشکال
ہیں (۱) دلیل دعوٰی پر منطبق نہیں کیونکہ دعوٰی ہے تعلق اتصالی یا دخولی کا اور سند
میں کہا تعلق شبیہ بہ تعلق عاشق بہ معشوق و با مالک مملوک یا صاحب خانہ بخانہ، کیا
عاشق معشوق کے اندر، مالک مملوک کے اندر داخل ہو جاتا ہے؟ جناب من!
اگر یہی بات ہے تو ایسے تعلق کے ہم بھی قائل ہیں جیسا تعلق حضرت شاہ صاحب
فرماتے ہیں اور روح کا جسد عنصری کی طرف واپس لوٹ آنا یہ منظور فیہ ہے اور یہ سمجھنا
کہ روح نکلنے کے بعد بغیر داخل ہونے کے جسد عنصری میں ادراک و شعور سے محروم
ہوتی ہے یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ وہ حدیث یاد کرو جس میں ہے جب جنازہ
کو لوگ اپنی گردنوں پہ اٹھاتے ہیں تو اگر نیک بخت ہو تو کہتا ہے کہ مجھے میری منزل
کی طرف جلدی لے چلو اگر بدبخت ہو تو لوگوں سے کہتا ہے اے مصیبت! مجھے کہاں
لے جاتے ہو؟ اب یہ کون بولتا ہے جسم عنصری بولتا ہے جس میں سے روح نکل چکی
ہے یا روح بولتی ہے۔ اور اگر میت کا جسم عنصری بولتا ہے تو اس سے ثابت ہو گیا
کہ بغیر تعلق روح کے محض جسم عنصری میں ادراک اور شعور ہے اور اسی معنی کو نواب
قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر حق ص ۴۴ میں ترجیح دی ہے چنانچہ فرمایا میت
کلام حقیقۃً کرتا ہے۔ اگرچہ روح نکل جاتی ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر۔ یہ ایسا
ہی ہے جیسے قبر میں زندہ کیا جاتا ہے سوال کے لیے و ہیٰ ‡ اس سے تو معلوم ہوا
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر ادخال روح کے مردہ جسم سے کلام کرا سکتا ہے

وہی خدا اپنی قدرت کاملہ سے بغیر ادخال روح کے مردہ جسم سے سوال جواب بھی کرا سکتا ہے۔ البتہ صاحب الحبیر پر کیوں اعتراض ہوتا ہے کہ وہ مردہ جسم کے تعذیب و تنعیم کے قائل ہیں جو بالکل خلاف عقل اور سفسطہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ روح بولتی ہے تو روح کا ادراک اور شعور بغیر اعادہ فی الجسم کے ثابت ہو گیا جب جسم عنصری میں داخل ہونے کے بغیر روح کا شعور اور ادراک ثابت ہے تو روح کا عود الی الجسم کس مجبوری کی بنا پر معتقد بنایا جاتا ہے جب کہ مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر ادراک روح کے لیے عود الی الجسم العنصری شرط نہیں۔

امام بخاریؒ کا مسلک ہے کہ روح کے اعادہ کے بغیر بھی مجرد جسم سُن بول سکتا ہے

یاد رہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان فرمائی ہے جس کو کہا جاتا ہے اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری اور یہ حدیث آیات قرآنیہ کے موافق ہے اور امام بخاریؒ خود بھی اعادہ روح الی الجسد العنصری کا قائل نہیں۔ اور نہ حیات بادخال الروح فی الجسد العنصری فی القبر العرفی کا قائل ہے اسی واسطے قلیب بدر والی حدیث ذکر کر کے دفع اشکال کے لیے قتادہؒ کا قول پیش کیا احیاہم اللہ معلوم ہوا کہ ہر میت کا یہ حکم نہیں۔

مولانا کا ڈھول

بغیر تعجب اس بات پر آتا ہے کہ صاحب تسکین کس شد و مد کے ساتھ اعادہ روح کے اثبات کے لیے مستقل باب منعقد فرماتے ہیں۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ثابت فرمانے لگتے ہیں تو وہ سارا لکھا لکھایا باب انہیں ڈھول ہو جاتا ہے اور شہداء کرام کی حیات بجائے عنصری جسم کے اخروی بدن سے فرماتے ہیں چنانچہ ص۲۰۶ میں لکھا: "حیات دنیوی کا مطلب یہ ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے نہ کہ شہداء کی طرح اخروی بدن سے"

تعلّق کی نوعیّت

وہ تعلق دخولی نہیں، انتقاتی ہے، معنوی ہے،

نیز بحوالہ کتاب الروح ۵۳ ص ۱۲۶ میں لکھا: "روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ کلی طور جدا نہیں ہوتی، بایں طور کہ روح کا بدن کے ساتھ کوئی التفات ہی نہ رہے۔

نیز ص ۴۴۴ ایضاً بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۲ فرمایا یہ تعلق اس تعلق کے مشابہ ہے جو تعلق عاشق کو معشوق سے یا مالک کو غلام سے یا صاحب خانہ کو گھر سے ہوتا ہے تفسیر عزیزی ص ۱۷۱۴ میں ہے یہ اس قسم کا تعلق جو شہداء کو اڑتے جانوروں کے ساتھ پہنچتا وہ اس اربعہ عناصر کے جہان سے باہر ہے۔ نیز فرمایا پس حیات شہداء عالم برزخ میں حیات جزائی ہے نہ ابتدائی ر روح المعانی ج ۲ ص ۱۸ میں ہے میرے نزدیک شہید ہو یا غیر شہید سب مرنے والوں کو برزخ میں حیات حاصل ہے اور ارواح اگرچہ جواہر قائم بذاتہا ہیں اور محسوس بدن کے مغایر ہے لیکن اس سے بھی کوئی امر مانع نہیں اس کثیف عنصری بدن سے الگ کسی برزخی بدن کے ساتھ اس روح کا تعلق قائم ہو جائے اور اس کا نام تناسخ نہیں ہے۔ اس بوسیدہ جسم کا ڈھانچہ منہدم ہونے اور اجزاء کے الگ الگ اور اس ہیئت کے جلا جانے کے باوجود اس کی حیات اگرچہ ذات باری تعالیٰ سے بعید تو نہیں مگر اس کے قائل ہونے کی نہ تو ضرورت ہے نہ اس میں اس کی نفعیت ہے اس ضعیف الایمان مومنین کو شکوک اور اوہام میں ڈالنا ہے اور لوگ ایسوں کو کم عقل کہیں گے۔

ابن کثیر ج ۴ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں وحاق بآل فرعون سوء العذاب کا مطلب ہے سمندر میں غرق ہو کر فوراً جہنم میں منتقل ہو گیا کیونکہ اس کا جسد بے شک دنیا پر محفوظ ہے مگر) فرعون اور تمام فرعونیوں کے ارواح صبح و شام آگ پر پیش ہوتے رہتے ہیں پھر بروز قیامت ان کے ارواح پھر ان عنصری اجساد کے ساتھ مجتمع ہو کر

دوزخ میں جائیں گے، آگے چل کر لکھتے ہیں یہ آیت برزخ میں عذاب ارواح کی دلیل ہے اور اس کو یہ ضروری نہیں کہ ان کی قبور میں ان عنصری جسموں کے اندر ان ارواح کا اتصال ہو۔

الفوائد القادریۃ فی شرح العقائد النسفیۃ ص۳۰ میں ہے قال السیوطی فی اتمام الدرایۃ ان الروح تکون باقیۃ بعد موت البدن منعمۃ او معذبۃ امامحلھا فارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدھا اتصال معنوی یعنی سیوطیؒ نے اتمام الدرایہ میں لکھا ہے کہ بدن کی موت کے بعد روح کو سکھ یا دکھ ہوتا رہتا ہے۔ اب رہا روح کا مقام سو مومنین کی ارواح علیین میں رہتی ہیں اور کفار کی ارواح سجین میں رہتی ہیں، اور ہر روح کا اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے۔

محترم جناب مولانا صاحب نے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۸،۳۲۷ کے حوالہ سے تسکین الصدور طبع دوم ص ۸۹ میں لکھا ہے: "اسی طرح بلا شبہ مرنے کے بعد اجزاء اصلی بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔

(نیلوی) کہتا ہے کہ اپنے حوالہ سے محترم نے اپنے دعوٰی اعادۂ روح پر قلم پھیر دیا)

احسن العقائد لاہل السنۃ والجماعۃ ص ۲۳ میں مولانا محمد عبدالرحمٰن رئیس سلہٹ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لکھا ہے دقائق الحقائق میں کہ ہر گاہ پوچھے گئے بعض علماء جال معادن ارواح سے کہا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی جنات عدن میں رہیں اور لحد سے انس رکھیں۔

علامہ ابن قیم کی تحقیق

فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۱ میں کتاب الروح سے ابن القیم کا قول نقل ہے

کہ ان لکل منہا (ای الارواح) تعلقھا بجسدھا تعلق الانسان بوطنہ و ان داما فی الافاق وسایا یعنی جیسے انسان کا اپنے وطن کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے ایسا ہی ہر روح کو اپنے پہلے جسد عنصری کے ساتھ لگاؤ رہتا ہے۔ اگرچہ آفاق عالم میں جہاں کہیں بھی گھومتا پھرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر صراحت کیا ہو۔

سوال : جواب

عود روح الی الجسد العنصری والی حدیث تواتر سے ثابت ہے سوفی صدی علماء نے اس کی تصحیح فرمائی ہے تو ایسی حدیث کا انکار اگر کفر نہیں تو کم از کم فسق و معصیت تو ضرور ہے۔

اوّل تو تواتر کا ادعاء محض بلادلیل ہے اور سوفی صد علماء کے بارے کہنا کہ اس حدیث کی تصحیح کی ہے یہ بھی ٹھیک ہے۔ جو خبر واحد قرآن پاک کے معارض ہو وہ بلا شک مردود ہے اور یہ حدیث قرآن پاک کی آیات کثیرہ کے معارض ہے اور احادیث متواترہ کی بھی معارض ہے جن میں ارواح کا مقام علیین یا سجین بتایا گیا ہے۔ نیز یہ حدیث خود براء بن عازب رضی کی بیان کردہ اس حدیث کے بھی معارض ہے جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں خود امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاریؒ نے روایت کی ہے

قال (البراء بن عازبؓ) لما توفی ابراھیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہ مرضعا فی الجنۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو دودھ پلانے کے لیے جنت میں دائی موجود ہے جو اسے دودھ پلاتی ہے (بخاری ص ۱۸۴)

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مسئلہ محقق ہے کہ جب کسی شخص نے کسی فعل پر قسم کھائی اور اس فعل کی نسبت زمان یا مکان کی طرف ہو تو فعل دو حال سے خالی نہیں، لازم ہوگا یا متعدی اگر لازم ہے یعنی اس کا اثر فاعل پر تمام ہو جاتا ہے تو اس فعل کے فاعل کا اس زمان یا مکان میں ہونا شرط ہے مفعول کا اس زمان یا مکان میں

ہونا شرط نہیں ہے اور اگر وہ فعل متعدی ہے یعنی اس کا اثر مفعول تک پہنچتا ہے تو اس فعل و مفعول کا اس زمان یا مکان میں ہونا شرط ہے کیونکہ فعل اپنے اثر سے پایا جاتا ہے اور اس کا اثر محل میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اثر میں اختلاف پیدا ہو جانے سے فعل کا نام بدل جاتا ہے مثلاً اینٹ مارنے سے کسی کو تکلیف پہنچے تو اس اثر کی وجہ سے یہ فعل چوٹ کہلائے گا اور اگر اینٹ سے زخم ہو جائے تو اس اثر کی وجہ سے اس فعل کو گھاؤ کہتے ہیں اور اگر اینٹ لگنے سے دم نکل جائے تو اس فعل کو قتل کہتے ہیں اور جب کہ اثر میں اختلاف کی وجہ سے ایک فعل مختلف ہو گیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ فعل کا نام اس صفت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے جو محل سے مختص ہوتا ہے اسی زمان و مکان کی رعایت محل کے حق میں کی جاتی ہے اور فاعل و مفعول کے حق میں ان کی رعایت نہیں ہو سکتی

امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا ہے کہ جب کسی شخص نے دوسرے کو کہا کہ میں تجھ کو مسجد میں گالی دوں تو میرا غلام آزاد ہے پس مسجد میں بیٹھ کر اس کو گالی دی اور جس کو گالی دی وہ مسجد سے باہر ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر گالی دینے والا مسجد سے باہر ہو اور جس کو گالی دی وہ مسجد میں ہو تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ گالی دینا اصول فقہ کی اصطلاح میں فعل لازم ہے

اور اگر کہا کہ اگر میں تجھ کو مسجد میں سزا دوں یا تیرا سر زخمی کر دوں تو میرا غلام آزاد ہے تو اس مثال میں مضروب اور مشجوج کا یعنی جس کو مارے یا جس کو زخمی کیا ہے اس کا مسجد میں ہونا حانث ہونے کے لیے شرط ہے۔

اور اس مسئلہ میں دودھ پلانا فعل متعدی ہے جس کا اثر بچہ تک پہنچتا ہے اس لیے بچہ کا جنت میں ہونا شرط ہے کہ رضاعت کا فعل جنت میں متحقق ہو تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابراہیم بن رسول اللہ بھی جنت برزخیہ ہی میں تشریف فرما ہیں اور آپ کا جسد اطہر یہاں مدینہ طیبہ میں ہے۔

اور یہ روایت مسند احمد کی روایت سے فائق ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ و اصحاب صحاح ستہ نے اس حدیث کو تو اپنی کتب صحاح میں اخراج فرمایا ہے مگر مسند احمد

کی روایت کا اخراج نہیں فرمایا۔

نیز اس لفظ یُعَادُ رُوحُہٗ فِی جَسَدِہٖ میں احتمال ہے کئی معانی کا جیسے عبارت پیر طریقت علیہ الرحمۃ نے بیان فرمانے کہ یعاد بمعنی یجعل ہو فی جسدہ بمعنی فی صورۃ الجسد ہو نیز اس میں احتمال ہے تغییر من قبل الرواۃ کا کہ راویوں نے اساتذہ کی زبانی بات کچھ سنی اور سمجھ کچھ اور لیا تو اپنی سمجھ کے مطابق روایت بالمعنیٰ کر دی۔

ملا علی قاریؒ کی توجیہ میں بحث

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱ میں فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی یہ عبارت اعادۂ روح پر دال ہے کیونکہ بغیر روح کے فرشتوں کو جواب نہیں دیا جا سکتا یہ محل نظر ہے کیونکہ جب خاکی جسم اور روح کے باہم تعلق کے بعد ہی جواب دینا ممکن ہے تو روزِ میثاق میں یہی جسم خاکی موجود تھا؟ جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کیا گیا تھا اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں "بَلٰی" اسی جسم عنصری نے کہا تھا؟ اور جیسے جواب دینا آپ کے نزدیک بغیر روح کے متصور نہیں ہو سکتا تو غاسل کو دیکھنا، حامل کو دیکھنا اور قَدِّمُوْنِیْ کہنا کیسے ہوتا ہے۔ آیا اس وقت جسد عنصری میں روح واپس آچکی ہوتی ہے یا نہ اگر واپس آچکی ہوتی ہے تو کیا زندہ کو دفن کرنے جاتے ہو؟ اگر روح ڈالیس نہیں آتی تو قَدِّمُوْنِیْ کون بولتا ہے، بغیر روح کے جسم خاکی بولتا ہے یا بغیر جسم خاکی کے روح بولتا ہے بغیر روح کے جسم خاکی من جملہ جمادات کے ہے جیسے حضرت نانوتویؒ کا فتویٰ ہے تو بغیر معجزہ و کرامت کے جمادات کا بولنا کیسے؟ اور اگر روح بغیر جسم خاکی کے بولتا ہے تو آپ کا دعویٰ باطل ہوا کہ بغیر اعادۂ روح کے جواب متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

الحاصل

اس سارے بیان کا حاصل یہ ہوا کہ امام ابن قیمؒ، امام شاہ عبدالعزیزؒ، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ مصنف الفوائد التعاقد یہ، مصنف احسن العقائد وغیرہ

علمائے عظام کی یہی تحقیق ہے کہ مرنے کے بعد روح کا اگر جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق ہے تو وہ تعلق نہ تو دخولی ہے نہ اشراقی، بلکہ سب نے اس تعلق کو معنوی تعلق بتایا۔ کسی نے کہا کہ وہ تعلق یا اتصال معنوی ہے کسی نے تعلق روحانی کہدیا، کسی نے کہا لمدے انس رتبط ہے، کسی نے کہدیا کہ اتفاقی تعلق ہے، کسی نے مثال دیکر سمجھایا کہ ایسا تعلق ہے جیسے انسان کا اپنے وطن کے ساتھ ہوتا ہے، کسی نے کہا ایسا تعلق جیسے عاشق کا معشوق کے ساتھ یا مالک کا غلام کے ساتھ، گھر والے کا اپنے گھر کے ساتھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عودِ روح والی حدیث یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہے تو ان علماء کے نزدیک مؤول ہے اور جسد سے مراد ان کے نزدیک جسدِ عنصری ہرگز نہیں، اور کسی نے دسیسہ کاری کی جو شرح فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف عودِ روح الی الجسد العنصری کا قول منسوب کر دیا۔ نیز ملا علی قاری کی وہ عبارت بھی مدسوس ہے جس میں ہے کہ میت اپنے غاسل، حامل اور دافن کو جانتی پہچانتی ہے، جب کہ خود مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ وہ لطیف قسم کا بدن ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ اس کثیف جسم سے روح کا تعلق کٹ جاتا ہے۔

فیض الودود

فی تفسیر آیۃ

تبدیل الجلود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضاہ، اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی الہٖ وازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ واصحابہ وعلینا معھم اجمعین آمین یارب العالمین اما بعد قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ یعنی جن لوگوں نے ہماری آیات واحکام کو قبول کرنے سے انکار کیا، تو ہم ان کو مستقبل قریب میں ایک تیز آگ میں داخل کریں گے جہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے (خواہ ایک دن میں کتنی ہی بار یہ واقعہ پیش آئے) تاکہ وہ برابر عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کو قیامت کے دن ہم تیز آگ میں داخل کریں گے اور جب ان کی ایک کھال جل جائے گی تو ہم فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔

حضرت یحییٰ حضرمیؒ کا قول ہے کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ کافر کو سو کھالیں دی جائیں گی، ہر کھال میں نیا عذاب ہوگا (ظاہر ہے کہ گناہ تو ایک کھال نے کیا باقی ننانوے کھالوں کا کیا قصور؟ مگر چونکہ اصل مقصد ہے روح کو سزا دینا وہ روح ان کھالوں میں رہے گی اور اس طرح اسے سزا ملے گی) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ستر ہزار بار کھال جلے گی اور دوسری کھال دی جائے گی، البغویؒ نے حضرت کعبؓ سے روایت کیا کہ ایک گھڑی میں ایک سو بیس

مرتبہ کہال بدلی جائے گی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوسری کھالیں سفید مانند کاغذ کے بدلی جاویں گی، رواہ ابن ابی حاتم، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس یہ آیت پڑھی گئی انہوں نے تاری سے کہا کہ پھر دوبارہ یہ آیت پڑھو، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے تو فرمایا میرے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک ساعت میں سو مرتبہ بدلی جاویں گی پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی سُنا ہے رواہ الطبرانی بسند ضعیف وابن ابی حاتم وابن مردویہ، اور دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت کعبؓ نے قبل اسلام کے ایک سو بیس مرتبہ ایک ساعت میں تبدیل ہونا بیان کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی تصدیق کی (ابن مردویہ) اور ان تفسیروں پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ کھالیں کیونکر معذب ہوں گی جو دنیا میں نہ تھیں اور انہوں نے نافرمانی نہیں کی ہے اور جواب دیا گیا کہ وہ شخص ان کھالوں میں معذب ہوگا، یہ کھالیں خود نہیں معذب ہوں گی جو دنیا میں نہ تھیں اور انہوں نے نافرمانی نہیں کی ہے اور جواب دیا گیا کہ وہ شخص ان کھالوں میں معذب ہوگا۔ یہ کھالیں خود نہیں معذب ہوں گی، بدلیل آنکہ آگے کھالوں کی طرف ضمیر نہیں راجع ہے بلکہ فرمایا لیذوقوا العذاب تاکہ چکھیں یہ کافر عذاب کو۔

بعض کا خیال اور خیالیؒ کا جواب

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چمڑوں کے اجزاء متحد ہیں اگرچہ ہیئات اور ترکیب کے بدلنے کی بنا پر دونوں چمڑوں کو مغایر کہا جاتا ہے۔ مگر اس پر شمس الدین خیالیؒ نے رد فرمایا ہے[۱۶۵] کہ دعوی اتحاد الاجزاء غیر مسموعۃ یہ اتحادِ اجزاء کا دعوی بے دلیل ہے جو سننے اور قبول کرنے کے لائق نہیں، کیوں نہیں ہوسکتا کہ دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء کے غیر ہوں۔

مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ

اس پر حضرت مولینا عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ولعل المدعی یعنی دعواہ علی ان مغایرۃ اجزاء الثانی للاول یستلزم التعذیب بلا معصیۃ ونفی عرفت جوابہ یعنی ممکن ہے کہ مدعی یعنی یہ کہنے والا کہ دوسرے چمڑے اور پہلے چمڑے کے اجزاء متحد ہیں، اپنے اس دعویٰ کی بنیاد اس بات پر رکھ رہا ہو کہ اگر یہ کہیں کہ دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء سے مغایر ہیں تو یہ استحالہ لازم آتا ہے کہ دوسرے چمڑے کو بغیر کسی قصور اور نافرمانی کے مفت کا عذاب دیا جائے گا اور یہ بعید از انصاف ہے۔ لیکن اس کا جواب تو پہلے بیان ہو چکا ہے جو شمس الدین خیالی رحمہ اللہ نے وان لجہنمی ضرسہ مثل جبل احد کا مطلب بیان کرنے والے کے رد میں فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ لان العذاب للروح المتعلق بہ یعنی کسی نے ان الجہنمی ضرسہ مثل جبل احد کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ اس جہنمی کی ڈاڑھ سوج سوج کر احد پہاڑ جتنی موٹی ہو جائے گی نہ یہ کہ فالتو اجزاء ڈاڑھ کے ساتھ جوڑ کر احد پہاڑ جتنی بنا دی جائے گی نہ یہ کہ اس صورت میں ان فالتو اجزاء کو بغیر قصور میں شریک ہونے کے مفت کا عذاب دینا لازم آتا ہے جو کہ خلاف انصاف ہے تو حضرت خیالیؒ اس کے رد میں فرماتے ہیں ذرا آپ کو اس میں غور سے کام لینا چاہیے آپ کی یہ سطحی بات ہے۔ دراصل ان فالتو اجزاء کو یا ڈاڑھ کو عذاب دینا مطلوب نہیں کیونکہ روح کو عذاب ہوتا ہے جو اس ڈاڑھ کے ساتھ متعلق ہے پس یہ اعتراض اب وارد نہ ہوگا کہ دوسرے چمڑے کو بغیر قصور کے عذاب کیسے دیا جائیگا۔

محشی قرہ کمال کا اعتراض

پھر اس پر فاضل محشی (قرہ کمال) نے اعتراض کیا کہ یہ کہنا کہ درد کا تعلق صرف روح کے ساتھ ہے چمڑے کے ساتھ نہیں ہے غیر معقول ہے۔ کیونکہ قوت لامسہ

تو ہوتی ہی چمڑے میں ہے لہٰذا درد کا محل یقیناً چمڑا ہی ہے۔

فاضل لاہوری کا جواب

پھر حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو فاضل محشی نے کہا ہے کہ چمڑا دکھ درد کا محل ہے اس کا کیا مطلب ہے اگر یہ مطلب ہے کہ خود چمڑے کو درد ہوتا ہے تو یہ صاف غلط ہے کیونکہ جس چمڑے میں حیات نہ ہو اس چمڑے کو درد نہیں ہوتا اور اگر یہ مطلب ہے کہ چمڑا آلہ اور واسطہ ہے روح کے دکھی ہونے کا تو واقعی یہ بات تو مسلّم ہے لیکن اس کے معذب نہ ہونے کے لیے اجزاء زائدہ سے مرکب ہونا قادح نہیں۔

شجاع کی تقریر

شجاع نے بھی اسی طرح تقریر کی ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ اگر دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء کے مغایر مانیں تو دوسرے چمڑے کے اجزاء کی تعذیب بلا معصیت لازم آتی ہے کیونکہ انما یلزم ان لو کان العذاب للبدن ویجوز ان یکون العذاب للروح لا للبدن ولا یلزم التعذیب بلا معصیۃ (ص ۳۱۰) یہ بات اس صورت میں لازم آتی ہے جب عذاب بدن کا مطلوب ہو اور یہاں ممکن ہے کہ عذاب روح کو ہو نہ بدن کو اور تعذیب بلا معصیۃ لازم نہ آئے۔

اور خیالی نے جو فرمایا تھا کہ دونوں چمڑوں کے اجزاء کے اتحاد کا دعویٰ ممنوع نہیں اس پر شجاع نے دلیل یہ دی ہے۔ اذ لا یدل قولہ تعالٰی کلما نضجت جلودھم بدلنا ھم جلوداً غیرھا علی اتحاد الاجزاء یعنی اس لیے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کلام کلما نضجت الآیۃ اتحادِ اجزاء پر دلالت نہیں کرتا (ص ۳۱۰) بلکہ دونوں کھالوں کے درمیان تغایر ذاتی پر دال ہے۔

بیضاویؒ کی تفسیر اور شیخ زادہؒ کی تشریح

بیضاویؒ نے فرمایا یخلق مکانہ جلداً آخر والعذاب فی الحقیقۃ ... للنفس العاصیۃ المدرکۃ لا لآلۃ ادراکھا فلا محذور یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی جلی ہوئی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ دوسری کھال کا تو کچھ گناہ نہیں ہے اسے سزا کیوں دی جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری کھال کو پیدا کرنے سے غیر عاصی کی تعذیب لازم نہیں آتی کیونکہ در حقیقت عذاب اس عاصی نفس کو ہوتا ہے جو مدرک ہے نہ آلۂ ادراک کو۔ اب اس توجیہ کے بعد اعتراض نہ رہا۔ شیخ زادہ رحمہ اللہ نے اس کی تشریح یوں فرمائی انا سلمنا ان الجلود العاصیۃ قد فنیت بالاحتراق وانہ سبحانہ وتعالیٰ یخلق مکانہا جلوداً غیرھا ذاتاً الا انا لا نسلم انہ یلزم منہ تعذیب غیر العاصی بناء علی ان المعذب ھو الانسان المستور بالجلد لان الجلد امر زائد علی ذاتہ آلۃ لادراکہ فلا محذور (رب ۴۴) یعنی ہم نے تسلیم کر لیا کہ عاصی کھالیں جل کر فنا ہو چکی ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان پہلی کھالوں کی جگہ ان کے غیر دوسری کھالیں پیدا فرما دیتا ہے لیکن یہ بات مسلم نہیں کہ اس بات سے غیر عاصی کی تعذیب لازم آتی ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ اصل عذاب اس انسان کو ہوتا ہے جو اس کھال میں مستور ہے۔ کیونکہ کھال ذات انسانی سے علیحدہ امر زائد ہے جو ذات انسانی کے ادراک کے لیے آلہ اور واسطہ ہے۔ اب اس جواب کے بعد اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

مترجمین کے تراجم

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے "جس وقت پک جاویگی کھال ان کی بدل کر دیں گے ہم ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب"۔

سحبان الہند حضرت احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف الرحمن میں ترجمہ یوں کرتے ہیں جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

پھر تسہیل میں لکھتے ہیں کہ صاحب روح المعانی کا یہی خیال ہے کہ کھال نئی اور دوسری ہوگی۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے یوں ترجمہ کیا "جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ ان کی دوسری نئی کھالیں پیدا کر دیں گے۔"

مرزا حیرت نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا "جب ان کی کھالیں آگ سے پک کر جل جایا کریں گی تو ہم ان کی نئی کھالیں سوا ان پہلی کھالوں کے جسم پر بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کے مزے کو چکھیں۔

مولانا دریابادی نے یہ ترجمہ لکھا "جب کبھی ان کی جلدیں پک جائیں گی ہم ان جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کریں گے تاکہ وہ برابر تازہ عذاب چکھتے رہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے لکھا "جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں۔" (کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک نہ رہے اس لیے شبہ قطع کرنے کے لیے یہ سنا دیا۔

مولانا فتح محمد صاحب جالندھری نے لکھا "جب ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔"

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس طرح ترجمہ لکھا "جس وقت ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔"

احمد رضا خاں صاحب نے بھی یہی ترجمہ لکھا "جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں۔"

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لکھا "جب گل جاویں گے چمڑے ان کے بدل دیویں گے ہم ان کو چمڑے سوائے اس کے تاکہ چکھیں عذاب"۔

فرمان علی شیعہ لکھنوی نے لکھا "جب ان کی کھالیں جل کر گل جائیں گی تو ہم ان کے بدلے دوسری کھالیں بدل کر پیدا کردیں گے تاکہ وہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھیں۔

مولوی عبدالستار صاحب دہلویؒ نے لکھا "جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیویں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب"۔ حاشیہ میں لکھا ہم کافروں کو جہنم میں اس طرح عذاب دیں گے کہ جب بدن کا چمڑا ایک گل جل کر گر پڑے گا تو اس کے بدلے دوسرا چمڑا دے دیں گے تاکہ عذاب کو چکھتے رہیں۔

مسند احمد میں ہے جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے کر دیے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سو سال کی راہ ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ہاتھ ہوگی، کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی۔

ابن کثیر میں ہے کہ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی اور ہر ہر کھال پر علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال بدلی جائے گی۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب دوزخیوں کی کھال جل جائے گی تو ایک دوسری کھال بدل دیں گے جو سفید ہوگی، حضرت عمرؓ سے مرفوعاً ہے کہ ایک ساعت میں سو بار ان کی کھال بدلی جائے گی۔

معارف القرآن مصنفہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ج ۲ ص ۴۴۰ میں ہے بلاشک جو لوگ ہماری آیات واحکام کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے اور وہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ جب ایک دفعہ ان کی کھال آگ سے جل چکے گی تو اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری تازی کھال پیدا کردیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب ہی بھگتتے رہیں (کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک واحساس نہ رہے اس لیے شبہ قطع کرنے کے لیے یہ شق دیا۔ بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں کہ وہ ایسی سزا دے سکتے ہیں اور حکمت

والے ہیں اسلیے باوجود قدرت کے کہ جلی ہوئی کھال کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، پھر بھی کسی حکمت سے بدل دیا، جیسے کہ ایک حکمت کا بیان ابھی ہوا ہے۔

ایک مشہور اور اہم سوال

عام طور پر یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ انسان نیک و بد اعمال اس جسم عنصری سے کرتا ہے اور قبر یعنی عالم برزخ میں سزا بھی تو اسی جسم عنصری کو ہی ملنی چاہیے۔ ایسا کیوں ہو کہ نیک یا بد کام تو کرے یہ جسم عنصری اور سزا ملنے کی باری آئی تو جسم مثالی کو۔ "کرے کوئی بھرے کوئی"۔ طویلے کی بلا بندر کے سر۔؟

حضرت نانوتویؒ کا جواب

سو اس کا جواب آپ حجۃ الاسلام محقق اعظم حضرت شیخ شیخی مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کاملۃ وافرۃ سابغۃ بانی دارالعلوم دیوبند کے اپنے الفاظ میں سنیئے!

آپ نے آب حیات ص۱۸۸ میں فرمایا کہ اہل حقیقت کے نزدیک حرکات وسکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ رُوح درپردہ کار پرداز حرکت وسکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل نیام حرکت ہے، فاعل نہیں، فاعل حقیقی وہی روح ہے، چنانچہ ضرب وسب وشتم وغیرہ امور جو اعضاء مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں روح کے افعال سمجھے جاتے ہیں، جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے ورنہ انعام اور پاداش میں اعضاء جو مصدر افعال تھے محل اکرام وانعام ومورد عتاب وعقاب ہوا کرتے، حالانکہ سب وشتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں جیسا اذغانت سر پھوڑا جاتا ہے اور دست وپا توڑے جاتے ہیں اور زنا کی سزا میں جو بظاہر فعل عضو مخصوص ہے تازیانوں کی مار کمر پر پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پر برستی ہے، علیٰ ہٰذا القیاس مدح وثنا یا خدمت دست وپا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے، طعام لذیذ کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم

صریح کر کرے کوئی بھرے کوئی، جان کوئی گوائے مزے کوئی اُڑائے۔ کسی کے نزدیک روا نہ ہوتا حالانکہ اس قسم کی جزا و سزا کے جواز میں متبعان عقل و نقل میں سے کسی کو تامل نہیں، ہاں فاعل حرکات رُوح کو کہیئے تو اس اختلاف محل طاعت و جرم اور مورد جزا و سزا کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ روح کو تمام بدن اور جملہ اعضاء بدن سے ربط و تعلق ہے اور ہر جزو بدن رُوح کے حق میں مصدرِ افعال و منبع آثار اور واسطۂ ایصالِ رنج و راحت اور سبیل حصُولِ آرام و تکلیف ہے، چنانچہ خود جسم کو کاروبار سے کچھ تعلق نہیں، از قسم منابع حرکات و سکنات بوسیلۂ جسم حبیب پاک روح سے باہر آتا ہے اور رنج و راحت سارے کا سارا نزد از روح میں جاتا ہے، بدن کو فقط چوبدار یا تحصیلدار سمجھیے، اس سبب سے جس عضو کے وسیلے سے کوئی فعل صادر ہوگا وہ روح ہی کا فعل ہوگا اور جو انعام و انتقام کسی عضو پر وارد ہوگا وہ رُوح پردہ نشین ہی پر وارد ہوگا۔ اس صورت میں اگر مصدرِ طاعت و گناہ کوئی اور عضو ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جو مطیع ہے وہی منعم و مرحوم و محمود ہے اور جو عاصی ہے وہی مذموم و معتوب و مطرود ہے مصدرِ افعال بھی وہی روح تھی اگرچہ کوئی عضو بدن اس کا مظہر ہو، اور مورد انعام و انتقام بھی وہی رُوح ہے اگرچہ کوئی جزوِ بدن اس کا مسلک ہو۔

الغرض حقیقت شناسانِ معانی سخن کے نزدیک فاعل حقیقت میں رُوح ہے نہ بدن اور منبع حرکات و سکناتِ ارادیہ جان ہے نہ تن۔ جسم و تن فقط محلِ قیام حرکات و سکنات اور ایک طرح کا ظرف تحققِ ارادیات ہے گو ظاہر بینوں کو فاعل نظر آئے۔ انتہیٰ الی مقام الحاجۃ

معتزلہ کا اعتراض

اور

اہلِ سُنّت کا جواب

اور روح کے ادراک و لذت پر معتزلہ کا اعتراض ہے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر عذاب و ثواب قبر کے لیے دوبارہ رُوح لوٹائی جائے تو حیات کا ملزم جائے

جو قیامت ہی کو ہوگی۔

جواب اہلسنت: اور اب روح جو سکھ یا دکھ کا ادراک کرتا ہے تو اس ادراک کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ روح کا بدن کے ساتھ ادنیٰ سا تعلق ہو خواہ روح آپ ساتویں آسمان کے اوپر ہو یا سجین میں بند ہو اور اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے سورج آپ تو چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کا تعلق زمین کے ساتھ اس طرح کا ہے کہ چوتھے آسمان کے سورج کی شعاع زمین پر پڑتی ہے۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ میں فرمایا کہ والجواب انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء (او من بیان المیت) او فی بعضها نوعًا من ادراک الحیوٰۃ مغایرًا لهذا النوع الحاصل قبل الموت قدر ما یدرک الم العذاب او لذۃ التنعیم و لیس هذا بعجیب بل قد شهدت النصوص بحیوٰۃ ما نسمیه جمادًا قال اللہ تعالیٰ وان من شیئ الا یسبح بحمدہٖ اما تسمیتها جمادًا و امواتًا فانما هی بالنسبۃ الی الحیاۃ الحاصلۃ لنا وهذا ای ادراک العلم واللذۃ لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن وهذا جواب اشکال اوردہ المعتزلۃ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیها الموت الا الموتۃ الاولیٰ (نبراس ص ۳۲۱، ۳۲۲)

اس جواب پر صاحب نبراس کا اعتراض

مگر اس جواب پر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب پرہاروی رحمۃ اللہ نے نبراس ص ۳۲۲ میں اعتراض کیا کہ اعادہ روح کی صحیح احادیث موجود ہیں، پھر اعادۂ روح کے انکار کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

نیلوی کی تشریح

نیلوی کہتا ہے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ عقائد کے ماہر تو یہی ہیں جو قبر میں اعادہ روح فی البدن کو نہیں مانتے پھر اس چیز کو امکان کا درجہ دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ بدن عنصری

میں اعادۂ روح کے بغیر بھی تمام اجزائے انسانی میں یا بعض اجزاء انسانی میں ایک خاص قسم کی حیات آجائے جو اس قسم کی حیات سے مغایر ہو جو موت سے پہلے تھی اور وہ حیات ثانیہ صرف اتنی ہی ہو جس سے صرف دُکھ یا سکھ محسوس ہو سکے اور بس۔ اور الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ قاعدہ کے مطابق اتنے سے زیادہ ادراک کی ضرورت ہے اور نہ ہی ثابت ہے اور اگر بدن میں روح کا اعادہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی وہ حیات ثانیہ ہے جو صرف عذاب و ثواب کے ادراک کیلئے ہے اور بس۔ اب اس سے آگے اہل دنیا کی جان پہچان اور ان کے کلام و سلام کے سماع کا اضافہ قدر ادراک الم ولذت سے زائد ہے جس کے اثبات کے لیے برہان کی ضرورت ہے۔

علم عقائد والے برزخی حیاۃ ضعیف مانتے ہیں

نیز علم عقائد والے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ حیات ثانیہ حیات ضعیفہ ہے چنانچہ نبراس ص۳۲۲ میں آیت کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے حیوۃ القبر وان کانت عند السؤال باعادۃ الروح فھی حیاۃ ضعیفۃ فیجاز ان لا یسمّی زوالھا موتا یعنی قبر کی زندگی اگرچہ سوال نکیرین کے وقت اعادہ روح کے ساتھ ہی ہو پھر بھی وہ حیات ضعیفہ ہے جس کے زوال کا نام موت نہ کہہ سکیں۔

پھر مصنف کے قول "وھذا لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن" کی ایک اور توجیہ فرمائی کہ ممکن ہے کہ مصنفؒ اس عبارت سے معترضہ کے ایک اور اشکال کے دفعیہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہوں وہ اشکال یہ ہے کہ میت کی حیات کا قول باطل ہے کیونکہ زندہ اور مردہ کے مابین فرق بالکل بدیہی اور واضح ہے تو اس کا جواب اس عبارت سے یوں بنا کہ میت کی حیات ایسے زندہ لوگوں کی طرح نہیں بایں طور کہ میت کے جسد میں روح کا کامل اعادہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ میت میں روح کا اعادہ ہوتا تو ہے مگر وہ اعادہ ناقص اور ادھورا سا ہوتا ہے یعنی کامل اعادہ میں ظاہری و باطنی حواس

سب کام دیتے ہیں، اگر ناقص اعادہ میں ظاہری حواس کام نہیں دیتے نیز کامل طور پر جسد عنصری میں روح کار پرداز تھی تب تو دنیا کے امور کا احساس کرتی تھی اور برزخی امور کا احساس نہ کرتی تھی اب جب اعادہ ناقصہ ہے تو برزخی امور کا احساس کرتی ہے دنیا کے امور کا احساس نہیں کرتی۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دنیا کے امور کا بھی احساس کرتی ہے زائر کو جانتی پہچانتی ہے کلام سلام بھی سنتی ہے تو اعادہ ناقصہ تو نہ ہوا بلکہ کاملہ بھی نہ ہوا اکمل ہوا کہ برزخ و دنیا ہر دو کا احساس کرنے لگی اُدھر برزخی دکھ بھی محسوس کر رہا ہے وہاں سانپ بچھو وغیرہ کا ٹنے کا احساس بھی اسے ہے ماریں کھا رہا ہے، چیخیں مار رہا ہے شور مچا رہا ہے فریاد کر رہا ہے اور ادھر دنیا والے اس کی قبر پر آتے جاتے ہیں سب کو جان پہچان بھی رہا ہے ان کا کلام سلام بھی سن رہا ہے کیا ایسی حالت ناقصہ ہوتی ہے۔

نوعًا من الحیوۃ کا مفہوم

حقیقت یہ ہے کہ نوعًا من الحیوۃ دیکھو سیاق اثبات میں خاص ہوتا ہے اخالص قسم کی حیات یعنی حیات برزخیہ مراد ہے اور وہ تمام اجزاء عرفیہ میں نہیں ہے بلکہ بعض اجزاء میں ہے اور وہ ہیں اجزاء اصلیہ جو ابتداء سے انتہا تک رہتے ہیں اور یہ ظاہری ہاتھ پاؤں منہ کان ناک مراد نہیں کیونکہ انتفاء جزو مستلزم انتفاء کل ہوتا ہے یعنی جزو نہ رہے تو کل بھی نہیں رہتا اور یہ ہاتھ پاؤں منہ کان ناک وغیرہ یہ حقیقی اجزاء نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اندھا لنگا کان کٹا، ناک کٹا، ہاتھ کٹا، پاؤں کٹا آدمی ہی کہلاتا ہے اور یوں بھی نہیں کہ یہ اب آدھا آدمی ہے یا پاؤ آدمی ہے یا آدمی ہی نہیں رہا کیونکہ جزو نہیں رہی تو کل بھی نہیں رہا البتہ روح نکل جائے تب اسے آدمی یا انسان نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ میت ہے، یا فلاں بندے کی نعش (لاش) ہے اگر آدمی کہہ بھی دیتے ہیں تو مجازی طور پر کہتے ہیں۔ باعتبار ما کان کے یا بصورت حذف مضاف کے مثلاً کہتے ہیں کہ اس قبر میں فلاں بندہ دفن ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں بندے کی نعش (لاش) دفن ہے۔ البتہ روح پر انسان یا عبد کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ جب فرشتے

روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو دروازہ کھولنے والے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہے؟ (من هذا) یہ کون شخص ہے تو جن فرشتوں کے ہاتھوں میں روح ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے اور اجزاء اصلیہ میں جب روح داخل ہوتی ہے تو اس کا ادراک و شعور بہت زیادہ ہو جاتا ہے اس قدر شعور و ادراک دنیوی حیات میں نہ تھا جس قدر ادراک اور شعور برزخی حیات میں حاصل ہوا۔

حضرت محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا، فوائد: شہید اگرچہ ظاہراً مرگیا لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت کی طرح نہیں مرنے کے بعد انسان کی ترقی رک جاتی ہے اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے۔ جب روح کا تعلق بدن سے ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہو گئی مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دے دی اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا وہ اب بھی عمل کر رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک باقی رہتا ہے (بخاری، مسلم) احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی ہیں اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا حق تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلے میں ایک دوسرا عنصری بدن اس کی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے کہ جس کے ذریعے سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے، اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبر اور متصرف نہیں تاکہ تناسخ کا شبہ ہو اس لیے کہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کر دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کے نشوونما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں متصرف و مدبر ہو

اور ارواحِ شہداء میں یہ بات نہیں، اس لیے کہ جس جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشوونما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں اس کا تعلق پرندہ کی اصل روح سے ہے، پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مع اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کے لیے سواری ہے۔ خوب سمجھ لو!

تفسیر آیتِ کریمہ

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا

معارف القرآن ج ۷، ص ۳۰۶ میں النار یعرضون کے تحت لکھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آلِ فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانا یہ ہے (اخرجہ عبدالرزاق و ابن ابی حاتم، مظہری) اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو عالم برزخ میں صبح و شام اس کو وہ مقام دکھلایا جاتا ہے جہاں قیامت کے دن حساب کے بعد اس کو پہنچنا ہے اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اس کو دکھلایا جائیگا اور اہل جہنم میں سے ہے تو اس کا مقام جہنم اس کو دکھلایا جائے گا۔

یہ آیت دلیل ہے عذابِ قبر کی اور حدیث کی روایات متواترہ اور اجماع امت اس پر شاہد ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا کے تحت فائدہ لکھتے ہیں: "یہ عالم برزخ کا حال ہوا احادیث سے

ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ (تنبیہ) آیت ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد حضور ﷺ کو معلوم کرایا گیا کہ صرف کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں طیور خضر کے حواصل میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو طیور سود کے حواصل میں داخل کر کے ہر صبح و شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بنا پر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر حقانی میں ہے: مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوا النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کیے جاتے ہیں صبح و شام سے مراد یہی دو خاص وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے اس کو محاورہ میں صبح و شام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اس کا دکھایا جاتا ہے یا کمتر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے بعض کہتے ہیں آگ میں داخل ہونا مراد ہے۔ بولتے ہیں عرضہم علی السیف اذا قتلھم، بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح و شام اس کا اصلی ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو جہنم اور جنتی ہے تو جنت اور کہہ دیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔

یہ عالم برزخ کی سزا و جزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے اور یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت کے روز ہوگی کم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذاب قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

متاخرین معتزلہ کا مسلک

برخلاف معتزلہ کے گروہ حشر کے روز جزاو سزا ہونا کہتے ہیں اور اس درمیانی زمانہ کو خالی قرار دیتے ہیں بدلیل قول تعالٰی من بعثنا من مرقدنا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔

اور حقانی صاحبؒ نے اس آیت من بعثنا من مرقدنا کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ اور اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے، یا عذاب حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب وراحت خواب معلوم ہوگا۔۔۔ ابی بن کعبؓ وابن عباسؓ ومجاہد وقتادہ کہتے ہیں کہ نفخۂ اولیٰ سے لے کر نفخۂ ثانیہ تک کے زمانہ میں ان سے عذاب دور کردیا جائے گا تب وہ آرام سے سوتے ہوں گے۔

حضرت عثمانی رحمہ نے کہا شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کردی جائے گی، یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو اتنا ہون سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے یا مرقد بمعنی مضجع کے ہو اور نیند کی کیفیت سے تجرید کرلی جائے۔ واللہ اعلم۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین" کے الباب السادس میں فی فرق الجبریۃ کے صفحہ ۶۹ میں لکھا: الثالثۃ الضراریۃ اتباع ضرار بن عمرو الکوفی وکان فی بدو امرہ تلمیذ الواصل بن عطاء ثم خالفہ فی خلق الاعمال وانکار عذاب القبر الخ یعنی جبریہ کے کئی فرقے ہیں جن میں سے ایک ضراریہ ہے جو ضرار بن عمرو کوفی کے پیروکار ہیں، شروع میں ضرار شاگرد واصل بن عطاء کا رہا پھر خلق اعمال کے مسئلہ میں اور عذاب قبر کے انکار کرنے میں اس استاذ کے خلاف ہوگیا۔

اتصالِ روحانی کی نظیر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجالس الحکمۃ ص ۱۹۸ میں فرمایا ہے کہ "اب ایک حقیقی نظیر بھی اتصالِ روحانی اور دوسرے جسم پر روح کی تاثیر کے متعلق عرض کی جاتی ہے۔ وہ نظیر "احتلام" ہے جس کا بیان یوں کیا جا سکتا ہے کہ ——— مرد کو اتصالِ روحانی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ جماع فعل طبعی ہے گویا طبیعت رجل (مرد) کے واسطے مثل جزو کی ہے الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ عورت کے ساتھ اتصال ہوتے ہی فعل طبعی کا وجود ہو جاتا ہے اور عورت کے دیکھنے کو تو خواب وخیال بتایا جاتا ہے۔ لیکن جسم پر اثر پڑ جاتا ہے کہ لذت محسوس ہو کر خواب میں فعل طبعی کا آخری نتیجہ یعنی انزال متفرع ہو جاتا ہے، یہ اتصال روحانی پر جسمانی اثر پیدا ہونے کی نظیر ہے۔

گو نظیر بے ہودہ ہے مگر توضیح مطلب کے لیے ایک نظیر ہے۔

حیاتِ برزخیہ ناقصہ پر حیات کا اطلاق مجازی ہے

نیز احیاکم کے لفظ سے حیاۃ کاملہ مراد لیتے ہو اور یحییکم کے لفظ سے اگر حیات فی القبر مراد ہے تو وہ حیات آپ ہی کی تصریح کے مطابق حیاتِ ناقصہ ہے نہ کاملہ اور حیاتِ ناقصہ پر حیات کا اطلاق حقیقی نہیں ہے، بلکہ مجازی ہے جس کا آسان نشان یہ ہے کہ اس معنی سے نفی کرنا اس لفظ کا درست ہو سکتا ہے۔ جیسے دادا اپنے پوتے کو بیٹے کہہ کے پکارتا ہے پھر اگر کوئی پوچھے کہ یہ تمہارا بیٹا ہے تو جواب دے گا: میرا بیٹا نہیں ہے یہ میرے بیٹے کا بیٹا ہے۔ میرا پوتا ہے یعنی اس سے نفی بھی کی جا سکتی ہے اور اس کا اثبات بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقی معنی سے نفی کرنا ناجائز ہے مثلاً کوئی باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی۔ جو مرچکا ہو اسے برزخی

زندگی کے لحاظ سے ہی کہتے ہیں کہ فلاں آدمی چل بسا۔ یعنی اس جہان فانی سے چل کر عالم برزخ میں جا بسا اب مقام برزخ (علیین یا سجین) میں بستا ہے وہی اس کا بسیرا ہے تو اس لحاظ سے زندہ ہوا (کیونکہ بسنا زندوں کا کام ہے بستی اسی کو کہتے جہاں زندے آدمی بستے ہیں۔ قبرستان کو کوئی بستی نہیں کہتا) گو عالم برزخ میں وہ زندہ ہے مگر اس کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ "وہ مر گیا"۔ بسنے کی نفی ہوگئی کیونکہ بسنے کے متبادر معنی یہی ہیں، دنیاوی عنصری جسد کے ساتھ بسیرا کرنا۔

اب جب مطلق یحییکم بولا گیا تو مطلق سے مراد فرد کامل ہی ہوتا ہے اور فرد کامل حیات کا وہی ہے جو قیامت کو ہوگی تو اس اصول کی رو سے بھی حیات وہی مراد ہو سکتی ہے جو قیامت کو ہوگی، یہی وجہ ہے کہ علامہ سید آلوسیؒ نے صاف فرمایا:

والمنصف یری ان عذاب القبر ثابت بالاحادیث الصحیحة دون هذه الآیة (روح المعانی صفحہ ۴۸/۲۴) اور پہلے پارہ میں اس احیاء سے احیاء قبوری مراد لینے کے متعلق فرمایا وذالك معنی بعید (روح المعانی صفحہ ۱۴۷/۱) یعنی یہ معنی حق اور صحیح ہونے سے بعید ہے یعنی صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ انصاف والے کا یہ کام نہیں کہ اس آیت سے عذاب قبر ثابت کرے۔ عذاب قبر تو احادیث صحیحہ متواترة المعنی یا مشاہیر سے ثابت ہے اس آیت سے عذاب قبر ثابت کرنا بے انصاف اور ظالم لوگوں کا کام ہے اب آپ کی مرضی انصاف کے حامی بنیں یا ظلم کے۔

علامہ بیضاویؒ کی عادت

علامہ بیضاویؒ نے دو مفہوم بیان فرمائے پہلا مفہوم وہی جو صحابہ کرام رضؓ و تابعین مفسرین نے بتایا ہے اور دوسرا مفہوم حیات فی القبر والا۔ مگر یاد رہے کہ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ جو قول پسندیدہ ہوتا ہے وہ پہلے ذکر فرماتے ہیں اور جو قول ان کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے اس کو بعد میں ذکر فرماتے ہیں اور یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق حیاۃ فی القبر کے احتمال کو مؤخر لائے تو معلوم ہوا

کہ علامہ بیضاوی کے نزدیک حیات فی القبر کا مفہوم ضعیف ہے۔

اب منصف مزاج سمجھ گئے ہونگے کہ علامہ قامع الشرک والکفر قاطع البدعات ابن حزم رحمہ اللہ کے قول کو غلط تدبر کا نتیجہ کہنے والا منصف ہے یا ظالم؟ اور معاندین ابن حزم کی بات نصوص قرآنیہ کے خلاف آ ہوئی یا نہ؟

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

صاحب تسکین نے اپنے مفہوم ضعیف کو قوی اور وزنی بنانے کے لیے ثُمَّ کے لفظ پہ زور دیا اور فرمایا ثُمَّ تراخی کے لیے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ احیاء اخروی کے بعد متصل ہی خدا کے پاس حساب و کتاب کے لیے لوٹنا ہوگا۔ لہٰذا لفظ ثُمَّ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ احیاء سے مراد (یحییکم میں) وہی احیاء فی القبر ہی مراد ہے۔

الجواب

سلف صالحین جو اہل لسان بھی تھے مجتہد بھی تھے حضور کی صحبت سے مشرف بھی تھے ان کی تفسیر وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس کے علاوہ دوسری توجیہ کو مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے پس وہ قابل توجہ نہیں۔

چند مفید باتیں

میت کو نائم کے ساتھ تشبیہ دینے کی صحیح توجیہ

ہم اس سے پہلے فتح الباری کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ میت کو سونے والے کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں، کیونکہ سونے والے کے روح کا تعلق جو بدن سے منقطع ہوتا ہے وہ ظاہری طور پر منقطع ہوتا ہے لیکن مرنے والے کے روح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے نہ ظاہری طور پر تعلق ہوتا ہے نہ اندرونی۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ واقعی حضرت ابن حجرؒ نے بہ صورت اس تنظیر کے صحیح نہ ہونے کی بیان فرمائی ہے یہ بالکل صحیح ہے البتہ اگر میت کو نائم کی تنظیر بیان کرنے کی تقریر ایک دوسرے انداز میں بیان کی جائے تو علمائے عقائد کی تنظیر درست بھی ہو سکتی ہے جس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ مثال اور تنظیر میں فرق ہوتا ہے۔ مثال میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک فرد ہوتی ہے مالہ المثال کا، اور تنظیر مالہ التنظیر کا فرد نہیں ہوتی اس لیے وجہ فرق کی بھی بیان کرنا ضروری ہوگا۔

علم عقائد کے ماہرین تقریباً الی الفہم میت کا عذاب ثواب سمجھانے کے لیے جو نائم (سونے والے) کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں وہ بہت ہی واضح اور عام فہم ہے یعنی سونے والا پلنگ پر سو رہا ہے اسے خواب آتا ہے اب وہ پلنگ پر پڑا ہوا عالم خواب میں کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے، دوستوں سے ملاقاتیں کرتا ہے بولتا ہے ہنستا ہے محفل سجاتا ہے، دوستوں کی باتیں سنتا ہے، ان کی گفتگو کا جواب دیتا ہے کبھی دشمن اس کو دکھائی دیتا ہے وہ ڈرتا ہے اس کو برا بھلا کہتا ہے، ڈنڈا تلاش کرتا ہے ڈنڈا لے کر دشمن کے پیچھے دوڑتا ہے اسے مارتا ہے کبھی دشمن اس کو مارتا ہے، کبھی جاتے جاتے جنگلات اور صحرا طے کرتا ہے دریا آجاتا ہے کشتی پر سوار ہو کر دریا پار ہوتا ہے، کبھی اڑ کر جاتا ہے کبھی امریکہ کبھی روس پہنچ جاتا ہے

کبھی بھوک اور پیاس محسوس کرتا ہے یہ سب کچھ عالم خواب میں ہو رہا ہے مگر اس کا جسم برابر پلنگ پر پڑا ہے اس پلنگ کے پاس آکر کوئی اس کو سلام کہتا ہے مگر اس سونے والے کو کچھ علم نہیں کہ کون آیا کس نے سلام کہا پاس سڑک گذر رہی ہے اس پر تانگے، سکوٹر، بلڈوزر، بسیں کاریں وغیرہ سب کچھ ہارن دیتے ہوئے آ جا رہے ہیں گاڑیاں وسل دے رہی ہیں، لاؤڈ سپیکر پر اذانیں ہو رہی ہیں مگر یہ برابر پلنگ پر چادر تان کر سو رہا ہے کچھ علم نہیں کہ اذان ہو گئی گاڑی آ گئی بسیں کاریں ہارن دے رہی ہیں۔ البتہ جب کوئی زور کا کھڑکا ہو یا اسے کندھے سے پکڑ کر ہلائیں تو فوراً عالم خواب سے نکل کر عالم یقظہ میں آجائے گا اور بیدار ہو جائیگا اب اسے سب شور بھی سنائی دے گا اور سب چیزیں پاس والی اس کو نظر آئیں گی، پلنگ کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھ لے گا۔ اگر اس کو پہلے سے اس کے ساتھ واقفیت اور جان پہچان ہے تو پہچان بھی لے گا۔ مگر یہ عالم یقظہ (بیداری کے عالم) میں ہے اور عالم خواب ختم ہو گیا۔

اسی طرح میت کا دھڑ یہاں دھرا ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں مگر اس کی روح جسد سے نکل کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے۔ وہاں نیک روح کھاتی پیتی ہے اڑتی پھرتی جاتی کرتی ہے مزے اڑاتی ہے اور بد روح ڈرتی ہے آگ میں جلتی ہے گرزوں کی مار کھاتی ہے، سانپوں اور بچھوؤں کی زہر دل سے متاثر ہوتی ہے روتی ہے فریاد کرتی ہے اس بندی خانہ سے نکلنا چاہتی ہے مگر کہاں نکل سکتی ہے، یہ سب کچھ عالم برزخ میں اس روح کے ساتھ بیت رہی ہے۔ مگر عالم دنیا کا اسے علم نہیں ہے اس دھڑ کے پاس آکر کوئی بیٹھ جائے یا سلام کرے وہ پڑا ہوا دھڑ نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔

سونے والے اور مرنے والے کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر سونے والے کو جگایا جائے تو عالم خواب میں نہیں رہتا۔ عالم خواب سے نکل کر عالم یقظہ (بیداری کے عالم) میں آکر دنیا جہان کی باتیں سنتا ہے دیکھتا ہے اپنے اصلی بدن کے ساتھ چلتا

پھرتا اٹھتا بیٹھتا کاروبار کرتا ہے۔ لیکن میت کو اگر جگانا چاہو تو وہ عالم برزخ سے نکل کر پھر عالم دنیا میں نہیں آتا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں زندہ کر کے آنا چاہے تو لے آسکتا ہے اس کی قدرت سے یہ امر باہر نہیں بلکہ ایسا ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوگا۔ دیکھا نہیں؟ کہ ستر بندے طور پر خدا پاک کی گستاخی کرنے کی سزا میں مر گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا خدا پاک نے سن لی پھر زندہ ہو گئے پھر دنیا میں جی اٹھے، پھر ایک آدمی کو اس کے رشتہ داروں نے ورثہ کی لالچ میں قتل کر دیا حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ لگاؤ وہ بھی جی اٹھا۔ اسی طرح ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل جہاد کے ڈر سے اپنے وطن سے نکل بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب مر جاؤ، وہ سب مر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا۔ اسی طرح حضرت عزیرؑ یا ارمیاہ سو سال مرے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ فرما دیا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے باذن الٰہی کئی مردوں کو زندہ کیا وہ اسی دنیا میں دوبارہ زندہ ہوئے پھر مر گئے۔ اسی طرح مرغ، مور، کوا، کبوتر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کاٹ کر ان کے ملے جلے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیئے پھر آپ کے بلانے پر وہ سارے پرندے بحکم الٰہی زندہ ہو کر آپ کے پاس پہنچ گئے۔

اور اسی طرح آئندہ بھی ایسا ہوگا کہ دجال، ایک مرد صالح کو قتل کرے گا پھر وہ خدا کے حکم سے زندہ ہوگا پھر وہ دجال اس کے مارنے پر قادر نہ ہوگا، بہرحال بعض اوقات ایسے واقعات کا پیش آنا مشیت ایزدی ہے ضابطہ نہیں ہے۔ ضابطہ یہی ہے کہ سونے والے کی روح چونکہ اندر ہی ہوتی ہے نکلتی نہیں ہے اس لیے جگانے سے جاگ جاتا ہے یعنی عالم خواب سے نکل کر عالم بیداری میں آجاتا ہے۔ اور مرنے والے کی روح بالکل ہی نکل جاتی ہے اس لیے حسب قاعدہ قرآنی فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى جگانے سے نہیں جاگتا اور نہ سلام کرنے سے وہ عالم برزخ سے نکل کر عالم دنیا میں آتا ہے اور نہ کسی پاس سے

گزرنے والے کو دیکھتا پہچانتا ہے الا ان یشاء اللہ۔

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۳ میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے۔" کیونکہ تصرف فی الابدان صرف یہی تو نہیں کہ دم چلے نبضیں اچھلیں اور کھانا ہضم ہو، حواس ظاہرہ و باطنہ کا اپنا اپنا کام کرنا بھی تو تصرف فی الابدان ہی ہے، سننا کان کا عمل ہے، دیکھنا آنکھ کا عمل ہے، پہچاننا دل کا عمل ہے، سلام کا جواب دینا زبان کا عمل ہے، جب میت میں مان لیا گیا کہ وہ زائر کو دیکھ لیتا ہے، اس کو پہچان جاتا ہے، اس کا سلام کلام سن لیتا ہے پھر اس کا واپس جواب بھی دیتا ہے اور زائر کی آمد پر خوش بھی ہوتا ہے اور اس کی آمد کا منتظر بھی رہتا ہے تو تصرف روح فی الابدان کو تسلیم کر لیا گیا جب یہ بات تسلیم ہو گئی تو قرآن پاک کی آیت صریحہ کی مخالفت ہو گئی۔

اس کی مثال اس طرح ہوئی کہ ایک شخص چادر تان کر پلنگ پر منہ ڈھک کر سو رہا ہے اب وہ کسی خواب میں مست ہے تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہو جاتا ہے مگر بدستور پلنگ پر لیٹا ہوا ہے اوپر سے کوئی آکر السلام علیکم کہتا ہے اب وہ لیٹا ہوا زبان سے خفیہ طور پر جواب دیتا ہے جو سلام کہنے والے کو سنائی نہیں دیتا اور چادر کے اندر سے آنکھیں کھول کر آنے والے کو دیکھ بھی لیتا ہے پہچان بھی جاتا ہے تو یہ سب اسی واسطے ہے کہ اس کی روح اس کے بدن میں باقاعدہ تصرف کر رہی ہے حواس ظاہرہ و باطنہ سب اپنا اپنا کام کر رہی ہیں مگر اوپر سے آنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ شخص سو رہا ہے مگر دراصل وہ بیداری کے عالم میں ہے۔

دوسرا فرق میت اور نائم میں یہ ہے کہ عالم خواب محض خواب اور خیال ہوتا ہے اور بس! لیکن عالم برزخ خیالی نہیں ہے بلکہ واقعی اور حقیقی ہے۔

ایک حدیث

اکثر لوگوں کی زبان پر یہ حدیث جاری ہے القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران جس سے تبادر یہی عرفی قبر گڑھا مفہوم ہوتا ہے اسی لیے ان کا عقیدہ ہے کہ یہی گڑھا نیکوں کے لیے جنت ہے اور بروں کے لیے دوزخ

یہ حدیث ہی ضعیف ہے باب الاعتقاد میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، صاحب تسکین تبرید النواظر ص ۵ میں ارقام فرماتے ہیں "عقیدہ کے اثبات کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہے تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۶ میں ہے القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران للطبرانی والترمذی وسند کل منهما ضعیف اور ملا احمد جند شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ ص ۱۶۳ میں لکھتے ہیں عن ابی هریرة بهذا لم یروه عن الاوزاعی الا ایوب بن سوید تفرد به ولدا محمد عنه واخرجه بهذا اللفظ الترمذی من حدیث ابی سعید بسند ضعیف۔

نیز اس حدیث کے معنی یہ نہیں جو آپ نے سمجھے ہیں بلکہ اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کے اسی زعم کو رد فرمایا ہے اس طرح کہ لوگ اسی گڑھے کو قبر سمجھتے ہیں اور تعذیب و تنعیم فی القبر جو برحق ہے اس کا مطلب یہ سمجھتا کہ اس گڑھے میں ہوتے ہیں کیونکہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جس میں انسان کے دھڑ کو دبا دیا جاتا ہے بلکہ وہ قبر جس میں عذاب و ثواب ہوتا ہے وہ مومن کے لیے علیحدہ مقام ہے یعنی روضة من ریاض الجنة (البرزخیة) اور کافر کے لیے علیحدہ مقام ہے یعنی حفرة من حفر النیران (البرزخیة) انہیں مقاموں کو علیین اور سجین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضور ص نے قبر شرعی کی تعریف بیان فرمادی ہے جس میں تنعیم و تعذیب ہوتی ہے اور قبر عرفی میں تنعیم و تعذیب کی التزاماً تردید ہو گئی وہذا ہو الحق

وبہ یقول اہل الحق وبہ ناخذ، والحمد للہ رب العالمین۔

ایک راوی

حسین بن علی بن نجیح الجعفی الکوفی ذکرہ الطوسی من رجال الشیعۃ ممن الرواۃ عن جعفر الصادق ؒ ت ۳۰۲ لسان المیزان۔ یہ راوی عرش صلوٰۃ وسلام علی النبی ؐ کے رتکیمی ۱۹۶ طرا بیرا اس کی تو تحقیق بیان ہے حالانکہ شیعہ فرقہ کا معتمد علیہ راوی ہے)

آخر میں ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں شیعہ، معتزلہ و دیگر اہل بدعت کے عقائد و اعمال سے محفوظ رکھے اور اتباعِ قرآن و سنت کی توفیق دے اور دین کی صحیح سمجھ دے اور راہِ راست سے بھٹکے ہوؤں کو پھر راہِ مستقیم پر آنے کی توفیق اور قرآن و سنت کا پورا عامل بنائے اور کفر و شرک و بدعت کی بو تک ہماری ناک میں نہ آئے۔

قبر عرفی کو غیر مسلم جنت دوزخ سمجھتے تھے

بعض سیاحوں نے لکھا ہے جن میں ایک کا نام احمد بن فضلان ہے جو تیسری چوتھی صدی ہجری کا سیاح جو ابو الفضل جعفر المقتدر باللہ (۲۹۵ / ۳۲۰ھ) عباسی خلیفہ کے دور میں ہو گزرا ہے اس نے بھی اپنے سیاحت نامہ روس میں اہل خزر کے حالات لکھے جو بحیرۂ قزوین کا علاقہ ہے اس میں یہ بات بھی لکھی ہے۔

ملک خزر کے بادشاہ کو خاقانِ اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے جب خاقانِ اعظم مرجاتا ہے تو اس کے لیے ایک بڑا سا مکان بنایا جاتا ہے اس میں بیس چھوٹے چھوٹے مکانات ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں قبر تیار کر دی جاتی ہے۔ پتھر کوٹ کر سرمہ کی طرح باریک کر لیا جاتا ہے اور اس کو بچھا دیا جاتا ہے اس پر چونا ڈال دیا جاتا ہے تخت کے نیچے دریا رواں ہوتا ہے اس طرح قبر وہ دریا پر بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب کسی آدمی، شیطان، جانور اور کیڑے مکوڑے کا گذر نہیں ہوسکتا۔

دفن کرنے والوں کی گردنیں ماردی جاتی ہیں تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ بادشاہ کو

کہاں دفن کیا گیا ہے۔

قبر کو جنت بھی کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ (بادشاہ) جنت میں داخل ہو گیا ہے گھروں میں سنہری دیباج کا فرش بچھایا جاتا ہے (سیاحت نامہ روس از احمد بن فضلان ص ۷۷، ۷۸)

نیلوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ زعم تھا کہ اس قبر عرفی یعنی گڑھے کو جسے کسیوں سے کھود کر اپنے بادشاہ خاقان اعظم کو دفن کرتے تھے جنت کے ساتھ تعبیر کرتے تھے کہ یہی جنت ہے جیسے آج کل عوام میں یہی مشہور ہے کہ یہی عرفی قبر نیکوں کے حق میں جنت ہے اور بروں کے حق میں آگ کا گڑھا ہے اور حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران حالانکہ اول تو اس حدیث ہی کی صحت میں بحث ہے جیسے تذکرۃ الموضوعات للفتنی رح میں اس حدیث کو طبرانی و ترمذی کے حوالے سے لکھ کر فرمایا وسندکل منہما ضعیف (ص ۲۱۲) اور ملا احمد جند رح نے شرح عقائد نسفیہ ص ۱۲۶ ج ۱ کے حاشیہ الخ

رسالہ خدام الدین لاہور کے ۷ نومبر ۷۵ء میں ایک مضمون بایں عنوان شائع ہوا تھا اس کو بعینہٖ یہاں لکھ رہا ہوں

شرح معنیٰ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

از افادات حکیم الامت قدس اللہ سرہ و نور اللہ مرقدہٗ

اس جملہ میں ایسا مضمون سکھلایا گیا ہے جو رنج و غم کی بنیاد ہی اکھاڑنے والا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی واقعہ سے صدمہ جب ہوا کرتا ہے جب وہ خلاف مرضی واقع ہوا ہو۔ اور کوئی واقعہ خلافِ مرضی جب ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے اپنے ذہن میں اس کے متعلق کوئی شق تجویز کر لیں کہ یوں ہونا چاہیے پھر جب اسکے

خلاف دوسری شق ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ ناگوار اور خلاف مرضی ہوتی ہے۔

چنانچہ کسی عزیز کی موت پر کوئی صدمہ اسی لیے ہوتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کر رکھا تھا کہ یہ ہم سے کبھی جدا نہ ہو۔ ہمیشہ پاس ہی رہے۔ حق تعالیٰ نے اِنّا لِلّٰہ میں اس تجویز کا استیصال کر دیا ہے، فرماتے ہیں کہ تم کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہم خدا کی ملک ہیں، خدا تعالیٰ ہمارے مالک ہیں اور ہم ان کے مملوک ہیں اور مملوک کی ہر چیز مالک کی ہوا کرتی ہے، تو ہماری چیز بھی خدا ہی کی ملک ہے، ــــــــ اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ یہ ملالو کہ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے۔ غلام کو کسی تجویز کا حق نہیں، جب تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے تو ہمارا کسی عزیز کی مفارقت پر اس لیے غم کرنا کہ ہم نے اس کے متعلق یہ تجویز کر رکھا تھا کہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے، بڑی غلطی ہے، آپ تجویز کرنے والے ہوتے کون ہیں؟ اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ گھر کی مالکہ نے الماری میں برتنوں کو ایک خاص ترتیب سے رکھ دیا ہو جو ماما کی ترتیب کے خلاف ہے۔ مثلاً مالکہ نے نیچے کے برتنوں کو اوپر رکھ دیا ہے اور اوپر والوں کو نیچے رکھ دیا ہے، اب اس ترتیب کو دیکھ کر ماما نالہ و شیون کرنے لگے کہ ہائے میری تجویز کے خلاف کیوں ہوا؟ تو بتلائیے آپ اس کو احمق کہیں گے یا نہیں؟ یقیناً ہر شخص اس کو پاگل کہے گا، آخر کیوں؟ اس وجہ سے کہ تجویز کا حق مالکہ کو ہے۔ ماما کو کسی تجویز کا حق نہیں۔

پھر حیرت ہے کہ آپ کی ادنیٰ سی ملک تو ایسی ہو کہ اس کے سامنے دوسروں کا حق باطل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی حقیقی ملک کے سامنے آپ کی تجویز باطل نہ ہو، یقیناً اگر خدا تعالیٰ کو مالک حقیقی سمجھا جاتا ہے تو آپ کو اور کسی تجویز کا حق نہ ہونا چاہیے۔

پس سمجھ لیجیے کہ حق تعالیٰ نے عالم کے دو درجے بنائے ہیں آسمان اور زمین، جیسے الماری کے دو درجے اوپر نیچے ہوتے ہیں، جس میں انہوں نے بعض ارواح کو اوپر کے درجے میں رکھا ہے یعنی آسمان میں اور بعض کو نیچے کے درجے میں رکھا ہے

یعنی زمین میں، پھر وہ کبھی اس ترتیب کو بدل کر اوپر کی روحوں کو نیچے بھیج دیتے ہیں اور نیچے کی روحوں کو اوپر رکھ دیتے ہیں اور وہ مالک ہے اس کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے اس میں ہم غلاموں کا اس پیسے نالہ و شیون کرنا کہ ہائے ہماری تجویز کے خلاف کیوں کیا گیا، حماقت ہے۔

خوب سمجھ لو کہ انتقال کی حقیقت بالکل ایسی ہی ہے جیسے الماری کے ایک تختے کے برتنوں کو نیچے سے اوپر کر دیا جائے اور اوپر سے نیچے کر دیا جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

آدمی مر کر بالکل معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا سے جو کہ نیچے کا تختہ ہے آخرت میں پہنچ جاتا ہے جو اوپر کا تختہ ہے۔

اور یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ مردہ کو مٹی میں گاڑ دیا جاتا ہے اور اس سے شاید کسی کو اس پر یہ شبہ ہو کہ آخرت میں پہنچنے کو اوپر کے تختے پر جانا کیسے کہا گیا؟

تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو نہیں گاڑا جاتا، بلکہ ایک بے جان لاشہ اور جمادِ محض کو گاڑا جاتا ہے اور وہ آدمی تھوڑا ہی ہے، وہ تو صورتِ آدمی ہے۔ کیونکہ آدمی اصل میں روح کا نام ہے اور روح کو مٹی میں نہیں گاڑا جاتا بلکہ اس کو اوپر بلا لیا جاتا ہے۔

اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ پھر روح کو جسم میں واپس کر دیا جاتا ہے تو یہ واپسی عالم برزخ میں ہوتی ہے۔ اس گڑھے میں نہیں ہوتی۔

قبرِ حقیقی عالمِ برزخ ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے اور یہ قبر جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالم برزخ سے ایک قسم کا تعلق رکھتی ہے اس کی حقیقت معلوم نہیں۔

پس حق تعالیٰ اپنی مملوک چیزوں میں تصرف مالکانہ کرتے ہیں کبھی کسی کو نیچے بھیج دیا کبھی کسی کو اوپر بلا لیا، مگر آپ چاہتے ہیں کہ نہیں، سب نیچے ہی رہیں۔

بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر حق تعالیٰ اس کے جواب میں یہ تجویز فرمائیں کہ اچھا پھر ہم بھی اوپر کی روحیں نیچے نہیں بھیجتے، تو پھر کیا ہوگا؟ پھر یہ ہوگا کہ سب آدمے نمو سے رہ جائیں گے

کسی کی بھی اولاد نہ ہوگی۔ مگر آپ کو اس پر بھی چین نہیں۔ کسی کے اولاد نہ ہو تو وہ اولاد کے لیے ایسی گرد چھانتے ہیں جس کی حد نہیں۔ یوں تمنا کرتا ہے کہ کچھ ہو جائے چاہے چوہے کا بچہ ہی ہو جائے۔

آپ کی اس تجویز کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی روحیں تو نیچے آتی رہیں مگر نیچے کی روحیں اوپر نہ جائیں۔

صاحب! خدا کی رحمت ہے کہ انہوں نے ہماری اس تجویز کو پورا نہیں کیا ورنہ دنیا میں رہنے کو جگہ بھی نہ ملتی، سوچ لو کہ جتنے آدمی آدم علیہ السلام کے وقت سے اس وقت تک مر چکے ہیں سب زندہ رہتے تو کہاں ٹھکانا ملتا؟ اس وقت ہر شخص اپنے اپنے گھر میں چین سے زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا یہی تو سبب ہے کہ بہت سے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے اوپر بلا لیا ہے ورنہ اگر دادے پردادے سب زندہ ہوتے تو آج گھروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

پھر سمجھو کہ کسی چیز کے فوت ہونے کا صدمہ جب ہوا کرتا ہے کہ جب اس کا عوض بھی نہ ملے اور اگر عوض مل جائے اور عوض بھی اصل سے زیادہ مل جائے تو غم کم ہو جاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص سے پیسہ لیا جائے اور اشرفی دے دی جائے تو اس پیسہ کے چھیننے کا غم نہ رہے گا۔ حق تعالیٰ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں اس مضمون پر متنبہ فرمایا ہے کہ مصیبت کے وقت تم یہ سمجھا کرو کہ ہم سب خدا تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں جو رحیم و کریم اور مہربان ہیں جن کی شان یہ ہے وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ کہ تم سے جو کچھ چھنتا ہے اس کا بدلہ بھی دیتے ہیں۔

چنانچہ جن لوگوں کو دنیا سے بلا لیا ان کو تو آخرت میں پہنچا دیا جس میں مسلمان کے لیے دنیا سے زیادہ راحت ہے۔ تم اپنے مردوں کے ساتھ ایسا برا گمان کیوں کرتے ہو کہ خدانخواستہ وہ جہنم میں گئے ہوں گے۔ جب ان کا خاتمہ اسلام پر ہوا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے مردے راحت میں گئے ہیں اس خیال سے صدمہ کم ہو جائے گا کیونکہ اگر ہم دنیا کی راحتیں اس سے چھوٹی ہوئی دیکھتے ہیں تو آخرت کی راحتیں اس

سے زیادہ پیشِ نظر ہوں گی، یہ بدلہ تو ان کو ملا اور ہم کو یہ بدلہ ملا کہ عزیز کی مفارقت سے جو طبعی رنج ہوا ہے اس حق تعالیٰ اس پر بہت بڑا ثواب دیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان کا لڑکا مرتا ہے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کے جگر کا ٹکڑا چھین لیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں خداوندا۔ خداوند فرماتے ہیں کہ پھر بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ خداوندا! آپ کی حمد کی اور شکر کیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

تو آپ نے دیکھا کہ ایک چیز لے کر آپ کو حق تعالیٰ نے کتنی بڑی چیز دی۔ آخرت میں جب حساب کتاب ہوگا آپ کو اس کی قدر ہوگی، وہاں نہ یہ اولاد کام دے گی جس کے لیے آپ روتے ہیں نہ بیوی اور مال کام دے گی۔ وہاں تو آپ ہی کام دے گا۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ۔ (وہ وہ دن ہوگا کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اولاد سے۔

احادیث میں مصیبت کے ثواب کی بہت تفصیل ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔

پس انا للہ وانا الیہ راجعون میں بتایا گیا ہے کہ ہم سب خدا کے پاس جائیں گے اللہ وہاں ہم کو مصیبت کا اجر ملے گا اور جو مر گئے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کے پاس گئے ہیں جہاں ان کو دنیا سے زیادہ راحت ہے پھر بے صبری کی کیا بات ہے۔

اس مضمون کو ایک بدوی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے تعزیت کے طور پر عرض کیا تھا جب ان کے والد حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا وصال ہوا چنانچہ کہتا ہے۔

اصبر نکن بک صابرین فانما صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس

یعنی آپ صبر کیجیے تاکہ ہم بھی آپ کو دیکھ کر صبر کریں کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑوں کے صبر کے تابع ہوتا ہے۔ اگر بڑے بھی بے صبری کرنے لگیں تو پھر چھوٹوں کا کیا حال ہوگا۔

سبحان اللہ! صبر کی کیونکر تعلیم دی۔ پھر کہتا ہے۔

خیر من العباس اجرك بعده		واللہ خیر منك للعباس

آپ کے لیے وہ اجروثواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے جوان کے وصال پر صبر کرنے سے آپ کو ملے گا۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالٰی آپ سے زیادہ بہتر ہے۔

پس خدا تعالٰی نے ان کو وہ جگہ دی جو ان کے لیے بہتر تھی اور آپ کو وہ چیز دی جو آپ کے لیے بہتر تھی، پھر عم کا بے کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ——— "مجھے اس بدوی سے بڑھ کر کسی نے تعزیت نہیں کی۔

آگے بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مضمون ہے۔ میں نے اس قدر تطویل اس لیے کی ہے تاکہ مسئلہ کے ساتھ ساتھ حضرت کے نصیحت آمیز کلمات بھی ذکر ہو جائیں تاکہ ان کے ذریعے مجھے بھی عبرت حاصل ہو اور ہر دیکھنے والے کو فائدہ ہو۔ اللہ کرے ہم سب کا خاتمہ بخیر ہو ایمان صحیح کو اپنے ساتھ لے جائیں

تشریح، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

كل نفس ذائقة الموت ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ و تکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لیے بطور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔

اس میں یہودیوں اور مسیحیوں کا رد آ گیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔

انجیل کے صحیفوں میں ہے جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔ (رومیوں ۵ : ۱۲)

گناہ کی مزدوری موت ہے (رومیوں ۶: ۲۳)
خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے۔ (یعقوب ۱: ۱۵)

یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ میں درج ہے (تفسیر ماجدی ص ۱۰۸ حاشیہ ۳۸۶)

مواہب الرحمٰن پ۴ ص ۱۲۳ میں ہے ہر نفس موت چکھنے والا ہے اور معنی یہ ہیں کہ۔۔۔۔ چکھنے والا ہے موت اپنے جسم کی اس واسطے کہ موت اسی جسم کو ہے نفس کو نہیں، اور اگر مرنا بھی تو بحالت موت میں کیا چکھے گا۔ کیونکہ چکھنے کے واسطے حیات شرط ہے اور علیٰ ہذا قولہ تعالے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا کے معنی بھی یہی ہیں کہ حین موت اجسادہا۔ کذا قال الکرخی۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝

اور ہم نے آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لیے نہیں بنایا تھا، سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟ (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اور نہ کوئی اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکتا ہے۔

آیت میں تردید ہے، یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا اور غیر فانیوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

تفسیر ماجدی پ۱۷ صفحہ ۶۶۲) اسی مقام کے ساتھ کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت لکھا۔ ہر ذی حیات کے لیے موت لازمی ہے خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔ ص ۶۶۳

کافر کہتے تھے کہ جب محمدؐ رحلت کر جائیں گے تو اسلام کا نام بھی مٹ جائے گا اور یہ سب تزک و احتشام جاتا رہے گا، جس قدر یہ دھوم دھام ہے انہی کے دم سے ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہاری موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن تم انتقال کر جاؤ گے تو یہ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے موت ان کو بھی فنا کر دے گی۔ اور تمہارے انتقال سے اسلام کیوں نابود ہونے لگا۔ وہ تمہاری ذات سے وابستہ نہیں ہے کہ جب تک

تمہاری حیات ہو تب تک اس کی ہستی ہو، وہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا اور حقیقت میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد گھٹا نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا گیا اور تمام عالم میں پھیل گیا اور قیامت تک قائم رہے گا۔

تشریح: فَاَقْبَرَہٗ

فاقبرہ کی تفسیر میں حقانی رحمہ نے لکھا ہے اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں قبر شرع میں عالم برزخ کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جائے یا آگ میں جل جائے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہی بہر حال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے وہاں اس کو عذاب و ثواب بھگتنا پڑتا ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے تناسخ کے طور پر یا کسی اور طرح سے ، پھر اس جہان میں نہیں آتا۔ جیسے ماں کے پیٹ سے نکل کر بار دیگر اس میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔

تمام بحث کا ماحصل

مسلم، بخاری، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، ابن ابی عاصم، ترمذی، نسائی طیبی، قاضی عیاض، ابن دحیہ، ابن بطال عینی وغیرہ علمائے محدثین کے حوالوں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر بارہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک آدمی جب دنیا سے انتقال کر کے عالم برزخ میں پہنچتا ہے جسے احادیث میں قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کی روح سبز پرندوں میں رہ کر بڑی آزادی کے ساتھ جنت کی سیر کرتی ہے جہاں چاہتی ہے اڑتی پھرتی ہے، کھاتی پیتی، عیش کرتی ہے اسے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اور عرش کے نیچے روشن قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

اور ابن دحیہ، عبداللہ بن مبارک، شیخ ابراہیم کوراتی، علامہ سید آلوسیؒ

ابن قیم، طیبی، شیخ عز الدین، سعید ابن جبیر، شعرانی، وہب بن منبہ، تفتازانی، قاسمی، ملا علی قاری، نیشاپوری، خازن، امام ربانی، قاضی پانی پتی، رازی، بیضاوی، تھانوی وغیرہ محققین کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ ان کو اس عالم میں برزخی اور مثالی اجسام ملتے ہیں۔

اور قرطبی، رازی، جصاص، نیشاپوری، خواجہ زادہ، شعرانی، ابن ہمام، شامی وغیرہ کے حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ بدن عنصری میں سے اس کے اجزائے اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں، جنہیں اجزائے لاتیجزّیٰ کہتے ہیں اور وہ نظر نہیں آتے اور اول عمر سے آخر عمر تک بدستور موجود رہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھا ہے، عالم برزخ میں بدن عنصری کے نہیں اجزاء اصلیہ اور روح کو دکھ سکھ محسوس ہوتا ہے۔ اہل دنیا کو اس لاش کو مارنا یا خوشبو وغیرہ کا استعمال یا ان اعضاء کا پوسٹ مارٹم کرنا اس برزخ میں پہنچے ہوئے کو کچھ محسوس نہیں ہوتا، اسی طرح دوسرے تمام حواس دنیا کے امور میں سے کسی کا احساس نہیں کرتے۔

اور شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق، محمد ابراہیم، محمد احسن سنبھلی، خواجہ زادہ، حضرت تھانوی، نواب قطب الدین، حقانی، مفتیٔ اعظم مظہر اشرفی، اسعد الرحمٰن، محمد عیسٰی، ابن قیم، سید سلیمان ندوی، محمد ادریس کاندھلوی، شبیر احمد عثمانی، وحید الزمان، امام طحاوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، عبدالماجد دریابادی، شیخ الہند، محمد منظور نعمانی، محمد طاہر قاسمی، محمد نجم الغنی، مفتی محمد شفیع، عبدالرحمٰن سلہٹی، سعید بن نبہان حضرمی، صاحب تفسیر مرادیہ وغیرہ محققین ومدققین کے حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ انسان کی شرعی قبر وہی عالم برزخ ہے یہ انسان کا کھودا ہوا گڑھا نہیں ہے اور برزخ وہ مقام ہے جو عالم عناصر سے بالاتر ہے اور اتنا وسیع ہے کہ یہ عالم دنیا اس کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ عالم بطن (پیٹ) میں بچے کے رہنے کا مقام ہے عالم دنیا کے مقابلے میں ہے اور یہ قبر یعنی برزخی مقام وہ ہے جسے خود اللہ پاک نے قبر سے تعبیر فرمایا اور فرمایا کہ ہر انسان کو پہلے بھی میں کرتا ہوں اور موت بھی میں دیتا ہوں اور پھر فوراً ہی مرنے کے بعد اس کو

قبر میں بھی نہیں لے جاتا ہوں ان تمام امور میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ برزخ میں ہے مقام علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے جو نیک روحوں کا ٹھکانا ہے اور مقام سجین ساتوں زمینوں سے نیچے ہے جو بدروحوں کا ٹھکانا ہے اور یہی علیین، سجین قبر ہے اور یہی عالم مثال جس کا تواتر کے ساتھ احادیث میں ذکر آتا ہے اور قرآن شریف میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اور آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب بدن عنصری سے روح نکل جاتی ہے تو تا قیامت اس کا ٹھکانا علیین یا سجین ہی رہتا ہے، واپس بدن عنصری کی طرف نہیں آتی حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ روحیں اسرافیل کے صور پھونکنے سے واپس بدن عنصری کی طرف لوٹ آئیں گی اس سے پہلے روح نہ بدن عنصری میں داخل ہوتی ہے اور نہ اس بدن اور کفن کے مابین رکھی جاتی ہے اور نہ بدن عنصری کو جھانکتی ہے نہ اس پر اپنی روشنی ڈالتی ہے البتہ وہ روح اپنے بدن کے ساتھ انس رکھتی ہے اور ایصال ثواب برحق ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شبیر احمد عثمانی، عبدالماجد دریابادی سحبان الہند، مفتی محمد شفیع، مفتی عزیزالرحمٰن، شیخ زادہ، تھانوی، سیوطی، امام عبدالعزیز عکرمہ، رازی، ابوالسعود، آلوسی، ضحاک، عطاء، بغوی، سب نے صحابہ کرام رض کی تفسیروں کے حوالے سے یہی تحریر فرمایا، گولڑہ والے پیر مہر علی شاہ گو سوال نکیرین کے وقت بدن عنصری کی طرف عود روح کے قائل ہیں، گو ان کا یہ قول خلاف تحقیق ہے مگر اس کے بعد صاف لکھتے ہیں کہ یہ تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔

اور براء بن عازب رض کی حدیث جس میں اعادہ روح کا ذکر ہے وہ خبر واحد ہے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ خود دوسری اس حدیث کے خلاف ہے جسے براء بن عازب رض خود روایت کرتے ہیں اور وہ روایت اعادۂ روح والی حدیث سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ اس حدیث کو امام بخاری رح وغیرہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کیا اور اعادہ روح والی حدیث کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اب اس حدیث کو متواتر کہنا صریح غلط ہے اور جن علماء کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ تواتر کے قائل ہیں وہ کسی کی

دسیسہ کاری ہے، ورنہ اتنے محقق علماء ایسی بودی بات نہیں کہہ سکتے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب اشاعرہ کی بہت بڑی جماعت اور حنفیہ حضرات جب عود روح کے قائل ہی نہیں تو یہ بزرگ ہستیاں کیونکر تواتر کا قول کر سکتی ہیں اور اگر تواتر ہوتا تو مسلمانوں میں چھ مذہب کیونکر بن جاتے۔ پھر تواتر کے ہوتے ہوئے اکابر اہل سنت کی کثیر تعداد اشاعرہ و حنفیہ کیونکر عود روح کا انکار کر سکتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی دشمن نے ابن تیمیہ جیسی ہستیوں کی طرف عود روح کے تواتر کو غلط منسوب کر دیا۔

اور جس حدیث میں آتا ہے کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے سو اس کی جو توجیہ علامہ ابن ہمام جیسوں نے کی ہے اس پر خود ان کو اطمینان نہیں اس لیے "اللّٰھم الا" فرما کر اس جواب کے ضعیف ہونے کی طرف خود ہی اشارہ فرما گئے اور اس کا جواب صحیح وہ ہے جو ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے دیا ہے کہ اس کا مقصد قرب اور تعجلیت بتانا ہے۔

ازالة الخفاء عن حيوة الانبياء

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم مٰلك يوم الدين
الحي القيوم عالم الغيب والشهادة علام الغيوب وستار العيوب
وغفار الذنوب وقابل التوب شديد العقاب ذي الطول الملك
القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق
البارئ المصور وله الكبرياء في السمٰوٰت والارض وهو العزيز الحكيم
له ملك السموت والارض يحيي ويميت وهو على كل شيءٍ قدير
هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شيءٍ عليم يولج الليل
في النهار ويولج النهار في الليل وهو عليم بذات الصدور وخلق الانسان
من صلصال كالفخار ثم جعل نسله من سللة من ماءٍ مهين ثم من
نطفة في قرار مكين ثم من علقة ثم من مضغة ثم عظام ثم كساء
لحما ثم يقره في الارحام ما يشاء الى اجل مسمى ثم يخرجه طفلا
ميسرا سبيله وجعل له السمع والابصار والفؤاد وسخر له ما في
السمٰوٰت وما في الارض وسخر الشمس والقمر دائبين وسخر له الليل و
النهار واسبغ عليه نعمه ظاهرة وباطنة، علم القرآن وعلم البيان وعلم
بالقلم علم الانسان ما لم يعلم وهو الرؤف الرحيم الحليم الودود
ذو العرش المجيد فعال لما يريد وهو الذي نزل الفرقان على عبده
ليكون للعالمين نذيرا وهو الذي جعل له الليل لباسا والنوم سباتا
وجعل النهار نشورا وهو الذي قال في كتابه واتبع ملة ابراهيم حنيفا
وما كان من المشركين وقال لابراهيم اسلم قال اسلمت لرب العالمين

وقال کل نفس ذائقة الموت وقال وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فهم الخالدون وقال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم، وقال تعالیٰ انك میت وانهم میتون وقال تعالیٰ او کالذی مر علیٰ قریة وهی خاویة علیٰ عروشها قال انیٰ یحیی هٰذه الله بعد موتها فاماته الله مائة عام ثم بعثه قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائة عام وقال تعالیٰ ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰهك، وقال تعالیٰ ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینٰت فما زلتم فی شك مما جاءکم به حتیٰ اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا وقال تعالیٰ اعملوا آل داؤد شکرا وقلیل من عبادی الشکور فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علیٰ موته الا دابة الارض تاکل منسأته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین وقال تعالیٰ کل شیٔ هالك الا وجهه وقال تعالیٰ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام

والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله ونبیه وحبیبه وخلیله سیدنا وسید الانبیاء والمرسلین افضل الرسل وخاتم النبیین ولو کان موسیٰ حیا و ادرك نبوته لما وسعه الا اتباع هٰذا النبی الکریم الذی قال قبل وفاته الشریف لعن الله الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد وقال اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد، وقال اللهم الرفیق الاعلیٰ مع النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولٰئك رفیقا وقال لرفیقه من الملائکة اذا رأی ملك له الکریم فی رؤیاه دعونی ادخل فیه نقال له علیه السلام انه قد بقی عمر لك ولو استکملت

عمرک لن حلت منزلک و قال لعلی لا اراکم بعد عامی هذا ا

والصوان اللہ تعالیٰ علیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین العالمین

المجتہدین العاملین الکاملین الذین شادوا الدین القویم وسادوا و

بلغوا الدین فی الآفاق ولم یالوا فی اشاعة الاسلام

ورحمة اللہ علی ابی حنیفة وتلامذتهم من الفقهاء والمحدثین

والمفسرین والمتخصصین الی یوم الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ثنائے حق عزوجل وعلا کے بعد اور صلوٰۃ وسلام حضرت خاتم النبیین امام الرسل وشفیع المذنبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل واصحاب پر بھیجنے کے اور امام ابوحنیفہ وتلامذتہ ودیگر مجتہدین فقہاء ومحدثین ومتکلمین کے لیے دعائے رحمت کے بعد احقر الثقلین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین والمعاصی کلہا سیما الکفر والبدع والمین ،

آپ ناظرین کی خدمت میں عارض ہے کہ اس دورِ فتن میں جو نہ بھی تماشا آپ دیکھ رہے ہیں اور آپ شور سے تنگ آچکے ہیں میں بھی اس سے سخت تنگ آچکا ہوں مگر کیا کیا جائے اظہارِ حق بھی اہلِ حق پر فرض ہے اور خطاء وثواب کے مابین امتیاز بھی اہم اور ضروری ہے ورنہ الساکت عن الحق کو شیطانٌ اخرس کا لقب ملتا ہے اور کتمانِ حق کے سبب لعنت کا طوق گلے میں پڑتا ہے اور من رأی منکم منکراً کو تغییر منکر کا حکم ہے ورنہ رفتہ رفتہ اضعف الایمان تک نوبت پہنچے گی جس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں بلکہ سلب ایمان کا خطرہ عظیم ہے جس کی وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خسران مبین ضلال بعید، عذاب مہین میں پڑا رہتا ہے۔

آریہ دھرم، ہندو دھرم، سکھ، براہمہ سماج، شاستری، جینی، زردشتی، پارسی مجوسی، عیسائی، یہودی، دہریہ، سوشلسٹ، نیچری، بہائی، بابی، اسماعیلی، آغاخانی، مرزائی، روافض، پرویزی، چکڑالوی، دنہ شاہیہ، امام شاہیہ، ایم ٹی، حلی شاہیہ

السابقون، رضائیہ، روحی، سبالویہ، ذکریہ، صدیق چمن لشوریہ، بیکانیزیہ، مہدویہ اور ان کے علاوہ خدا جانے کتنے فرقوں نے آزادی کے زمانہ میں جنم لیا اور اب تک حکومتوں کے سایہ میں پل رہے ہیں اور خوب پھل پھول رہے ہیں اور اہل حق ہر جگہ مظلومانہ وضیعانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور حدیث بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کا نقشہ اب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے اسلام واقعی اس وقت ہر جگہ بے یارو مددگار ہے، اور دوسرے مذاہب کی خوب آبیاری وحفاظت کی جارہی ہے اور نئے نئے انداز پر مختلف رنگوں میں لوگوں کی نظروں میں مزین کرکے باطل نظریات وفاسد عقاید کو پیش کیا جارہا ہے، نا معلوم یہ دور کب تک رہے گا۔

دوسرے فتن جو تھے سو تھے ہم بھی بالقدر وسعت ان کا تعاقب کر رہے تھے تصنیف وتالیف کی صورت میں، مناظروں کی صورت میں، مگر اب افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم ہی آپس میں پھوٹ گئے ہیں، ایک فریق نے ایسی ایسی باتیں قلم اور زبان سے نکالنی شروع کردی ہیں جن سے مذاہب باطلہ اپنا مطلب نکال لینے کے بعد عوام کو دھوکہ دینے میں بڑی سہولت سے کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ کسی تاویل سے اس قول کی تصحیح ہو سکتی ہے مگر اہل باطل تو مطلب برآری کرکے کفر وشرک کی دلدل میں گرادیتے ہیں ایسے ہی امور کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہیں فرمایا تھا کنا نری السکوت عن هذا قبل ان یخوض فیہ هؤلاء فلما اظهروه لم نجد بدًا من مخالفتهم (طبقات حنابلہ ج ۱ ص ۱۳۲) یعنی ان معتزلیوں کے مشغلہ بنانے سے پہلے ہم اس مسئلہ میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھتے تھے لیکن اب جب انہوں نے اس مسئلہ کو عوام میں اور حکومت میں پھیلانا شروع کردیا اس لیے ہمیں ان کے خلاف قدم اٹھانے کے سوا اور صورت نظر نہ آئی اور مقابلہ کے لیے میدان میں نکلنا ضروری سمجھا۔

ہمارا اور ہمارے مشائخ عظام کا اصول یہ ہے کہ جو مسئلہ ہمارے سامنے متنازع فیہ ہوگا تو اس کو ادلہ اربعہ کے سامنے رکھیں گے بشرطیکہ وہ فروع کے قبیل سے ہو اور اگر عقیدہ کے قبیل سے ہو تو قطعیات کے معیار پر تولیں گے اور یہی اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

معمول بہ رہا ہے۔ چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الانصاف ص ۳۸
میں میمون بن مہران کی روایت لکھی ہے کہ امام ابوبکر رض کے پاس جب کوئی مقدمہ لایا جاتا
تو قرآن میں دیکھتے، اگر قرآن میں باہمی فیصلہ کا حکم پاتے تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے
اور اگر قرآن میں نہ ہوتا اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہوتی
تو اس کے موافق حکم کرتے اور اگر دونوں دلیلوں سے عاجز ہوتے تو باہر نکل کر مسلمانوں سے
پوچھتے اور فرماتے کہ میرے پاس فلاں معاملہ آیا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول خدا نے
اس باب میں کوئی حکم فرمایا ہے بعض اوقات ان کی خدمت میں بہت لوگ جمع ہو جاتے
ہر ایک ان میں سے اس معاملہ میں حکم رسول بیان کرتا۔ امام صدیق رض فرماتے شکر خدا
کا جس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو ہمارے پیغمبر کے احکام یاد رکھتے ہیں اور اگر
اس بات سے بھی عاجز ہوتے کہ اس معاملہ میں حضور ص سے ملے تو چیدہ چیدہ علماء کو
جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جب ان کی رائے کسی بات پر متفق ہوتی تو اسی کے
مطابق فیصلہ کرتے۔

قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت امام عمر رض نے انہیں لکھا کہ اگر تمہارے
پاس ایسا مسئلہ آئے جو قرآن میں ہے تو قرآن کے مطابق حکم کرنا اور لوگ تم کو اس
بات سے منحرف نہ کریں اور اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو قرآن میں نہ ہو
تو حدیث رسول ص کو دیکھنا اور اس کے مطابق حکم کرنا، اور اگر ایسا مسئلہ تمہارے
پاس آئے جو نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں تو جس بات پر لوگوں کا اجماع ہو
اس کو دیکھ کر اس کے مطابق حکم کرنا۔ اگر ایسا مسئلہ ہے جو نہ قرآن میں ہے نہ
حدیث میں نہ تم سے پہلے کسی نے اس بات میں کلام کیا تو دو باتوں میں سے جونسی چاہو پسند
کرو چاہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کر کے اس کے موافق عمل کرو اور چاہو تو دیر کرو
اور میں تمہارے حق میں دیر کرنا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے فرمایا کہ ہم پر ایک ایسا وقت گزرا تھا کہ ہم حکم
نہ کرتے تھے اور نہ اس لائق تھے (کیونکہ خلیفتین ابوبکر رض و عمر رض کے سامنے یہ قابلیت

نہ تھی کہ ہم کسی مسئلہ میں حکم کرتے، اور خدا نے ہماری تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ ہم اس مرتبہ تک پہنچے جس پر تم دیکھتے ہو تو آج کے بعد جس کسی کے سامنے کوئی جھگڑا پیش ہو تو اس میں قرآن کے مطابق حکم کرے اگر اس کے سامنے ایسی صورت آئے جو قرآن میں نہ ہو تو رسول خدا نے جو حکم کیا اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر وہ معاملہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں تو جو علماء صالحین نے فیصلہ کیا اس کے مطابق فیصلہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں تجویز کرتا ہوں کیونکہ حرام بھی ظاہر ہے اور حلال بھی ظاہر ہے اور جو چیزیں ان کے بیچ میں ہیں ان میں شک و شبہ ہے تو جن باتوں میں تجھے شبہ ہو چھوڑ دے اور جن میں شبہ نہ ہو وہ اختیار کر۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی اور قرآن میں ہوتی تو بتا دیتے اگر قرآن میں نہ ہوتی اور حضورؐ سے روایت ہوتی تو اس کے مطابق بتا دیتے اور اگر حدیث میں بھی نہ ہوتی تو عمرؓ کے اقوال سے جواب دیتے اور اگر ان کے اقوال میں بھی نہ ملتی تو اپنی رائے سے بتلاتے۔

اوزاعی نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے لکھا کہ قرآن کے حکم میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں بلکہ ائمہ کی رائے صرف اسی صورت میں ہے کہ جس میں قرآن نازل نہ ہوا ہو اور نہ رسول اللہؐ کی حدیث اس میں وارد ہو اور جس سنت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے اس میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں۔

قتادہؒ نے کہا کہ ابن سیرین نے ایک آدمی سے بیان کی حدیث نبیؐ، اس آدمی نے کہا کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا۔ ابن سیرین نے کہا کہ میں تجھ سے رسول اللہؐ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں نے ایسا کہا۔

عبداللہؓ بن عباسؓ، عطاؒ، مجاہدؒ، مالکؒ بن انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ بجز ذات رسول اللہؐ کے کوئی ایسا نہیں کہ اس کی کچھ باتیں اختیار کی جائیں اور بعض باتیں نہ مانی جائیں، حضورؐ کی ہر بات ماننا ضروری ہے۔

امام شافعی رح نے فرمایا کہ اصل قرآن و حدیث ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو ان دونوں

پر قیاس کرنا ہے اور جب حدیث نبی م سے متصل ہو اور اس کی اسناد حضور م سے صحیح ہو تو وہ سنت ہے اور اجماع خبر مفرد سے بڑھ کر ہے اور حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہے اور جب بہت سے معنوں کا احتمال رکھتی ہو تو ان میں سے جو ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہو وہ معنی سب معنوں سے اولیٰ ہیں الخ

عقد الجید ص ۳۶ میں امام الہند رح نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا قول نقل فرمایا ہے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تقلید کرنے والے فقیہوں میں سے ایک شخص اپنے امام کی سند کا ضعف اس طرح جانتا ہے جسے ٹال نہیں سکتا پھر بھی اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کیے جاتا ہے اور جس مذہب پر قرآن وحدیث اور قیاس صحیح شاہد ہوں ان کو اپنے امام کی تقلید پیچھے رہنے کی وجہ سے ترک کرتا ہے بلکہ ظاہر قرآن اور حدیث کے ٹالنے کا حیلہ کرتا ہے اور اپنے امام کی طرفداری کے لیے ظاہر معانی کی تاویلیں بعید از عقل اور محض نکمی کرتا ہے۔

عقد الجید ص ۵۳ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رح سے پوچھا گیا کہ جب تم کوئی قول کہو اور قرآن اس کے مخالف ہو، تو امام نے کہا کہ قرآن کے مقابل میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا کہ جب حدیث خبر رسول اللہ صلعم تمہارے قول کے خلاف ہو تو کہا حدیث کے مقابل بھی میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر صحابہؓ کا قول اس کے خلاف ہو، تو کہا میرا قول صحابہؓ کے قول کے مقابل بھی چھوڑ دو۔

اور ص ۵۴ میں امام شافعیؒ کا قول نقل ہے کہ جب تم کو کوئی حدیث ایسی پہنچے جو میرے مذہب کے مخالف ہو تو اس حدیث کا اتباع کرنا اور حدیث کو میرا مذہب جاننا۔

نیز دارمی کا واقعہ لکھا ہے کہ لوگ ان سے فتوے پوچھتے تھے لیکن اوقات شافعیؒ وابوحنیفہؒ کے مذہب کے مخالف فتویٰ دیتے لوگ کہتے کہ یہ فتویٰ دونوں کے مذہب کے خلاف ہے تو جواب دیتے تمہارا برا ہو یہ فتویٰ حدیث نبویؐ کے موافق ہے اور حدیث کا حکم ماننا بہتر ہے اماموں کا قول اختیار کرنے سے۔

ص ۸۱ میں ہے امام شافعیؒ فرماتے تھے کسی کے کلام میں حجت نہیں بجز قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ کہنے والے بہت ہوں اور نہ کسی قیاس میں اور نہ کسی دوسری چیز میں حجت ہے اور تم پر اتباع خدا اور رسول انقیاد کے ساتھ واجب ہے۔

امام احمد فرماتے تھے خدا اور رسولؐ کے حکم کے ساتھ کسی کو کلام کی کچھ گنجائش نہیں۔

نیلوفی کہتا ہے کہ عہدِ حاضر میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ کرنے میں دنیا بڑی ترقی اور عروج میں جارہی ہے کوئی ملاوٹ سے خالی نہیں آٹے میں ملاوٹ گھی میں ملاوٹ دودھ میں ملاوٹ وغیرہ اور پیوند کرنا ایک کمال جو پھل ہے سبزی ترکاری ہے اس میں پیوندکاری ہے اور دنیا کثرت کی طالب ہے۔ چیز کثرت سے ہو خواہ ناقص ہو مضر صحت ہو کمزور بنا دینے والی ہو اور مہلک ہو

حتیٰ کہ یہ سلسلہ عہدِ حاضر کے علماء میں دیکھا کہ دینِ حق میں ملاوٹ کرنے میں بڑے ماہر ہیں اور اپنی بات کو عوام میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان کی ملاوٹ شدہ بات کو اور ملمع مذہب و دین کو صحیح خالص اور سچا مذہب سمجھ کر ان کے پیرو ہو جاتے ہیں اور ان کی باتوں نغموں اور سُروں پر لٹو ہو جاتے ہیں اور اپنا مال جان ان پر قربان کر دیتے ہیں اور جو اہلِ حق ان کو سمجھانا چاہے تو اسے بری نگاہ سے دیکھتے ہیں، مارتے ہیں گالیاں دیتے ہیں عوام کو ان سے متنفر کرتے ہیں اور ان کو مساجد سے نکال کر خود قبضہ کر لیتے ہیں اور عوام بے علم ہوتے ہیں وہ انہیں کے ساتھ ہیں جو خوش آواز ہو ایکٹر ہو کسی دوسرے کے خلاف بولے اور تعلی کرے۔

جس طرح ناچ گانے فحاشی بے حیائی کا اس ملک میں دور دورہ ہے ٹیلی ویژن میں غیر ملکی گانے اور ناچ سنائے دکھائے جاتے ہیں، خصوصاً وی سی آر اور ان چیزوں کے فوائد بیان کیے جاتے ہیں، اور اغوا چوری ڈاکہ، فحاشی کے کرتب بتائے جاتے ہیں اور ملاوٹ و پیوندکاری کے فوائد سمجھائے جاتے ہیں، اسی طرح مذہب حق کو مٹانے اور سنت نبویہ کو مسمار کرنے کے لیے باطل مذہب والے چھوٹے ہوئے ہیں سنگھار البستاند و سنگھار اکشادہ اند کے مصداق اہلِ حق کی زبانوں پر تالا لگایا گیا ہے

تاکہ قرآن و سنت کی آواز ہمارے کانوں تک نہ پہنچے اور اہل باطل کی زبانیں کھلی ہیں وہ بولتے ہیں جو ان کے دل میں آتا ہے، کسی نے کہا ہے برعکس نہند نام زنگی کافور، قرآن و سنت بیان کرنے والا گستاخ سمجھا جائے گا اور باطل اور من گھڑت حدیثیں بے سرو پا قصے کہانیاں، افسانے مرثیے، اشعار، خوابیں بے سند کرامتیں و کشف و الہام بیان کرنے والے اور صحابہ کرامؓ پر تبرا بولنے والے اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ مجتہدین و فقہاء و متکلمین و محدثین و مفسرین پر زبان طعن دراز کرنے والے آزاد ہیں انہیں کھلی چھٹی ہے جو چاہیں تحریرا و تقریرا کہتے پھریں اور قوم عوام بھی دل کھول کر ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کا تعاون کرتی ہے۔

اب پندرھویں صدی ہے اس میں اہل حق پر اور زیادہ تنگ یہ حالات واقع ہو رہے ہیں جو لوگ کبھی قرآن و سنت سن بھی لیتے تھے اب ان کی یہ حالت ہے کہ ان دین فروشوں کی باتیں سن سن کر اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ جب بھی ان کو قرآن و سنت کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ بیٹھ کر تھوڑی دیر سن لیں اٹھ کر یہ کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں کہ دوسرے مولوی کوئی پہیلیاں تو نہیں پڑھتے، کیا تمہارا علم ان سے زیادہ ہے یا تم ان سے زیادہ عقلمند ہو، تم زیادہ سمجھدار ہو یا ہمارے اکابر۔ اسی طرح اس قسم کے مسکت جواب دے کر چپ کرا دیتے ہیں۔

اب اور فرق باطلہ تو ہے در کنار جو مسلک حق پر چلنے والے تھے شیطان ان کے مابین بھی پھوٹ ڈالنے میں کامیاب رہا۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مورد نزاع نہیں مدت سے مورد نزاع بنا ہوا ہے، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے باشندگان ہند کو سمجھانے کے لیے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب بزبان اردو لکھی تھی تو انگریز کے آلہ کار لوگوں نے اس کے خلاف بے شمار کتابیں لکھیں، کچھ اردو میں کچھ فارسی میں کچھ پشتو میں کچھ سندھی میں کچھ بنگالی میں۔

عوام میں حق و باطل کے درمیان تمیز کہاں وہ تو اتنا سمجھتے ہیں کہ خدا برحق، رسول برحق، کتابیں برحق، فرشتے برحق، مر کر پھر زندہ ہونا برحق وہاں کا حساب کتاب برحق

حضورؐ کا فرمان برحق، صحابہؓ برحق، مجتہدین برحق، ان کا اجتہاد برحق، دوزخ برحق، قبر کا عذاب ثواب برحق، الحمدللہ خیر سلا۔ نماز پڑھی، رمضان میں روزے رکھ لیے، مال ہوا زکوٰۃ دے دی، حج کر لیا، صدقہ خیرات قربانی کر دی وغیرہ وغیرہ۔ البتہ اگر کوئی، اللہ تعالیٰ، رسول اللہؐ، صحابہؓ، علماء کی توہین کرے گستاخی کرے تو بڑا بے ایمان ہے۔

بس اہل حق کے مخالفین کو ایک گُر ہاتھ آ گیا انہوں نے عوام کی نبض پر ہاتھ رکھا اور سمجھے کہ عوام اس کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر اس سے نفرت کرتے ہیں جو گستاخ ہو صحابہؓ کرام کا یا ائمہ مجتہدین کا اور یا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اور پھر اس بات کا تجربہ بھی کر چکے تھے کہ اہل سنت و جماعت کے سامنے جب بات کی جاتی ہے کہ شیعہ و روافض صحابہ کرامؓ کی گستاخی کرتے ہیں تو اہل سنت و جماعت کے دلوں میں شیعہ قوم کی نفرت بیٹھ گئی اب وہ لگے اہل حق کی کتابوں کا مطالعہ کرنے تو اپنے زعم باطل میں کسی عبارت کا مطلب غلط سمجھ لیا، پھر اپنی عیاری سے لگے اس پر رنگ چڑھانے اور اپنے خطابات کے فن میں اسے گستاخی قرار دے کر عوام کو اہل حق سے متنفر کرنا شروع کر دیا یا کہیں کتابت کی غلطی ہو گئی تو بجائے اس کے کہ اس کی تصحیح کر دیں الٹا عوام میں اس کی تشہیر کر دی کہ دیکھو اس گستاخ کو، اس نے یہ لکھ رکھا۔ عوام متنفر ہو جائیں گے یا کہیں اہل حق نے اپنی اصطلاح میں بات کی جس سے عوام ناواقف ہیں تو اصل حقیقت واضح کرنے کی بجائے عرفی طور پر اسے گستاخی بنا کر عوام میں تنفر پھیلایا اسی طرح اور بہت سے طریقوں سے تحریراً و تقریراً عوام میں تنفر پھیلایا جاتا ہے اور اہل حق کو بدنام کیا جاتا ہے اور ان کو گالیاں دی جاتی ہیں، مارا پیٹا جاتا ہے کافر اور مرتد تک کہا جاتا ہے اور جو ان کو کافر و مرتد نہ کہے یا ان کے کفر میں شک کرے اس پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے خصوصاً مولویانہ گالی "وہابی" جیسے شروع شروع میں فضل رسول بدایونی نے بطور گالی کے استعمال کیا تھا اب اس قدر عام ہو گئی ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ یہ ایک انگریزی کی چال تھی جسے یہ لوگ کامیاب بنا رہے ہیں۔ پھر بدعات کا پرچار کرنے کرتے

سنت کو تہہ خاک دفن کر دیا جیسے حدودِ اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا نفاذ جس ملک سے مفقود کیے ہوئے ہے ایسے ہی مقامد حنفہ کو اس ملک میں دھکیلا جا رہا ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ انگریزوں کی نوآبادیات میں ان کا تسلط جم جائے، مجاہدین ان عوائق میں الجھ جائیں گے اور گستاخ سمجھ کر عوام ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور مجاہدین کی جماعت کمزور پڑ جائے گی اس حکمت عملی سے انگریز اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہو گیا۔

ان بہتانات میں سے ایک بہتان حضرت شاہ جی رح پر یہ تھا کہ یہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔

پھر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے بعض مسائل کا جواب دیا جو ان سے دریافت کیے گئے تھے، اور یہ ہستی بھی اسی خاندان ولی اللہی کی اہم ترین فرد اعظم تھی۔ انگریزوں کی نظروں میں کھٹکتی تھی، ان کے ان فتووں کی تردید کے لیے فضل رسول کو تیار کیا تنخواہ کے علاوہ سترہ روپیہ یومیہ اس کو جیب خرچ ملتا تھا۔ پھر نمک حلالی کیوں نہ کرتا چنانچہ اس نے ان فتووں کا رد لکھا بہ نام "تصحیح المسائل" جن میں سے ایک یہ مسئلہ تھا کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ حضرت شاہ جی رح نے اس کا جواب دیا کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے پھر اپنے دعویٰ کی تائید میں فقہ حنفیہ کی پانچ معتبر کتابوں کے حوالے دیئے، یہ دیکھ کر فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل میں رد کرنا شروع کیا اور حضرت شاہ جی رحمہ اللہ پر اپنے خبث باطنی کی بنا پر "اعتزال" کی تہمت لگائی یعنی چونکہ شاہ محمد اسحاق سماع موتیٰ اور تلقین میت بعد الدفن کا منکر ہے اس لیے یہ معتزلی ہے کیونکہ معتزلی ہی ہیں جو سماع موتیٰ کے بھی منکر ہیں اور دفن کے بعد تلقین میت کے بھی معتزلی ہی منکر ہیں۔

اس کے رد میں حضرت بشیر الدین قنوجیؒ (تلمیذ خاص حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تفہیم المسائل لکھا فضل رسول بدایونی کے ہر سوال کا ہر اعتراض کا جواب باحسن الوجوہ دیا۔

یہ مسئلہ بغداد تک طول پکڑ گیا، وہاں صاحب روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ

کے خلف الرشید سید نعمان بن محمود رحمہ اللہ نے صرف مسئلہ عدم سماع موتیٰ پر ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام "الآیات البینات فی عدم سماع الاموات عند الحنفیۃ السادات" ہے اور حضرت ناصر الدین الالبانی نے اس پر مفید ترین تعلیقات بھی لکھی ہیں، جزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

ہمارے اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً عاجلۃً سابغۃً کافیۃً وافیۃً وادرّ علیہم شآبیب نعمہٖ کے تمام مسائل وہی ہیں جو اس خاندان میں سلسلہ بسلسلہ چلے آرہے ہیں البتہ خطابت کے رنگ میں ان کے زبان و قلم سے ایسی عبارات صادر ہوئیں جو مفہوم مخالف کی موسم بن گئیں اور شیطان کو اغوا کا موقع مل گیا اس نے خوب ان مسئلوں کو ابھارا، اچھالا، پروپیگنڈا کی مشین تیزی سے چلائی اس کے فیر کی آواز دُور دُور تک پہنچ گئی غیر ملکی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے حتیٰ کہ بڑے بڑے علماء، فضلاء، صلحاء، محدث، مفسر، مقرر، مصنف، گوشہ نشین، خطیب اور سیاسی لوگ سب ہی اس مسموم ہوا سے مریض ہو کر واویلاں کر رہے ہیں اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کر رہے ہیں اہل حق کو گھورتے ہیں گالی دیتے ہیں، مساجد سے نکالتے ہیں، ان پر طرح طرح کی تہمتیں، بہتان، بدظنیاں لگاتے ہیں، بدنام کرتے ہیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ منبر پر سوار ہو کر مجمع اکٹھا کر کے اہل حق کو خوب کوستے ہیں، اشتہارات پمفلٹ و رسالے کتابیں لکھ لکھ کر اہل حق کی خوب گت بناتے ہیں، شیطان مسکراتے ہے بغلیں بجاتا ہے کہ اب موج ہوئی، مخالفت، عداوت، جنگ و جدال اور کینہ کا خوب بازار گرم ہو گیا۔

میں شروع شروع میں پرویزی، قادیانی، روافض، بریلویہ کے خلاف مضمون لکھتا تھا۔ نیاز فتحپوری کے خلاف بھی مضمون لکھا تھا، کچھ "شان" میانوالی میں کچھ "سرحد" پشاور میں شائع ہوئے اور بہت سی کتابیں تھیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں منجملہ ان کے ....

الازہار الناشرہ فی جمیع الفروق المتناثرہ و نظم اللغات فی سلک الابیات و نظم الاصول فی علم الاصول و تلخیص الاصول و حاشیہ میزان البلاغۃ للشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی رحمہ اللہ و جمع الفنون علی منہج القانون۔ المصطلحات المختصرۃ، التعریفات بنفض المغیث

فی اصول الحدیث وفیات المشاہیر اور ایک رسالہ انوار المطالع فی ہدایات المطالع دہلی میں لکھ کر چھپایا تھا اور فنون کے کچھ نقشے بھی چھاپے تھے جو دہلی، دیوبند، سہارنپور میں بٹ گئے تھے۔ وہاں تو بہت طویل عریض پروگرام ذہن میں تھا جسے تحقیق اساتذہ کی نگرانی میں مرتب کرنا تھا مگر پارٹیشن نے سب پارہ پارہ کر دیا۔

مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے مستقل طور پر ماہانہ رسالہ بنام "الحق" نکالنے کی سوچی، قدرت کو کیا منظور تھا وہ اسی کو معلوم ہے۔ دارالہدیٰ چوکیرہ میں آکر سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ آپ کے پاس وسائل ہیں ایک رسالہ نکالنے کی ہمت کرو۔ انہوں نے الفاروق رسالہ نکالنا شروع کیا جس میں علمی رنگ میں رد روافض بأحسن الوجوہ ہوتا تھا اور روافض کی ہرزہ سرائی کا جواب ترکی بہ ترکی ہوتا تھا۔

ایک دن میں نے درخواست کی کہ حضرت مجھے بھی اجازت دیں کہ میں بریلویوں کے رد میں کچھ لکھا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے مشن کے خلاف ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم بریلویوں کو ساتھ ملا کر شیعہ کا رد کریں، اگر تو بریلویوں کی تردید کرے گا تو وہ اور زیادہ ہم سے متنفر ہو جائیں گے اور شیعہ قلعہ ہم فتح نہ کر سکیں گے۔

اس کے بعد مسئلہ سماع موتیٰ وحیاۃ النبی کا چھڑ گیا وہ قائل تھے اور میں حنفیہ دیوبندیہ حقیقۃ جسمانیہ کا منکر تھا اور حیات برزخیہ کا قائل تھا جیسے میرے استاد مفتی اعظم ہند فقیہ النفس ابوحنیفہ ثانی امام ربانی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ وافیۃ سابغۃ کافیۃ نے مجھے سمجھا رکھا تھا اس عقیدہ کو ان کے کہنے پر بغیر دلائل قاطعہ ساطعہ کے چھوڑ نہیں سکتا تھا، ہر چند وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے مگر میں بھی صبر کر کے بیٹھا رہا۔ آخر کار انہوں نے مجھے نکال دیا۔ پھر قلیل تنخواہ پر مجھے ضیاء العلوم میں خدمت کرنے کو کہا گیا میں نے قبول کر لیا یہاں اپنے پیر بھائی اور استاد بھائی مولانا محمد امیر صاحب مل گئے یہاں کام کرنے کا موقعہ مل گیا الحمد للہ علیٰ ما انعم علیّ۔

یہاں آکر شروع شروع میں بریلویہ کی تردید میں جو قبروں اور مزاروں پر جا کر مزار

میں دفن شدہ بزرگوں کو پکار پکار کر ان سے اپنی حاجتیں مرادیں مانگتے ہیں اور ان کو حاجت روا مشکل کشا، غریب نواز اور داتا گنج بخش سمجھتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں تاکہ یہ ہستیاں خوش ہو کر خدا پاک سے ہمارا کام کروا دیں گے الیٰ غیر ذالک من الخرافات۔ ایک مختصر سا رسالہ "شفاء الصدور" کے نام سے لکھا جیسے کہتے ہیں خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی۔ چونکہ قبروں کے پجاریوں کا دعویٰ ہے کہ ہم اہلسنت وجماعت ہیں اور حنفی ہیں اس لیے حنفیہ کے اقوال قرآن وسنت کے دلائل کے بعد بیان کیے۔ چونکہ اہل سنت وجماعت ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں سمجھتے ہیں اس لیے جیسے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اماں جانؓ کا استدلال سن کر سکوت فرمایا تھا ایسے ہی یہ بھی اپنی اماں جان کا استدلال سن کر بدل وجان اکرام و احترام کرتے ہوئے ان کے فرمان کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ اور جہاں تک میرے معلومات کا تعلق ہے بریلوی لوگوں میں سے کسی نے اس رسالہ کے رد پر نہ قلم اٹھایا ہے اور نہ کسی کو جرأت ہوئی۔ اگرچہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں

مجھے کیا پتہ تھا کہ ہمارے پیر بھائیوں میں سے ایسی ہستیاں موجود ہیں جو بریلویوں کو سبق دیں گے کہ اس طور پر جواب دو۔ اس کے بعد بریلوی بھی شیر ہو گئے انہوں نے بھی اپنی طرز میں انہی دلائل کو ڈھال کر اپنا نام کر کے کتابیں لکھنا شروع کر دیں، اب تو ان کو تیار اسلحہ مل گیا لغلیں بجائیں خوب شور مچایا، بغلیں بجائیں، اُن کے بک سٹالوں میں "سماع الموتیٰ" اور "تسکین الصدور" سجائی جانے لگی۔ انہیں اور کیا چاہیے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم   کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

جیسے خلافت وملوکیت سے رافضیوں کے سٹال سجائے جانے لگے اور فارسی میں ترجمہ ہو کر ایران کے کالجوں میں داخل درس ہو گئی ہے۔

موحدین پر بہتان انکار حیاۃ النبی ﷺ کی ابتداء

مخالفین کی طرف سے موحدین پر حیاۃ الانبیاء کے انکار کا بہتان کوئی نیا امر نہیں ہے سب سے پہلے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کا ملہ پر یہ الزام ان کے معاصرین نے لگایا، پھر فضل رسول بدایونی نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا، پھر احمد رضا خان، اور نعیم الدین مراد آبادی نے کئی رسائل لکھے اور ہمارے اکابر نے احسن طریق سے جواب دیئے مگر مع ہذا انہیں میں سے کئی لوگ تقیۃً اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر جدید ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر میدان میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح راہ پر آنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ میرے پاس اس دعویٰ کا پختہ ثبوت ہے۔

چنانچہ ۔۔۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہٗ نے ایک رسالہ لکھا جس میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ پر معاندین اہل بدعت کی طرف سے عائد کردہ الزامات کے جوابات دیئے اور الزامات وبہتانات میں سے ایک بہتان وہ ہی ہے جو آج کل ان کے پیروکاروں پر عائد کیا گیا ہے یعنی یہ کہ "وہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں" ہم ان کا مکمل بیان جو اس مسئلہ کے ساتھ متعلق ہے من وعن نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت شہید پر چوتھا بہتان

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر دشمنانِ توحید وسنت کا ایک مشہور بہتان یہ بھی ہے کہ "وہ مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کے منکر ہیں اور (معاذ اللہ) ان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر بھی گل کر مٹی ہو جانے والا ہے (مفتریوں کے منہ میں خاک) حضرت شہیدؒ کی جس عبارت پر اس ناپاک بہتان کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ "تقویۃ الایمان" کی پانچویں فصل کے آخر میں قیس بن سعد کی ایک حدیث کی تشریح میں لکھی گئی ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب النکاح باب عشرۃ النساء میں ابوداؤد کی تخریج سے نقل کیا ہے۔

ہم ناظرین کے سامنے وہ اصل عبارت سیاق وسباق کے ساتھ ابھی پیش کریں

گے اور خود ناظرین دیکھ لیں گے کہ ایسا بہتان لگانے والے کیسے ظالم اور ناخدا ترس ہیں۔

اسبابِ تصنیف تقویۃ الایمان

پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تقویۃ الایمان دراصل ان بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے جن کو مولانا شہید نے اپنے زمانہ میں اس حال میں دیکھا کہ مسلمان کہلانے کے باوجود وہ طرح طرح کے شرکوں میں گرفتار ہیں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تقویۃ الایمان کے اصل مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں، اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی بات سمجھانے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے ردِ شرک اور بیانِ توحید کے سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث لکھتے ہیں پھر اس کا ترجمہ کرتے ہیں پھر فائدہ کی ف لکھ کر اس کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

چنانچہ اپنے اسی طریقہ کے مطابق انہوں نے اللہ کے سوا زندہ یا مردہ ہستی کو سجدہ کرنے کی برائی اور شرعاً اس کا حرام و ممنوع ہونا ثابت کرنے کے لیے پہلے تو قیس بن سعدؓ کی حدیث مشکوٰۃ سے نقل کی پھر اس کا لفظی ترجمہ لکھا اور اس کے بعد ف لکھ کر اس کی مزید تشریح کی۔ ہم ذیل میں پہلے وہ حدیث اور مولانا شہید ہی کا لکھا ہوا ترجمہ لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔

عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرۃ فرأیتہم یسجدون لمرزبان لہم فقلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان یسجد لہ فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرأیتہم یسجدون لمرزبان لہم فانت احق ان یسجد لک فقال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ فقلت لا فقال لا تفعلوا یعنی قیس بن سعدؓ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے خواجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجیے ان کو، پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ میں سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں

اپنے خواجہ کو، سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو، تو فرمایا مجھ کو "بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ کہا میں نے نہیں! فرمایا تو مت کر۔
(تقویۃ الایمان ص ۔ ۷ مطبوعہ رحمانی پریس دہلی)

حدیث کا اصل متن اور اس کا لفظی ترجمہ آپ کے سامنے ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن سعدؓ اپنے ایک سفر میں حیرہ نامی شہر میں گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے شہر کے حاکم اور سردار کو سجدہ کرکے اس کی تعظیم بجالاتے ہیں ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہمارے آقا اور ہادی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور درجہ تو بہت ہی بلند ہے لہٰذا آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سجدہ کے ذریعہ آپ کی تعظیم کی جائے چنانچہ جب یہ اپنے سفر سے مدینہ طیبہ واپس آئے تو حضورؐ سے وہاں کا وہ مشاہدہ اور اپنا خیال عرض کیا اور گویا آپؐ سے سجدہ کی اجازت چاہی آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ میری وفات کے بعد میری قبر کو بھی سجدہ کروگے؟ انہوں نے کہا قبر کو تو میں سجدہ نہیں کروں گا آپؐ نے فرمایا تو اسی طرح اب بھی نہ کرو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیس بن سعدؓ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ سوال ان سے کیا کہ کیا میری قبر کو بھی تم سجدہ کروگے؟ اس سے آپؐ کا اصل مقصد و منشا کیا تھا اور آپؐ ان کو کیا بتانا چاہتے تھے؟

شارحین حدیث نے پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے یہ سوال کرکے ان کو بتانا چاہا کہ میں تو ایک بندہ اور ایک فانی ہستی ہوں آج زندہ ہوں اور اس زمین کے اوپر ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ یہ زندگی ختم ہوگی اور میں قبر میں دفن کیا جاؤں گا، اور پھر اگر تمہارا گزر کبھی میری قبر پر ہوگا تو تم بھی اس وقت مجھے قابل سجدہ نہ سمجھوگے، پس خود ہی سمجھ لو کہ جس ہستی کا یہ حال ہو، اس کو سجدہ کیونکر روا ہوسکتا ہے۔ سجدہ تو بس اسی حیّ و قیّوم کا حق ہے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

علامہ علی قاریؒ اپنی شرح مشکوٰۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال أرأیت لو مررت بقبری کا مقصد و منشا ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وفقال لی، اظہاراً لعظمۃ الربوبیۃ واشعاراً لذلۃ العبودیۃ ارأیت الخ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ الوہیت و ربوبیت کی عظمت و رفعت ظاہر کرنے کے لیے اور شانِ عبودیت کی ذلت و پستی بتانے کے لیے قیس بن سعدؓ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ اگر کبھی میری قبر پر تمہارا گزر ہوگا تو کیا تم اس کو بھی سجدہ کرو گے؟

پھر یہی علامہ علی قاریؒ اسی حدیث کی تشریح میں علامہ طیبیؒ سے نقل کرتے ہیں:

ای اسجدوا للحی الذی لا یموت ومن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی الآن مہابۃ واجلالا فاذا صرت رھین رمس امتنعت عنہ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۴۶۹) یعنی سجدہ صرف اس زندہ جاوید ہستی کو کرنا چاہیے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں اور جس کی بادشاہت کو کبھی زوال نہیں اور اس وقت تم مجھے صرف میری ہیبت اور جلالت سے متاثر اور مرعوب ہو کر سجدہ کرنا چاہتے ہو لیکن جب میں مرنے کے بعد قبر میں رکھ دیا جاؤں گا تو تم خود مجھے سجدہ کرنا نہ چاہو گے۔

ان عبارات و تصریحات کا حاصل یہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد کے سامنے اپنی قبر کا ذکر کر کے جو سوال ان سے کیا اس سے آپ کا مقصد و منشا اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت و ربوبیت کی بلندی اور اپنی اور سارے بندوں کی شانِ عبودیت کی پستی اور فنائیت کا ظاہر کرنا تھا۔ اور بقول علامہ طیبیؒ اس سارے سوال و جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آپ نے قیس بن سعدؓ کو بتایا کہ حیرہ والوں کے رواج کو دیکھ کر مجھے سجدہ کرنے کا جو خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے جب میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو تم خود بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے۔ لہٰذا سجدہ صرف اسی ذات پاک کو کرو جو حی لا یموت ہے اور جس کا جلال لازوال ہے۔

اب سنیے کہ مولانا شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا منقولہ بالا متن اور ترجمہ لکھنے کے بعد فائدہ کی ف لکھ کر یہی بات اپنے ان سادہ اور عام فہم لفظوں میں لکھی ہے۔

"یعنی میں بھی مر کر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی" (تقویۃ الایمان)

پس یہی وہ فقرہ ہے جس کو بنیاد بنا کر مولینا شہیدؒ کے ناخدا ترس دشمن عوام میں شور مچاتے ہیں کہ مولانا موصوف "حیات النبیؐ" کے منکر ہیں اور معاذ اللہ آپ کے جسد اطہر کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں،

سبحانک ہٰذا بہتان عظیم،

اصل عبارت ناظرین کے سامنے ہے اس میں مٹی میں ملنے کا لفظ ہے مٹی ہو جانے کا لفظ نہیں ہے اور مٹی میں ملنا یہ قدیم اردو زبان کا محاورہ ہے جو قبر میں دفن ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اردو کے مستند لغات "نور اللغات" اور "فرہنگ آصفیہ" دونوں میں مٹی میں ملانے کے ایک معنی "دفن کرنا" لکھے ہیں اور "فرہنگ آصفیہ" میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی استشہاد میں لکھا ہے ؎

نسیم اعداء سے شکوہ کیا پس از مرگ ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

ظاہر ہے کہ مٹی میں ملانے کا مطلب یہاں صرف دفن کرنا ہی ہو سکتا ہے پس مولنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس فقرہ کا مطلب کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" یہی ہے کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں دفن ہونے والا ہوں اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ نے ان لفظوں میں ادا کی۔ فاذا صرت رهين رمس یعنی جب میں قبر میں رکھ دیا جاؤں گا (مرقاۃ ج ۳ ص ۲۶۹)

بہر حال تقویۃ الایمان کے ان الفاظ کی بنا پر یہ شور مچانا کہ مولینا شہید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے گل کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں اس کے سوا کیا کہا جائے کہ سراسر شرارت اور خباثت ہے۔

ممکن ہے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صداقت و دیانت کے یہ دشمن کہیں کہ تقویۃ الایمان کی مذکورہ عبارت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرنے کا لفظ تو استعمال کیا ہی گیا

ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ آپ کی موت کا قائل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ "حیات النبی" کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

مسئلہ حیات الانبیاء کی حقیقت

تمام امت کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ سال اس دنیا میں زندہ رہے اور ہجرت سے دس سال پورے ہونے پر چند روز مرض وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی، یعنی اللہ کے حکم سے آپ پر موت وارد ہوئی۔ پھر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ دفن کیے گئے۔

نیز اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپ کے لیے موت کا یعنی مرنے کا لفظ بولنا جائز ہے اور کوئی شخص ان دونوں باتوں میں سے اختلاف کر بھی نہیں سکتا کیونکہ قرآن و سنت میں پوری صراحت کے ساتھ آپ کی وفات کا ذکر موجود ہے اور موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن مجید سورۂ زمر میں فرمایا گیا "انک میت و انھم میتون" (اے ہمارے رسول آپ بھی ضرور مرنے والے ہیں اور بالیقین آپ کے یہ دشمن بھی مرنے والے ہیں)

اور مشہور حدیث ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات"

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا "بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو موت طبعی مقدر کی تھی وہ وارد ہو چکی اور آپ وفات پا چکے)...... پھر مسجد نبوی میں آکر صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا

اور اسی میں فرمایا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان
یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت (صحیح بخاری) یعنی جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی عبادت کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت
کرتے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی
موت نہیں آئے گی۔

بہر حال یہ دونوں تحقیقیں اپنی جگہ پر بالکل مسلم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت
کی متفق علیہ ہیں۔ حضور پر موت وارد ہوئی، آپ نے وفات پائی اور آپ کے متعلق
موت (یعنی مرنے کا لفظ) بولنا درست ہے اور قرآن وحدیث میں بولا گیا ہے اور صحابہ
کرام نے بولا ہے اس کے باوجود آپ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا
جو عقیدہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی یعنی دنیا سے وفات پا جانے
اور مدفون ہونے کے بعد آپ کو برزخی حیات عطا کی گئی جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء
کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں ...... (بل احیاء)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے مسئلہ حیات انبیاء پر جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے اس
مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے "قال البیہقی ان الانبیاء بعد
ما قبضوا ردت الیہم ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء" (زرقانی
شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲) یعنی کہا بیہقی نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ وفات
کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔

اسی طرح علامہ تقی الدین سبکی نے "شفاء السقام" میں مسئلہ حیات النبی پر کلام
کرتے ہوئے ان قرآنی آیات اور احادیث و روایات کا ذکر کرتے کے بعد جن میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر ہے اور آپ کے لیے موت کا لفظ استعمال کیا
گیا ہے لکھا ہے "انہ المحیی بعد الموت" یعنی آپ کو موت کے بعد برزخ میں
دوسری حیات عطا کی گئی (شفاء السقام ص ۱۴۳)

الغرض "حیات النبی" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی

موت کا وارد ہونا اور حضورؐ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور حضورؐ کے متعلق موت (یعنی مرنے) کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے (جیسا کہ خود علامہ تقی الدین سبکیؒ نے اس کی تصریح بھی کی ہے) بلکہ اس حیات کا مطلب حیات برزخی ہے جو وفات پانے کے بعد عالم برزخ میں ان حضرات کو عطا ہوتی اور جو شہداء کرام کو بھی عطا ہوتی ہے بلکہ ایک درجہ کی برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب و ثواب کا امکان ہی نہیں، ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں اس لیے ان کی برزخی حیات بھی بہت حتیٰ کہ شہداء کرام سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی، چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدس جسموں کو کھائے اور گلائے۔

بس یہ ہے حقیقت مسئلہ حیات النبیؐ کی اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کی زیر بحث عبارت میں نفیاً یا اثباتاً اس مسئلہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے اور نہ وہاں اس ذکر کا کوئی موقع تھا۔ وہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کی سجدہ کی درخواست پر چونکہ اپنی قبر کا ذکر فرما کر اپنے زندہ جاوید نہ ہونے بلکہ ایک دن وفات پانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس لیے مولٰنا شہیدؒ نے اپنے سادہ لفظوں میں صرف اس اشارہ کی تشریح فرما دی اور اسی بات کو سادہ اردو زبان میں لکھ دیا جس کو علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح میں عربی زبان میں لکھا تھا۔

امید ہے کہ ناظرین نے یہاں تک کی بحث سے پوری طرح سمجھ لیا ہوگا کہ....

تقویۃ الایمان کی مذکورہ عبارت کی بنا پر مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ حیات انبیاء یا محفوظیت اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا منکر قرار دینا شرارت اور افتراء پردازی کے

سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر سلسلۂ کلام ختم کیا جاتا ہے جو قیس بن سعد صحابی رضؓ کی اس حدیث کے ہم معنی اور ہم مقصد ہے جس کی تشریح میں مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ عبارت لکھی ہے اس کا مضمون مولانا شہید کی زیر بحث عبارت سے اور بھی زیادہ قریب ہے۔

حدیث یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے (جو اسلام لانے سے پہلے بہت سے مذاہب میں رہ چکے تھے اور عرب و عجم کی بہت سی قوموں کے رواج جنہوں نے دیکھے اور برتے تھے) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے ان سے فرمایا یا سلمان! لا تسجد لی أرأیت لو مت أکنت ساجد لقبری؟ لا تسجد لی واسجد للحی الذی لا یموت (کنز العمال جلد سوم) یعنی اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بتلاؤ اگر میں مر جاؤں تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ مجھے سجدہ نہ کرو، صرف اس زندہ جاوید ہستی کو سجدہ کرو جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

بعینہٖ یہی تو مضمون ہے جس کو قیس بن سعدؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شہید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے اپنے سادہ لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔

نقل از رسالہ "حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" از افادات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ طبع اول۔

نعیم الدین مراد آبادی کا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان

دربارہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولوی نعیم الدین مراد آبادی کا بیان

نعیم الدین مراد آبادی نے اطیب البیان ص ۲۵۱ میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ :
تقویۃ الایمان والا مسلمانوں کے قلب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کم کرنے کے لیے اور زیادہ گستاخی کرتا ہے، دیکھیے تقویۃ الایمان ص ۹۶" میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" یہ بیباکانہ گستاخی اور حضور پر افترا رحاشا وکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ یہ حضور پر بہتان ہے، حضور فرماتے ہیں جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا تو خدا کے نبی زندہ ہیں قطع نظر اس کے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت مٹی میں ملنے کا لفظ قطعاً جھوٹ اور افترا ہے مگر ساتھ ہی توہین وتنقیص بھی ہے حضور کا مرتبہ تو بہت بلند وبالا ہے، مہذب لوگ اپنے برابر والوں کے لیے بھی کہنا گوارا نہیں کرتے جو خاک میں ملنے والے ہی ہیں ان کی نسبت بھی کہہ دیجیے تو ناگوار گزرے، اگر کوئی کہہ دے کہ مولوی اسماعیل، رشید احمد، ... محمود حسن، سب مر کر مٹی میں مل گئے تو ان کے معتقدین کو اس سے رنج ہوگا، مگر حبیب خدا کی شان میں ان کا گرو لکھ گیا تو انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ یہی ایک کلمہ کیا ساری تقویۃ الایمان ایسی گستاخیوں سے لبریز ہے۔

الجواب بعون الملک الوہاب

محدث جمال الدین سنیدنے حاشیہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے وفیہ ارشاد

واشارۃ الی ان الممکن لیس مستحقا للسجود والعبادۃ لتغیرہ وزوالہ بل المستحق للمعبودیۃ والمسجودیۃ ھو اللہ الواحد القدیم الذی لا یعوم حولہ التغیر والفناء والزوال یعنی اس حدیث میں ارشاد و اشارہ ہے اس امر کا کہ تحقیق ممکن یعنی مخلوق، نہیں ہے مستحق سجدہ اور عبادت کے بوجہ متغیر ہونے اور اس کے زوال ہونے کے بلکہ مستحق عبادت اور سجود کے وہی اللہ واحد و قدیم ہے جو مبرا و منزہ ہے نقصان تغیر فنا و زوال سے۔

خود نعیم الدین نے ص ۲۰۵ میں بحوالہ استفادہ اشعۃ اللمعات لکھا کہ انبیاء کے ظواہر و اجسام بشری اوصاف کے ساتھ متصف ہیں، ان پر بشری اعراض، آلام، و اسقام آفات، بیماری، فنا، موت، اور تغیرات مانند سائر بشر کے طاری ہوتے ہیں۔

بہرحال جسم اطہر کا مٹی میں ملنا" اس کا مفہوم "مٹی ہو جانا" ہرگز نہیں اور نہ حضرت شہید رحمۃ اللہ کی اس لفظ سے یہ غرض ہے، مشہور مقولہ ہے" تصنیف را مصنف نیکو کند بیان"۔ خود مولانا شہیدؒ اپنی مثنوی" سلک نور" ص۴۲ میں در بیان نعت و فضائل سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام میں لکھتے ہیں:

پھر کیونکر احتمال مخالفت حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء اس کے ہو سکتا ہے۔

تفسیر مظہری میں وما محمد الا رسول کے تحت لکھا یعنی لیس ھو ربا یستحیل علیہ الفناء والموت وما ھو بداعو لنا الی عبادتہ یعنی نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب جو محال ہو ان پر فنا اور موت کا ہونا اور نہیں ہیں وہ لوگوں کو بلانے والے اپنی عبادت کی طرف۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۲۵ میں ہے شعر جو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے آپؐ کی زیارت قبر انور میں پڑھا تھا

فان کنت من عینی فی التراب مغیبا
فما کنت عن قلبی الحزین بغائب

یعنی اگرچہ آپ میری نظر سے مٹی میں چھپے ہوئے ہیں لیکن آپ میرے غمگین دل سے غائب نہیں ہیں۔

بخاری شریف ص ۶۴۱ ج ۲ میں ہے فلما دفن قالت فاطمۃ رض یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۴۵ میں یوں کیا "چوں در آمدند صحابہ بعد از دفن نزد فاطمہ رض گفت چگونہ یاور دارد دل شما کہ ریختند بر رسول خدا، گفتند بلے یا بنت رسول اللہ یا زہرا، ما ہم دریں خیال رفتہ بودیم واندوہناک بودیم ولیکن چہ تواں کرد از حکم شرع چارہ نیست" یعنی صحابہ دفنِ نبیؐ کے بعد حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں آئے حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کیونکر تمہارے دل نے گوارا کیا کہ تم رسول خدا پر خاک ڈال آئے صحابہؓ نے کہا یا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا زہرا! ہم بھی اسی خیال میں تھے اور غم زدہ تھے۔ لیکن کیا کریں، حکم شرع سے چارہ نہیں،

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا (قصیدہ در کلام الملوک ص ۱۱۲)

وحینا یقیک الترب دھقی لیتنی غیبت قبلک فی بقیع الغرقد

یعنی جب کہ مٹی نے آپ کو چھپالیا تو کاش کہ میں آپ سے پہلے بقیع الغرقد کے قبرستان میں غائب ہو جاتا۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۰۰ میں ہے "وچوں وے صلی اللہ علیہ وسلم فانی شدہ است در ذات وصفات الٰہی، لاجرم باقی باشد بآں ومتصف گردد بداں یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات وصفات الٰہی کے ساتھ فانی ہوئے ہیں تو منزہ باقی ہوئے اور اس کے ساتھ متصف ہوئے۔

اخبار الاخیار ۵۴ میں ہے "بلکہ آدم وآدمیاں را وعالم وعالمیاں را معدوم شمارد ونابود پندارد۔ یعنی وجود حق تعالیٰ کے سامنے آدم اور آدمیوں کو اور عالم اور عالموں کو معدوم شمار کرے اور نابود سمجھے۔

تفسیر عزیزی رج اص ۴۰ میں ہے وموت رجوع انسانی بنیۂ انسانی بسوئے اصل خود است کہ خاک است۔ یعنی موت رجوع ہونا اصل انسانی کا اپنی اصل کی طرف ہے کہ خاک ہے۔

قصیدہ نونیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مٹی اور اینٹیں پڑی ہیں اور دیواریں بنی ہوئی ہیں اگر قبر شریف میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے پہلے تھے تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ موافق عادۃ اللہ کے زمین کے اوپر ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شعر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرثیہ میں فرمایا:

فیا خیر من ضم الجوانح والحشا　　　ویا خیر میت ضمہ الترب والثری

یعنی پس اے وہ ہستی جو ان تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہے جنہوں نے پسلیوں اور دل جگر کو آپس میں ملایا ہے اور اے بہتر مردہ جس کو مٹی اور خاک نے اپنے ساتھ ملایا ہے (کلام الملوک ص ۸)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک اور مرثیہ میں فرماتے ہیں:

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت　　　بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد

پس اے رسول کی قبر! تجھ میں برکت ہو اور ان شہروں میں بھی برکت ہو جن میں وہ ہدایت یافتہ راست کردہ ہستی مقیم ہے

وبورک لحد منک ضمن طیبا　　　علیہ بناء من صفیح منضد

اور اے قبر! تیری اس لحد میں بھی برکت ہو جو اپنے آغوش میں ایک ایسے پاک شخص کو لیے ہوئے ہے جو اوپر نیچے چنے ہوئے چوڑے پتھروں کی چھت ہے۔

تھیل علیہ الترب ایدا و اعین علیہ وقد غارت بذلک اسعد

بالقاس پر مٹی ڈالتے ہیں اور آنکھیں اس پر آنسو بہاتی ہیں اور اس واقعہ سے سعد ستارے غائب ہو گئے ہیں اور نحوست کا تسلط ہو گیا ہے (کلام الملوک ص ۱۰۸)

خلیفہ بلا فصل امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے مرثیہ میں فرماتے ہیں :

یا لیتنی من قبل مہلک صاحبی غیبت فی جدث علیّ صخور

اے کاش ! میں اپنے دوست کے انتقال سے پہلے قبر میں چھپا دیا گیا ہوتا، اور مجھ پر پتھر پڑے ہوتے ۔ (" ص ۱۴۲)

فلیتنا یوم واروہ بملحدہ وغیبوہ والقوا فوقہ المدرا

لم یترک اللہ منا بعدہ احدًا ولم یعش بعدہ الانثی ولا ذکرا

پس جبکہ لوگوں نے ان کو قبر میں چھپایا اور پوشیدہ کیا تھا اور ان پر ڈھیلے ڈالے تھے کاش خدا ہم میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑتا اور نہ ان کے بعد کسی عورت کو زندہ رکھتا اور نہ کسی مرد کو ۔ (کلام الملوک ص ۱۴۸)

ثلثۃ برزوا بفضلہم نضرہم ربہم اذا نشروا

تین شخص ہیں جن کا تفوق ظاہر ہے ان کا رب ان کو شاداب کرے جب کہ یہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۔

فلیس من مؤمن لہ بصر ینکر تفضیلہما اذا ذکروا

پس کوئی مومن جس کو کچھ بھی بصیرت ہو جب کہ ان کا ذکر کرتے تو ان کے فضل کا انکار نہیں کر سکتا (" ص ۱۶۱)

عاشوا بلا فرقۃ ثلثتہم

واجتمعوا فی الممات اذا قبروا

زندہ رہے تو بھی اکٹھے رہے جب مدفون ہوئے تو بھی موت کی حالت میں بھی اکٹھے رہے ۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اشعار

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے مرثیہ میں فرماتی ہیں۔

انا فقدناک فقد الارض وابلہا ۔۔۔ وغاب مذ غبت عنا الوحی والکتب

فلیت قبلک کان الموت صادفنا ۔۔۔ لما نعیت وحالت دونک الکتب

یعنی ہم آپ یوں گئے جیسے زمین سے بارش یعنی آپ کی وفات ہمارے لیے سخت محرومی کا باعث ہے اور جب سے آپ ہم سے دور رہے، وحی اور آیات اور سورتوں کا آنا بھی بند ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کی خبر ہم تک پہنچی اور ہمارے اور آپ کے درمیان ریت کے ٹیلے حائل ہو گئے یعنی آپ مدفون ہو گئے تو ہماری یہ حالت ہوئی کہ ہم تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمیں آپ سے پہلے موت آجاتی اور ہم کو یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب کے اشعار

حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب صحابی وابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہ نے مرثیہ میں فرمایا،

لقد عظمت مصیبتنا وجلت ۔۔۔ عشیۃ قیل قد قبض الرسول

یعنی جس شام کو کہا گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہماری مصیبت عظیم ہو گئی اور بہت بڑھ گئی، آگے چل کر فرماتے ہیں:

فقبر ابیک سید کل قبر ۔۔۔ وفیہ سید الناس الرسول

یعنی اے فاطمہ رض! تمہارے ابا کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں سید الناس رسول ﷺ مدفون ہیں۔

امام البریلویہ احمد رضا خاں کو یہ بات مسلّم ہے

حضرت صحابہ کرام کے ہاں بھی یہ لفظ مستعمل تھا چنانچہ احمد رضا خان اپنی ذاتی تصنیف

حیات الموات ص ۴۶ میں لکھتے ہیں "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ جب مجھے دفن کر چکو، مجھ پر مٹی تھم تھم کر بہ نرمی ڈالنا۔

اشعۃ اللمعات ج ا ص ۷۱۶ میں اسی حدیث کے تحت لکھا "چوں دفن کنید مرا پس بہ نرمی و سہولت بیندازید بر من خاک را۔

فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل ص ۱۴۶ میں لکھا "حدیثے از ابی امامہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ گفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چوں مُرد یکے از برادران شما دفن کردید او را و ریختند بروے خاک" یعنی ایک حدیث حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مر جائے تمہارے بھائیوں میں سے اور دفن کردو اس کو ڈالو اس پر خاک۔

نیز ص ۱۴۳ میں لکھا "سیوطی در جوامع الجوامع بتعدد طرق آوردہ کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ بمیرد یکے از برادران بریزید بروے خاک را" یعنی سیوطی نے جوامع الجوامع میں متعدد طرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مر جائے تو اسکے اوپر خاک ڈالو۔

مولینا اکرام الدین نبیرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سعادت الکونین ص ۵ میں تہذیب التہذیب سے نقل کیا "جس وقت امام حسن رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے اے لوگو! اپنے نبی کے فرزند پر مٹی ڈالو اور اپنے ہاتھوں سے خاک میں سلاؤ۔

عز الدین نے اکمل البیان ص ۲۰۴ میں کہا فی الواقع صاحب قبر پر مٹی ڈالتے سے علیٰ جسم پہ بداھۃً مٹی اور خاک ڈالنا نہیں ہوتا ہے تاہم بطور مجاز باعتبار مآل حقیقت فراتیہ کے کلام شارع علیہ السلام میں اس کا استعمال کیا گیا۔

قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا مکتوب

مکتوبات حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس رح مکتوب صد وہفتم (۱۰۷)

ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں۔

عزیز من انبیاء و اولیاء کہ از جہان رحلت کردہ اند اجساد مطہرہ ایشاں زیر زمین در خاک مذلت خفتیدہ اند و ارواح مقدس ایشاں در آخرت در علیین اند و ایں مدبر در دنیا بعید ہزار معصیت و ناشائستگی آلودہ از ایشاں چہ خبر و کیفیت آخرت نہ چناں است کہ خلق را گمان است اہل آخرت مے دانند کہ از جلال و عظمت حق سبحانہ و تعالیٰ ایشاں را چہ پیش آمدہ است" یعنی عزیز من! انبیاء اور اولیاء کہ جو اس جہان سے رحلت فرما چکے ہیں جسم مطہر ان کے زمین کے نیچے خاک مذلت میں سوئے ہوئے ہیں اور ارواح مقدسہ ان کے آخرت میں علیین کے اندر ہیں اور یہ مدبر مشغولیت دنیا میں عند ہزار گناہوں اور ناشائستگی باتوں میں آلودہ ہیں ان کو کیا خبر۔ اور حالت آخرت اس طرح نہیں ہے جس طرح خلق کا گمان ہے۔ اہل آخرت جانتے ہیں کہ جلال و عظمت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ان کو کیا پیش آئی ہے۔

فائدہ:- حضرت امام ابوبکرؓ کا مسئلہ سمجھانا

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، کہ آپ کی وفات ہونا اسلام میں بڑا زبردست حادثہ ہے اور توحید الٰہی کا بڑا گہرا سبق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باوجودیکہ غلبہ توحید میں آپ کی شان اشداء علی الکفار ہے بوجہ اضطرار و بے اختیاری فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مدہوشی کا عالم طاری ہو گیا اور کہنے لگے واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی البعض روایات میں ہے کہ آپؓ نے تلوار نکال لی اور منہ مبارک میں جھاگ بھر آئے اور فرمایا "جو ایسا کہے گا اس کا سر جدا کر دوں گا"۔ ہر چند کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا مگر انکار ہی کرتے رہے۔ چونکہ اس واقعہ سے اسلام میں بڑا تزلزل اور رخنہ واقع ہونے کا اندیشہ تھا بالآخر شان صدیقیت کی استقامت و متانت اور اولوالعزمی جوش میں آئی اور ان کو چھوڑ کر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ فرمایا تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ

؎ اس بات میں جملہ الفاق تعدعالم کے ساتھ نہیں۔ اس وقت میں شیخ تھانوی کا مسلک راجح ہے ۱۲ گیلوی

کی طرف سے پھر کر آپؐ کی جانب متوجہ ہوئے پھر اس خطبہ میں کیا بیان تھا۔
صحیح بخاری پارہ ۵ ص ۱۶۶ اور پارہ ۱۴ ص ۵۱۷ و پارہ ۱۸ ص ۶۴۰ میں ہے:
فحمد اللہ ابوبکر واثنیٰ علیہ وقال الا من کان یعبد محمدًا فان محمدا (صلی اللہ علیہ وسلم) قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت (وقال تعالیٰ) انک میت وانہم میتون وقال وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین یعنی پس اللہ کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد بیان فرمائی اور اسی کے لیے تعریف کی اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ جو تم میں عبادت کرتا ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وفات پا گئے اور جو تم میں عبادت کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی تو اللہ تعالیٰ تو حی لا یموت ہے۔ زندہ ہے نہیں مرے گا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ نے بیشک تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کہا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں ؟ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو وہ نہ بگاڑے گا اللہ تعالیٰ کا کچھ۔ اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو۔

حضرت امام ابوبکر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسہ دے کر روئے اور کہا بابی انت یا نبی اللہ (بخاری پارہ ۵ ص ۱۶۶) "میرا باپ آپ پر قربان جائے اے اللہ کے نبی!" اس ارشاد سے مسئلہ سمجھا گئے ہیں کہ واقعی حضورؐ کی ذات فوت تو ہو چکی ہے مگر آپؐ کی وفات کے ساتھ نبوت زائل نہیں ہوئی بلکہ آپؐ کی صفت نبوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم دائم ہے ورنہ آپ یا نبی اللہ نہ فرماتے۔ نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ میت سے اگرچہ روح خارج ہو جاتی ہے اس کو خطاب کرنا جائز ہے اور خطاب کو سماع لازم نہیں۔ اسی واسطے آگے فرماتے ہیں لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متہا

ر آپ پہ اللہ تعالیٰ دو موتیں نہیں لائے گا اور جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ پر مقرر فرمائی تھی وہ موت آپ پر آچکی ہے۔

نیز یہ مسئلہ سمجھا گئے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ پر میّت کا اطلاق جائز ہے اور یہ لفظ صحابہ کرام رضی نے سنا کسی نے اس پہ نکیر نہیں کی، تو اس مسئلہ پر سب صحابہ کرام رضی کا اجماع ہو گیا اور جو لوگ موت اور نبوت میں منافات سمجھتے ہیں ان کی صریح تردید ہو گئی۔ چنانچہ :

انبیاء کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق

قرآن پاک میں چار انبیاء کے بارے صراحۃً موت کا اطلاق آیا ہے (۱) ووصّٰی بہا ابراھیم بنیہ ویعقوب .... ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت (۲) فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علیٰ موتہ (۳) فاماتہ اللہ مائۃ عام (۴) ولقد جاءکم یوسف .... حتّٰی اذا ھلک

صحیح بخاری پارہ ۱۳ ص ۴۹۱ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی (تھے بنی اسرائیل کے انبیاء ان پر حکمرانی کرتے تھے جس وقت کوئی نبی ہلاک ہوتا یعنی وفات پاتا تو پیچھے اس کے نبی جانشین ہوتا اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اس مقام پر امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا :

وفی الحدیث جواز ھلک فلان اذا مات وقد کثرت الاحادیث بہ وجاء فی القرآن العزیز قولہ تعالیٰ " ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبیّنات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا ، یعنی اس حدیث میں جواز ہے کہنے کا کہ : "ہلاک ہو گیا فلاں" جس وقت مر جائے اور کثرت سے احادیث اس امر میں وارد ہیں اور قرآن عزیز میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور بلاشبہ اس موسیٰ علیہ السلام

سے پہلے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام کھلے کھلے دلائل لے کر آ چکا ہے سو تم ان امور میں بھی ہمیشہ شک ہی کرتے رہے جو یوسف تمہارے پاس لے کر آیا تھا یہاں تک کہ جب یوسف ہلاک ہوا یعنی فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے بس اب اللہ تعالیٰ اس یوسف کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔

حضرت امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں جو آیات پڑھی تھیں ان کی تشریح کرتے ہوئے حضرت

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی

فائدہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ف جنگ احد میں بعضے مسلمان کامل بھی بہت ہٹ گئے تھے اس واسطے کہ ایک کافر نے اپنی فوج میں پکارا کہ میں محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) مار آیا ہوں اور حضرت کو زخم سے خون بہت گرا تھا ضعف آ کر ایک گڑھے میں گر رہے تھے مسلمانوں نے حضرت کو نہ دیکھا۔ یہ بات یقین ہو گئی، جب حضرت ہوشیار ہوئے تو میدان میں جو لوگ حاضر رہے تھے ان کو جمع کر کر پھر لڑائی قائم کی تب کافر پھر کر چلے گئے سو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو، اور اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا۔ بہت لوگ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔

پھر اس خطبے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا سب سے اول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی نے بیعت خلافت صدیقی کے لیے ہاتھ بڑھایا اور آپ کی تعریف و توصیف کی پھر لوگ اس آیت (وما محمد الا رسول) کو پڑھنے لگے۔ جو سنتا وہ پڑھنے لگتا، فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واللہ مجھے کچھ خبر نہ تھی مگر صرف یہی کہ میں نے اس آیت کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ اس کو پڑھتے تھے

مجھے تو ایسا پسینہ پیشانی پر آیا کہ زمین پر پاؤں نہ تھمے اور گر پڑا جب اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے لیے سنا:

چنانچہ دوسرے روز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ پڑھا وہ صحیح بخاری پارہ ۲۹ ج ۲ مع فتح الباری ص ۶۲۷ میں ہے:

فتشهد وابوبكر صامت لا يتكلم قال كنت ارجوان يعيش رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يدبرنا يريد بذالك ان يكون اخرهم فان يك محمد صلى الله عليه وسلم قدمات فان الله قد جعل بين اظهركم نورا تهتدون به هدى الله محمدا صلى الله عليه وسلم وان ابا بكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وثانى اثنين وانه اولى المسلمين بامور كم فقوموا فبايعوه يعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر خطبہ پڑھا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے کلام نہ کرتے تھے (خطبہ میں) فرمایا: "میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد وفات پائیں گے تو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی پس اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے درمیان نور رکھ دیا ہے جس سے تم ہدایت پاتے ہو وہ نور دیا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور رفیق غار ہیں اور وہ مسلمانوں میں تم لوگوں کے کاموں کو انجام دینے کے لیے سب سے زیادہ اولیٰ ہیں پس کھڑے ہو اور ان سے بیعت کرو۔

دیکھا ادنیٰ اشتباہ انکار وفات میں درجۂ عبدیت سے بڑھنے مرتبۂ الوہیت میں پہنچنے کے اندیشہ سے اگرچہ وہ انکار جوش واضطرار فراق وجدائی کے باعث تھا تاہم بشکلۂ فساد شرک کے عبادت کنندۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرار دیا گیا کہ یہ شان الوہیت حق تعالیٰ حی لایموت کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی ورنہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کون متنفس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ عبادت کرتا تھا۔

مشکوٰۃ ص ۱۷۰ و ۱۷۹، حضور صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھتے تھے

اور صحابہؓ کو بھی روزہ رکھنے کا امر بھی فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں اور ہمیں ان کی مخالفت کرنی چاہیے آپؐ نے فرمایا اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کو بھی ضرور روزہ رکھوں گا۔ مگر اگلے سال تک آپؐ زندہ نہ رہے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو وفات پائی۔

نیلوی کہتا ہے یہاں یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ موت و حیات پر صرف خدا کو اختیار ہے شیعوں کا مسلک غلط ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضورؐ اور صحابہؓ عالم الغیب نہ تھے، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دنیوی زندگی آپؐ کی ختم ہوگئی۔

مؤرخین اسلام کا تحقیقی بیان

اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق سنہ ۴۰ نوشیروانی و یکم جیٹھ سنہ ۶۲۸ بکرمی شمسی و ۲۰ نیساں سنہ ۸۸۲ سکندری و ۸ ارتوت سنہ ۱۳۱۹ بخت نصری و یکم جیٹھ سنہ ۳۶۷۲ کل جگ و ۱۹ اپریل سنہ ۵۲۷۴ جولین پیریڈ و ۱۰ ایاز سنہ ۴۳۳۱ عبرانی و یہودی و ۱۰ ازیشنس سنہ ۳۶۷۵ و ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ عیسوی و ۲۵ برمودہ سنہ ۲۸۷ قبطی جدید و ۲۰ ماہ ہفتم سنہ ۲۵۸۵ ابراہیمی بروز دوشنبہ ہوئی پھر ۴۰ سال عمر تھی تو نبوت ملی۔ ایام تبلیغ رسالت ۸۱۵۶ روز اور کل عمر ۶۳ سال یعنی ۲۳۰۳۰ دن اور چھ گھنٹے ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر آپ دار دنیا کو ترک فرما کر رفیق اعلیٰ میں جا ملے آپؐ کا جسد اطہر مطہر معطر بامراد حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقہ بنت صدیقؓ حبیبہ حبیب اللہ المبراۃ من السماء افقہ الناس اعلم الناس، احسن الناس رأیا فی العامہ کے حجرہ مبارکہ میں رونق افروز ہے۔ یہ روایت صریحہ امام احمد بن حنبل رح آپؐ کے جسد اطہر سے آپؐ کی روح مبارک نکل کر رفیق اعلیٰ میں جا ملی،

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میت کی حالت میں دیکھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کو بوسہ دیا تھا اسی سنت کو زندہ کرتے ہوئے حضرت امام خلیفہ بلا فصل احق الناس

ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امام الانبیاء خاتم الانبیاء کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا،
جیسے مشکوٰۃ ص ۵۴۷ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ان ابا بکر
قبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو میت یعنی امام ابوبکر صدیق رض نے
بوسہ دیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کہ ان کی وفات ہو چکی تھی۔

امام ابوبکرؓ و امام علی رضی اللہ عنہما نے آپؐ کے بارے میں فرمایا بعد از وفات
طبت حیا و میتا یعنی آپؐ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی
پاکیزہ ہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بخاری ص ۵۱۷)
پھر نہیں فرمایا دفن کے بعد آپ زندہ ہو جائیں گے۔

پھر خلافت کے لیے سب صحابہ کرام رض نے باہم مشورہ کیا اور مشورہ میں سب
صحابہ کرام رض کا اتفاق و اجماع اس بات پر ہو گیا کہ بعد از وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم اعلم الناس فینا الاقدم فی الایمان والہجرۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فی الغار، ابوبکر صدیقؓ ہی خلیفہ رہے اس کے موجود ہوتے ہوئے اور کسی کو خلافت
کا حق نہیں پہنچتا، حضرت امام علیؓ نے بھی بلا تردد و بلا تامل بیعت کر لی کیونکہ فرماتے تھے
کہ نماز جو عماد دین ہے اس کے امام جب حضرت ابوبکر صدیق ہیں تو دوسرے امور کے
تو بطریق اولیٰ ہمارے امام ہیں اور شرح معانی الآثار للامام الطحاوی ج ۱ ص ۲۳۵
میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض حضرت عباسؓ حضرت عمر رضی اللہ
عنہم کو گھر بلا کر فرمایا کہ اب امام ابوبکر رض ہیں اب یہ نماز پڑھایا کریں گے پھر سب نے
ان کی امامت و خلافت پر اجماع کر لیا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں اجماع حجت نہ تھی جیسے توضیح
طبع مصر ج ۲ ص ۱۰۳ میں ہے لعدم الاجماع فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپؐ کی وفات کے بعد اجماع امت محمدیہ قرآن شریف کی طرح حجت قطعیہ بن گئی
تو جیسے قرآن شریف کا منکر کافر ہے ایسے ہی اجماع امت محمدیہ علی صاحبہا الف
صلوٰۃ و تحیۃ کا منکر بھی کافر ہے تو اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

پاک امتِ محمدیہ کے لیے باعثِ رحمت بن گئی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کہ میری زندگی (میرا جینا) بھی تمہارے حق میں بہتر ہے اور میرا مرنا بھی تمہارے حق میں
بہتر ہے۔ اور آپ کی دنیوی زندگی میں دلائل شرع کے تین تھے (۱) کتاب اللہ،
(۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) قیاس مجتہد، جیسے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ
بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنے کے وقت پوچھا تھا کہ کس دلیل سے
فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضہ نے عرض کی کتاب اللہ سے، پھر پوچھا اگر کتاب اللہ
سے تمہیں مسئلہ نہ مل سکے تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کی سنت رسول اللہ ﷺ سے پھر پوچھا
اگر سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی تمہیں مسئلہ نہ مل سکے تو پھر؟ عرض کی پھر اجتہاد سے کام
لوں گا تو آپ ﷺ نے تصویب فرمائی اور خدا کا شکر بجا لائے اور فرمایا الحمد للہ الذی وفق
رسولَ رسولِ اللہ علی ما یحب ویرضیٰ۔

جب حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو کسی وقت کسی نے
آپ کو "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر آواز دی تو آپ نے فرمایا انا خلیفۃ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم وانا بذٰلک راضٍ (انساب بلاذری ص ۵۲۹) میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں
بلکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں صرف خلیفۂ رسول اللہ ہی
کہلانے پر رضامند ہوں اور خلیفۃ اللہ کہلانے پر ناراض ہوں۔

اب سوال ہوتا ہے کہ خلیفۃ الرسول ﷺ کہلانے پر خوش اور خلیفۃ اللہ کہلانے پر
ناخوش کیوں ہوتے ہیں؟

اس کی وجہ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے قرۃ العینین
ص ۱۰۸ حاشیہ ۱ اور ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۴۸ میں بیان فرمائی ہے کہ "خلیفہ
بعد موت کسے باشد، وخدا زندہ است" یعنی خلیفۃ اللہ کہنا اس واسطے غلط ہے کہ
خلیفہ تو کسی کے وفات پا جانے کے بعد ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ازل ابد میں زندہ
نہ مرنے والا ہے، دائم البقاء ہے حیات تو اس کی اپنی ذاتی صفت قدیمہ ہے کسی سے مستعار
نہیں اسلیے کسی کو خلیفۃ اللہ کہنا ٹھیک نہیں ہے البتہ خلیفۃ الرسول کہنا اس لیے جائز

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ دنیا سے وفات پا چکے ہیں۔

حضورؐ کے وفات پانے کے بعد آپؐ سے دائمی فراق ہو جانے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رو دیتے۔

اور آپ کی وفات پر صحابہ کرام رضؓ نے مرثیے پڑھے مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ جن کے مراثی لسان العرب ص ۲۵۶ و نہایہ ابن اثیر ص ۲۵۷ تا ۲۵۹ وغیرہ ابن ہشام میں ص ۲۶۴ و ۲۷۱ میں لکھے ہیں اور قصیدہ سواد بن قاربؓ و قصیدہ فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، العقد الفرید اور حسن الصحابہ فی اشعار الصحابہؓ میں درج ہیں۔ اور یہ آپؐ کی وفات امت کے حق میں سانحۂ عظیمہ تھا کہ تمام دنیا کے مصائب یکجا جمع کیے جائیں تو سب اس ایک مصیبت کے سامنے ہیچ ہیں اور وہ قصائد و مراثی کتاب کے آخر میں بطورِ ضمیمہ ملحق کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب آپ دنیا میں تشریف فرما تھے تو صحابہؓ کرام آپ سے پوچھے بغیر اپنے آپ سے کوئی عمل نہ کرتے تھے خواہ کتنی ہی شرم کی بات ہو مثلاً عزل کا مسئلہ صحابہؓ فرماتے ہیں ونعزل؟ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اظہرنا قبل ان تسأله (بخاری ص ۳ ۵۹) حضورؐ بھی ہم میں ہوں اور پھر بھی ان سے پوچھے بغیر بھلا ہم عزل کر سکتے ہیں؟ مگر جب آپؐ وفات پا چکے ہیں اب جس طرح دوسرے اموات کو غسل دیا جاتا ہے (شہداء کو مستثنیٰ کر کے) ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگتے ہیں۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ آپ کو غسل دینے کے لیے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے اب بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں حضرت امام ابوبکرؓ کے بتانے پر عمل کیا پھر جس طرح دوسرے اموات کو تین کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے آپ کو بھی تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ پھر جس طرح دیگر اموات پر چار تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح آپؐ کی نماز جنازہ بھی چار تکبیروں کے ساتھ ۳۰ ہزار صحابہ رضؓ نے فرداً فرداً پڑھی کیونکہ جمعہ و عیدین میں تو جماعت شرط ہے مگر نماز جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں اور پہلی تکبیر کے بعد ثنا ہوتی ہے

اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے اور چونکہ آپؐ کی ذات پاک معصوم ہے اور آپؐ اپنی دنیوی حیات میں فرماتے بھی تھے کہ انما انا لکم فرط اور انا لکم شافع و مشفع تو صحابہ کرامؓ نے تیسری تکبیر کے بعد ویسی دعا مانگی ہو گی جو ایک معصوم کے جنازہ میں مانگی جاتی ہے یا اس کے لگ بھگ جو ان کے صاف پاک دلوں میں اللہ تعالیٰ نے الہام و القا کیا وہ دعا مانگی ہو گی۔ اور چوتھی تکبیر کے بعد تو سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ بہرحال آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی تفصیل کے لیے دیکھیں تلخیص، مستدرک ص ۳۸۵ و ۳۸۶ و صغیری ص ۲۹۰، الکفایہ فی علم الروایہ صـ ۴۴۳/۱ تاریخ طبری صـ ۲۰۵/۳، عنایہ شرح ہدایہ صـ ۴۵۸/۱، دمؤطا مالک صـ ۲۱۲، مجمع الزوائد صـ ۱۷/۵، سنن کبریٰ صـ ۳۹۵/۳ ابن ماجہ صـ ۱۱۸، ترمذی صـ ۱۲۱/۱، طبقات ابن سعد صـ ۶۹ و ۷۰/۲، وکبیری صـ ۵۴۱، و فتح القدیر صـ ۴۶۰/۱ و نہایہ بر ہدایہ صـ ۱۰۱ و ۱۰۲/۱ و شامی صـ ۶۵۱/۱، بدائع صنائع صـ ۳۱۳/۱ و مبسوط سرخسی صـ ۶۷/۲ و انساب الاشراف بلاذری صـ ۵۶۴/۲ و سیرت حلبیہ صـ ۳۹۴/۳ والبدایہ والنہایہ ابن کثیر صـ ۲۶۵/۵، و دو تعلیق صـ ۱۹، شمائل ترمذی صـ ۲۸ اور کنز العمال صـ ۱۴۰/۴ میں ان ابا بکر لم یشھد دفن النبیؐ وکان فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا ان اخبار صحاح متواترہ کے معارض ہے اور سنداً منقطع و متناً منکر ہے ہشام بن عروہ اواخر عہد عمر میں پیدا ہوا۔

پھر آپؐ کی قبر کہاں بنائی جائے مختلف رائیں تھیں مگر کسی نے آپؐ سے دریافت کیا ہی نہیں، ہاں امام ابوبکرؓ کی حدیث بتانے پر وہی جگہ قبر کے لیے معین ہوئی جہاں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر سوال لحد اور شق کا اٹھا تب بھی آپؐ سے دریافت نہیں کیا گیا بلکہ مشورہ میں یہ طے پایا کہ لحد والا پہلے پہنچ گیا تو لحد بنائیں گے ورنہ شق، لحد والا پہلے پہنچ گیا، لحد بنائی گئی، پھر آپ کو قبر میں اتارا گیا۔ اس وقت صحابہؓ کے دلوں کی کیا کیفیت ہو گی؟ یہ کون بتا سکتا ہے پھر جیسے دیگر اموات کو مٹی دی جاتی ہے آپؐ آفتاب نبوت کو بھی مٹی کے نیچے چھپا دیا اور قبر کو دوسری قبروں کی طرح کچی اور کوہان کی شکل پر صرف ایک بالشت بلند بنایا گیا، فرق صرف اتنا ہے کہ دوسرے لوگوں کی قبروں کو مکان کے اندر بنانا ممنوع ہے اور مکان کے اندر قبر بنانا بہ صرف انبیاء کرام

علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور جو لوگ اولیاء اللہ کی قبور پر قبّے بناتے ہیں وہ اس خصوصیت انبیاء میں اولیاء اللہ کو شریک بناتے ہیں بلکہ اولیاء اللہ کی قبریں پاشت سے اونچی اور پختہ اور چونہ گچ بنا کر شرک فی النبوت اور توہینِ انبیاء کے مرتکب ہوتے ہیں اور فرمان نبوی کی مخالفت کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اولیاء اللہ کی شان بلند کر دیتے ہیں، اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد آپ کو اپنی اسی جگہ بر حال رکھا گیا اب بھی آپ اُسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ کو رکھا گیا تھا، یعنی جس وقت صحابہ کرام رضی نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے آپ کے معصوم جسد اطہر کو قبر مبارک میں رکھا تھا اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک نہ تھی اور جسدِ اطہر ہر قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ اور پاک تھا اور اب بھی اسی طرح آپ کے جسدِ اطہر کی حالت ہے جیسے صاحب ہدایہ نے فرمایا وھو الیوم کما وضع یعنی آپ کا جسدِ اطہر آج بھی اسی حالت میں ہے جس حالت میں آپ کے جسدِ اطہر کو صحابہؓ نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے رکھا تھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ طاہرہ مطہرہ معطرہ کو زمین نہیں کھا سکتی۔

پھر امہات المومنین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے حداد کیا چار ماہ دس دن کے لیے عدت گزاری جیسے مسلم شریف سے اور قاضی عیاض و نووی کے کلام $\frac{148}{1}$ سے معلوم ہوتا ہے اور امام ابن قیم نے قصیدہ نونیہ میں اس کی تصریح فرمائی، پھر عدت گزرنے پر حداد ختم کر دیا۔ کرمانی نے بواسطہ کے سفیان بن عیینہؒ سے روایت کی ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح اس لیے منع ہے کہ وہ زندگی میں معتدۃ الوفاۃ کے حکم میں تھیں۔

پھر آپ کی وفات و دفن کے بعد صحابہؓ کی قلبی کیفیت پر اثر پڑ گیا جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حالات بدلتے گئے، وحی کا دروازہ بند، کتاب الٰہی کا نزول بند، مسائل میں اختلاف ہوتے صحابہؓ اجتہاد سے قرآن و سنت سے استنباطِ مسائل کرتے کئی مسائل میں سب کا اتفاق رائے ہو جاتا اور کئی مسائل میں اختلاف قائم رہتا، بعض حالات میں

لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ نبی پاک ﷺ کو حکم تھا اپنے سے ادنیٰ ہم جلیسوں سے مشورہ لینے کا تو اب اس کٹھن کام میں ہم بھی آنحضرت ﷺ سے مشورہ لے لیں بلکہ ہم پر فرض ہے کہ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول

پھر یہ اختلاف مرور زمانہ کے بعد عقائد کے اختلاف تک جا پہنچ گیا جیسے شرح عقاید جلالیہ ص۱۹ میں ہے قال الآمدی ان المسلمین عند وفاۃ النبی ﷺ کانوا علی عقیدۃ واحدۃ الامن کان یبطن النفاق و یظہر الوفاق فما وقع الاختلاف المراد وھو الافتراق فی العقائد فی حیاتہ ثم بعد الوفاۃ ظہر الاختلاف ...

وکیف یمکن افتراق العقائد فی حیاتہ ﷺ فانہ یمکن الرجوع الی المبلغ وکشف الشبہۃ عنہ یعنی منافق کے علاوہ سب مسلمانوں کا ایک ہی عقیدہ تھا آپ ﷺ کی زندگی میں عقائد کا اختلاف ناممکن بھی تھا کیونکہ جہاں شبہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اپنا شبہ رفع کرا لیتے تھے لیکن اب وفاۃ النبی ﷺ کے بعد یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ ﷺ کے پاس جاکر اپنا شبہ رفع کرالیں تاکہ اختلاف نہ رہے۔

جیسے اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۷ میں ہے وکان المسلمون اذا رجعوا من سفر بدؤا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلموا علیہ ثم انصرفوا الی رحالھم

نیز صحابہؓ جب مسجد نبوی ﷺ میں آتے تو جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کو ملتے اور السلام علیکم کہتے تھے وفات کے بعد نمازیوں کا یہ دستور نہیں تھا کہ جو نمازی مسجد نبوی ﷺ میں آئے وہ قبر نبی ﷺ پر بھی سلامی دے، ہاں جیسے تمام دنیا کی مساجد میں سنت طریقہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا کہے السلام علیٰ رسول اللہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور مسجد سے نکلنے والا کہے السلام علیٰ رسول اللہ اللھم انی اسئلک من فضلک (مشکوٰۃ ص ۶۹) اسی طرح مسجد نبوی ﷺ کے نمازیوں کا یہی حال تھا مگر یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ صحابہؓ نماز سے پہلے یا پیچھے قبر النبی ﷺ پر جاکر سلام کہتے تھے خاص کر جب ام المومنین کی رہائش گاہ بھی تھی، البتہ مرنے والے سے کہہ دیتے تھے کہ میرا سلام نبی ﷺ سے عرض کر دینا۔

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم جب باہر مہموں میں جاتے تھے تو کہیں سے یہ منقول نہیں کہ حضورؐ کی قبر اطہر پر جا کر سلام کر کے اجازت مانگتے ہوں اور درخواست کرتے ہوں کہ یا حضرتؐ! ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے اور اللہ تو ہماری نیتوں میں اخلاص پیدا فرمائے اور ہمارے عمل کو قبول فرمائے۔ (من ادنی تعلیم البیان)

جب حضرت عبداللہ بن زبیر و محمد بن ابی بکر و عبدالرحمٰن بن ابی بکر و قاسم بن محمد وغیرہ آپ کے بھائی بھتیجے اور بھانجے وغیرہ آپ کی خدمت اقدس میں مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو اندر حجرہ شریفہ میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا مسئلہ دریافت کر لیتے تھے اور حضورؐ سے براہ راست کوئی مسئلہ نہیں پوچھا کرتے تھے نہ ہی حضرت ام المومنینؓ نے کبھی ان سے کہا کہ آپ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں، حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عادت مبارکہ یہ تھی (جیسے سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ) کوئی شخص روایت ان سے دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہو سکیں اور سند عالی ہو سکے بہتر ہے اس سے آگے دو مثالیں بھی دیں (سیرت عائشہؓ ص ۱۹۲)

جب آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی تو براہ راست آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے دریافت کرا دینا تو کوئی بعید امر نہ تھا مگر یہ بات فرض تو کی جا سکتی ہے مگر اس کا وقوع اور ثبوت تمام ذخیرۂ احادیث بکھیر کر دیکھنے سے نہیں ملتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک بقید حیات رہے وحی کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ تیسرے پارہ کی آیت واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ آپؐ کی وفات سے سات دن پہلے اتری تھی اور آپؐ کی وفات کے بعد کوئی آیت نہیں اتری، قرآن پاک مکمل ہو گیا وحی بند ہو گئی اب نہ تو قرآن پاک میں تغیر تبدل ہو سکتا ہے نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس میں سے کوئی آیت منسوخ ہو سکتی ہے اور نہ اس کی مراد بدلی جا سکتی ہے۔ اب اس کی تمام آیات محکم غیر محتمل النسخ ہیں، جیسے مرزا کاماں نے جہاد کی آیت کو منسوخ قرار دیا حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی آیت کو صراحت کے ساتھ محکم فرمایا

فاذا انزلت سورة محكمة و ذكر فيها القتال الآية اور جو آیات قرآنیہ متشابہات کے قبیل سے ہیں جن کی مراد وضاحت طلب تھی اور جب حضور بقید حیات تھے صحابہؓ نے ان کا مطلب آپ سے دریافت کیا آپ نے صاف صاف بتا یا کچھ چھپایا نہیں تھا اور اس کی مثالیں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں۔ قال تعالیٰ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نیز فرمایا وما هو على الغيب بضنين۔

اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جو متشابہات کے قبیل سے ہیں اور آپ نے ان کی تشریح نہیں فرمائی تو ان پر اور ان کی حقیقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے ان کی مراد قیامت ہی کو منکشف ہو سکتی ہے ان پر عمل کرنے کی یہی صورت ہے کہ ان کو بغیر مراد سمجھنے کے بدل و جان حق سمجھیں کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ آیات ہیں اور بس، اور یہ ہو سکتا نہیں کہ جیسے وفاۃ النبیؐ سے پہلے آپ سے متشابہات کا مطلب حل کرا لیتے تھے اب وفاۃ النبی کے بعد آپ کی قبر اطہر پر بیٹھ کر آپ سے مطلب حل کرائیں جیسے آج کل کئی مدعیان الحاد کھڑے ہوئے ہیں کہ ہم آپ سے براہ راست تمہاری ملاقات کرا دیتے ہیں، ہم تمہارا ہاتھ ذا ئرکٹ حضورؐ کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور ہم نے اپنے کئی عقدے اور لاینحل مسئلے حضورؐ سے براہ راست حل کرائے ہیں۔

دراصل یہ لوگ عوام کے سامنے اس انداز سے تعلّی کرتے ہیں اور شیخی مارتے ہیں جس سے اکابر سلف صالحین، مجتہدین، خیر القرون، صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین، اہلبیت کی توہین کرتے ہیں اور توہین کراتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ براہ راست آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ سے فیض حاصل کرنے سے محروم رہے اور ہم خوش قسمت اور یا نصیب ہیں جو براہ راست خود تو فیض لینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے ہم تو دوسروں کو حضورؐ کی خدمت اقدس میں پیش کر کے فیضیاب کرا دیتے ہیں، نیز کشف کے متعلق کون کہتا ہے کہ اختیار میں نہیں ہے ہم دعویٰ کرتے ہیں مجال ہے کہ کشف نہ ہو، منکرین نہ مانیں، ہمارے پاس آئیں ہم ان کو دن میں تارے دکھا دیں گے، کیا کہنے؟

آپؐ جب بقید حیات تھے تو آپ کا اسم گرامی (محمدؐ) مع کنیت کے ایک

آدمی پر بھی بول نہیں سکتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد "ابوالقاسم محمد" ایک آدمی پر بول سکتے ہیں جیسے امام رابع حضرت علی رضہ نے اپنے صاحبزادے کا نام جو بنو حنیفہ کے خاندان میں سے بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے "ابوالقاسم محمد" نام رکھا (مشکوٰۃ ص۴۰۸ ج۲)

آپ جب بقید حیات تھے تو جو مومن آپ کے معصوم جسد اطہر مطہر و معطر کو ایک بار دیکھ لیتا وہ صحابی بن جاتا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد جو مومن آپ کے جسد اطہر و مطہر کو جتنی بار دیکھتا رہے وہ کسی طرح صحابی نہیں بن سکتا۔

آپ جب بقید حیات تھے اور قحط پڑ جاتا تو لوگ آپ کے پاس آکر دعا کرتے اور آنحضرتؐ سے بھی درخواست کرتے کہ آپ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے اور قحط دور فرمائے آپ بھی دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ بارش برساتا اور قحط ہٹاتا، اگر بارش تھمنے میں نہ آتی تب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے دعا کی درخواست کرتے آپ دعا فرماتے اللہ تعالیٰ بارش روک دیتا جس کی ماں مشرکہ ہوتی آپ سے اس کی ہدایت کی دعا کرنے کو کہتے آپ دعا فرماتے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا مشرکہ ماں اسلام قبول کر لیتی، سبق یاد نہ ہوتا، حضورؐ سے درخواست کی آپ نے دعا فرمائی قبول ہوئی پھر کبھی نہ بھولتا، سواری پر صحیح بیٹھ نہ سکتا، حضورؐ سے درخواست کی آپ نے درخواست کرنے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی، قبول ہوئی پھر سواری پر سے کبھی نہ گرتا، قرضہ بہت ہوتا، قرض خواہ جان نہ چھوڑتے حضورؐ سے درخواست کی آپ دعا کرتے اللہ تعالیٰ مال میں وہ برکت کرتا کہ سب قرض ختم ہو جاتا، غزوہ تبوک میں اصحابؓ کو بھوک لگی حضرت عمر رضہ نے آنحضرتؐ سے برکت کی دعا کی درخواست کی، حضرتؐ نے سب کے بچے ہوئے ٹکڑے منگوا کر جمع کر کے دعا کی قبول ہوئی سب نے سیر ہو کر کھایا، بچ بھی گیا، حضرت ابوہریرہؓ نے کچھ کھجوریں لے کر حضورؐ سے درخواست کی کہ ان میں برکت کی دعا فرمائیں آپؐ نے ان کو جوڑ کر برکت کی دعا کی فرمایا جا کر توشہ دان میں رکھ دے آپؓ نے ایسا ہی کیا پس توشہ دان میں ہاتھ ڈالا، کھجوریں نکال

کر کھا لیتے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن تک یہی عمل رہا، اس دن توشہ دان ٹوٹ گیا وہ برکت بھی ختم ہو گئی۔ اب حضرت ابوہریرہؓ قبر النبیؐ پر نہیں گئے جو جا کر عرض کرتے یا حضرت! وہ توشہ دان ٹوٹ گیا اب پھر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میرے مال میں برکت ہو اور کسی ایک صحابیؓ نے آپؐ کی قبر پر جا کر کسی قسم کی دعا کی درخواست نہیں کی، بارہا قحط بھی ملک میں پڑے مگر کسی ایک صحابیؓ نے بھی آپؐ کی قبر پر جا کر دعا کی درخواست نہیں کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ بارش برسے اور قحط دور ہو، اور بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ لوگ بہتان لگاتے ہیں جس کا جواب قیامت کو دیں گے۔

بہرحال صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، خیر القرون، سلف صالحینؒ وائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک کا بھی معمول نہ تھا کہ قبر النبیؐ پر جا کر حضورؐ سے درخواست کرتے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے واسطے سفارش فرمائیں یا ہماری بخشش کی دعا فرمائیں یا ہمارے مال و جان کی برکت کی دعا فرمائیں یا یہ دعا فرمائیں کہ ہمیں ایمان کی پختگی اور استقامت نصیب ہو اور ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔

آپؐ جب بقید حیات تھے تو آپ سوائے چند خصوصیات کے امت کی طرح تمام اوامر و نواہی کے پابند تھے بلکہ بعض امور میں بہ نسبت امت کے آپؐ پر پابندیاں زیادہ تھیں جیسے نماز تہجد کا آپؐ پر فرض ہونا، وتر و اضحیہ کا آپ پر فرض ہونا، اب جب آپ وفات پا چکے تو اب آپؐ پر وہ پابندیاں نہیں ہیں، تبلیغ دین، جہاد آپؐ پر بہت اہم فریضہ تھا جس میں ذرا سی کوتاہی بھی باور نہیں کی جا سکتی تھی جیسے فرمایا یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اے رسولؐ! جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپؐ لوگوں کو سب پہنچا دیجئے اور اگر بفرض محال آپ ایسا نہ کریں گے تو ایسا سمجھا جائے گا جیسے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا کیونکہ یہ مجموعہ فرض ہے تو جیسا کل کے اخفاء سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفاء سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے۔ (تھانویؒ)

مگر اب وفات کے بعد آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے اب آپ دنیوی زندگی سے بے نیاز ہو کر برزخی حیات کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ملاءِ اعلیٰ کی رفاقت میں خوش و خرم تشریف فرما ہیں اور لقاءِ الٰہی اور دیدارِ الٰہی میں ہر وقت محظوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے معصوم جسد اطہر مطہر معطر کو جس میں روح مبارک آنحضرت کی کارفرما تھی اس طرح اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھ رکھا ہے کہ اس میں بال برابر بھی تغیر رونما (وقوع پذیر) نہیں ہوا جس طرح قرآن ایک صفت معظمہ الٰہیہ ہے مگر جن اوراق پر نقوش مرتسم ہیں وہ بھی محترم ہیں ان کو بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے اسی طرح زمین پر حرام ہے کہ آپ کے جسد اطہر کو لقمہ بنائے جیسے مچھلی کو حکم تھا کہ یونس کی ذات کو امانت کے طور پر اپنے پیٹ میں محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو کچھ تکلیف نہ پہنچائے آپ کا مکان بہت بڑا عالی شان ہے آپ کے کھانے پینے کا وہاں بہترین انتظام ہے جتنا اور کسی پیغمبر کا بھی نہیں (مشکوٰۃ ص ۳۹۶)

جب آپ بقید حیات تھے جہاد میں مال غنیمت میں سے خدا کی طرف سے مخصوص حصہ آپ کے لیے ہوتا تھا جس کا نام صفی ہوتا تھا آپ کی وفات کے بعد وہ حصہ موقوف ہو گیا (کتب فقہ حنفیہ)

آپ جب بقید حیات تھے تو آپ سے مسائل حل کرائے جاتے تھے مگر وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مسائل حل کروانے لگے۔ بلکہ جب ایک عورت مسئلہ پوچھ کر جانے لگی تو پوچھا کہ اگر پھر کوئی مسئلہ پوچھنا پڑ جائے پھر میں آؤں اور آپ کو (زندہ) نہ پاؤں تو پھر میں مسئلہ کس سے پوچھوں؟ تو آپ نے فرمایا پھر ابوبکر رض کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لیے آجانا (مشکوٰۃ ص ۵۵۵) یوں نہیں فرمایا کہ میری قبر کے پاس آ کر مجھ سے پوچھ لینا۔ تو میں تیرا سوال سن کر جواب دے دوں گا کیونکہ خدا کا حکم فردوہ الی اللہ والرسول عام ہے وفات سے پہلے بھی اور وفات کے بعد بھی۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رض نے میراث کا مطالبہ کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ بھلا خلیفہ ابوبکر کیا جواب دیتے ہیں؟ تو حضرت خلیفہ بلا فصل اعلم الناس بعد الانبیاء امام اعظم

ابوبکر الصدیق رضؓ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں فرما گئے ہیں :
نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ انبیاء کا ورثہ بٹا نہیں کرتا جو رہ جائے وہ صدقہ ہے جواب سن کر صحابہ کرام میں سے کسی نے کچھ اعتراض نہیں کیا اور نہ حضرت بتول رضؓ نے بلکہ سب نے سچی بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی اگر امام ابوبکر رضؓ کی بات میں سرِمو حق سے تفاوت ہوتا تو صحابہؓ خموش رہنے والے نہ تھے ضرور آپ کو غلط بات پر ٹوک دیتے تو امام ابوبکرؓ کے اس فرمان سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو آپ کو نبیؐ کی وفات مسلّم ہے ورنہ آپ یہ جواب دیتے کہ تم وراثت کا سوال کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وراثت تو اس کی ہوتی ہے جو مر جائے اور حضورؐ پاک زندہ ہیں، دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا ورثہ نہیں بٹتا۔ اسی طرح حضرت بتول کا سوالِ وراثت خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آبا جان وفات پا چکے ہیں، ورنہ وراثت کے سوال کے کیا معنی؟ اسی طرح تمام صحابہ رضؓ کا سکوت بھی اسی بات کی دلیل ہے۔

نیز ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضؓ کو ابوبکر رضؓ کے پاس اپنا ثمن ⅛ مانگنے کے لیے بھیجیں ان کے ذہن سے اس سانحہ عظیمہ کی وجہ سے مسئلہ ذہول ہو چکا تھا سب جمع ہو کر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس آئیں آپؓ نے فرمایا تمہیں وہ حدیث بھول گئی ہے جو حضورؐ نے فرمایا تھا نحن معاشر الانبیاء لا نورث سنتے ہی آپ کو وہ حدیث بھولی ہوئی یاد آ گئی لہٰس فوراً اعتراف کیا اور مطالبہ چھوڑ دیا۔ ان سب کے مطالبہ سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کو نبی پاکؐ کی وفات مسلّم ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا جواب بھی اسی پر دال ہے جیسے ان کے آبا جان کا۔

کُل مَا مَضٰی کا ماحصل درج ذیل ہے

آپؐ پر میّت کا اطلاق کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ (بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و ۷۴۵ و ۷۷۶ و ۸۱۱ و ۸۱۵
۸۷۶ و ۹۵۶ و ۹۲۱ و ۹۵۵ و ۱۰۷۲ وبخاری ج ۱ ص ۹۳، ۹۴-

۲ حضرت ابی بن کعبؓ، ابن ماجہ ص ۱۱۹

۳ حضرت ابو الدرداءؓ (ابن ماجہ ۱۱۹

۴ حضرت ابوسعید خدری رضؓ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲ و مسند دارمی ص ۲۱

۵ حضرت ابوجحیفہ رضؓ (بخاری ج ۱ ص ۵۰۱

۶ حضرت ابو بردہ رضؓ (بخاری ص ۴۳۸ و ۸۶۵

۷ حضرت ابوذر غفاری رضؓ (بخاری ج ۲ ص ۹۳۶ و ۱۱۰۰

۸ حضرت انس بن نضر رضؓ (بغوی ج ۲ ص ۲۵۵

۹ حضرت ابو ہریرہؓ (بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ و ۸۰۹ و ۸۱۵ و ۹۹۶ و ۱۰۲۳ و
۱۰۸۱ و ۸۸ ا و ۱۰۷۳ وبخاری ج ۱ ص ۳۴۶ و ۳۹۳ و ۴۲۷ و ۷۱۴
۴۹۱ و ۸۸۱ و ۷۳۴

۱۰ حضرت ابوبکر رضؓ (بخاری فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ و ۱۲۰ و احکام القرآن ص ۵۸۶ جصاص

۱۱ حضرت اسید بن حضیر رضؓ (بخاری ص ۵۳۵ و ۱۰۴۶

۱۲ حضرت ابن عباس رضؓ (بخاری ص ۵۰۱)

۱۳ حضرت عائشہ رضؓ (بخاری ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۴۱ و ۹۳۹ و ۹۶۴ و ۶۳۹ و
۸۵۴ و ۸۵۶ و ۸۶۰ و ۷۸۵ و ۸۲۳ و ۸۱۱ و ۸۱۸ و ۸۴۷ و ۸۵۱
و ۸۶۵ و ۹۳۰ و ۹۵۵ و ۹۶۴ و ۹۸۹ و ۹۹۵ و ۵۷۶ و ۹۹۶ و ۱۸۶
و ۱۰۸۹ و ۱۰۹۰ و ۸۳ و ۹۱ و ۹۸ و ۱۶۶ و ۱۷۷ و ۱۸۶ و ۲۶۹ و ۲۷۱

و ۹۰۴ و ۳۵۴ و ۵۲۶ و ۳۷۴ و ۳۸۴ و ۹۳ و ۱۲۰ و ۹۱۴ و ۵۰۱ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۲ و ابو داؤد ۲۸۹، مشکوٰۃ ۲۷۹ و مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۸

۱۴ حضرت ام سلمہ رضہ (ابن ماجہ ص ۱۱۸ و ۱۱۹ و مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۸)

۱۵ حضرت عمر رضہ (مسند دارمی ص ۲۹)

۱۶ عمرو بن الحارث ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص ۳۸۲ و ۳۴۷ و ۴۰۸

۱۷ حضرت حذیفہ رضہ (بخاری ص ۱۱۰۰ و ۹۴۴ و ۹۳۶)

۱۸ جبیر بن مطعم رضہ (بخاری ص ۵۱۶ و ۱۰۴۲ و ۱۰۹۴ و ترمذی ص ۴۱

۱۹ حضرت جندب رضہ (مسند ابی عوانہ ج ۲ ص ۱۰۴)

۲۰ حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار رضہ (بخاری ص ۵۸۳

۲۱ حضرت سھل بن سعد رضہ (بخاری ص ۸۱۵

۲۲ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضہ تنویر المقباس تحت آیت لا تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ

۲۳ حضرت فاطمہ رضہ (بخاری ص ۴۸۷)

۲۴ حضرت حفصہ رضہ (موطا امام مالک ص ۸۴ و مسند ابی عوانہ ص ۲۱۹ ج ۲ و ازواج تسعہ مطہرات۔

۲۵ حضرت ام ایمن رضہ (دارمی ص ۲۲۳)

۲۶ ام الفضل بنت الحارث رضہ (بخاری ص ۶۳۷ و ترمذی ص ۴۱

۲۷ حضرت ابن عمر رضہ (ترمذی ص ۴۱ و بخاری ص ۳۰۵ و ۵۲۱ و ۹۷۷ و ۹۳۲ و ابن ماجہ ص ۱۱۹)

۲۸ حضرت ابو ایوب " ")

۲۹ حضرت زید بن ثابت رضہ " " و غنیم بن قیس و ابو الطفیل

۳۰ حضرت سنابحی عن راکب دفنا رسول اللہ منذ خمس (بخاری ص ۶۴۲

۳۱ حضرت قیس بن جریر عن راکب قبض رسول اللہ م واستخلف ابوبکر والناس صالحون (بخاری ص ۶۲۵)

۳۲ حضرت جابر بن عبداللہ رضہ (بخاری ص ۴۳۵ و ۳۴۶ و ۳۰۷ و ۴۸۴ و ۶۲۹)

۳۳ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ (بخاری ص ۲۸۵ و ابن ماجہ ص ۶)

۳۴ حضرت مالک بن اوس بن الحدثان و عثمان رضہ و عبدالرحمان بن عوف والزبیر و سعد

وعلی وعباس (بخاری ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۵۷۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۹۹۶ و ۱۰۸۶)

۳۵ حضرت عرباض بن ساریہ (ابن ماجہ ص ۵)

۳۶ حضرت مغیرہ بن شعبہ رض مواہب لدنیہ عن مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۳)

۳۷ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رض (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

۳۸ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رض (مسند دارمی ص ۳۳۱ اٰخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اخرجوا الیھود من الحجاز واھل نجران من جزیرۃ العرب

۳۹ حضرت عبداللہ بن مسعود رض (بخاری ص ۹۳۶)

۴۰ رثاہ ابوسفیان بن الحارث رض (مواہب لدنیہ ص ۶ ۳۷) ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۴۱ سالم بن عبید اللہ الاشجعی رض (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۷۳)

۴۲ عباس بن عبدالمطلب رض (دارمی ص ۲۳)

۴۳ مخرمۃ بن نوفل الزھری رض (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۲۳)

۴۴ سالم بن عتیک رض (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

۴۵ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن ابیہ (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۶ و ۸۷)

۴۶ ابو ذویب الھذلی رض قال بلغنا ان النبی علیل ..... فعلمت ان النبی قد توفی میت مواہب ج ۲ ص ۳۷۷)

۴۷ جبیر بن نفیر رض

۴۸ الوحشی قاتل حمزہ سید الشہداء ثم قاتل مسیلمۃ الکذاب۔

۴۹ ابو موہیبۃ

۵۰ در رثاہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

۵۱ در رثاہ سواد بن قارب رض

۵۲ باقی ماندہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن ..... میزان ۵۸

تابعین خیر القرون و محدثین بھی یہی کہتے ہیں

ابن شہاب زہری و عروہ بن زبیر (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۷۴)
قتادہ: ابن جریر پ۳ ص ۲۱۷ و روح المعانی پ۳ ص ۲۵۵
ضحاک (" " ")
مجاہد (" " ")

عروہ بن زبیر، ہشام بن عروہ، اسود بن یزید، ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، ابوالخیر مرثد بن عبداللہ، قیس بن ابی حازم، سلمہ ابوحازم، سعید بن ابی سعید المقبری، ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن، ابن شہاب زہری، قتادہ بن دعامہ، سعید بن ابی عروبہ، ہمام بن یحییٰ ابوعمرو ذکوان مولیٰ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان حجبی، منصور بن المعتمر، محمد بن جبیر بن مطعم، عمرو بن دینار، عبید بن حنین، اسماعیل بن ابی خالد، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، سعید بن جبیر، ابراہیم بن سعد محمد بن ابی بکر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر، سفیان ثوری، عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، عبدالوارث بن سعید المصری، حسن بن ربیع معمر بن راشد، ہلال وزان، عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن یوسف، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عون ہلالی خزاز، عابس بن ربیعہ، عبدالرحمٰن بن عابس، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابواسحٰق عمرو بن عبداللہ، طلحہ بن مصرف، مالک بن مغول، ابوالاحوص، سلام بن سلیم، یحییٰ بن سعید القطان، ازہر بن سعد سمان، ایوب سختیانی، حماد بن زید، حماد بن سلمہ منصور بن صفیہ، ہشام بن یوسف، سلیمان بن بلال تیمی، عبداللہ بن المبارک، عمرو بن سعید بن ابی حسین القرشی، عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحٰق الہمدانی الکوفی، عبدالرزاق بن ہمام شعبہ بن الحجاج، یونس بن یزید، زکریا ابن اسحاق، اسماعیل بن ابی خالد، ابوالنضر مولیٰ بن عمر بن عبیداللہ، ابوبشر جعفر، سلیمان احول، سفیان بن عیینہ، عقیل بن خالد، لیث بن سعد المفضل، محمد بن جعفر غندر، شعیب بن ابی حمزہ، صخر بن جویریہ نمری، عفان بن مسلم صفار

ابو عوانہ وضاح، عباد بن عبداللہ بن زبیر، عبدالعزیز بن مختار، مالک بن انس، صلت بن محمد معلی بن اسد، حبان بن موسیٰ، محمد بن یحییٰ الذہلی، ابو الیمان حکم بن نافع، مسلم بن ابراہیم، محمد بن بشار بندار، یسرہ بن صفوان بن جمیل اللخمی، علی بن عبداللہ المدینی، قتیبہ بن سعید، محمد بن عرعرہ، یحییٰ بن بکیر، عمرو بن علی، اسماعیل بن عبداللہ، ابو معمر، عبدالعزیز، ابوالیمان، عبدالعزیز عبداللہ، اسماعیل بن ابی ادریس، محمد بن عبید بن میمون، ابو نعیم فضل بن دکین، عبداللہ بن محمد جعفی، علی بن المدینی، ابراہیم بن موسیٰ، محمد بن یوسف فریابی، ابو محمد حماد بن یحییٰ، بشر بن محمد سلیمان بن حرب، قبیصہ بن عقبہ، ابو عبداللہ اصبغ بن الفرج، مہران بن سلیمان اعمش، عبداللہ بن وہب، عمرو بن الحارث، ابن ابی حبیب، مسلم بن صبیح ابی الضحیٰ، مسروق بن اجدع منصور بن معتمر، جریر بن عبدالحمید، عثمان بن ابی شیبہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، حبیب بن ابی ثابت الاسدی، منصور بن عبدالرحمٰن تیمی، اسماعیل بن خالد، وہب بن جریر، وہیب بن خالد، روح بن عبادہ، یعقوب بن عبدالرحمٰن، عقیل، مسلم بن ابراہیم بصری، محمد بن سنان، عبداللہ بن محمد مسندی، اسحٰق بن ابراہیم راہویہ، بدیر بن خالد، اسماعیل بن ابی ادریس، یحییٰ بن سلیمان، عبداللہ بن محمد بن عمرو بن الحجاج ابو معمر، اسماعیل بن ابان، یحییٰ بن بکیر، عبداللہ بن ذکوان ابو الزناد، عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج، عبداللہ بن مسلمہ، یحییٰ بن سلیمان، اسماعیل بن ابی ادریس، مسطر بن الفضل، عمرو بن علی، سفیان تمار، حماد بن اسامہ ابو اسامہ، رحمہم اللہ

محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں اخراجِ احادیث بھی کیا ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا ہے اور آپ کی وفات کے متعلق مستقل باب بھی منعقد کیے ہیں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ۴ جگہ باب وفاۃ النبی م منعقد فرمایا

(۱) کتاب الجہاد میں ص ۴۳۷ پر باب نفقۃ النساء النبیؐ بعد وفاتہ م

(۲) کتاب المناقب میں ص ۵۰۱ باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) کتاب المغازی ص ۶۳۷ پر باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

(۴) ص ۶۴۱ پر باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مشکوٰۃ شریف میں باب الکرامات کے بعد ص ۵۴۶ میں باب وفات النبی صلی اللہ

علیہ وسلم ہے۔

مسند دارمی ص ۱۲ میں باب فی وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
اور ص ۲۵ میں ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ صلی اللہ علیہ وسلم

موطا امام مالک ص ۷۷ پر ہے الدفن فی قبر واحد من ضرورۃ و انفاذ ابی بکر رض عدۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ عبد الحق نے بھی مدارج النبوۃ میں باب وفات النبی ص لکھ دیا۔

شمائل ترمذی ص ۰۸ پر ہے باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور الجامع ص ۱۳۶ پر امام ترمذی نے باب ماجاء فی الثوب الواحد یلقی تحت المیت فی القبر منعقد کرکے حدیث بیان فرمائی جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے نیچے قبر میں چادر بچھادی تھی، پھر علماء کا کلام ذکر فرمایا؛

مجتہد اعظم امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رح

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں کہا ہے مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الایمان اس عہد میں اعتزال کا زور تھا، فرقہ معتزلہ کا بانی عمرو بن عبید ابن باب ابوعثمان بصری معتزلی زاہد و متکلم، اسی طرح رئیس المعتزلہ واصل بن عطا اسی دور میں تھا اور خلیفہ عبد الملک کا پوتا لوگوں کو قدریہ کے عقائد کی بڑے زور شور سے دعوت دیتا تھا خلافت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی من مانی کرتا تھا، ابو محمد اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن سدی بھی اسی عہد کا ہے۔ قتادہ بن دعامہ قدری، مقاتل بن سلیمان بن بشیر خراسانی مفسر، ابوحمزہ ثمالی شیعہ زرارہ بن اعین بن سنسن شیبانی کوفی، شیعہ، محمد بن سائب کلبی کوفی، سبائی، ابومخنف لوط بن یحییٰ بن مخنف بن سلیمان ازدی مورخ بھی اسی دور کا ہے جس نے بڑی بڑی

کتابیں اپنے رفض کی اشاعت میں لکھ ماریں جن میں سے اس کی یہ مشہور کتابیں ہیں ،
کتاب الردۃ ، فتوح الشام ، فتوح العراق ، کتاب الجمل ، کتاب الصفین ، کتاب النہروان ، کتاب الغارات ، مقتل علی ، مقتل عثمان ، مقتل حسین ، مختار بن عبید ، کتاب الشوریٰ ، وقعۃ الحرہ وغیرہ ، اس کا دادا مخنف حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھا ، اسی عہد میں برامکہ تھے جو مجوسی تھے مسلمان بن کر وزارت عباسیہ کا قلمدان سنبھال لیا اور طرح طرح کی لغویات اپنی وزارت کے بل بوتے پر اسلام میں داخل کر دیں ، سیف بن عمر و زندیق اسی عہد میں تھا جس نے حضرت بلال بن حارث مزنی صحابیٔ رسولؐ پر طوفان باندھا۔

اگر وفاۃ النبیؐ کا عقیدہ واقعی معتزلہ اور رافض کا ہوتا تو خیر القرون کے مجتہدین و محدثین ان کی تردید میں باب حیات النبیؐ بھی ضرور ذکر کرتے اور اس امر کی تشریح کرتے کہ دفن کے بعد پھر سے انبیاء کرامؑ کی حقیقی حسی دنیوی جسمانی عنصری حیات حاصل ہو جاتی ہے مگر یہ مسئلہ اس وقت نہ تھا تین صدیاں گزرنے کے بعد متاخرین نے حیاۃ النبیؐ بعد الدفن کا مسئلہ چھیڑا ہے مگر اس میں بھی حیاۃ دنیوی جسمانی عنصری ، حسی حقیقی کا ذکر نہیں بلکہ قبوری زندگی کا ذکر ہے جو سب کو مسلم ہے ، ہزار سال سے پہلے یہ دعویٰ نہیں ملتا۔

صاحب مواہب لدنیہؒ و عبد الغنی نابلسیؒ

علامہ شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی متوفی ۱۱۴۳ھ رحمہ اللہ نے کتاب رشحات الاقلام شرح کفایۃ العوام علی المذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۶ میں لکھا۔
وھو النبی الباقی علی رسالتہ وان مات صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر الزمان وانقضاء الدنیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وفات پا چکے ہیں تاہم آخر زمانہ تک اور دنیا کے اختتام تک آپ اپنی رسالت پر بدستور قائم و دائم ہیں (آپؐ کی وفات سے ان کی نبوت زائل نہیں ہوئی) بلکہ آپؐ جیسے اپنی حیاتِ دنیوی میں حقیقۃً نبی تھے اب وفات کے بعد برزخی زندگی میں بدستور حقیقۃً و واقعۃً بلا مجاز نبی ہیں ،

مجاز کا شائبہ تک نہیں ہے۔

مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۵ میں ہے الانبیاء عند مبعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم من جملۃ الاموات والمیت لا یکون مکلفا یعنی آپ کی بعثت کے وقت تمام انبیاء علیہم السلام الا عیسیٰ من جملہ اموات کے تھے اور میت مکلف نہیں ہوتا

وفات اور قبر نبی ﷺ کا عقیدہ

کتاب جامع زبدۃ العقاید التوحیدیہ ص ۴۲ میں ولد عدلان نے فرمایا فالجملۃ ان تعتقد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم افضلہم وخاتمہم وانہ من الانس لا من الجن وانہ من العرب لا من العجم وانہ قرشی من بنی ہاشم وان اباہ عبد اللہ بن عبد المطلب وامہ اٰمنۃ بنت وھب وان مولدہ مکۃ المشرفۃ وھاجر منھا الی المدینۃ المنورۃ ودفن بھا صلی اللہ علیہ وسلم وھو صاحب ھجرۃ النبویۃ والشفاعۃ العظمیٰ والاسراء والمعراج صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ عقیدہ رکھو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل اور آخری نبی ہیں، نیز یہ انسان ہیں جن نہیں اور عرب ہیں عجمی نہیں قریشی ہاشمی ہیں اور ان کے والد ماجد عبد المطلب کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ ہیں اور والدہ ماجدہ وہب کی صاحبزادی حضرت آمنہ ہیں اور آپ کا مولد مکہ شریف ہے اور وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ ہی میں وفات کے بعد آپ دفن کیے گئے اور آپ ہجرت والے اور شفاعت عظمیٰ والے اور اسراء و معراج والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعلیم الاسلام ج ۱ ص ۵ میں سوال (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر کہاں رہے؟) کا جواب لکھا:

ترپن سال کی عمر تک اپنے شہر مکہ معظمہ میں رہے ہیں اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ میں چلے گئے اور دس سال وہاں رہے پھر ترسیٹھ ۶۳ سال کی عمر میں

وفات پائی (یہ حقائق کے حصہ میں مذکور ہے)

علامہ ترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

السنن الکبریٰ للبیہقی رحہ کی تعلیق جو علامہ ترکمانی رحمہ اللہ نے الجوہر النقی کے نام سے لکھی ہے اس کی جلد اول صفحہ ۴۷ میں امام قدوری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

وقال القدوری لم یکرروا الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء من بعدہ، وانما صلی علیہ السلام علی القبر لانہ کان الولی انتہٰی

یعنی علامہ قدوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رض اور خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی (اس سے معلوم ہوا کسی میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا روا نہیں جب کہ دفن سے پہلے ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو۔

اب سوال ابھرتا تھا کہ جس میت کا جنازہ صحابہ کرام رض پڑھ چکے تھے بعد میں اس کو دفن کیا گیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی تو اس سوال کا جواب دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی تھی تو در اصل اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ولی تھے اور ولی نے اگر دفن سے پہلے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کو شرع مطہر کی طرف سے حق پہنچتا ہے کہ میت کے دفن ہو چکنے کے بعد اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کرے۔

نیلوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ ادا نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرام رض نے آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ لیکن کسی فقیہ نے آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ ادا نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں بتائی کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں ہوتے ہوئے دین کے اوپر آپ تشریف فرما ہیں اس لیے آپ کی قبر اطہر بلکہ اعتکاف گاہ پر نماز جنازہ منع ہے کیونکہ جنازہ کی نماز مُردوں پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ عزلت نشین اعتکاف بیٹھنے والے زندہ؟

فتوائے حضرت تھانویؒ

المورد الفرستی فی المولد البرزخی ص ۴۵ میں ہے "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچ مچ وصال ہوگیا اور منافقوں بددینوں میں کھچڑی پکنے لگی اور وہ باہم چپکے چپکے خوشیاں منانے لگے حالانکہ خوشی کا کیا موقع تھا بھلا اگر سلطان کسی منتظم کو اپنے پاس بلائے تو دوسرا منتظم بھیج دیا جائے گا جو اشرار کی سرکوبی کے لیے کافی ہوگا گو رتبہ میں کم ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تلوار نکال کر سب کو دھمکایا کہ خبردار کوئی زبان سے یہ لفظ نہ نکالے کہ "حضورؐ کی وفات ہوگئی" بلکہ آپ پر غشی طاری ہوگئی ہے اور درگاہِ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں ابھی واپس آکر منافقوں کو قتل کریں گے۔ حضورؐ کی وفات ابھی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہو جائے"۔

یہ کوئی پالیسی نہیں تھی جیسا کہ بعض اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ واقعی اس وقت حضرت عمرؓ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ جو حالت حضورؐ پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپؐ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ حالتِ موت ہے تو ان کو اپنے بھی ہوش نہ رہتے چہ جائیکہ پالیسی اور تدبیر سوچتے چنانچہ جس وقت حضرت صدیقؓ کی زبان سے ان کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضورؐ کا وصال ہو چکا، اس وقت ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا، قدم لڑکھڑا گئے اور سکتہ کی حالت میں رہ گئے بھلا عاشق کو محبوب کی مفارقت کے وقت کہیں پالیسی کی سوجھتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ حقیقۃً ان کا خیال یہ تھا کہ حضورؐ دین کی تکمیل فرما کر دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔

اس پر شاید اہل علم کو شبہ ہو کہ دین کی تکمیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکی تھی چنانچہ حج وداع میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل ہو چکی تھی پھر حضرت عمرؓ کو کس تکمیل کا انتظار تھا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں جس تکمیل کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ احکام کے اصول و قواعد ہر بات میں مکمل ہو چکے ایسے ایسے قاعدے بتلا دیئے

گئے کہ اب قیامت تک کے واقعات کا حکم انہیں سے معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقی تکمیل اسلام یہی ہے بھی۔ مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ فروعی تکمیل بھی حضورؐ ہی کے ہاتھوں سے ہو گی جس کے بعد کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ رہے گی، جیسا کہ مسئلہ ربوٰ میں تبیین کامل منصوص کی تمنا ان سے منقول ہے یا اشاعت اسلام کی تکمیل بھی آپ ہی کے ہاتھوں سے ہو گی جس کی صورت یہ ہے کہ تمام عالم کی فتوحات آپ کے سامنے ہوں جیسا ان کا یہ قول وارد ہے کہ جب تک منافقین کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں گے۔ آپ کی وفات نہ ہو گی گو اصولاً یہ تکمیل بھی ہو چکی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نقشہ بھی صحابہؓ کو بتلا دیا تھا کہ اول شام کی طرف پیشقدمی کرنا پھر فارس کی طرف، میت کے اطلاق کے منافی نہیں، اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے انك ميت و انهم ميتون چنانچہ مرض وفات ہی میں جیش اسامہ کو تیار فرما کر شام کی طرف جانے کا حکم فرمایا تھا اور کنوز کسریٰ و خود ان فارس کے فتح ہونے کی پیشگوئی صحابہؓ سے کئی بار فرمائی تو اصولاً فتوحات کی بھی تکمیل آپ فرما چکے تھے صرف اتنی دیر تھی جیسے انجنیئر اعظم نہر کھدوا کر لیول درست کر دے اور تمام مقامات سے اس کو ہموار کر کے چلا جائے کہ اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اس میں پانی چھوڑ دیا جائے سو یہ کچھ کمی نہیں، محض ظاہری کمی ہے حقیقت میں تو نہر کا کام ختم ہو گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات کا کام بھی حقیقت میں ختم فرما چکے تھے نقشہ سب تیار ہو چکا تھا، صرف فوجوں کا اس پر چلانا باقی تھا سو یہ کچھ کمی نہ تھی۔ مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ یہ ظاہری کمی بھی حضورؐ ہی کے سامنے پوری ہو گی۔ (یہ خبر نہ تھی کہ یہ کام میرے ہی ہاتھوں سے خدا کو لینا منظور ہے اور مجھے فاتح اعظم اسلام کا لقب دینا ہے)

غرض جب تک حضرت عمرؓ کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت تک سنبھلے رہے نہ رونا آیا نہ رنج و فکر ہوا بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو... دھمکاتے رہے یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضورؐ کی اس حالت کی اطلاع

ہوئی وہ اس وقت اپنے گھر میں تھے کیونکہ صبح کی نماز کے وقت وہ حضورؐ کو اچھا دیکھ کر گئے تھے کہ نماز کے وقت آپ بستر سے اُٹھ کر دروازۂ مکان تک بھی تشریف لائے جس سے صحابہؓ کو گمان ہوا کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں اور اس خوشی میں قریب تھا کہ نماز درہم برہم ہو جائے کہ حضورؐ پردہ چھوڑ کر پھر بستر پر تشریف لے آئے اس حالت کو دیکھ کر یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ آپ کا آج ہی وصال ہو جانے کا اس لیے حضرت صدیق رضؓ بے فکر ہو کر کسی ضرورت سے کام پر چلے گئے کہ پیچھے آپ پر عالمِ نزع طاری ہو گئی اور وصال ہو گیا) یہ خبر سن کر حضرت صدیقؓ جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہؓ کو حیران و پریشان اور حضرت عمر رضؓ کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ:
خبردار! حضورؐ کی نسبت "وفات" کا لفظ کسی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔"

حضرت صدیق رضؓ نے کسی کی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اطہر سے چادر مبارک کھول کر حضورؐ کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین آگیا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق رضؓ مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد آپ کا تو منہ سے نکلا

واخلیلاہ واحبیباہ طبت حیا ومیتا واللہ لا یجمعن علیک موتتین ابدا اما الموتۃ التی کتب علیک فقد متہا۔

اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے اس وقت صحابہؓ کی عجیب حالت تھی کہ سب کے سب حضرت صدیق رضؓ کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھیے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے حضرت صدیق رضؓ نے اول تو حضرت عمر رضؓ کو پکار کر فرمایا "علی رسلک یا رجل" اے شخص ٹھہر جا خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمر رضؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے خاموش نہ ہوئے تو حضرت صدیقؓ سیدھے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا اس وقت سب صحابہؓ حضرت عمر رضؓ کو چھوڑ کر حضرت صدیق رضؓ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا اما بعد فمن کان یعبد محمدا فان محمدا

فقد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين وانك ميت وانهم ميتون ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون

یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو وہ سن لے کہ حضورؐ کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو (اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو حق تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ اس میں بتلادیا کہ تکمیل اسلام کے لیے حق تعالیٰ کا حی ولا یموت ہونا کافی ہے، حضورؐ کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عمرؓ بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے رہ سکیں، ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا حالانکہ معراج روحانی میں بھی مفارقت موجود تھی اور وہ بھی بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا۔

تو بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائم نہیں، تھوڑی دیر کی ہے، ابھی حضورؐ تشریف لے آئیں گے اور اب یقین ہو گیا کہ حضورؐ اب دنیا میں واپس نہیں آئیں گے جو گویا بمنزلہ مفارقت دائمہ کے ہے اس لیے رنج ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے..... اور یہ جو قید لگائی بشکل مفارقت دائمہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مفارقت عارضہ تو ایسی ہے جو حقیقت میں بھی عارضہ ہے اور شکل میں بھی عارضہ ہے۔ جیسے کوئی جلال آباد چلا جائے اور ایک مفارقت عارضہ وہ ہے جو شکلاً دائمہ ہو وہ موت ہے اس کا مقتضی طبعی یہی ہے کہ کچھ حزن عارض ہو اور میں نے دائمہ کی تفسیر اس لیے کی تھی کہ اس کے عود کرنے سے مایوسی ہو اس سے ایک شبہ کا رفع کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ گو میت تو ہمارے پاس نہیں آتا مگر ہم تو مر کر اس عالم میں جانے والے ہیں۔ پھر مفارقت دائمہ کہاں ہوئی خصوص جب کہ

اور ان میں سے خصوص میں مشترکہ بالجملہ کہ ان کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یقینی ہے لیکن ان کو کیوں رنج ہوا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادی کی وفات پر کیوں رنج ہوا۔ سو اس قید سے جواب نکل آیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعت کی ایسی ہی خاصیت بنائی ہے کہ باوجود تیقن اجتماع کے جب عالم عود الی ہذا العالم (اس جہان کی طرف واپس نہ آنا) معلوم ہو جائے ضرور حزن ہوتا ہے اور یہ ایسا امر طبعی ہے کہ اگر کوئی دوسری کیفیت اس پر غالب آجائے تو خیر ورنہ یہ اپنا اثر ضرور کرتی ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کے مرض وفات میں مزاج پرسی کے لیے تشریف لائیں فسارّها فبكت فلما رأى حزنها سارّها الثانية فضحكت یعنی حضور نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں ہنستی بھی ہیں ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ رضہ کو ایک بڑی عاقل جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں ہنسی اور روئی کیوں تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ رضہ نے حضور کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ رضہ نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں، بات یہ ہے کہ حضور نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے اس سال دو مرتبہ کیا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ سن کر میں رونے لگی، اس پر دوسری دفعہ آپ نے یہ فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے متعلقین میں سے سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی، یہ سن کر میں ہنسنے لگی سو اول مفارقت دائمہ سے رونا آیا گو یہ معلوم تھا کہ مفارقت دائمہ اس معنی کر نہیں ہے کہ میں اس عالم میں بھی جمع نہ ہوں گی مگر پھر بھی رنج ہوا، مگر جب حضرت فاطمہ کو معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلے آپ کے پاس میں پہنچوں گی تو اس وقت اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ

باوجود تقاضائے مقتضیٰ غم کے سلا غم کھل گیا اور اس "لا یعود الینا" پر "نعود الیہ" غالب آگیا۔

شیخ المشائخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلویؒ

شیخ المشائخ سلطان العارفین نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی قدس سرہ مفتاح السلوک صحیفہ ۵۶ ص ۱۹۰ میں فرماتے ہیں ومن فوائدہٖ قال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم انک میت وانھم میتون ای اذیقک موت صفات البشریۃ یعنی الانسلاخ عن نشو البشریۃ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے پیارے نبیؐ! اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کا فروں کو بھی مرنا ہے۔ اس ارشادِ خداوندی میں موت سے جسم انسانی کی بشری صفات کا سلب ہوجانا مراد ہے۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور موت کی وجہ سے تمام صفات بشری کا سلب ہوجاتا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ بشر تھے آپ کے اندر کلی صفات بشری موجود تھیں۔

فتویٰ مفتی اعظم ہندؒ

حضرت استاذی وشیخی مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کفایت المفتی ج ۱ ص ۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں: انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں انک میت وانھم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔

نیز ج ۱ ص ۷۷ میں ہے: ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے مگر یہ زندگیاں

دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔

نیز ج ا ص ۹۱ میں ہے: جماہیر امت محمدیہ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں، باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق ہی کو معلوم ہے وہ حیات حضور انور کو ہے

اور دوسری جگہ فرمایا افائن مات او قتل اور حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہ رض کو خطاب کر کے فرمایا تھا من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قدمات۔

نیز آپ کا فتویٰ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۷۶ میں شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی نے نقل فرمایا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے جس کی کیفیت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان کے قلم سے ظہور حق

نیز تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۴۷ و ص ۲۶۳ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا قول بحوالہ الجمہور ص ۹۴ مطبع انوار احمدی الہ آباد و راس الربعین طبع ملتان ص ۵۰۸ میں منقول ہے: مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں الخ۔ المورد الفرشخی فی المولد البرزخی میں اسی طرح فرمایا ہے۔

فتویٰ مفتی اعظم دیوبند

حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہ اپنے فتویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۲۹۷ محشی مفتی ظفیر الدین میں فرماتے ہیں: انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات، شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ و اتم ہے اور مراد اس حیات سے حیات دنیوی ظاہری نہیں ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے انک میت و انھم میتون لہٰذا احکام اموات ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔

نیز اسی فتاویٰ ج ۵ ص ۴۷۶ میں ہے: سب ہی مرنے والے ہیں انک میت و انھم میتون اور سبھی کو حیات روحانی حاصل رہتی ہے کیونکہ مدار ثواب و عقاب کا حیات روحانی پر ہے جو کہ مسلّم ہے۔ پھر اسی حیات روحانی میں درجات ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے اس کے بعد شہداء کی پھر جملہ مومنین و مومنات کی درجہ بدرجہ اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں۔

فتویٰ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ نے معارف القرآن ص ۱۴۱ و ۱۴۲ ج ۱ میں لکھا باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم ہوتا ہے مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔ ان کی محفوظیت اجساد خارق عادت ہے۔

علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ

منیۃ المصلی کی شرح المعروف کبیری ص ۵۴۰ میں ارشاد فرماتے ہیں ولو شرع التنفل بها بصلی علی قبره علیه السلام الی یوم القیامة ولانه الآن کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء

مطلب اس کا یہ ہے کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو تو اس کے بعد دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اس کی دو وجہ بتائیں۔ ایک وجہ تو یہ بتائی کہ فرض نماز جنازہ صرف ایک دفعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے اس کے بعد جو دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی وہ نفل نماز ہو گی اور جنازہ کی نفلی نماز پڑھنے کی شرع شریف میں کوئی اجازت نہیں ہے اس لیے

کہ اگر شریعت شریف میں نفلی طور پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر تا روزِ قیامت عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھتے رہتے لیکن آپ کی قبر اطہر پر بعد از دفن آج تک کسی ایک نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دوسری وجہ یہ بتائی کہ اگر شرع شریف میں نفلی نماز جنازہ قبر پر پڑھنی جائز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نفلی نماز آج بھی جائز ہوتی کیونکہ آپ کے اس معصوم جسد اطہر معطر کو جس حالت میں لحد شریف میں رکھا گیا تھا اب اس وقت بھی اسی حالت میں صحیح سلامت موجود ہے اس میں کسی طرح کسی قسم کا کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ کو کوئی زمین کا حصہ نہیں کھا سکتا۔ جب ان کی قبور پر نفلی نماز جنازہ منع ہے تو جن کے جسد پھول پھٹ جاتے ہیں ان کی قبر پر نماز جنازہ کیسے جائز ہوگی۔

صاحبِ مستخلص شرح کنز

کنز الدقائق کے حاشیہ مستخلص ص ۵۱ میں ہے: ولم یصل غیرہ بعدہ ان صلی الولی فلا اعادۃ لاحد، لان الفرض قد ادّی به والتنفل بھا غیر مشروع الا ترٰی ان الصلوٰۃ ترکت علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انه فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض کما فی الحدیث ایۃ ص ۱۶۰ یعنی ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد دوبارہ اس میت پر نماز جنازہ کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا بشرطیکہ ولی نماز جنازہ ادا کر چکا ہو پھر دوسرے آدمی کو نماز جنازہ کے اعادہ کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ فرض ادا ہو چکا ہے اور نفلی نماز جنازہ پڑھنے کی شرع میں اجازت نہیں کیا یہ خیال نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھتا حالانکہ قبر اطہر میں آپ کا جسد عنصری اسی طرح صحیح سلامت اور محفوظ ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسد عنصری کو لحد شریف میں رکھا تھا اس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوا چہ جائیکہ تفسخ ہو العیاذ باللہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام

علیہم السلام کے گوشت زمین پر حرام ہیں، ہدایہ شریف میں بھی اسی طرح ہے۔

صاحب عنایہ شرح ہدایہ

فتح القدیر پر عنایہ شرح ہدایہ ص ۸۳ میں لکھا ہے۔ وھو الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض بہ ورد الاثر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد عنصری آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ کو رکھا گیا تھا کیونکہ انبیاء کے گوشت زمین پر حرام ہوتے ہیں اور اس حفاظت اجساد انبیاء کے بارے حدیث بھی آئی ہے۔

پھر ص ۸۴ پر لکھا: ان ابا بکر کان مشغولاً بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ رضی اللہ عنہ وکان الحق لہٗ لانہ رض ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل علیہ احد بعدہ یعنی ابوبکر رض فتنہ اور جھگڑا مٹانے کے لیے مشغول تھے آپؓ کے آنے سے پہلے لوگ آپ پر نماز پڑھتے رہے اور خلیفہ ہونے کی وجہ سے حق آپؓ کا تھا جب فارغ ہوئے آپ نے نماز جنازہ پڑھی آپؓ کے بعد کسی نے نہیں پڑھی۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ سیوہاروی

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ قصص القرآن ج ۴ ص ۱۵۴ تحت عنوان وفات یا وصل بالرفیق الاعلیٰ فرمایا انک میت و انھم میتون آخر وہ وقت بھی آپہنچا جس کے تصور کے لیے نہ صرف مسلمان بلکہ دنیائے انسانیت بھی تیار نہ تھی یہ وقت کائنات انسانی کے لیے مصیبت عظمیٰ اور داہیہ کبریٰ ثابت ہوا اور ایک عالم پر حیرت طاری تھی کہ وہ کس طرح غیر متوقع طور پر ہادی اکبر مصلح اعظم کے فیض صحبت سے محروم ہو گئے آنکھوں نے جو کچھ دیکھا قلب اس کو باور کرنے کو تیار نہ تھا اور قلب جو کچھ چاہتا تھا آنکھیں اس نظارہ کو واپس لا سکتی تھیں۔

دل پاش پاش تھے جگر شق ہو رہے تھے چشم گریاں اشک کے سیلاب بہا رہی تھی

کیونکہ آج روحانیت کے آفتاب عالمتاب کے اور کائنات انسانی کے درمیان موت کا ٹکڑا ابر حائل ہو چکا تھا۔

اگر دنیا کا کرہ آفتاب درحقیقت کبھی غروب نہیں ہوتا اور رہتی دنیا تک غروب نہیں ہوگا، بلکہ دیکھنے والوں کے اور اس کے درمیان پردۂ شب حائل ہو جاتا ہے تو کس کی مجال اور کس کی جرأت ہے کہ وہ آفتاب رسالت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق غروب ہونے کا دعوی کر سکے کیونکہ یہاں تو پردۂ شب کو بھی حائل ہونے کی اجازت نہیں الدین السمحۃ البیضاء لیلھا و نہارھا سواء، دین اسلام آسان اور روشن دین ہے جس کے رات اور دن دونوں یکساں طور پر روشن ہیں یعنی یہاں شب تاریک کا گزر ہی نہیں البتہ "موت" کل نفس ذائقۃ الموت کا پیغام بن کر اس آفتاب رسالت کے اور ہمارے درمیان ٹکڑا ابر بن کر حائل ہو گئی۔

اس لیے اس مصیبت کبریٰ میں بھی مسلمانوں کے زخمی قلوب کے لیے مرہم اور کشتگان فراق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہترین اکسیر و تریاق موجود تھا اور وہ یہ یقین داذعان ہے جس کو قرآن عزیز نے یہ کہہ کر پہلے ہی قلب مسلم کو عطا کر دیا انک میت و انھم میتون، کل شیئ ھالک الا وجھہ، ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم یعنی موت اس حقیقت کا نام ہے جو نبی مرسل بلکہ خاتم المرسلین کو بھی پیش آکر رہے گی اور بقاء حقیقی تو ذات احدیت کا ہی بلا شرکت غیرے طغرائے امتیاز ہے۔

اللہ اللہ وہ کیسا عجیب سماں تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم الرفیق الاعلی فرماتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد فرما دی تو تمام صحابہؓ رنج و غم اور صدمہ جانکاہ سے اس درجہ متحیر اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے کہ ان کے ہوش و حواس تک بجا نہ تھے اسی عالم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرط غم سے تلوار سونت کر یہ نعرہ لگایا کہ "جو شخص کہیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اسی اضطراب انگیز عالم میں خدا کا ایک بندہ صدیق اکبرؓ آتا ہوا نظر آتا ہے سب سے

پہلے وہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں پہنچتا ہے اور دل بریاں و چشم پرنم کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کی جبینِ نور کو بوسہ دیتا اور فراقِ رسول ﷺ سے کرب و بے چینی کا اظہار کرتا ہے اور اس فرضِ عشق سے فارغ ہو کر جب باہر آتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس حالت کا جائزہ لے کر کہ جس میں جاہلیت و اسلام دونوں ادوار کی بے نظیر شخصیت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی شامل ہے تو آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ "اے خطاب کے بیٹے بیٹھ جا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ جاتے اور انتہا، حزن و غم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منہ تکنے لگتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اب منبرِ نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر صدائے حق بلند کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع کو یوں خطاب کرتے ہیں: لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے" ان محمدا قد مات" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ذائقہ موت چکھ لیا ہے اور جو خدائے واحد کا پرستار ہے تو بلا شبہ " ان اللہ حی لا یموت" اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے اور موت سے پاک اور بری ہے اس کو موت نہیں ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ صدائے حق جب فضا میں گونجی تو سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر سکون و اطمینان طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گئے بلا شبہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرضِ رسالت پورا کر کے "رفیق الاعلیٰ" سے جا ملے اور اب اسلام مکمل ہو چکا اس لیے اب ہمارا فرض ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور زندہ جاوید معجزہ کلام اللہ قرآن کو پیشوا بنا کر خدمتِ اسلام کا فرض انجام دیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کیفیت تو یہ ہوئی کہ فرمانے لگے قسم بخدا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ صدائے حق بلند کرتے ہوئے جب یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الآیۃ تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا ابھی اس آیت کا نزول ہو رہا ہے اور عشقِ رسول ﷺ نے فراقِ رسول ﷺ سے جو مبہوت کر دیا تھا قرآن اور تعلیم رسول ﷺ کی روشنی میں جو کچھ رفیقِ محترم نے کہا وہ یک بیک مشعل

آفتاب میرے سامنے آگیا۔

پھر ص ۵۱۹ میں فرماتے ہیں قرآن عزیز سورہ فاتحہ میں ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اور دوسری جگہ سورہ نساء میں انعمت علیہم کی تفسیر اس طرح مذکور ہے فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا یہی وہ رفقاء ہیں جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللھم الرفیق الاعلیٰ" کہہ کر وقت آخر میں اشارہ فرمایا؛ سہیلی کہتے ہیں کہ چونکہ اہل جنت جنت میں مختلف القلوب نہیں ہوں گے بلکہ ایک انسان کے قلب واحد کی طرح ہوں گے اسی لیے رفیق العلیا نہیں فرمایا الرفیق الاعلیٰ فرمایا تاکہ اہل جنت کی وحدت قلبی کی جانب اشارہ ہو جائے۔

(۲) موت خدائے برتر کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس سے نبی و رسل اور خاتم الانبیاء و الرسل بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور بقاء وحیات سرمدی و ابدی صرف ذات حق کے لیے ہی مخصوص ہے۔

(۳) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان و جلالت مرتبہ کا ایک اس واقعہ سے بھی واضح اعلان ہو جاتا ہے کہ "وفاۃ النبی" کے قریبی وقت میں نزاکت حالات نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقل و خرد پر جو اثر ڈالا، خدا نخواستہ وہ دیرپا ہو جاتا تو اسلام اپنی حقیقت سے خالی ہو کر رہ جاتا (العیاذ باللہ) مگر یہ سعادت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہی حصہ میں تھی کہ مسلمانوں کی اس ڈگمگاتی کشتی کو قرآن کی روشنی میں پار لگا دیا اور اسلام کو ایک عظیم الشان فتنہ سے بچا لیا و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سابق مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند، اپنی کتاب "سیرت مصطفیٰ" ج ۳ ص ۲۲۰ میں فرماتے ہیں:

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، درد سے بے تاب ہوکر بار بار اس پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھاکر یہ فرمایا "اللھم الرفیق الاعلیٰ" اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔ (یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء ومرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں)

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں بارہا میں آپ سے سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا اور آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے، میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے آپ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کر لیا ہے الغرض آپ کی زبان مبارک سے "اللھم الرفیق الاعلیٰ" نکلا، اور روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا (بخاری شریف) انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ص ۳۲۲ میں لکھا حضرت ابوبکر رض کو جب اس جانگداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً مدینہ پہنچے اور حزین وغمگین حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات رض آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق رض کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ رض کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر رض نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا وانبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ وکما فی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۳۰۳/۱۰ اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھلائے گا جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آچکی۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ جو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا "جو موت آپؐ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آچکی" اس کا مقصد حاشیہ میں یوں لکھا ہے صدیق اکبرؓ کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ پھر زندہ ہوں گے اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو آپ کی وفات اور موت دوبارہ ہو جائے گی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ جو موت آپؐ کے لیے لکھی ہوئی تھی وہ آچکی، اب دنیا میں دوبارہ موت آپ پر نہیں آئے گی، اور اللہ تعالیٰ آپؐ پہ دو موتیں جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الٰہی سے سب مر گئے پھر اپنے نبی کی دعا سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پہ مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دو مرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دو مرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لیے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ کیا جس کا قصہ او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھٰذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ میں مذکور ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دو مرتبہ موت کا مزہ چکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح میں اور بھی اقوال ہیں تفصیل کے لیے فتح الباری ج ۳ ص ۹۱ کتاب الجنائز و زرقانی شرح المواہب ج ۸ ص ۲۸۰ اور مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۸ تقطیع خورد دیکھیں و شرح قسطلانی ص ۲۶۱ پ ۳ دیکھیں۔

پھر ص ۳۳۰ میں لکھا کہ صدیق اکبرؓ جب خطبے سے فارغ ہوئے تو عمرؓ کو مخاطب بنا کر کہا اے عمرؓ! تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ پیغمبر کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں مرے کیا تجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر نے اپنی وفات کے

متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا اور خدا تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے انک میت و انھم میتون حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرا حال ایسا ہوا کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے پہلے کبھی سنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ صادر ہوئی اور اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کی رحمتیں ہوں رسولؐ پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

ص ۳۲۵ میں فرمایا: شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بنا پر فقط حواس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نورؐ کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا۔ صدیق اکبرؓ کے خطبہ سے فاروق اعظمؓ کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقتِ حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرما لیا۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۷۰۔

ص ۳۳۴ میں ہے صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے جب غسل کا ارادہ کیا تو سوال یہ پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں؟ ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یک لخت سب پر ایک غنودگی طاری ہو گئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسولؐ کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو۔ چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپؐ کو نہلایا گیا اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۶۰، اتحاف شرح احیاء ص ۳۰۲)

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپؐ کو کفن دیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ اتار لیا گیا (اتحاف ج ۱۰ ص ۳۰۳)

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اٹھا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے۔ انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے۔

ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے، یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا جائے۔ جو نسا شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابو طلحہ پہلے آپہنچے اور آپ کے لیے لحد تیار کی (زرقانی ج ۸ ص ۹۲ تا ۲۹۲، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۷۱ ق ۲)

اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

پھر ص ۲۴۴ پر آپ پر نماز جنازہ کا ذکر کیا کہ سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا۔ الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔

آگے لکھا، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃً نماز پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے (انتہی کلامہ) اور اسی کو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ص ۲۴۶ میں فائدہ لکھا: ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی (ذیل الادطار ج ۴ ص ۷۷)

مولانا عبدالحق حقانیؒ

تفسیر حقانی میں تحت آیت انک میت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت

جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا، حالانکہ آپ شہیدوں سے رتبے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً کہ ان کو مردہ نہ سمجھ بل احیاءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں، ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیات ابدی کہنا چاہیے اور یہ موت عرفی ہے۔ جسم سے روح کی مفارقت۔

اور ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتاً کے تحت لکھا: واضح ہو کہ انسان روح یا نفس ناطقہ ہے اور یہ جسم خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے اس نفس ناطقہ یعنی روح ہوائی کا کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے اعنی نفس ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور روح ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے۔ جب کسی سبب سے اس جسم خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور ترک تعلق کا نام موت عرفی ہے) تو نفس ناطقہ کو جو جوہر نورانی ہے باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس و ادراک اور شعور و تمیز بھی باقی رہتی ہے اس میں کافر و مومن، شہید و غیر شہید سب برابر ہیں۔ پس اس معنی سے موت ہے تو جسم کو احیات ہے تو نفس ناطقہ کو۔ لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسم خاکی تک بھی پہنچتا ہے، اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام و شہداء عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے۔

اسی طرح اس موت عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں۔ اس معنی سے شہید اور غیر شہید انبیاء و غیر انبیاء سب کو موت ہے انک میت وانہم میتون کل نفس ذائقۃ الموت اور اس لیے ان کے بعد ان پر احکام موت جاری ہوتے ہیں، مال میں حصے لگ جاتے ہیں۔

اب حیات شہداء و انبیاء کے یہ معنی ہیں اور اس آیت میں مراد بھی یہی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہونے کے بعد روح کو اس عالم قدس میں ہر قسم کا آرام و عزت نصیب ہو۔ اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں منطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے

کہ روح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں اسلیے اس عالم میں کہ جس کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالم خواب کو عالم بیداری سے ہے، ہر قسم کی لذات میوے اور عمدہ مکان، انہار و حور و قصور میسر آتے ہیں اور ان سے لذت پاتے ہیں، بالخصوص شہداء کو ان کو نشو سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس سے عالم برزخی میں ان کے لیے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکر نورانی سے جس طرح بارگاہ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں طیران کر کے ترقی کرتے ہیں اور اقسام و انواع کے لذات سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث میں بھی کہ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے "کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آ کر آشیانۂ عرش میں رہتے ہیں اور جہاں سے جی چاہتا ہے کھاتے ہیں" اسی طرف ایما ہے۔ اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتی ہیں مگر ان کی اس حیات جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کر سکتے کہ جو اقسام کثیفہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اطلس سے ایک انچ آگے بھی ان کا ادراک نہیں یہ کا مراقی دراصل وہ حیات اعلیٰ ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے۔

اس کے برخلاف کفار و فجار کا اس عالم میں معذب ہونا موت ہے ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے، دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے، گو دونوں زندہ ہیں مگر اہل الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے، وہ موت سے بھی بدتر ہے، زندگی تو دوسرے شخص کی ہی ہے۔ اسی لیے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے اور اسی تعلق خاص کے سبب ان کے اعمال حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے کل ابن آدم یختم علی عملہ اذا مات الا المجاہد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ (رواہ البخاری ومسلم) یعنی ہر انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں تا قیامت۔

لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی شریک ہیں اور اس کے

.... درجات بھی متفاوت ہیں، مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں ایک خصوصیت خاصہ ہے اور اسی لیے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی آرزو کی ہے اور کیوں نہ ہو جو خدا کو اپنی حیات مستعار سپرد کر دیتا ہے وہ اس کے بالعوض اس کو حیات ابدی عطا کرتا ہے گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لیے خدا نے لا تشعرون فرمایا لا تعلمون نہیں فرمایا۔

مذہب شافعیہ

و

جنازہ بر قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۶۶ باب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا۔

وقد اختلف المتأخرون من اصحاب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مشروعیۃ الصلوٰۃ علی قبرہٖ صلی اللہ علیہ وسلم لغیر الصحابۃ رضی اللہ عنہم فقیل نعم لان جسدہٗ علیہ السلام طری فی قبرہٖ لان اللہ تعالیٰ قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کما ورد بذلک الحدیث فی السنن وغیرھا فھو کالمیت الیوم۔ وقال اٰخرون لایفعل لان السلف ممن بعد الصحابۃ لم یفعلوہ ولو کان مشروعا لبادروا الیہ ولثابروا علیہ واللہ اعلم

حیات جاوداں کا مصنف بھی ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ متاخرین اصحاب شافعیہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ صحابہؓ کے علاوہ کسی اور کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آپؐ کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر میں تر و تازہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ

حدیث میں ہے (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴۶)

شہداء کا جنازہ

لیکن شہادت پانے والے پر تمام شوافع کے نزدیک نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ... علامہ کاسانی رحمہ نے بدائع صنائع ج ا ص ۳۲۵ میں لکھا:

لان اللہ تعالیٰ وصف الشھداء بانھم احیاء فی کتابہ والصلوٰۃ علی المیت لا علی الحی۔

علامہ شمس الائمۃ سرخسیؒ نے مبسوط ج ۲ ص ۴۹ میں لکھا کہ امام شافعی کے نزدیک لا یصلی علیہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لان اللہ وصف الشھداء بانھم احیاء فی کتابہ والصلوٰۃ علی المیت لا علی الحی اس لیے کہ موافق فرمانِ الٰہی کے شہید زندہ ہیں اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ زندہ پر۔

مگر حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شہادت پانے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس کی دو دلیلیں بیان کیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد پر نماز جنازہ پڑھی تھی ولنا ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّٰی علیٰ شھداء احد صلوٰۃ الجنازۃ (بدائع صنائع ج ا ص ۳۲۵) دوسری دلیل یہ کہ میت پر جو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس لیے نہیں کہ وہ گنہ گار ہے بلکہ اس کی عزت و کرامت ظاہر کرنے کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف مسلمان میّت پر نماز پڑھنے کی تخصیص ہے کافر، باغی اور ڈاکو پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں کیونکہ وہ عزت کے لائق نہیں، بلکہ توہین کے لائق ہیں اور شہید تو دوسرے مسلمانوں سے بڑھ کر عزت کے لائق ہے (لان الصلوٰۃ علی المیت لاظہار کرامتہ ولھذا اختص بھا المسلمون دون الکفرۃ والشھید اولیٰ بالکرامۃ (مبسوط، بدائع وصنائع)

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جو خیال ہے کہ السیف محاء للذنوب تلوار گناہ مٹا دیتی ہے اس لیے شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کی اور اس کے حق میں دعا مانگنے کی

ضرورت نہیں ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ بندہ جس قدر بھی جلیل القدر اور علیہ شان والا ہو دُعا سے بے نیاز نہیں ہے، دیکھتے نہیں ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور اس بات میں کوئی شک کا امکان ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور شان تمام شہداء کے درجہ اور شان سے بے انتہا فائق ہے۔ (وما ذکر (الشافعی) من حصول الطهارة بالشهادة فالعبد وان جل قدره لا يستغني عن الدعا الا ترى انهم صلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا شك ان درجته عليه الصلوة والسلام كانت فوق درجة الشهداء وربما قالوا مناالخ) وا لعيد آن تطهرامن الذنوب فلا تبلغ درجته درجة الاستغناء عن الدعا له الا ترى انهم صلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا اشكال ان درجته فوق درجة الشهداء اور المبسوط سرخسی ج ۲ ص ۵۰)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہے اور جنازہ کی نماز میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ والشهيد حي في احكام الآخرة كما قال تعالى بل احياء عند ربهم فاما في احكام الدنيا فهو ميت يقسم ميراثه وتتزوج امراته بعد انقضاء العدة وفريضة الصلوٰة عليه من احكام الدنيا فكان فيه ميتا يصلى عليه (المبسوط ج ۲ ص ۵۰) یعنی شہید کو جو زندہ کہتے ہیں وہ آخرت کے اعتبار سے کہتے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں لیکن دنیا کے اعتبار سے تو وہ شہید میت ہی ہے اس کا ترکہ ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور چار ماہ دس دن یا وضع حمل کے بعد اس کی بیوی کا نکاح بھی دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے چونکہ جنازہ کی نماز بھی دنیا کے احکام میں سے ایک حکم ہے اس میں وہ میت ہے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۲۵)

نیلوی کہتا ہے کہ بعض متاخرین شافعیہ جب اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں تو صاف معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ومحفوظ جسد عنصری میں ردّ روح کے قائل نہیں کیونکہ اگر رد روح کے قائل ہوتے اور جسد عنصری مع الروح کو زندہ سمجھتے تو جواز جنازہ کا قول نہ کرتے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ جنازہ میت کا ہوتا ہے نہ زندہ کا۔ حالانکہ شافعیہ کا تو مسلک یہ ہے کہ شہید کا نماز جنازہ دفن سے پہلے بھی نہیں پڑھتے اور شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن عزیز میں شہدا کو زندہ فرمایا ہے بل احیاء عند ربھم اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، اس لیے شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے نہ قبل از دفن نہ بعد از دفن۔ اور جس حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز پڑھی تھی تو شافعیہ اس کی توجیہ فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز جنازہ نہیں ہے بلکہ یہاں صلوٰۃ سے دعا مراد ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

تو جب شافعیہ علیہم الرحمۃ شہداء کو زندہ سمجھ کر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تو انبیاء علیہم السلام کو زندہ سمجھ کر ان پر نماز جنازہ کیسے پڑھیں گے۔ لیکن جب وہ انبیاء پر قبل از دفن بھی نماز جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں اور بعد از دفن اس زمانہ میں بھی نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر پڑھنے کو جائز کہتے ہیں تو اس سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ جیسے وہ انبیاء علیہم السلام کی روح دفن سے پہلے اس معصوم ومحفوظ جسد عنصری میں واپس آنے کے قائل نہیں ہیں اسی طرح دفن کے بعد بھی روح کا اس معصوم ومحفوظ جسد عنصری میں واپس آنے کے قائل نہیں ہیں البتہ یہ عقیدہ حقہ صحیحہ ان کا بھی ہے۔ کہ اجساد مبارکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تر و تازہ بلا تغیر و تبدل صحیح وسالم موجود ہیں۔ اسی واسطے قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور آپ کے بارے میں صاف کہتے ہیں ھو کالمیت الیوم یعنی وہ آج دوسرے میت کی طرح ہیں۔

اب رہے بعض دوسرے شافعیہ جو قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے

سوال کے ناجائز کہنے کی یہ وجہ ہرگز نہیں ہے کہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بجسدہ و جسدہ العنصری اپنی اس عرقی قبر اطہر میں دنیا میں جیسے زندہ تھے اب بھی ویسے ہی زندہ جاوید ہیں اور لہٰذا ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے قبر اطہر پر نماز جنازہ منع ہے بلکہ ممانعت کی وجہ یہ فرماتے ہیں لان السلف ممن بعد الصحابة لو فعلوه ولو کان مشروعا لبادروا الیه ولتاجروا علیه - اب آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنا اس لیے منع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی اور اگر آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ شریعت مطہرہ میں جائز ہوتا تو سلف صالحین ضرور اس کام میں پہل کرتے اور اس پر مداومت فرماتے۔

اور ہمارے علماء حنفیہ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ولی میت جب نماز جنازہ ادا کر چکا ہو تو پھر اس کے بعد اور کسی کو اس میت کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے خواہ دفن سے پہلے ہو یا دفن کر چکنے کے بعد۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

اس کی دلیل حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تالیف فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۸ میں یہ تحریر فرمائی ہے مقال علماءنا والدلیل علی عدم شرعیة الصلوٰة علی القبر ترک الناس عن آخرهم الصلوٰة علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو حی فی قبرہ الشریف لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض کما ورد به الاثر - ولو کانت مشروعة لما اعرض الخلق کلهم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقرب الیه علیه الصلوٰة والسلام بانواع الطرق منه فهذا دلیل ظاهر علیه یعنی ہمارے علمائے حنفیہ رحمہم اللہ نے قبر پر دوبارہ نماز جنازہ جائز نہ ہونے کی یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اول سے آخر تک تمام مسلمانوں نے نماز جنازہ چھوڑ رکھی ہے حالانکہ آپ کا

جسدِ اطہر اپنی قبر شریف میں اسی طرح تر و تازہ زندوں کی طرح موجود ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے گوشتوں کا کھانا زمین پر حرام ہے جیسے احادیث میں وارد ہے اور اگر قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تمام مخلوق میں یہ بڑے بڑے علماء اور پارسا اور حضور ﷺ کا قرب مختلف طرق کے ذریعے حاصل کرنے کے شائق لوگ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے کبھی روگردانی نہ فرماتے۔

تو ان فقہاء کی عبارات میں تصریح ہے کہ جنازہ کی نماز زندہ پر نہیں پڑھی جاتی بلکہ میت پر پڑھی جاتی ہے اور شہیدوں پر جو جنازہ پڑھا جاتا ہے اس کو میت ہی سمجھ کر پڑھا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نماز جنازہ پڑھی گئی تھی وہ میت ہی سمجھ کر پڑھی گئی تھی۔

سید اصغر حسین رح دیوبندی

دار العلوم دیوبند کے مفتی و مدرس حضرت سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ "حیاتِ خضر" میں لکھتے ہیں۔ سب علماء جانتے ہیں کہ دانیال ؑ خدا کے نہایت مقبول نبی تھے رسول نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو نہایت علم و حکمت عطا فرمایا تھا موسیٰ ؑ کی شریعت پر لوگوں کو چلاتے تھے اور توراۃ کی تعلیم کرتے تھے۔ عمر رضؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو موسیٰؓ کی سپہ سالاری میں سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیالؑ کی نعش ملی جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی کسی عضو کی ہیئت و صورت میں فرق نہیں آیا تھا اور اسی مکان میں بہت سا مال ان کی نعش کے پاس رکھا ہوا ملا۔ ابو موسیٰؓ نے ان کی نسبت عمر رضؓ کو خط لکھا۔ عمر رضؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دو۔ ابو موسیٰؓ نے عمر رضؓ کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کی نہر کے کنارے سے دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کروا دیا۔ تاکہ لوگ ان کو پھر نہ نکالیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ دانیال ؑ کی نعش کے پاس سے خود ہی ایک وعدہ مقرر کر کے

بوقتِ ضرورت لوگ مال قرض لے جاتے تھے۔ جو شخص وعدہ پر نہ رکھتا۔ اس کو برص ہو جاتا تھا۔ اس مال کی نسبت دانیال نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہو کر وہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تقسیم ہوا۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی وفات کو صدیاں گزر چکی تھیں باوجودیکہ وہ نبی تھے جن کے متعلق محدث بیہقیؒ فرماتے ہیں الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء (کتاب الاعتقاد للبیہقی) حضرت امام ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکم کے موافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کو میت ہی سمجھ کر بیر کے پتوں اور خوشبودار پانی سے غسل دیا کفن دیا ان پر نماز جنازہ پڑھی انہیں قبر بنا کر اس میں دفن کیا۔ بھلا زندہ کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کر سکتے ہیں۔ اس سے تو صاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ نظر آتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ اور دیگر صحابہؓ اس دنیا کے اعتبار سے انہیں داخل اموات ہی سمجھتے تھے اسی لیے ان کو دفن کیا ورنہ زندہ کو دفن کرنا تو حرام ہے اور زندہ جو سمجھتے تھے تو اخروی زندگی کے اعتبار سے ہی انہیں زندہ سمجھتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے جوں کے توں صحیح و سلامت محفوظ رہتے ہیں۔

فارس والوں نے اگرچہ اپنے قدیم دستور کے مطابق دوائیں اور خوشبوئیں لگا رکھی تھیں لیکن پھر بھی اگر وہ لوگ یہ سامان حفاظت نہ کرتے تو بھی ان کا جسدِ اطہر صحیح و سلامت اور محفوظ ہی رہتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ کا محفوظ رہنا خرقِ عادت کے طور پر ہے اور داخل تحت قدرتِ الٰہیہ ہے۔

اور امام بیہقیؒ نے جو کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم اس کا ظاہر معنیٰ اگر مراد لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ اور عمل کے خلاف ہے خود امام بیہقی کی اپنی اس عبارت کے بھی خلاف

ہے جو اس فقرہ کے ساتھ متصل ہے اور بطور نتیجہ کے بیان ہے یعنی فہم احیاء عند ربھم کالشھداء یعنی جیسے شہداء اپنے رب کے ہاں سبز پرندوں کے قالبوں میں جنت میں زندہ موجود ہیں کھاتے پیتے ہیں سیر کرتے اڑتے پھرتے اور عیش کرتے پھرتے ہیں اسی طرح (بلکہ اس سے بھی کہیں زائد) انبیاء کرام علیہ السلام اپنے رب کے ہاں زندہ موجود ہیں کھاتے پیتے عیش کرتے ہیں ان کی وہ ملکوتی حیات اس دنیاوی ظاہری ناسوتی حیات سے اتم، اہم، اعظم و اقوم، ادوم ہے اجمل، افضل اکمل ہے، البقیٰ اقوی اعلی، اصفی اسنیٰ ہے ارفع، انفع ادنع ہے اعلی اجلی احظی ہے۔

تو یہ حیات اخرویہ ہے جو حیات دنیا کے مماثل نہیں ہے مگر جب الانبیا بعد ما قبضو اردت الیھم ارواحھم سے تبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبض روح کے بعد آناً فاناً انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح طیبہ واپس ان کے پاک اجساد کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں اور پہلے کی طرح پھر سے ان کو حیات دنیویہ حقیقیہ جسیہ مل جاتی ہے اور قبر اطہر عرفی میں گوشہ نشینوں کی طرح رہ رہے ہیں، ملاقاتی ملاقات کو آتے ہیں زیارت کی شوق رکھتے ہیں مگر آپ باہر نکل کر ملاقاتیوں کی حسرت دور نہیں فرماتے اپنے تہ خانے میں سے چپکے سے دیکھ پہچان کر سلام کا جواب دے دیتے ہیں اور ملاقاتی کی درخواست پر توجہ بھی فرماتے ہیں اور خدا سے بخشش بھی کرواتے ہیں، سفارش بھی کرتے ہیں مگر عاشقان نبی کی حسرت دل ہی دل میں رہ جاتی ہے آپ کے معصوم چہرے کی زیارت سے محروم ہو کر واپس گھر لوٹ جاتے ہیں۔

بہرحال تبادر معنیٰ مراد لیے جائیں تو پہلا فقرہ دوسرے فقرے کے خلاف معلوم ہوتا ہے جس پر عقیدہ کی مدار سمجھ کر امام بیہقیؒ رحمہ اللہ نے کتاب الاعتقاد میں جگہ دی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: تو نے "وھو حی فی قبرہ الشریف" کا جو معنیٰ کیا ہے یہ غلط ہے۔

جواب جو معنیٰ میں نے "وھو حی فی قبرہ الشریف" کا کیا ہے کہ "وہ آپ کا جسد

اطہر آپ کی قبر میں زندہ جسموں کی طرح تر و تازہ ہے۔ یہی صحیح ہے اور یہ معنی کرنا کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں "غلط ہیں۔

کیونکہ بحث جنازۃ الرسول ﷺ کی ہو رہی ہے اور جنازہ میت کا ہوتا ہے نہ زندہ کا اگر آپ کا بتایا ہوا معنی کریں تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی ہوگی یا تو کہنا ہوگا کہ زندوں کا بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے یا یہ کہنا ہوگا کہ حضرت مولانا کی دلیل غلط ہے دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ جب یہ مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنی تربت گاہ میں معتکف ہیں اور ذکر و اذکار اور نماز حج وغیرہ میں مشغول ہیں تو یہ دلیل اس دعویٰ کی نہیں ہو سکتی کہ میت کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ اور شراح ہدایہ (صاحب عنایہ و صاحب کفایہ و عینی وغیرہ) نے اور صاحب مستخلص شرح کنز نے یہ ایں الفاظ تعبیر فرمائی " الاولیٰ ان الصلوٰۃ ترکت علیٰ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انہ م فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض (مستخلص ص ۵۱، عنایہ ص ۸۳

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آج بھی اپنی قبر اطہر میں اسی حالت میں صحیح سلامت بغیر تغیر و تبدل کے موجود ہیں جس میں آپ کو رکھا گیا تھا اب کوئی بھی آپ کی قبر اطہر پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھتا۔

اس دلیل سے کسی کے ذہن میں شبہ پڑنے کا امکان تھا کہ حنفیہ کے کتب میں مسئلہ لکھا ہے کہ دفن سے تین دن بعد قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ عموماً تین دن کے بعد میت کا بدن پھولنے پھٹنے لگ جاتا ہے، تو اس شبہ کو اس طرح زائل کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان مقدسہ قبر میں صحیح سلامت اور تر و تازہ رہتے ہیں اور زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدانِ مقدسہ کو کھائے۔

اگر فقہاء کے نزدیک یہ مسئلہ ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے عزلت خانہ میں بجنابِ خود تشریف فرما ہیں اور وہ وہیں بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے ذکر و تسبیح و تہلیل و تکبیر اور نماز میں مشغول ہیں اور حج کو بھی چلے جاتے ہیں تو اپنے مسئلہ تکرار جنازہ علی القبر کی کراہت

پر یہ دلیل پیش نہ کرتے اور اس دلیل پر آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ ہدایہ شریف درسی کتاب ہے آٹھ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوچکا ہے کہ یہ کتاب داخل درس ہے اور بیسیوں شروح اس کی لکھی جاچکی ہیں اور بڑے بڑے علماء اسے مستند سمجھتے ہیں اور بعض عبارات پر تنقید بھی کرتے ہیں مگر اس عبارت پر کچھ تنقید نہ کی اور نہ یہ کہا کہ تقریب تام نہیں اور دلیل مطابق دعوے کے نہیں کہ دعویٰ تو ہے میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا منع ہے اور دلیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جنازہ نہ پڑھنے کو لایا گیا جب کہ تمام مسلمین کا اجماع ہے کہ آپ اپنے عزلت خانہ میں تقیید حیات دنیوی حسی تشریف فرما ہیں اور وہیں آپ ذکر و تسبیح، نماز حج بطبیب خاطر مکلف ہونے کے ادا فرماتے ہیں۔ لہٰذا یہ دلیل غلط ہے اور دعویٰ کے مطابق نہیں ہے بلکہ تمام فقہاء اسی دلیل کو اپنی کتب میں بلا تنقید نقل فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ موافق قاعدہ محررہ جناب محترم مولانا صفدر صاحب کے سب اس دلیل کو صحیح اور علی وجہ یستلزم المطلوب مانتے ہیں اور یہ اسی صورت میں صحیح کہا جاسکتا ہے جب کہ آپ کے بدن مقدس کو قبر اطہر میں بلا تغیر و تبدل صحیح سالم تسلیم کیا جائے اور دخول و اعادہ روح مبارک کا جسد مقدس میں قول نہ کیا جائے۔ خصوصاً حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمہ اللہ کے اس نظریہ کے مطابق کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا، یہ دلیل دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے۔

بالکل یہی سوال شہداء کے بارے میں اٹھتا ہے جس کا جواب فقہاء نے دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان قالوا انکم لا ترون الصلوة علی القبر بعد ثلثة ایام قلنا لیس کذالک بل تجوز الصلوٰة علی القبر ما لم یتفسخ والشهداء لا یتفسخون ولا یحصل لهم تغیر فالصلوٰة علیهم لا تمتنع ای وقت کان (عمدة القاری ج ۸ ص ۱۵۶) تین روز گزر جانے کے بعد تم حنفی لوگ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے پھر آٹھ سال گزر جانے کے بعد شہداء کی قبور پر نماز جنازہ پڑھنے کا قول کس طرح درست ہوسکتا ہے تو اس سوال کا جواب یہ دیا کہ مسئلہ تین دن کا نہیں بلکہ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ جب تک میت صحیح سلامت ہے پھولی پھٹی نہیں ہے اس وقت تک

قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اور جب میت کا بدن پھٹنا شروع ہو جائے پھر اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا منع ہے اور شہیدوں کا بدن نہ پھٹتا ہے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا تغیر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی قبر پر کسی وقت ہی نماز پڑھی جائے منع نہیں ہے اسی طرح عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۲۳ میں ہے "روی البخاری عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین الجواب السدید ان اجسادھم لم تبل" بخاری نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی تو اس کا ٹھیک ٹھاک جواب یہی ہے کہ ان شہیدوں کے اجساد مبارکہ بوسیدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت قبروں میں محفوظ تھے۔

اب ماحصل اس تمام گفتگو کا یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے جو یہ کہا اور عقیدہ رکھا جاتا ہے جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں تمام مومنین صالحین، شہداء، صدیقین سے بڑھ کر اونچے درجوں پر ہیں اور ان کی حیات اس قدر قوی ہے کہ اس کا اثر ان کے ابدان مقدسہ پر بھی ہے کہ صحیح سلامت بلا تغیر تبدل قبروں میں محفوظ اور تر و تازہ ہیں اور حی فی قبرہ الشریف کے بھی معنی ہیں کہ قبر شریف میں ان کے مبارک اجساد تر و تازہ بلا تغیر و تبدل محفوظ موجود ہیں اور حی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے اجساد مقدسہ میں روح واپس کر دی گئی ہے کیونکہ جب بدن میں روح واپس آگئی تو وہ زندہ ہو گیا میت نہیں رہا اور زندہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی بلکہ میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ جس جگہ زندہ کی رہائش ہو اسے قبر نہیں کہتے۔ قبر تو میت کی ہوتی ہے اور زندہ کی کوٹھڑی ہوتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ فلاں ہستی قبر میں زندہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کا بدن قبر میں تر و تازہ ہے، ہاں جب "یعلمون" یا "یرزقون" یا "عند اللہ" کا لفظ متعلق ہو تو اس وقت اعلیٰ علیین میں زندگی مراد ہوگی۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے اس جگہ صرف۔

"وھو حی فی قبرہ الشریف" فرمایا ہے یہاں یصلون ، یرزقون ، عند اللہ ، کے الفاظ نہیں لائے ، بلکہ اس کے بعد و لحوم الانبیاء حرام علی الارض فرمایا۔ اب یہ سب چار باتیں قرائن ہیں اس امر کے کہ یہاں حیؔ سے مراد ہے جسد اطہر کا تر و تازہ رہنا ۱۔ قبر پہ نماز نہ پڑھنے کی دلیل میں قبر نبیؐ پر نماز کے ترک کو ذکر کرنا ۲۔ حی فی قبرہ فرمانا اور حی فی حجرتہ یا معتزل عن الناس یا معتکف فی حجرتہ الشریفۃ وغیرہ نہ فرمانا ۳۔ لحوم الانبیاء کا لفظ ۴۔ ولو کانت مشہورۃ الخ سے مزید تقویت دعویٰ مذکورہ کی بیان کرنا۔

نیز الیوم کما وضع بھی صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی اسی طرح اپنی قبر شریف میں ہیں جس طرح آپ کو رکھا گیا تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ کرام رضؓ (حضرت علی ، فضل بن عباس ، اسامہ بن زید ، اوس بن خولی انصاری ، رضی اللہ عنہم) نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں رکھا تھا تو اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح نہ تھی (کیونکہ صحابہ کرام رضؓ ایسے نہ تھے جو جسد مع الروح کو قبر شریف میں رکھتے) تو فقہاء فرماتے ہیں کہ جس حالت میں آپ کے جسد اطہر کو قبر شریف میں رکھا گیا تھا اب بھی آپ کا جسد مبارک اسی حالت میں ہے۔ اب اگر یہ تسلیم کریں کہ آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک عود کر آئی ہے اور آپ بہ نفس نفیس جسد مع الروح تشریف فرما ہیں تو فقہاء کا یہ قول بھی غلط ہو جائے گا " وھو الیوم کما وضع " الاان کی دلیل بھی دعویٰ کے ساتھ موافق نہ ہو گی۔ نیز "قبر النبی" کہنا بھی اپنے دعویٰ حیات دنیویہ جسمانیہ کے متناقض ہو گا کیونکہ قبر میت کی ہوتی ہے اور جو حیات دنیویہ جسمانیہ کے ساتھ زندہ ہو اس کی جائے رہائش کو قبر نہیں کہتے بلکہ حجرہ یا بیت وغیرہ کہتے ہیں۔ زندہ آدمی کو قبر میں رکھنے کا شرع شریف میں کوئی دستور نہیں۔ بلکہ قید میں یا کسی کمرہ میں حبس بے جا بھی حرام ہے۔ خصوصاً شریعت مطہرہ میں بیٹے پر حرام ہے کہ اپنے جسمانی والد کو محبوس کرے یا قید کروائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جمیع مسلمین و مسلمات کے والد ہیں اور روحانی والد کی شان اور رتبہ جسمانی والد سے کہیں فائق ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا میں رونق افروز تھے تو یہی کہا جاتا تھا کہ آپ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے ہیں یا حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے ہیں خود حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے بھی اسی طرح اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون یعنی بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور آپ کے حجرہ شریفہ پر قبر کا اطلاق نہیں فرمایا اور نہ یہ فرمایا کہ جب آپ اس عالم دنیا سے منتقل ہوکر عالم برزخ میں تشریف لے جائیں گے تو آپ کے لیے قبر لحد نہ بنانا، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کی وفات صرف آنی ہوتی ہے پھر وہاں آپ کو یہی دنیوی جسمانی حقیقی اقوی حیات مل جاتی ہے تو قبر بنانا بے سود ہے، جیسے آنی وفات سے پہلے آپ کا مسکن ابیت حجرہ شریفہ تھا اب آنی وفات کے بعد بھی وہی حجرہ شریفہ بدستور آپ کا مسکن مبیت رہے گا۔ آپ لوگوں کو چاہیے کہ جیسے حضرت امام وخلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح سے آکر آپ کے معصوم چہرۂ انور سے کپڑا مبارک اٹھا کر آپ کی زیارت کی تھی اور آپ کو بوسہ دیا تھا اسی طرح ہر خوش نصیب نیک بخت آنحضرتؐ کے معصوم چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر زیارت سے مشرف ہوتا رہے۔

پھر یہ حجرہ شریفہ کے اندر نہلا کر کفن دینا پھر لحد والی قبر بنا کر معصوم جسد معطر مطہر مبارک کو قبلہ رخ لٹا کر مٹی سے بند کر دینا، جنازہ پڑھنا اور مستنم بنانا اور اوپر سے پانی چھڑکنا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب کہا کہ آپ کے دل نے کیسے گوارا کر لیا کہ آپ پر مٹی ڈالیں تو انس رضی اللہ عنہ کا جواب دینا کہ واقعی دل تو نہ چاہتا تھا مگر کیا کریں فرمان الٰہی سب سے مقدم ہے کہ دفن کریں اور اب تک اس جگہ کو قبر کہنا اور بعض احادیث میں آپؐ کا خود اپنی بعد الموت جگہ کا نام قبر رکھنا، اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ آپ بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام دنیا کے اعتبار سے اموات میں داخل ہیں۔ کیونکہ قبریں اموات ہی کی ہوتی ہیں زندوں کو کوئی آدمی قبروں میں دفن نہیں کرتا۔ البتہ

عہد جاہلیت میں مشرک قوموں نے بہ کثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا ہے خصوصاً عرب میں قبیلہ بنی تمیم اس بلا میں بہت مبتلا تھا۔

ہسٹوریننس ہسٹری آف دی ورلڈ ج ۸ ص ۸ میں ہے "دختر نوزاد کو دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اسے حرام کہا ہے۔

اور اگر کسی ایسے شخص کو جو مرض سکتہ میں مبتلا ہے میت سمجھ کر دفن کر دیا گیا ہو پھر کسی طریق سے معلوم ہو جائے کہ وہ مریض زندہ ہے تو اسے قبر میں ایک لمحہ بھی نہ رہنے دیں گے بلکہ فوراً ہی نکال لیں گے۔

اور قبر میں دفن کرنے کی صورت میں میت مومن کی عزت ہے اس کا احترام ہے اور اسی میں مومن کا وقار ہے۔ دوسرے جانوروں کی قبریں کوئی نہیں بناتا۔ بلکہ شرع محمدی میں کافر کی قبر بھی نہیں بنائی جاتی بلکہ ویسے ہی گڑھا کھود کر اس میں پھینک دیا جاتا ہے یہ برتاؤ بھی اس کے ساتھ محض اس لیے کیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے آخر انسان ہے۔

مالم یتفسخ سے عدم عود روح کا مسئلہ بھی حل ہو گیا

فائدہ: فقہاء کا فرمانا کہ جب تک قبر میں میت کی لاش پھولی پھٹی نہ ہو تب تک میت کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے (بشرطیکہ نماز جنازہ ادا کیے بغیر دفن کیا جا چکا ہو) یہ خود دلیل ہے اس امر کی کہ اس جسد عنصری میں روح واپس نہیں آتی اس لیے کہ نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے جس کے جسد عنصری سے روح جدا ہو چکی ہو اور اگر جسد عنصری میں روح باقی ہو اگرچہ تھوڑی سی رمق ہی باقی ہو جیسے سکتہ کا مریض تو اس پر نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھتا۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ مرنے کے بعد پھر اس کے جسد عنصری میں روح واپس آجاتی ہے تو فقہاء کے اس مسئلہ کی تردید لازم آئے گی نیز اس حدیث کو رد کرتا ہو گا جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت مردہ یا

عورت کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی تھی، نیز اس حدیث کو رد کرتا ہو گا جو حنفیہ علیہم الرحمۃ کا مستدل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ ادا فرمائی تھی کیونکہ آپ کا نماز جنازہ قبر پر پڑھنا تبھی ہو سکتا ہے کہ جسد عنصری صحیح سلامت موجود بھی ہو اور روح بھی واپس نہ آئی ہو۔ اگر جسد عنصری پھول پھٹ گیا ہوتا یا جسد عنصری میں روح واپس آچکی ہوتی تو آپ قبر پر نماز جنازہ ادا نہ فرماتے۔

نیز تفسیخ بدن میت بھی اس امر کی دلیل ہے کہ جسد عنصری میں روح واپس نہیں آتی کیونکہ جسد عنصری میں روح ہو تو تفسیخ بدن نہیں ہوتا اور اس بات کو خصم بھی تسلیم کرتا ہے کیونکہ وہ تو اسی عدم تفسیخ ابدان کو عنصری دنیوی جسمانی حیات انبیاء کی دلیل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دنیوی عنصری جسمانی حیات اسلیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جسد اطہر قبر اطہر میں بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت ترو تازہ موجود ہے۔ اگر العیاذ باللہ آپ کا جسد اطہر ترو تازہ صحیح سلامت نہ ہوتا تو آپ کی حیات جسمانی دنیوی عنصری ثابت نہ ہوتی، اگر اس جسد عنصری میں روح نہ ہوتی تو یہ جسد عنصری مٹی کی خوراک ہو جاتا لیکن تمانی تو باطل ہے یعنی جسد عنصری مٹی کی خوراک نہیں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جسد عنصری میں روح ہے۔

فہم خصم کی غلطی پر تنبیہ

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خصم کے نزدیک بُنیہ (ڈھانچہ) کا صحیح سلامت رہنا حیات کی شرط ہے کہ بُنیہ چونکہ سلامت ہے اس لیے حیات ہے اور جسد میں روح ہے اور اگر جسد میں روح نہ ہوتی تو اتنی صدیوں تک بُنیہ صحیح سلامت رہ نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خصوم میں سے بعض کی زبانی تقاریر میں یہ بات سُنی گئی ہے کہ جسم عنصری کے صدیوں صحیح سلامت رہنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جسم عنصری میں روح ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حنوط اور مسالوں کے ساتھ جسم عنصری محفوظ رہ سکتا ہے جیسے عہد قدیم میں دستور تھا کہ بادشاہ وغیرہ کی لاش کو حنوط لگا کر

کمرہ میں رکھ لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حنوط نہیں لگایا گیا تو دوسری شق ثابت ہوگی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مقدسہ میں روح ہے۔

مگر سچ پوچھیں تو یہی مسلک بعینہٖ معتزلہ کا ہے۔ مع ہذا خصم اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کا مبلغ اعظم تصور کرتا ہے۔

اور درحقیقت یہ حصر غلط ہے کیونکہ جسد عنصری کا صحیح سلامت رہنا خدا کی قدرت سے ہوتا ہے اور خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اجساد انبیاء و شہداء اور دیگر ہر اس شخص کے جسم کو جسے محفوظ رکھنا چاہے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ حنوط نہ لگا ہو۔ اور اگر چاہتا ہے تو حنوط والے جسم کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

ہماری مندرجہ بالا تقریر سے قرع نعال والی حدیث کا مفہوم بھی حل ہو جاتا ہے کہ اس قرع نعال سے مقصد اور غرض اصلی قرب تاما مقصود ہے کہ دیر نہیں لگی، دفن کی الطریقۃ المسنونۃ کے بعد جلدی فرشتے آجاتے ہیں، اتنی جلدی کہ ابھی جوتوں کی آواز ختم نہیں ہوتی، اور یہ مطلب نہیں کہ دفن کرنے کے بعد روح واپس آجاتی ہے۔ ورنہ تو قبر پر جنازہ کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے کیونکہ اب تو جسد عنصری میں روح آگئی ہے، مردہ زندہ ہو گیا ہے اور زندوں پر نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھتا۔

مذہب امام ابو حنیفہؒ

نیز حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ قبر پر قرآن پاک پڑھنا (ماسوا ابتدائی و آخری آیات سورۂ بقرہ کے جو دفن میت کے متصل بعد سر اور پاؤں کے پاس کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہیں) مکروہ ہے اور اس کی دلیل مراقی الفلاح کے حاشیہ میں علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لانھا جیفۃ کہ وہ بدبودار لاش ہے۔

اگر یہ بات تسلیم کریں کہ جسد عنصری میں روح واپس آجاتی ہے اور دیکھتا، سنتا سمجھتا ہے تو قراءت قرآن علی القبر کی کراہت کی امام اعظمؒ کے نزدیک وجہ کیا ہے۔

نیز اگر شافعیہ کے مسلک کے مطابق کہا جائے کہ میت چونکہ نفس قرآن سے نزد:

ہے اور زندوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے شہید پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تو یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ شہید کو دفن ہی نہ کیا جائے کیونکہ شہید زندہ ہے اور زندہ کو دفن کرنا حرام ہے۔

نیز یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ شہید کو اگر دفن کر دیا گیا تو اس سے نکیرین کا سوال نہ ہو کیونکہ حدیث میں اذا قُبِرَ المیت کے لفظ ہیں یعنی میت کو جب دفن کریں تو اس میت کے پاس فرشتے آتے ہیں گو اب اس میں روح آگئی ہے اور اب زندہ ہے مگر باعتبار ماکان کے اسے میت ہی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن شہید کو کسی وقت میں میت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ تو زندہ ہے اس لیے اس پر نہ تو نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، نہ نہلا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے تن کے کپڑے اتار کر علیحدہ کفن دے سکتے ہیں، اسی لیے شہید کے پاس نکیرین کو نہ آنا چاہیے۔ کہ زندوں سے سوال نہیں ہوتا۔

ہاں ان کے نزدیک جو حنفی مسلک کے ساتھ منسلک ہیں، شہداء ہوں یا انبیاء بیشک عالم برزخ میں زندہ ہیں مگر دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور انبیاء کرام کو تو نہلایا بھی جاتا ہے کفن بھی دیا جاتا ہے اور شہداء و انبیاء سب کے لیے قبر (لحد یا شق کی صورت میں) بنائی جاتی ہے اور سب لوگ اس قبر کو قبر ہی کہتے ہیں اور جس شرعی طریقہ کے مطابق دوسرے اموات کو قبر میں رکھا جاتا ہے بلا تفاوت اسی طرح شرعی طریقہ کے مطابق شہداء اولیاء، صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کو بھی قبر میں رکھا جاتا ہے جو احکام دوسرے اموات مومنین کے قبور کے ساتھ متعلق ہیں وہی احکام شہداء اولیاء صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کے قبور کے ساتھ بھی متعلق ہیں۔

قبورِ انبیاء کی خصوصیت

البتہ ایک خصوصیت قبور انبیاء کی ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے اموات کو نہ مکان میں دفن کر سکتے ہیں نہ ان کی قبر پر مکان بنا سکتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کو مکان (بیت) میں قبر بنا کر دہیں دفن کریں۔ چنانچہ مراقی الفلاح میں علامہ

شرنبلالی نے فرمایا ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال الکمال لا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذالک خاص بالانبیاء علیہم السلام بل یدفن فی مقابر المسلمین یعنی کوٹھیل میں دفن کرنا اموات کو مکروہ ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کمال نے فرمایا ہے جس کوٹھے میں کوئی مرے چھوٹا ہو یا بڑا، اس کوٹھے میں اسے دفن نہ کیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کا خاصہ ہے بلکہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

سوال اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین (امام ابوبکر صدیق و امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) کی قبریں کیوں ہیں؟ اب اس کا

جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں بروقت وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ھذا احد اقمارک کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (رادّ مبشرہ یا لفضل منامات) شاید ہونگی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کے لیے۔

اسی کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینہ والاٰخر عن شمالہ وھو اٰخذ بایدیھما فقال ھٰکذا نبعث یوم القیامۃ۔ رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب۔ یعنی آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ مسجد میں آئے ان میں سے ایک آپ کے دائیں طرف تھے اور دوسرے بائیں طرف اور آپ نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بروز قیامت ہم اس طرح اٹھائے جائیں گے۔ اور ایک اور روایت بھی اس کی موید ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال انی لواقف فی قوم فدعوا اللہ لعمر

قد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبی یقول یرحمک اللہ انی لارجوان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر و فعلت وابوبکر وعمر وانطلقت وابوبکر وعمر ودخلت ابوبکر وعمر وخرجت ابوبکر وعمر فالتفت فاذا علی بن ابی طالب (مشکوٰۃ ص ۵۵۹، متفق علیہ باب مناقب ابی بکر و عمر رض) یعنی میں کچھ لوگوں میں بروز وفات عمر رض کھڑا تھا تو انہوں نے حضرت عمر رض کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کی اور ان کو نہلانے کے لیے تختہ پر رکھا گیا تھا یکایک میرے پیچھے سے ایک آدمی میرے مونڈھے پر اپنی کہنی رکھ کر کہتا ہے اے عمر! اللہ تعالیٰ نے تجھ پر رحمت کرے بلا شبہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے دونوں یاروں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کر دے گا (قبر میں یا جنت میں) اس لیے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ فلاں جگہ میں تھا اور ابوبکر و عمر بھی، یہ کام میں نے کیا اور ابوبکر و عمر رض نے بھی۔ فلاں جگہ میں چلا اور ابوبکر و عمر بھی، مسجد وغیرہ میں میں داخل ہوا اور ابوبکر رض و عمر رض بھی، اور فلاں مقام سے میں نکلا اور ابوبکر و عمر رض بھی، ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے جو پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ ارشاد فرمانے والے حضرت امام وامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تھے (مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ص ۵۵۹۔

نیز عبداللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام زمین کی طرف اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان کی اولاد بھی پیدا ہوگی، پھر ہوگی ان کی کل مدت رہنے کی ۴۵ سال پھر آپ وفات پائیں گے پھر میرے نزدیک میرے مقبرے میں دفن کیے جاویں گے

پھر میں اور عیسیٰؑ ایک مقبرہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے کیونکہ وہ دونوں بھی اسی مقبرہ میں مدفون ہوں گے۔

اور امام ترمذی نے مناقب کے ابواب جلد ۲ ص ۲۰۲ میں کہا حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ تورات میں صفت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہے وعیسی بن مریم یدفن معہ کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ آپ کے ساتھ اسی مقبرہ میں دفن ہوں گے پھر راوی حدیث حضرت ابومودود مدنی نے فرمایا وقد بقی فی البیت موضع قبر کہ اس حجرہ شریفہ میں ابھی ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۲ مطبع مجیدی کانپور)

اور حضرت سمہودی رحمہ اللہ نے خلاصۃ الوفا میں فصل ۱۰ کے اخیر میں اسی مذکور حدیث میں طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں یدفن عیسی بن مریم علیہ السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ و عمرؓ فیکون قبراً رابعاً وفیہ عثمان بن الضحاک وثقہ ابن حبان وضعفہ ابوداؤد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دفن کیے جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر چوتھی ہو گی۔ اس میں عثمان بن الضحاک راوی ہے۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور ابوداؤد نے اس کی تضعیف کی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بوادر النوادر ص ۴۷۰ میں فرمایا ہے روایت اولیٰ اس میں صریح ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلا کسی دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے پھر مجتمع ہو جائیں لفظ "ہکذا نبعث" سے بعید ہے یہ تو طریق بعث کی کیفیت پر دال ہے دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالنص ہونے کے سبب حجت ہے۔ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ "اقوم" میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع۔ چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ مخبر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں

دفن ہونا تورات میں بھی مذکور ہے۔ تو شرائع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہؓ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے نکیر نہیں فرمایا تو اس پر گویا اذن پر اجماع ہو گیا۔ اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو، ہمارے لیے اعتبار و استشہاد کے لیے حجیت کافی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء و بہ عمارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی صریح دلیل ہے کیونکہ صحابہؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا ہے

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سوال میں دو باتیں مذکور ہوں جن میں سے ایک کا جواب دینا بہ نسبت دوسرے کے اہم ہو تو اہم کا جواب ارشاد فرماتے اور دوسرے سے سکوت فرماتے اور اس کے بہت سے نظائر احادیث میں موجود ہیں۔ بطور نمونہ کے چند نظائر پیش خدمت ہیں۔

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت مبارک پر مہر نبوت تھی حضرت ابو رمثہ کے والد نے دیکھ کر کہا آپ مجھے اجازت دیں تو یہ چیز جو آپ کی پشت میں ہے اس کا میں علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب ہوں، تو یہاں ابو رمثہ نے دو جملے بولے ا مجھے اپنی اس تکلیف کا علاج کرنے کی اجازت دیں ۲ میں طبیب ہوں، تو آپؐ نے دوسرے فقرے کا جواب دیا۔ چونکہ اس کے کلام میں تعلی دعویٰ طب و دانائی کا تھا تو یہ جہالت اور بے تمیزی اس کی آپؐ کو پسند نہ آئی اس لیے اس پر اعتراض کیا کہ تو تو رفیق ہے کہ علاج کرنے میں تو مریض پر نرمی اور مہربانی کرتا ہے اور اس کو اس چیز سے نگاہ رکھتا ہے جو بظاہر ضرر دینے ہے یہ بات نہیں ہے کہ تو مریض کو شفا دیتا ہے۔ طبیب تو صرف اللہ ہے یعنی اللہ ہی صرف وہ ذات ہے جو مرض اور دوا کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس ذات واحد کے سوا کوئی نہیں جو مریض کو شفا دے سکے وہ آپ ہی لقا کی وصف کے ساتھ متصف ہے اور پہلے فقرہ کا جواب نہیں دیا۔

(۲) اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے رضاعی چچا نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی تو میں اس کو آنے کی اجازت سے انکار کیا حتیٰ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں کہ میرے رضاعی چچا کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا واقعی وہ تیرا چچا ہے تو اس کو آنے کی اجازت دے دیا کر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دودھ تو مجھ کو عورت نے پلایا مرد نے نہیں پلایا۔ آپ نے پھر وہی پہلی بات دہرائی کہ واقعی وہ تیرا چچا ہے پس وہ تیرے پاس آسکتا ہے مگر دوسری بات کا جواب نہیں دیا کہ اسی بات میں غور کرنے سے فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حرمت رضاعت جیسے مرضعہ کی طرف سے ہوتی ہے ایسے ہی اس کے خاوند کی جانب میں بھی ہوتی ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸ میں ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کی تعبیر پوچھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں تعبیر بتاؤں آپ نے اجازت دی جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خواب کی تعبیر بتانے سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تم نے کچھ تعبیر ٹھیک بتائی اور کچھ تعبیر بتانے میں چوک گئے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ پر قسم ہے، ضرور بتائیں کونسے حصہ میں میں چوک گیا ہوں؟ آپ نے فرمایا اے ابوبکر قسم نہ اٹھاؤ۔ مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کونسے حصے میں چوکے اور کونسے حصے میں تعبیر ٹھیک فرمائی۔ کیونکہ اس کے واضح نہ کرنے میں مصلحت تھی اور بتانے میں مفاسد کثیرہ تھے۔

(۴) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا خواب، تو صبح صبح اپنی ہمشیرہ صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی خواب اس خیال سے بتائی کہ ہمشیرہ صاحبہ خواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تعبیر بیان فرمائیں گے مگر آپ نے خواب کی تعبیر نہیں بتائی اتنا فرمایا کہ عبداللہ بندہ نیک ہے کاش رات تہجد کی نماز کثرت سے پڑھتا (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۳۰ مناقب عبداللہ بن عمرؓ)

(۵) صحیح بخاری ص ۱۰۷ میں ہے کہ ایک انصاری شخص مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتا تھا اس کی عادت تھی کہ جن نمازوں میں قرأت بلند آواز سے شروع کی جاتی ہے ان میں جب وہ کوئی صورت شروع کرنا چاہتا کہ ان کے آگے پڑھے تو قل ہو اللہ احد سے شروع کرتا۔ اس کو پڑھ کر پھر کوئی صورت اس کے ساتھ پڑھتا اور وہ ہر رکعت میں یہی کیا کرتا تھا پس اس کے ساتھ والوں نے اس سے اس بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ تم اس سورت سے ابتداء کرتے ہو پھر تم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تمہیں کافی ہے یہاں تک کہ دوسری سورت پڑھتے ہو پس یا تو تم اسی کو پڑھو دوسری سورت نہ ملاؤ اور یا اس کو چھوڑ دو اور دوسری سورت پڑھا کرو۔ وہ شخص بولا کہ میں اس کو نہ چھوڑوں گا اور وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ ان سب سے افضل ہے اور وہ اس بات کو اچھا نہ سمجھے کہ کوئی اور ان کا امام بنے۔ پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) ان کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ کیفیت آپ سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا اے فلاں تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ تم وہی کرو جو تمہارے اصحاب تم سے کہتے ہیں اور ہر رکعت میں اس سورت کے لازم کرنے پر کس بات نے آمادہ کیا وہ شخص بولا کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی اور آپ نے یہ نہیں بتایا کہ نماز کی کیفیت کیا ہو جاتی ہے؟ جواز بلا کراہت ہے یا مع الکراہت۔ اگر جواز بلا کراہت ہے تو صرف اس امام کے ساتھ مخصوص حکم ہے یا سب کے لیے حکم عام ہے۔ یہ بحث مجتہدین میں چل پڑی۔

بعینہ اس حدیث میں بھی صحابہ کرام نے "قد ارعت" کا لفظ فرما دیا تھا۔ شارع علیہ السلام نے اس لفظ کی تردید کو اہم سمجھا اسی وجہ سے اس ایک ہی فقرہ کا جواب دیا۔ کہ صحابہ کرام کو سمجھ آجائے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات اس قدر غلط موجود تھی کہ ہمارے سوال کے جواب سے اس عقیدہ کی اصلاح شارع علیہ السلام کے نزدیک اہم ترین تھی جس کے پیچھے ہمیں اصل سوال کا جواب بھی نہیں دیا گیا تاکہ آئندہ ہمیشہ کے لیے ہمیں اس کا احساس رہے کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اصل سوال کا جواب بھی ہمیں نہیں ملا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل الانبیا نہیں فرمایا بلکہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فرمایا جس میں تصریح ہے اس امر کی کہ زمین میں صرف اجساد مقدسہ ہیں ورنہ "اجساد" کا لفظ بے سود ہو جاتا۔

ابن ماجہ نے سنن ص ۱۱۲ میں حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ بتایا کہ میت کو لحد میں رکھتے وقت بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ پڑھا پھر جب لحد پہ کچی اینٹیں برابر کرنے لگے تو یہ دعا مانگی اللھم اجرھا من الشیطن و من عذاب القبر اللھم جاف الارض عن جنبیھا (عن جثتہا) وصعّد روحھا (اے اللہ اس کو شیطان اور عذاب قبر سے بچا۔ اے اللہ اس کی لاش سے زمین کو دور رکھ اور بلند مقام پر پہنچا اس کی روح کو) یہ دعا حضرت سعید بن المسیب سن رہے تھے، عرض کی اے ابن عمر! آپ نے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یا اپنی رائے سے فرما رہے ہیں آپؓ نے فرمایا میں نے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قبر میں لاش ہوتی ہے اور روح بلند مقام (علیین) میں ہوتی ہے نہ کہ اس لاش میں پھر سے داخل ہو جاتی ہے۔ یہ مؤید ہے اس حدیث کی جس میں ہے کہ اجساد مطہرہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کھانا مٹی پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور عرفی قبر میں مقدس اجساد ہیں ورنہ آنحضرت افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو "اجساد" بڑھانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

قبر النبی ؐ سے سعید بن المسیبؒ کا آواز سننا

سعید بن مسیبؒ سے حرہ کے دنوں کا واقعہ دارمی نے ص ۲۵ میں بیان فرمایا کہ نماز کا وقت اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آواز سنائی دیتی تھی۔ مگر اس میں ایک راوی ہے سعید بن عبد العزیز جو ثقہ امام تو ہے الکنہ اختلط فی اخر عمرہ (تقریب) لیکن اس کی اخیر عمر میں حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا۔

اور اسی واقعہ میں حضرت حذیفہ رضؓ کا قول بھی مذکور ہے کہ ابا یعلی الاسرؓ چپکے چپکے نماز پڑھتے تھے۔ مگر انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضؓ حضرت علی رضؓ کی خلافت میں وفات پا چکے تھے۔ حرہ کا زمانہ تو بعد میں ہوا۔ یزید بن معاویہؓ کے عہد میں، تو دارمی کا ایام حرہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ فتنہ عہد عثمانؓ کی بات ہے اور دارمی اسے کرامات کے بابوں میں ذکر کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ معجزہ اور کرامت خرق عادت میں سے ہے اور خرق عادت پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو قتادہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ کاش آپؐ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے آپؐ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز فجر سے غافل ہو کر سو جاؤ۔ بلال رضؓ بولے کہ میں تم سب کو جگا دوں گا لہٰذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلال رضؓ اپنی پیٹھ اپنی اونٹنی سے ٹیک کر بیٹھ گئے مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی اور وہ بھی سو گئے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت بیدار ہوئے کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ ایسی نیند میرے اوپر کبھی نہیں ڈالی گئی آپؐ نے فرمایا سچ ہے اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کر لیا اور جس وقت چاہا واپس کیا۔ اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دے دو۔ پھر آپؐ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند ہو گیا اور سفید ہو گیا آپؐ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳)

امام بخاریؒ نے مخصوص مقامات پر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں کچھ باب ص ۱۵۸ و ۱۵۹ میں منعقد فرمائے ہیں جن میں سے ایک باب ہے باب فضل ما بین القبر والمنبر تو مطلب اس باب کے منعقد کرنے کا یہ ہے کہ من جملہ ان فضیلت والے مقاموں کے جہاں نماز پڑھنا افضل ہے، اس جگہ کی فضیلت ہے جو قبر شریف نبوی اور منبر کے درمیانی جگہ ہے۔

پھر عبداللہ بن زید مازنی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک

باغ ہے۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ بھی آگے ہے کہ اور میرا منبر قیامت میں میرے حوض پر ہوگا۔ علمائے کرام نے اس فرمان کی مختلف تاویلیں کی ہیں مگر خود امام بخاریؒ کا اس حدیث کو اس مقام پر لے آنا بتا رہا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ اس مقام پر نماز پڑھنا بہت ہی فضیلت والا کام ہے کیونکہ سوائے مسجد حرام کے تمام مساجد میں سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنا افضل ترین ہے اور خاصکر یہ مقام جو بیت النبی اور منبر کے درمیان ہے باقی بقعہ مسجد نبوی سے افضل ہے اور اس توجیہ کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۷۰ میں بحوالہ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۳ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل یارسول اللہ وما ریاض الجنۃ قال المساجد وما الرتع یارسول اللہ قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرا کرو اور ان باغوں سے خوب فائدہ اٹھایا کرو صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! جنت کے باغ کونسے ہیں؟ آپ نے فرمایا مسجدیں۔ کسی نے پوچھا مسجدوں میں چرنا کیسے؟ آپ نے فرمایا یہ کلمات ورد کرنا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

تو اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی دریافت پر "ریاض" کی خود تشریح مساجد کے ساتھ فرمائی اور اس تشریح نبوی کے بعد اور کسی کی تشریح کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے اب اس تشریح کی روشنی میں اس حدیث شریف کے یہ معنی ہوئے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان والا جو مسجد نبوی کا خطہ ہے اگرچہ تمام مسجد نبوی جنت کا باغ ہے مگر یہ خطہ بہت ہی فضیلت رکھتا ہے تو نہیں چاہیے کہ اس خاص خطہ میں داخل ہو کر بہ نسبت دوسرے حصہ مسجد نبوی کے زیادہ سے زیادہ ذکر میں مشغول رہیں۔

مگر بیت النبی اب مقبرہ ہے سید المقابر۔ دنیا میں ایسا مقبرہ نہیں اس لیے کہ اس میں سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مقبرہ میں یوں بھی نماز پڑھنا آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسے جامع ترمذی ص ۵۱ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام یعنی زمین ساری کی ساری سجدہ کرنے کی جگہ ہے مگر قبروں کی جگہ اور حمام لیکن خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کے بارے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد (مشکوٰۃ ص ۷۲) اے اللہ میری قبر کو بت کی طرح عبادت گاہ نہ بنانا کہ لوگ حاجت روائی اور مشکل کشائی اور دعا کرواتے اور سفارش کروانے کے لیے مجھے پکارنا شروع کر دیں۔

پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقابر، مساجد نہیں اور پہلی حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مساجد ریاض الجنۃ ہیں اس نتیجہ یہ نکلا کہ مقابر ریاض الجنۃ نہیں، لیکن دوسری حدیث جو ترمذی ص میں ہے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران یعنی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (مشکوٰۃ ص ۴۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبریں جنت کے باغ ہیں اور جو پہلے نتیجہ کی صحیح نقیض ہے (سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ) یعنی کوئی ایک فرد بھی افراد مقابر میں سے جنت کا باغ نہیں۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ جو بات فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے حقیقۃً یا حکماً اور وحی و وحی کا باہم تعارض و تناقض نہیں ہوتا لیکن یہاں بادی النظر میں (یعنی بظاہر) تعارض و تناقض معلوم ہوتا ہے اس لیے ہمیں اس مقام پر غور کرنا چاہیے تاکہ المعترض کالاعمیٰ والی صورت نہ بنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مفہوم واضح ہو جائے۔

سو بعد از تامل علم ہوا کہ جہاں تک قبر کی طرف یا قبر پر نماز کی ممانعت کا تعلق ہے وہاں قبر سے یہ عرفی قبر مراد ہے اور جہاں تک عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف کرنے کا تعلق ہے وہاں قبر سے عالم قبر یا عالم برزخ مراد ہے۔

اور بعض روایات میں جو آتا ہے ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ" اس قبر سے مراد مقبرہ ہے نہ کہ خاص قبر اطہر صلوات اللہ علی ساکنہ اور وہ مقبرہ

تمام بیت النبی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے فرمایا ینزل عیسٰی بن مریم الی الارض ...... ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسٰی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر یعنی عیسٰی بن مریم زمین کی طرف اتریں گے پھر وفات پائیں گے پھر میرے پاس میرے مقبرے میں دفن کیے جائیں گے پھر میں اور عیسٰی ایک مقبرے میں اٹھیں گے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان جو اسی مقبرہ میں مدفون ہیں اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ قبر سے مقبرہ مراد ہے جس میں چار ہستیوں کے دفن ہونے کی جگہ ہے اور وہ ہے بیت النبیؐ۔ آپ اور شیخین وہاں مدفون ہیں اور ایک قبر کی جگہ خالی پڑی ہے اور وہ جگہ کسی کو میسر نہیں ہوئی۔

حفظ جسد عنصری نبویؐ پر اعتراض اور اس کا جواب

از مولانا تھانویؒ

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ سے ایک سوال ہوا تھا کہ اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارے میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ما سلطت الارض علی اجساد الانبیاء او کما قال لیکن آپ کے وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے، ایک یہ ہے کہ انتشار خنصر سے آپ کی وفات معلوم ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہو سکے حتی ربا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتی ربا بطنہ، اور اسی تغیر سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبیؐ کی وفات ہو گئی۔ اور پھر حضرت عباسؓ نے یہی فرمایا کہ ان رسول اللہ یاسن کما یاسن البشر (یعنی تغیر بدن) میں نے اس کثیر جمعد سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مانعین دفن کے لیے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ:

دفن ہو جاتے ہیں اور معراج روحی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم۔ ورنہ بالیقین آپ کا جسدِ مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و مشغول ہے۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُحد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی، جب نہر کے لیے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں پھر انہیں کندھوں پہ لاد لاد کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں ...... حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا۔ حالانکہ یہ واقعہ کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے۔ مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس میں اجسادِ شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء علیہم السلام کے اجساد بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے کیونکہ ان کے لیے تو وعدہ بھی ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں آپؒ نے بوادر النوادر ص ۵۰۷ تا ص ۵۰۹ پر یہ جواب تحریر فرمایا:

الجواب: فی التفسیر المظہری اخرجہ الحاکم وابوداؤد عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء واخرجہ ابن ماجہ عن ابی الدرداء ونحوہٗ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں۔ اور جو تغیرات سوال میں نقل کیے گئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اس لیے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں۔ ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لیے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ یہ روایات ہی ثابت نہیں۔ پس تعارض ہی نہیں۔ باقی شہداء کے لیے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لیے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں: فی التفسیر المظہری بروایۃ الطبرانی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن

المحتسب کالشهید المتشخص فی دمه اذا مات لم یبق تو دفی تبرہ ، واخرج ابن منده عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی الله تعالی الی الارض ان لا تاکل لحمه ، فتقول یارب کیف آکل لحمه وکلامك فی جوفه وقال ابن منده وفی الباب عن ابی هریرة وابن مسعود رضی واخرج المروزی عن قتادة رض قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی الجسد الذی لم یعمل خطیئته اور مجھ کو ان روایات کے صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لیے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول وما یحکی من مشاهدة بعض الشهداء الذین قتلوا منذ مات سنین وانهم الی الیوم تشخب جروحهم دما اذا رفعت العصابة فذلک مما رواه هیان بن بیان وما هو الا حدیث خرافة وکلام یشهد علی مصدقیه تقدیم السخافة اھ واجب الرد ہے لکونه مخالفا للمشاهدة المتواترة فمنها ما فی المظهری اخرج عن مالک عن عبد الرحمن بن صعصعة انه بلغه ان عمرو بن الجموح وعبد الله بن جبیر الانصاری کان حفر السیل قبرهما الی قوله فوجدا لم یتغیرا کانهما ماتا بالامس وکان بین احد وبین حفه عنهما ستة واربعین سنة ، واخرج البیهقی ان معاویة رضی الله عنه لما اراد ان یجری کظامة نادی من کان له قتیل باحد فلیشهد فخرج الناس الی قتلاهم فوجدوهم رباطا یتثنون فاصابت المسحاة رجل رجل منهم فانبعث دما ، واخرج ابن ابی شیبة نحوہ ، واخرج البیهقی عن جابر رض وفیه فاصابت المسحاة قدم حمزة رضی الله عنه فانبعث دما اھ اور اگر کوئی دلیل اس کے خلاف پایا جاوے اس کا جواب بیان القرآن کے متن اور حاشیہ موائد العوائد میں مذکور ہے۔

الحاشیة علی قوله " اور یہ سب عجب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ، ورنہ

روایات ہی صحت نہیں اھ

اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہو گئی۔ فی التیسیر لمولانا عبد الرؤف القادری۔ طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے۔ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعض ایسی روایات اس میں موجود ہیں جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا۔ ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا، میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لیے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ ہمیں یہ پوری کتاب یورپ کے واسطے سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث، سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جاوے ملا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں قلت ومن القواعد الکلیة ان نقل الاحادیث النبویة والمسائل الفقهیة والتفاسیر القرآنیة لا یجوز الا من الکتب المتداولة لعدم الاعتماد علی غیرها من وضع الزنادقة والحاد الملاحدة بخلاف الکتب المحفوظة فان نسخها تکون صحیحة متعددة۔

یہ قاعدہ ان کتابوں کے لیے بھی ہے جس کا اتفاقیہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جاوے، مگر وہ کتاب متداول نہ ہو۔ تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔

ضمیمہ ۱ از مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی

تغیر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسماعیل اور وکیع گو بڑے پائے کے ہیں اور اسماعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے؟ اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں؟ اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صدر ثانی ہیں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بے اصل اور غلط ہے۔

فی نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۹۰ شرح الشفا للقاضی عیاض الشہاب الخفاجی وقد حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد رأیت فی بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتقلت روحہ للملاء الاعلیٰ تغیر بدنہ، وروی ان وکیع بن الجراح حدث عن اسماعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما توفی لم یدفن حتی ربا بطنہ وانثنی خنصرہ واخضرت اظفارہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین وترکہ لیلۃ الاربعاء لاشتغالہم بامر الخلافۃ واصلاح امر الامۃ وحکمتہ ان جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالوا لم یمت فاراد اللہ ان یریہم آیۃ الموت فیہ ولما حدث وکیع بھذا بمکۃ رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبہ علی خشبۃ نصبہا لہ خارج الحرم فشفع فیہ سفیان بن عیینۃ واطلقہ ثم ندم علی ذالک ثم ذھب وکیع للمدینۃ فکتب الحاکم لاھلہا اذا قدم الیکم فارجموہ حتی یقتل فابرد لہ بعض الناس بریدًا اخبرہ بذلک فرجع الی الکوفۃ خیفۃ من القتل وکان المفتی بقتلہ عبد المجید بن ابی الرواد وقال سفیان لا یجب علیہ

القتل واتکرھذا الناس وقالوا ساٰینا بعض الشھداء نقل من قبرہ بعد اربعین سنۃ فوجد طریا لم یتغیر فیہ شیٔ فکیف بسید الشھداء و الانبیاء علیہ وعلیھم السلام والصلوٰۃ وھذہ ذلۃ قبیحۃ لاینبغی التحدث بھا اھ

نیز چہار شنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے، فی الطبقات لابن سعد ج ۳ ص ۳ (توفی صلوٰت اللہ علیہ یوم الاثنین حین زاغت الشمس ج ۲ ص ۱۳۰) و دفن یوم الثلثاء حین زاغت الشمس، اھ چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا، فکیف لسید المرسلین

ضمیمہ از مولوی عبدالماجد دریابادی

اس سلسلہ میں عبارت ذیل سیرت ابن ہشام سے مل گئی ہے، غسل کے موقع پر ولم یر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیٔ مما یری من المیت اب اس سے بڑھکر صراحت اور کیا ہوگی؟ پھر یہ لحاظ استناد بھی سیرت ابن ہشام کا پایا طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے، یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر تحقیق کر کے لکھی گئی ہے، طبقات تو دراصل صحابہؓ و تابعینؒ کی تاریخ ہے، سوانح نبوی تو محض ضمناً آگئے ہیں پھر اسی سیرت ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے جاتے تھے وعلیؓ یقول بابی انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا اس سے بڑھکر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال لما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذھب یلتمس منہ ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی الطیب طبت حیا وطبت میتا۔ اب تو طبقات کی اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہو جاتی ہے۔۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ معارف القرآن ج ۱ ص ۳۹۱ میں لکھتے ہیں:

شہداء اور انبیاء کی حیاتِ برزخی اور ان کے درجات میں تفاضل

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مومن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں لیکن اس برزخی حیات کے مختلف درجات ہیں، ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے۔ کچھ مخصوص درجے انبیاء و صالحین کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر علماء کے مقالات و تحقیقات بے شمار ہیں لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اور شبہات سے پاک ہے، اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے اس جگہ اسی کو نقل کر نا کافی معلوم ہوا۔

ف: ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاء و سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جیسے انگلیوں کے اگلے پوروے اور ایڑی، اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں، اسی طرح شہداء میں آثار حیات عام مردوں سے بہت زیادہ ہیں حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک

اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود محجوب گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی۔ مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں
پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء، پھر اور معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء و صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں، سو مجاہدہ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے، اس طور پر وہ بھی شہداء ہو گئے، یا یوں کہا جائے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قرون کے اعتبار سے ہے، شہداء کے ہمرتبہ دوسرے لوگ صالحین و صدیقین کے اعتبار سے نہیں۔
اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہو گیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ کہ انبیاء و شہداء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی، اجزاء ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہو جانا پھر بھی ممکن ہے کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سے

اقسام وانواع کی دھاتیں اور ان کے اجزاء اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں۔ اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس حدیث کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ و اَدْوِیہ و اَغْذِیہ و اخلاط و اجسام بسیطہ مثل آب و آتش و باد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجساد میں بھی ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء کی حیات قبل الممات سے اقویٰ نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزائے غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہو جاتے ہیں اسو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجساد متاثر ہو جائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔

اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لیے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہو جائیں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جائے کہ ان کی محفوظیتِ اجساد کی خارقِ عادت ہے اور خرقِ عادت کی دونوں صورتیں ہیں، حفظِ مؤبّد اور حفظِ طویل، اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لیے لا تشعرون فرمایا گیا۔

العود الیٰ ما وقع عند وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فرمان

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے:

اب جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رض کو جن مشکلات کا سامنا ہوا حضرت صدیق رض نے ان سب کو حل کیا اور مسلمانوں کو ان کی حیرت و تردد سے خلاصی دی جس سے آپ رض کی قابلیت اور تقدم فی العلم دوسرے صحابہ کرام رض پر بخوبی ثابت ہوئی یہاں تک کہ یہ بات روز روشن کی طرح ہویدا ہو گئی کہ آپ رض نے اپنی رعیت کی تربیت منہاج و طریقہ انبیاء علیہم السلام کے مطابق کی۔ سب سے پہلے جو

مشکل پیش آئی وہ یہ امر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لوگوں کے دلوں میں تشویش پھیل گئی بعض خیال کرنے لگے یہ موت نہیں بلکہ ایک حالت ہے جو عند الوحی ہوا کرتی ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ موت منافی مرتبہ نبوت ہے اور جو لوگ نفاق پیشہ تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ دین اسلام کو درہم برہم کریں۔ حضرت صدیق رضؓ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر معلوم کیا کہ آپ نے اس فانی جہان سے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضہ کلمات جاں فرسا را مثل وانبیاہ، واخلیلاہ واصفیاہ وغیرہ کہتے ہوئے مسجد میں آئے اور ایک بلیغ خطبہ کہا۔

ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح پرواز کر گئی تو حضرت صدیق رضہ اس وقت موجود نہ تھے کیونکہ اس وقت آپؓ مدینہ کے گاؤں میں گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی آئے آپ کے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈالا ہوا تھا حضرت صدیق رضہ نے کپڑا اٹھایا اور پیشانی مبارک پر منہ رکھ کر چومنے لگے اور روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے بأبی انتَ و امّی طبت حیاً و میتاً آپ کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی پاک ہے پھر یہاں سے واپس ہو کر حضرت عمر رضہ فاروق کے پاس آئے۔ حضرت عمر فاروق رضہ کہہ رہے تھے کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی اور نہ ابھی وفات پا سکتے ہیں جب تک کہ آپ منافقوں کو قتل نہ کر لیں۔ ابن عمر رضہ کہتے ہیں کہ منافقین اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر خوش ہو رہے تھے حضرت صدیق رضہ نے حضرت فاروق رضؓ سے کہا ہوش کی باتیں کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی انک میت وانهم میتون، وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فهم الخلدون پھر اس کے بعد حضرت صدیق رضہ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد بیان کرنے لگے کہ لوگو! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے معبود تھے تو جان لو کہ تمہارا معبود فوت ہو گیا اور اگر تمہارا معبود اللہ تعالیٰ ہے جو آسمانوں پر ہے تو وہ فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے پھر یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات

او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم الآیۃ یہ آیت پڑھ کر آپ منبر پر سے اُتر گئے۔ آپؓ کی اس تقریر سے مسلمانوں کو خوشی ہوئی اور منافقین جل گئے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم لوگوں پر پردے پڑے ہوئے تھے سو آپؓ کی اس تقریر سے وہ پردہ اُٹھ گیا۔

ابن ابی شیبہ اور اسی طرح ایک جماعت نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کیا ہے۔

انہیں مشکلات میں سے ایک امر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام دفن اور کیفیت نماز جنازہ میں اختلاف واقع ہوا اور حضرت صدیقؓ نے اس اختلاف کو مٹا دیا مسند ابی یعلیٰ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفنا کر سریر پر رکھا گیا اور یہ منگل کے دن کا واقعہ تھا تو اب لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کہ آپؐ کو کہاں دفن کرنا چاہیے بعض نے کہا مسجد میں دفن کرنا چاہیے بعض نے کہا آپؐ کے اصحابؓ کے ساتھ آپؐ کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا جائے حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی روح قبض نہیں کی گئی مگر یہ کہ وہ اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کی رُوح قبض کی گئی ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر استراحت اٹھایا گیا اور وہیں قبر شریف کھودی گئی (اس حجرے کے بعد حضرت صدیقؓ نے لوگوں کو جوق جوق بلایا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھتے گئے ۔ مردوں کے بعد عورتوں نے اور پھر لڑکوں نے نماز جنازہ پڑھی اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی امامت نہیں کرائی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدھ کی وسط شب کو دفن کیے گئے (ازالۃ الخفا ترجمہ اردو ص ۴۸ و ۴۹)

ایک اور مقام پر لکھا کہ واقعہ جانکاہ انتقال پر ملال جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات پر اکثر صحابہؓ کرام کے حافظے نے ذہول کیا ہوا تھا یہاں تک کہ آیاتِ وفات صلی اللہ علیہ وسلم یاد نہیں پڑتی تھیں بجز اس کے کہ حضرت صدیقؓ نے آیۃ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ

انقلبتم الآیۃ اور آیت انک میت وانھم میتون تلاوت فرمائی اور تمام صحابہؓ نے اس وقت یہ آیات آپؓ سے سیکھیں، غرض ایسے وقت میں جب کہ اس سانحہ جانکاہ کے سبب لوگوں کے حواس بجا نہیں تھے حضرت صدیق رضؓ کا ان آیات کو تلاوت کرنا آپؓ کا حافظہ قوی ہونے کی بیّن دلیل ہے (ص ۴۵ و ۴۶)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آئے اور بیان کرنے لگے "اما بعد! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا سو آپؐ کا انتقال ہو گیا اور جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالےٰ زندہ ہے اور اس نے فرمایا ہے وما محمد الا رسول الآیۃ حضرت صدیق رضؓ کا اس آیت کو پڑھنا تھا کہ تمام لوگ اس آیت کو پڑھنے لگے اس سے پہلے گویا وہ اس آیت کو بھولے ہوئے تھے، اس وقت جس شخص کو میں نے دیکھا وہ اسی آیت کو پڑھ رہا تھا (بخاری) (ازالۃ الخفاء اردو ص ۳۸۱)

پہلا تغیر جو اس امت میں واقع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانا ہے اور کونسا حادثہ اس سے جانکاہ اور کونسا تغیر اس سے زیادہ ہولناک ہوگا کہ اللہ جل جلالہٗ کی وحی بند ہو گئی اور وہ متواتر آسمانی برکتیں جو نبوت کے ساتھ ساتھ تھیں چھپ گئیں۔ دارمی نے ص ۳۴ پر عکرمہؓ سے ایک بڑی حدیث کے ذیل میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ہے، روایت کی ہے کہ ام ایمن رونے لگیں ان سے کسی نے کہا کیا تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر روتی ہو۔ انہوں نے کہا واللہ! میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں روتی کیا میں نہیں جانتی کہ وہ ایسی جگہ گئے ہیں جو ان کے لیے دنیا سے بہتر ہے بلکہ میں اس بات پر روتی ہوں کہ آسمان کی خبریں بند ہو گئیں۔ اور دارمی نے ص ۲۲ پر انسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور کہا میں اس دن موجود تھا جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ آئے میں نے کوئی دن اس دن سے زیادہ اچھا اور روشن نہیں دیکھا جس دن کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مدینہ میں تشریف لائے اور میں اس دن میں بھی موجود تھا جب آپؐ کی وفات ہوئی۔ اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے

مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی ہر چیز مدینہ کی تاریک تھی ہم نے اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی بلکہ ہم آپ کے دفن میں مشغول تھے کہ ہم کو اپنے دلوں کی حالت بدلی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور دارمی نے مکحول سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی پر مصیبت پہنچے تو اس کو چاہیے کہ میرے فراق کی مصیبت یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت ہے (ازالۃ الخفاء اردو ص ۳۴۸)

مولانا سید حفیظ الدین احمد کا بیان دربارہ حیاۃ الانبیاء

شائع کردہ در رسالہ ماہوار "تجلی" دیوبند

موت حقیقت میں انسان کی بشریت کا آخری بیّن ثبوت ہے جو شخص انسانی پیدائش اور موت جیسے نمایاں عوارض کو بھی بشریت کی دلیل نہیں سمجھتا پھر وہ کبھی خالق و مخلوق کے درمیانی فرق کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔

حضرات انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے روحانی مدارج و مراتب حضرات شہداء عظام رضی اللہ عنہم کے درجات جلیلہ سے بہر حال ارفع و اعلیٰ ہی ہیں لہٰذا ان کا مقدس مقام بھی عالم قدس میں ان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہی ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رح کتاب الروح ص ۱۳۴ میں ارشاد فرماتے ہیں "فمنہا ارواح فی اعلیٰ علیین فی الملاء الاعلیٰ وھی ارواح الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم وھم متفاوتون فی منازلہم کما رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسرا

بعض ارواح طیبہ اعلیٰ علیین ملاء اعلیٰ میں ہیں اور وہ حضرات انبیاء کرام ؑ کی ارواح مطہرہ ہیں جو اپنے منازل و مراتب پر قائم ہیں جیسا کہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ملاحظہ فرمایا۔

اور زہر الربی حاشیہ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۶ میں ہے وکذا الشہداء رویۃ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء لیلۃ الاسراء فی السمٰوٰت، الصحیح انہ لم رای فیہا الارواح فی امثال الاجساد یعنی اور اسی طرح النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنا صحیح یہی ہے کہ آپ نے شب معراج میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مطہرہ کو مثالی پیکر میں ملاحظہ فرمایا۔

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب ص ۱۳۰ میں فرماتے ہیں:

وقال الشعبی فی بحر الکلام الارواح علی اربعۃ وجوہ ... ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا وتصیر مثل صورتھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی بالليل الی قنادیل العرش یعنی حضرت امام شعبیؒ کا قول بحر الکلام میں ہے کہ ارواح کے چار مراتب ہیں (اول) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ، اجساد مطہرہ سے جدا ہو کر مثالی پیکر میں پہنچ جاتی ہیں وہ مشک و کافور کی طرح مہکتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی اور جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور رات کو عرش الٰہی کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

حضرت امام شعبیؒ کا یہ ارشاد گرامی کوئی معمولی چیز نہیں ہے آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور پانچ سو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان سے فیوضات و برکات حاصل کیے ہوئے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷)

۴ ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام موت وارد ہونے کے فوراً بعد زندہ کر دیئے جاتے ہیں، اس کا نقل صریح سے ثبوت ہونا چاہیئے۔

تمام اجساد مطہرہ کے متعلق صحیح حدیث میں وارد ہے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (سنن ابن ماجہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ کو کسی قسم کا ضرر پہنچائے خود ان الفاظ ہی سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

کہ اجساد مطہرہ قبروں میں محفوظ و مصئون ہیں، بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر اجساد مطہرہ میں ارواح طیبہ ہوتیں یعنی یہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے تو اجساد طیبہ کی پھر اس حفاظت و صیانت کی کیا ضرورت تھی۔ اس حفاظت و صیانت کی صرف یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ اعلیٰ علیین میں ہیں اور اجساد مطہرہ مقدسہ قبروں میں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء عظام اپنی عرفی قبروں میں زندہ نہیں۔

حضرات انبیاء کرامؑ کا روحانی مقام

اگر حضرات انبیاء عظامؑ کے زندہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے تو ابن ماجہ کی صحیح حدیث کے ان الفاظ ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء سے خود ثابت ہو رہا ہے کہ وہ ان عرفی قبروں میں زندہ نہیں۔ اگر ان عرفی قبروں میں زندہ ہوتے تو ان کے اجساد طیبہ کی حفاظت ہی کیوں کی جاتی۔

دیکھیے اگر زندہ آدمی زمین کے گڑھے میں یا یوں ہی زمین پر سویا بیٹھا رہے، یا عبادت الٰہی میں مصروف و مشغول رہے تو اس کے جسم کو زمین کے ضرر سے کیا اندیشہ؟

مثال کے طور پر سنیے حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت یرمیاہ علیہ السلام، مشہور قول کے مطابق سیدنا عزیر علیہ السلام ہی کا یہ عجیب واقعہ ہے۔ قرآن عزیز نے سورۂ بقرہ میں او کالذی مر علی قریۃ کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ خدائے حی وقیوم نے نیند کی حالت میں ان پر موت وارد فرمائی فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ان کا جسد اطہر بچھونے پر جوں کا توں سو برس تک برابر رکھا رہا اس قانون الٰہی کے مطابق ان کے جسد مطہر کو کسی قسم کا بھی ضرر و نقصان نہ پہنچا۔

جب خدائے حی لایموت نے ان کو پھر زندہ کیا ثم بعثہ فرما کر ان سے دریافت کیا کہ عزیر! تم یہاں کتنی دیر تک ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا الٰہی! ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، خدائے قدوس نے فرمایا عزیر! تم یہاں سو برس تک ٹھہرے رہے

اگر سیدنا عزیر علیہ السلام کے جسدِ عنصری میں ادراک و شعور ہوتا تو یہ صحیح جواب دیتے کہ میں یہاں سو برس تک ٹھہرا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ میں نہ حیاتِ برزخی ہوتی ہے اور نہ ان میں ادراک و شعور ہوتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ ان کے اجسادِ مطہرہ ان کی قبروں میں محفوظ و مصئون رہتے ہیں اور ان کی ارواحِ طیبہ اعلیٰ علیین میں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی نبی ہو اس کا جسدِ اطہر زمین کے اندر ہو یا زمین سے اوپر، قانونِ الٰہی ہر جگہ اپنی کارفرمائی کرتا ہے۔

اور حضرات اصحاب کہف پورے تین سو نو برس تک برابر سوتے رہے ان کے مقدس جسموں کو کسی قسم کا بھی کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچا، کیوں؟ اس لیے کہ وہ دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ تھے۔

ہاں سنن ابن ماجہ کی اسی حدیث مبارک کے آخر میں یہ مقدس الفاظ بھی ہیں فنبی اللہ حیٌّ یرزق اللہ کے نبی زندہ ہیں اور وہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ اس زندگی سے اعلیٰ علیین کی مقدس زندگی مراد ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رح کتاب الروح ص ۱۴۵ میں ارشاد فرماتے ہیں: اور علامہ سیوطی رح شرح الصدور ص ۹۸ میں ارشاد فرماتے ہیں وقال الحافظ ابن رجب فی بحوال القبور فی الباب التاسع فی ذکر محل ارواح الموتیٰ فی البرزخ اما الانبیاء علیہم السلام فلا شک ان ارواحہم عند اللہ فی اعلیٰ علیین و قد ثبت فی الصحیح ان اٰخر کلمۃ تکلم بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ انہ قال اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ یعنی ارواحِ موتیٰ کے برزخی مقام کے بارے ابن رجبؒ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ علیین میں ہیں اس میں کچھ شک نہیں، اور صحیح بخاری جلد ۲ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بحالتِ نزع آپ کی مقدس زبان فیض ترجمان پر یہ آخری کلمہ تھا اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ (ص ۱۴۲)

اور فخر المحدثین خاتم المفسرین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں علیین کی تشریح فرماتے ہیں،

مقام علیین بالائے ہفت آسمان است و پائین آں سدرۃ المنتہٰی است و بالائے آں متصل بپایہ راست عرش مجید ارواح نیکاں بعد از قبض روح آنجا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر می مانند (سورۃ تطفیف) یعنی مقام علیین ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہٰی کے متصل ہے اور اس کا اوپر کا حصہ عرش کریم کے سیدھے پائے کے قریب ہے، نیک لوگوں کی روحیں یہاں پہنچائی جاتی ہیں اور مقربان الٰہی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء عظام رحمہم کی مقدس روحیں ہمیں وہیں رہتی ہیں۔

ان حوالجات سے بخوبی یہ ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام کی ارواح طیبہ اعلٰی علیین عالم قدس میں مشاہدہ انوار تجلیات الٰہی میں مستغرق ہیں۔ اجسادِ مطہرہ مرقدوں (عرفی قبروں) میں محفوظ ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی

"کسی کا یہ کہنا کہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں تو اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے یہ روایت اپنی کتاب "الاعتقاد" میں بیان فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اور حضرت امام ابو یعلیٰؒ نے بھی اپنی مسند میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ امام بیہقیؒ نے "حیات الانبیاء" میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت بیان فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھو عند ربھم کالشھداء، یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر موت وارد ہونے کے بعد فوراً ان کی ارواح طیبہ ان کے اجساد مطہرہ میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے پروردگار کے پاس حضرات شہداء کرام کی طرح زندہ ہیں۔

صاحب مضمون لکھتا ہے کہ (اس روایت کا یہ آخری لفظ کالشہداء خود یہ ثابت کر رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام و حضرات شہداء عظام کی طرح زندہ ہیں کیونکہ قرآن کریم نے حضرات شہداء کی مقدس زندگی کے متعلق یہ فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ ان کی زندگی کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیسی زندگی ہے جس کی پوری بحث اوپر گزر چکی ہے۔

اصولِ محدثین: اب ان دونوں روایتوں کو حضرات محدثین کے اصولِ حدیث سے بھی جانچنا ضروری ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ امام بیہقیؒ کی تمام کتابیں اور مسند امام ابی یعلیٰ احادیث کے تیسرے طبقے کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں، تیسرے طبقہ کی کتابوں میں ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ صحیح احادیث بھی، حسن و ضعیف اور موضوعات بھی، پھر ان کتابوں کے رواۃ کا یہ حال ہے کہ بعض راوی عادل و ثقہ ہیں اور بعض مستور الحال اور مجہول، چنانچہ

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی عجالۂ نافعہ میں فرماتے ہیں۔

(طبقۂ ثالثہ) احادیثیکہ جماعت از علماء متقدمین پیر زمان بخاری و مسلم و معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت نمودہ و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبۂ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ، ہر چند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز در آں کتب یافتہ می شود و رجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و مجہول و اکثر آں احادیث معمول بہ نیز نزد فقہاء نشدہ اند۔ بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ۔ و درین کتب تفاضل و تفاوت ہست بعضے اقوی من بعض، و اسامی آں کتب این است الخ (یعنی تیسرے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں جن کو علماء متقدمین کی ایک جماعت نے جو امام بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے معاصرین یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے اپنی تصنیفات میں روایتیں کی ہیں اور صحت کا بالکل اہتمام نہیں کیا اور ان کی کتابیں شہرت و قبول میں طبقۂ اولیٰ و طبقۂ ثانیہ کی کتابوں کے رتبہ کو نہیں پہنچیں اگرچہ ان کے مصنفین علوم حدیث کے تبحر و وثوق و عدالت و ضبط سے موصوف تھے مگر ان کی کتابوں میں صحیح، حسن اور ضعیف حدیثیں ہیں بلکہ ان میں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جو موضوع و بناوٹی ہونے کی تہمت کھی جاتی ہیں اور ان کتابوں کے بعض راوی عادل و ثقہ ہیں اور بعض مستور و مجہول اور اکثر حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضرات فقہاء کے نزدیک قابلِ عمل

نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف پر اجماع ہو چکا ہے اور ان کتابوں میں کچھ فرق و امتیاز نہیں ہے۔

ان کتابوں کے نام یہ ہیں: مسند شافعیؒ، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابی یعلیٰ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابو داؤد طیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی۔

ان کتب مذکورہ کے متعلق حضرات محدثین نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ ان کتابوں کی جو حدیثیں طبقۂ اولیٰ و طبقۂ ثانویہ کی کتب احادیث میں روایت کی گئی ہوں، وہ قابلِ سند ہوں گی ورنہ نہیں۔

لہٰذا امام بیہقیؒ اور امام ابو یعلیٰؒ کی یہ دونوں روایتیں طبقۂ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کی کتب احادیث میں تلاش کی جائیں۔ اگر واقعی ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی یہ دونوں روایتیں پائی جائیں تو یقینی یہ قابلِ احتجاج ہو سکتی ہیں اور ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیحین (بخاریؒ و مسلمؒ) اور جامع ترمذیؒ، سنن ابی داؤدؒ، سنن نسائیؒ اور موطا امام مالکؒ میں نہیں، لہٰذا یہ دونوں روایتیں قابلِ استناد اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں، نیز اس لیے بھی کہ یہ دونوں روایتیں اصولِ روایت و درایت کے اعتبار سے بھی ساقط ہیں۔

اصولِ روایت و درایت

روایت کے اعتبار سے تو اس لیے کہ یہ طبقۂ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کی کتب احادیث میں کہیں بھی روایت نہیں کی گئیں اور درایت کے اعتبار سے اس لیے کہ یہ عقل و دانش کے خلاف ہیں۔ جو حدیث عقل و دانش کے خلاف ہو وہ حدیث کہلانے کے قابل نہیں، بلکہ وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہوگی۔ حضرات محدثین نے اصولاً یہ تصریح فرمائی ہے کہ واقعہ کی تحقیق سے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل (جانچ پڑتال اور چھان بین) نہیں کرنی چاہیے بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہ ہو تو راویوں کا عادل و ثقہ ہونا ہی بے کار و بے سود ہے چنانچہ صاحب فتح المغیث ص ۱۱۴ پر ارشاد فرماتے ہیں:

قال ابن الجوزیؒ وکل حدیث رأیته یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم

یعنی حضرت امام ابن الجوزیؒ جو فنِ روایت کے مسلم مجتہد اور درایت کے زبردست امام تھے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو عقل کے خلاف دیکھیں تو یہ سمجھ لیں کہ وہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی نسبت اس چھان بین کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کے راوی کیسے ہیں...

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالے تدریب الراوی ص ۹۹ میں فرماتے ہیں ما نقل عن الخطیبؒ عن ابی بکر الطیبؒ ان من جملة دلائل الوضع ان یکون مخالفًا للعقل بحیث لا یقبل التاویل ویلتحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة او منافیا لدلالة الکتاب القطعیة او السنة المتواترة او الاجماع القطعی۔

یعنی علامہ خطیب بغدادیؒ سے منقول ہے وہ علامہ ابوبکر طیبؒ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حدیث کے موضوع ہونے کی سب سے پہلی یہ دلیل ہے کہ وہ عقل کے اس قدر خلاف ہو کہ اس میں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو اور اس میں شامل ہے جو حسیات ومشاہدات کے بھی خلاف ہو یا قرآن حکیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے منافی ہو۔

اب آپ ان دونوں روایتوں کو ان اصولِ روایت سے خوب جانچ سکتے ہیں۔

تھوڑے سے ہی غور وخوض کے بعد آپ پر روزِ روشن کی طرح یہ روشن ہو جائے گا کہ مہبطِ وحی الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بے ربط اور بے جوڑ الفاظ ہو بھی سکتے ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے عقل ونقل کے خلاف ہوں۔ توبہ توبہ العیاذ باللہ۔

حضرت قاسم العلوم والخیرات آبِ حیات ص ۲۹ میں فرماتے ہیں "ہم مطلقًا سلامتِ جسد سے بقاءِ حیات پہ استدلال نہیں کرتے جو یہ احتمال ہو کہ شاید اسباب مذکورہ میں سے اور کوئی سبب موجب سلامتِ جسد ہو، حیات نہ ہو، یا حیات ہی ہو پر عرصۂ قلیل کے لیے منقطع ہو کر پھر عود کیا ہو (جیسے احمد رضا خان نے کہا) بلکہ بحکم حدیث زمین پہ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کے حرام ہونے سے استدلال کرتے ہیں۔

تبلوی...... جب مدارِ عقیدۂ حیات النبی اس حدیث پر ہوئی تو اب اس حدیث

میں غور کرنا چاہیئے۔ سو یاد رہے کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ ص ۷۷ میں ہے اور سنن ابی
داؤد ص ۱۵۷ میں ہے جو حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی سند ابن
ماجہ شریف میں یہ ہے حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا الحسین بن علی عن عبد الرحمٰن
بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن شداد بن اوس اور ابوداؤد
میں یہ ہے حدثنا ھارون بن عبد اللہ نا حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن
یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس۔

اس سند کو امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر ص ۱۱۶ اور تاریخ کبیر قسم اول جلد ۲ ص ۳۶۵
میں اور ابو حاتم نے علل ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۹۷ میں اور ابوبکر خطیب بغدادی ج ۱۰ ص ۲۱۲
میں اور ابن العربی نے بقول سخاوی القول البدیع ص ۱۱۹ میں معلول و منکر کہا ہے کیونکہ
امام بخاریؒ کو اس ... کا ثبوت ملا ہے کہ اس روایت میں باریک علت قادحہ ہے اور وہ
یہ ہے کہ حسین بن علی جعفی اگرچہ فی حد ذاتہ ثقہ، صالح، صدوق اور صحاح ستہ کا راوی ہے
مگر آپ کا مسلم قاعدہ ہے کہ وہم سے کون بچ سکتا ہے تو یہاں حسین بن علی جعفی نے بھی
غلطی اور تسامح سے ابن تمیم کی بجائے ابن جابر کہہ دیا حالانکہ حسین بن علی جعفی کوفی ہے اور
تاریخ اور استقراء سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کوفہ اور عراق کے کسی راوی کا ابن جابر سے
روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ اہل عراق و اہل کوفہ کی روایات عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم سے
حاصل کردہ ہیں نہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے۔ اس لیے یہ روایت معلول و منکر ہوئی۔ یہی اس
میں علت قادحہ دقیقہ ہے جس کی طرف حافظ منذریؒ نے مختصر سنن ابی داؤد ص ۴ اور ترغیب
ص ۱۲۹ میں اشارہ کیا ہے وَلَہٗ عِلَّۃٌ خَفِیَّۃٌ اَشَارَ اِلَیْھَا الْبُخَارِیُّ وغیرہ، حافظ علامہ تقی سبکی رحمہ اللہ
نے اس علت کی تفصیل بھی حافظ منذریؒ کے حوالہ سے پیش کی وعلتہ حسین بن علی
الجعفی لم یسمع من عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر وانما سمع من عبد الرحمٰن
بن یزید بن تمیم وھو ضعیف فلما حدث بہ الجعفی غلط فی اسم الجد فقال
ابن جابر (شفاء السقام ص ۴۷ اور
امام بخاریؒ فرماتے ہیں واما اھل الکوفۃ فرووا عن عبد الرحمٰن بن یزید

بن جابر وھو ابن یزید بن تمیم لیس بابن جابر وابن تمیم منکر الحدیث (تاریخ صغیر بخاری ص ۱۷۹ ونحوہ فی التاریخ الکبیر لہ ج ۳ ق ۱ ص ۳۶۵ وتہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۹۵)

ابن ابی حاتم نے العلل ج ۱ ص ۱۹۷ میں کہا عبد الرحمن ابن یزید بن جابر لا اعلم احداً من اھل العراق یحدث عنہ ..... وھو حدیث منکر لا اعلم احداً رواہ غیر الجعفی۔

حافظ ابوبکر خطیب البغدادی تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۱۲ میں لکھتے ہیں، عبد الرحمن بن یزید بن جابر کے بارے حافظ ابو حفص عمرو بن علی سے نقل ہے روی عنہ اھل الکوفۃ احادیث مناکیر.... قلت روی الکوفیون احادیث عبد الرحمن بن یزید بن تمیم عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر ووھموا فی ذالک فالحمل علیھم فی تلک الاحادیث۔

علامہ ابن العربی المالکیؒ کا قول علامہ سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۱۹ میں نقل فرمایا ہے انہ لم یثبت ھذا الحدیث نیز دیکھیں نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۳، مزید دیکھیں تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۰۲)

یہ بات ضرور ہے کہ سبکیؒ، ابن قیمؒ، ابن دحیہ، ملا علی قاریؒ، ابن حجرؒ اور سخاویؒ نے دارقطنیؒ کی تبعیت میں اس علت کو اٹھانے کی پوری کوشش فرمائی ہے اس بنا پر کہ بعض سندوں میں حسین بن علی جعفی کی عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے تحدیث کی صراحت آگئی ہے، لیکن جب گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو جارحین کی جرح کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ ابن قیمؒ نے باوجودیکہ جلاء الافہام میں وہی بات لکھ دی تھی،.... قصیدہ نونیہ ص ۱۷۵ میں اس روایت کے ضعیف ہونے کی صراحت کر دی اور فرمایا:

وحدیث ذکر حیوتھم بقبورھم		لما یصح وظاھر النکران

فانظر الی الاسناد تعرف حالہ		ان کنت ذا علم بھذا الشان

اور اس حدیث کو حضرت ابو الدرداء سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹

میں بایں سند مروی ہے حدثنا عمرو بن سواد المصری ثنا عبد اللہ بن وھب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی ھلال عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء اس حدیث میں فنبی اللہ حی یرزق کا اضافہ ہے اول تو اس لفظ کے مدرج ہونے کا احتمال قوی ہے یعنی یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فرمودہ نہیں ہے۔ چنانچہ

(۱) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۵۰۹ میں فرمایا "ایں تتمہ کلام آنحضرتؐ یا قول ابی الدرداء است بعد از روایت حدیث" اور

(۲) مولوی نعیم الدین مراد آبادی کے بڑے حضرت مولوی احمد رضا خاں نے "حیات الموات" حاشیہ ص ۱۷۸ میں اس کو صراحتاً ذکر کیا ہے۔ ان ھذہ القطعۃ محتملۃ الادراج

(۳) سیرۃ محمدیہ ص ۵۴۴ میں اس حدیث کے اخیر میں قال ابن ماجۃ فنبی اللہ حیؐ یرزق اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ ابن ماجہ کے اپنے ہیں۔

(۴) الصارم المنکی ص ۱۷۷ میں ہے فنبی اللہ حی یرزق قال ھذا لفظ ابن ماجۃ دوسرے یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ تصحیح کے لیے سند کا متصل ہونا ضروری ہے۔ صرف راوی کا ثقہ ثبت، متقن اور مرکزی ہونا کافی نہیں ہے اور اس کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے اس لیے کہ زید بن ایمن کا سماع عبادہ بن نسی سے ثابت نہیں، نہ عبادہ کا ابو الدرداء سے سماع ثابت، سندھیؒ نے ابن ماجہ کے حاشیہ ص ۵۰۰ میں کہا و فی الزوائد ھذا الحدیث صحیح الا انہ منقطع فی موضعین لان عبادۃ روایتہ عن ابی الدرداء مرسلۃ و زید بن ایمن عن عبادۃ مرسلۃ

(۱) امام سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۱۹ میں کہا رجالہ ثقات لکنہ منقطع

(۲) نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴ میں حافظ عراقی سے منقول ہے کہ اس حدیث کے رجال تو ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے۔

(۳) حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸ میں بحوالہ تاریخ کبیر قسیم اول ج ۲ ص ۳۵۴ تسلیماً نقل فرمایا زید بن ایمن عن عبادہ مرسل۔

تیسرے اس کا راوی زید بن ایمن کا شاگرد سعید بن ابی ہلال کے بارے تقریب التہذیب ص ۱۳۷ میں ہے ساجی نے احمد سے روایت کی ہے کہ "اختلط" اور تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۵ میں کہا قال ابن حزم لیس بالقوی لعلہ اعتمد علی احمد فیہ۔

چوتھے یہ کہ ابن ماجہ نے اس حدیث سے پہلے متصل اوس بن اوس کی روایت نقل فرمائی ہے اس میں فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۰۷ میں اوس بن اوس کی حدیث کی شرح میں کہا (ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء) کنایہ است از حیات اشارت است بدان

ایک تیسری روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو طبرانی سے سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۱۹ میں نقل کرکے فرمایا کہ عراقی نے فرمایا اسنادہ لا یصح (اس کی سند صحیح نہیں)

حیاتِ برزخیہ مثلِ حیاتِ دُنیا نہیں

ف۱ الفاظ مدرجہ محتملہ کی توجیہ و تشریح میں دیگر احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام ملاء اعلیٰ کے ساتھ بحیاتِ برزخیہ وابستہ ہیں جو حیاتِ شہداء سے اطیب اعلیٰ ازکی اتقی اقوی، اولیٰ اصفی اسنی اجلی، اشہی احظی انفع اوقع، افضل اکمل، اجمل ادوم اقوم اتم فضیلت رکھتی ہے۔ نہ مماثل حیاتِ دنیا اور اجسام مطہرہ ان کے بلا تغیر و تبدل کے بہیج سلامت مدفون و مقبور ہیں۔ فتح الباری پارہ ۱۳ ص ۲۵۸ میں ہے لان الانبیاء احیاء عند اللہ وان کان لا ینافی صورۃ الاموات بالنسبۃ الی اہل الدنیا، وقد ثبت ذلک للشہداء الخ ولا شک ان الانبیاء ارفع رتبۃ من الشہداء الخ

فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۲۷۸ ان الانبیاء افضل من الشہداء والشہداء احیاء عند ربہم فکذلک الانبیاء۔

فتح الباری پارہ ۱۳ ص ۲۷۹ امور الآخرة لا تدرک بالعقل و احوال البرزخ اشبه باحوال الآخرة

فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۳۸۳ وهذه الحيوة ليست دنيوية وانما هي اخروية

فتح الباری پارہ ۱۶ ص ۳۶ لانه بعد موته وان كان حيا فهي حيوة اخروية لا تشبه الحيوة الدنيا والله اعلم

فتح الباری پارہ ۲۰ ص ۲۴۷ الانبياء والشهداء فانهم احياء عند ربهم

تلخیص الحبیر ص ۱۶۲ وقال البيهقي في دلائل النبوة الانبياء احياء عند ربهم كالشهداء وقال في كتاب الاعتقاد والانبياء بعد ما قبضوا ردت اليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء آه

ان سب کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب تعالیٰ شانہ کے ہاں زندہ ہیں وہ رزق عطا فرمائے جاتے ہیں پس نہیں کوئی امر مانع اس سے کہ وہ اس حال میں حج کریں اور یہی ثابت ہے شہداء کے لیے اور بے شک انبیاء بلند مرتبہ اور افضل درجہ میں ہیں شہداء سے، اور شہداء کے لیے حیات ہے ان کے رب کے پاس تو اسی طرح انبیاء کے لیے ہے کیونکہ امور آخرت ادراک عقل سے باہر ہیں اور احوال برزخ مشابہ احوال آخرت کے ہیں، اور یہ حیات دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے کیونکہ بعد وفات کے ان کو جو حیات ہے تو یہ حیات اخروی ہے حیات دنیا کے مشابہ نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ اور کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ انبیاء کے لیے حیات ان کے رب کے پاس ہے جس طرح شہداء کے لیے اور انبیاء کے لیے وفات کے بعد ان کی طرف ان کی ارواح لوٹا دی جاتی ہیں پس ان کے لیے حیات ان کے رب کے پاس ہے جیسے شہداء کے لیے۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ میں فرمایا وقد ثبت في حديث الاسراء ان النبي صلى الله عليه وسلم اجتمع بالانبياء صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين في السموات وفي بيت المقدس وصلى بهم فلا يبعد ان الله تعالى احياهم كما جاء في الشهداء

مولوی فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل ص ۱۲۱ میں کتاب الاعتقاد بیہقی کی عبارت بطور سند کے ذکر کی ہے۔

نیز تصحیح المسائل ص ۱۳۰ میں بروایت بزار وطبرانی یہ الفاظ نقل ہیں: ارواح الانبیاء فی الرفیق الاعلی فثبت بھذا ان لامنافاۃ بین کون الروح فی العلیین او الجنۃ او السماء وان لھا بالبدن اتصالا یعنی ارواح انبیاء کرام علیہم السلام رفیق اعلیٰ میں ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی امر منافی نہیں ہے کہ روح علیین یا جنت یا آسمان میں ہو اور اس کو بدن سے اتصال ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۵۹ میں کہا:

"ولازم نمی آید از بودن آں حقیقت حیات کہ باشد بر صفتے کہ در دنیا بودہ ونہ در احتیاج بطعام وشراب وغیر ذالک از صفات اجسام چنانکہ مشاہدہ مے کنیم در دنیا بلکہ آنہا را در برزخ احکام دیگر باشد واحتیاج بطعام وامثال آں امر عادی است وحال در آنجا بخلاف عادت باشد۔"

یعنی انبیاء کی حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صفت پر ہو جس صفت پر دنیا میں تھے اور نہ احتیاج کھانے پینے وغیرہ صفات اجسام ہیں جس طرح ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں، بلکہ ان کے لیے برزخ میں اور احکام ہوتے ہیں اور احتیاج کھانے پینے وغیرہ کی امر عادی ہے اور حال اس جگہ کا خلاف عادت کے ہوتا ہے۔

الحاصل وہاں کی حیات، دنیوی حیات کے مثل نہیں ہے نہ وہاں کا کھانا پینا دنیا کے کھانے پینے کی مثل ہے، یہاں دنیا کی چیزیں محسوس ہیں اور مشاہدہ ہو سکتی ہیں اور برزخی زندگی اہل دنیا کے مشاہدہ سے باہر ہے۔ اسی طرح وہاں کا کھانا پینا نقل و حرکت اصیل طلاپ، بات چیت، سرور وغیرہ اہل دنیا سے مستور ہے۔

مولوی عبدالسمیع نے انوار ساطعہ ص ۲۰۰ میں فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا:

امامۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج لارواح الانبیاء علیھم السلام اس سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقام سے سمٹ کر

بیت المقدس میں حاضر ہو گئی تھیں پھر یہ ارواح انبیاء علیہم السلام آسمانوں پر چلیں انتہی
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری پارہ ۲ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
کی آیت کریمہ کے تحت فرمایا ہے: ذهب جماعة من العلماء الی ان هذه الحیٰوة
مختصة بالشهداء والحق عندی عدم اختصاصها بهم بل حیٰوة الانبیاء
اقوی منهم فیه تنبیه علی ان حیاتهم لیست من جنس ما یحسه کل احد
وانما هی امر لا یدرکه بالعقل ولا بالحس بل بالوحی او الفراسة الصحیحة
المقتبسة من الوحی اھ ان کو مردے نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اہل علم کی ایک
جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ حیات شہداء کے ساتھ مخصوص ہے اور میرے نزدیک حق
یہ ہے کہ یہ حیات شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی
حیات سے زیادہ قوی ہے اس میں تنبیہ ہے اس امر کی کہ ان کی حیات اس قسم کی نہیں ہے
جو ہر شخص محسوس کر سکے کیونکہ اس امر کا ادراک عقل اور محسوسات سے نہیں ہو سکتا بلکہ وحی
یا فراست صحیحہ سے جو وحی سے ماخوذ ہو۔

اور تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۴ میں فرمایا "نسفی در بحر الکلام گفتہ کہ ارواح انبیاء
چوں از جسد بیروں میشوند بصورت شان از مشک وکافور می باشد و در بہشت باشند بخورند وبنوشند وتنعم فرمایند وبشبانگاہ در قنادیل
زیر عرش جا گیرند وارواح شہداء در شکم پرندہ سبز بخورند وبنوشند وتنعم فرمایند ودر قنادیل زیر عرش
باشند .... یعنی انبیاء کرام علیہم السلام
کی ارواح جسد عنصری سے باہر آنے کے بعد مشک وکافور کی صورت میں ہوتی ہیں اور جنت میں
کھاتی پیتی عیش عشرت فرماتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے قنادیل میں آجاتی ہیں اور ارواح
شہداء سبز پرندوں کے پوٹوں میں کھاتی پیتی عیش فرماتی ہیں اور شب کو قندیلوں میں عرش
کے نیچے رہتی ہیں۔

پھر حضرت حق جل وعلا نے اپنی حکمت بالغہ سے قرآن حکیم میں انبیاء پر باوجود افضل
وبرتر ہونے کے موت کا لفظ اطلاق فرمایا:

(۱) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ

(۲) فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ۔

(۳) إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔

(۴) فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ۔

(۵) إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ۔

(۶) وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ

تو کیا اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ بمقابلہ شہداء کے کم ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں! (ہرگز انفصال کا ثبوت کل نہ ہو جائے گا) بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی اور اتصال جسدی معنوی نہایت اعلیٰ اور رفیع و اقویٰ و افضل ہونا شہداء سے بحکم دلالت النص قرآن حکیم و اجماع امت کے ثابت ہے اور قبور اور برزخ کے حالات خیر و شر اور ایمان و کفر مشاہدہ میں آ جائیں تو پھر ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ جو مدار ایمان ہے۔ اور جزا کا اور سزا کا مرتکب ہونا عقل انسانی کے باعث توحید الٰہی اور آخرت پر ایمان و یقین لانے کا امتحان ہے پھر بھی باوجود اقرار کے جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لوازم الوہیت، علم غیب، فریاد رسی، مشکل کشائی، حاضر ناظر، بیک وقت سب کی سن کر اجابت کرنے والا جان کر حیات دنیوی مان کر قبروں پر سجدے کر کے شرک تک نوبت پہنچائی فی الواقع ان پر مقولہ حضرت امام و خلیفہ بلا فصل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا صادق ہے ”من کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات“

حضرت ... ابن قیم رحمہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں ارشاد فرمایا۔

آپ کی قبر اطہر مٹی اور کچی اینٹوں کی ہے اور دیواریں بنی ہوئی ہیں، اگر آپ قبر اطہر میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے وفات سے پہلے زندہ تھے تو زمین سے نیچے نہ ہوتے بلکہ موافق عادۃ اللہ کے زمین کے اوپر ہوتے۔

کفایۃ العوام ص ۳۷ میں ہے ومما یجب اعتقادہ ایضا انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد فی مکۃ وتوفی فی المدینۃ ویجب علی الآباء ان یعلموا اولادھم ذلک یعنی یہ اعتقاد رکھنا بھی واجب اور ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور ماں باپ پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کو اس بات کی تعلیم دیں۔

تحقیق المقام حاشیہ کفایۃ العوام ص ۲۷ میں ہے کذا فی متن العباب ومثلہ للسمعانی.... ووافق ابن حجر علی الوجوب یعنی متن العباب میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور سمعانی کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے اور ابن حجرؒ بھی اس عقیدہ کے ضروری ہونے پر موافقت کرتے ہیں۔

رشحات الاقلام ص ۱۵ میں ہے وشہادة ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم الذی ولد بمکۃ عام الفیل ثم ھاجر الی المدینۃ ومات بھا وقبرہ الان بھا صلی اللہ علیہ وسلم الی کافۃ العالمین اور شہادت توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس بات کی شہادت دینا مومن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ کے صاحبزادے حضرت عبد المطلب کے پوتے ہاشم کے پر پوتے جو فیل کے سال مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے پھر مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے گئے اور وہیں وفات پائی اور اسی مدینہ منورہ میں اب بھی ان کی قبر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جہان کی طرف مسئلہ توحید پہنچانے کے لیے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

اور اسی رشحات الاقلام شرح کفایۃ العوام علی مذہب ابی حنیفۃ الامام ص ۱۶ میں ہے محمد بن عبد اللہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وھو النبی الباقی علی رسالتہ وان مات صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر الزمان وانقضاء الدنیا یعنی محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں (صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم) کے خاتم یعنی آخری نبی اور رسول ہیں جن کے آچکنے کے بعد کسی اور کو نبوت اور رسالت کا عہدہ نہ ملے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وفات پاچکے ہیں مگر آخر وقت تک اور دنیا کے ختم ہونے تک آپ نبی ہیں اور اپنے عہدۂ رسالت پر بدستور باقی اور قائم و دائم ہیں۔

وفات سے نبوت زائل نہیں ہوتی

اور یہ مسئلہ بیشک صحیح ہے کہ نبی کی وفات سے نبوت ورسالت انبیاء ؑ سے منقطع نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی تھی اس کے بعد دفن کرنے تک کم ازکم چھ یا سات نمازوں کا وقت گزرا، صحابہ کرام رضؓ نے فرض واجب سنت مستحب (تہجد وغیرہ) نمازیں پڑھیں ان میں ہر قعدہ میں تشہد پڑھتے وقت السلام علیک ایہا النبی ؐ اور واشہد ان محمدؐ اعبدہٗ ورسولہٗ وجوبی طور پر پڑھتے رہے آپؐ کی صفت نبوت ورسالت کا اقرار کرتے رہے حالانکہ سوائے حضرت نانوتویؒ ومشلہٗ کے تمام کا اجماع ہے کہ دفن سے پہلے آپ کے جسد عنصری اطہر واطیب میں روح مبارک واپس نہیں آئی اور سب کا اتفاق ہے کہ آپ اس وقت میت تھے اور مسجدوں میں اذانیں بھی دی جاتی رہیں اور صحابہؓ کرام کلمات اذان سن کر ان کا جواب بھی دیتے تھے جس میں یہ شہادت بھی ہے اشہدان محمدارسول اللہ۔ اسی طرح اقامت بھی ہوتی رہی اس میں بھی اشہدان محمدارسول اللہ کہا جاتا رہا اور سننے والے جواب میں اشہدان محمدارسول ؐ اللہ کہتے اگر وفات کے بعد یعنی جسد عنصری انبیاء کرام علیہم السلام سے مبارک روح کی مفارقت کے بعد نعوذ باللہ نبوت ورسالت کی صفت زائل ہوگئی تھی تو اذانوں، اقامتوں اور تشہد وغیرہ میں اقرار وشہادت رسالت ایک لغو اور خلاف واقع ہوتا والعیاذ باللہ نیز صحابہ کرام ؓ پر طعن آتا کہ نعوذ باللہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ نبی کی موت سے نبوت کی صفت جاتی رہتی ہے لاعلمی میں اقرار وشہادت رسالت کرتے رہے والعیاذ باللہ مگر یہ بات غلط ہے۔

دراصل صحابہ کرامؓ نے ہمیں مسئلہ سمجھا دیا کہ نبی کی موت سے نبوت ورسالت کی صفت نبیؐ سے زائل نہیں ہوتی، نبی بدستور نبی ہی رہتا ہے اور خود نبیؐ ورسولؐ کے الفاظ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں لازم ذات ہیں کسی عارضہ سے جدا نہیں ہوسکتیں۔

محمد حسن سنبھلیؒ فرماتے ہیں علمائے حنفیہؒ کہتے ہیں کہ انبیاء اور رسل دار دنیا سے

انتقال کے بعد حقیقی نبی و رسول ہوتے ہیں یا حکمی؟ پھر جواب دیا: حنفی مشائخ کا مذہب ہے کہ وفات کے بعد اب بھی انبیاء و رسل حقیقی طور پر نبی و رسول ہیں! حضرت ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین حکمی نبی رسول مانتے ہیں۔ جیسے ابوالمعین نسفی حنفی رحمۃ اللہ نے بحر الکلام ص ۶۵ و ۶۶ میں لکھا ہے اور امام ابوالمحاسن قونوی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں اور دوسرے علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

مشائخ حنفیہ نے اپنے دعوای (انبیاء و رسل کا حقیقی طور پر نبی و رسول ہونے) کی دو دلیلیں دی ہیں۔ ایک دلیل عقلی اور دوسری دلیل نقلی۔ نقلی دلیل قرآنی آیت ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اس آیت میں رسل کا لفظ ہی خود دلیل ہے اس امر کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں تمام رسول وصف رسالت میں متحد ہیں، اس وصف رسالت میں تمام رسل کے مابین کوئی تفاوت نہیں اس طرح یہ آیت تمام فوت شدہ رسولوں کے بارے میں حکمی رسول ہونے کی نفی کرتی ہے، ورنہ نزول آیت کے وقت جو یقینا دو رسول تو زندہ تھے یعنی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو پر تو یقیناً رسول کا اطلاق حقیقی ہے اور باقی رسل پر مجازی اطلاق کریں تو بغیر قرینہ صارفہ داعیہ الی المجاز کے مجازی معنی مراد لینا بے اصولی ہے اور بعض شوافع کے مسلک کے مطابق عموم المجاز مراد لینا بے اصولی ہے اس لیے آیت میں رسل کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ پس تمام کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اسی طرح حقیقی نبی ہیں جس طرح وفات سے پہلے سب حقیقی نبی تھے صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین (اسی طرح فرمان الٰہی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ اور وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ، نیز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ، وغیرہ کثیر آیات،

اور عقلی دلیل یہ دی کہ رسالت و نبوت کی موصوف اصلی و حقیقی روح ہے اور وفات کے بعد روح متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی کسی صفت میں تبدیلی آتی ہے چنانچہ شرح عقیدہ طحاویہ میں مذکور ہے۔

اور مشائخ اشاعرہ (اشعریہ) فرماتے ہیں کہ رسالت و نبوت ہر دو عرض تھیں اور ایک

غرض دو مختلف زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی۔ اب اگر کوئی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے تو یوں کوئی نہیں کہتا کہ فلاں آدمی اب بھی نماز میں ہے اور اگر اس نمازی کو نماز پڑھتے پڑھتے حدث لاحق ہو جائے (وضو ٹوٹ جائے) اور پھر وضو کرنے چلا جائے تو اس وقت کہتے ہیں کہ یہ شخص اصل نماز میں تو نہیں ہے۔ مگر نمازی کے حکم میں ہے۔

لیکن علمائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اشعریہ کے اس استدلال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت اور محقق ہو چکی ہے کہ رسالت اور نبوت دراصل روح کی صفت ہے (نہ جسدِ عنصری مع الروح کی) اور موت کا روح کے ساتھ کوئی کچھ تعلق نہیں یعنی روح نہیں مرتی۔ لہٰذا رسالت و نبوت بھی بقائے روح کی وجہ سے اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہیں۔

مزید یہاں یہ ہے کہ آیاتِ کریمہ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ" اور اسی طرح دوسری آیت رسل کے حکمی رسول ہونے کے عقیدہ کو رد کرتی ہیں۔ (دیکھو نظم الفرائد و جمیع الفوائد ص ۴۴)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۳ میں فرماتے ہیں و بقاء النبوۃ والرسالۃ بعد الموت فی حقہ وحق غیرہ من الانبیاء والمرسلین علیہم السلام حقیقۃ مما ذھب الیہ غیر واحد فان المتصف بھما وکذا بالایمان ھو الروح وھی باقیۃ لا تتغیر بموت البدن نعم ذھب الاشعری کما قال النسفی رح الی انھما بعد الموت باقیان حکما انتھی۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماسوا تمام نبیوں اور رسولوں کے بارے ان کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کا حقیقۃً باقی رہنا اور ان اوصاف کا ان سے زائل نہ ہونا) ان امور میں سے ہے جن کی طرف اکا دکا نہیں بلکہ کثیر علماء گئے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں اور روح ہمیشہ رہتی ہے جو بدن کی موت کے بعد اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ہاں اشعری رحمہ اللہ علامہ نسفی رحمہ اللہ کے کہنے کے مطابق اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء و رسل کی وفات کے بعد نبوت و رسالت (حقیقۃً نہیں بلکہ) حکماً ہوتی ہے۔

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۰۷ میں اس حدیث کی تاویل فرماتے ہیں جس میں آدم و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی باہم گفتگو کا ذکر آتا ہے چنانچہ فرمایا احتج آدم وموسیٰ ای تحاجا اما ان تکون ابرواحھما تحاجت او یکون ذالک یوم القیامۃ والاول اظھر یعنی حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام نے باہم مباحثہ کیا۔ اب وہ مباحثہ کی صورت کیا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک احتمالی صورت تو یہ ہے کہ ان ہر دو کی ارواح نے باہم مباحثہ کیا۔ دوسری احتمالی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مباحثہ آئندہ کو قیامت کے روز ہو لیکن ان دونوں احتمالی صورتوں میں سے پہلی صورت زیادہ ظاہر ہے۔

گو یہ دو احتمال بیان کر کے اس اعتراض کا جواب دے گئے ہیں جو ظاہر الفاظ حدیث پر وارد ہوتا تھا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم دنیا میں زندہ تھے اور حضرت آدم علیہ السلام مدت ہوئی کہ عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم برزخ میں تشریف لے گئے اور عالم دنیا کا باشندہ عالم برزخ کے باشندہ سے کس طرح کلام کر سکتا ہے اور عالم برزخ کا باشندہ عالم دنیا کے باشندہ کو جواب کس طرح دے سکتا ہے۔ پھر عالم دنیا کا باشندہ برزخ والے کا جواب سن کیسے سکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یوں بھی دیا جا سکتا تھا کہ آدم علیہ السلام بجسدہ وروحہ زندہ ہیں بر حیات دنیویہ گو ہم جیسے نا اہلوں کی آنکھوں سے غائب ہیں۔ مگر پیغمبر کی شان جدا ہوتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے زندہ تھے بحیات دنیویہ اور حضرت آدم علیہ السلام بھی وفات کے بعد اپنی قبر میں دنیوی حقیقی حسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں تو پھر اشکال کیسا؟ ہم نے تو اولیائے کرام کے بارے سن رکھا ہے کہ جاگتے ہیں ان کی ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوتی رہتی ہے بلکہ بعض اولیاء کرام کے ساتھ مصافحہ کرنے کی غرض سے انبیاء کرام نے اپنی قبر سے اپنا ہاتھ بھی نکالا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے ان کے بارے میں تو یہ احتمال اقویٰ ہے۔ مگر علامہ عینی رحمہ اللہ

نے اس احتمال کو کوئی وقعت نہیں دی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد بجسدِ عنصری دنیوی حقیقی جسمی حیات کے قائل نہیں تھے، ورنہ اس صاف مفہوم کو چھوڑ کر مذکورہ بالا تاویلیں نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ چونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے "الانبیاء احیاءٌ فی قبورہم" اس لیے اس مباحثہ پر کچھ اشکال وارد نہیں ہو سکتا۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۴۲۹ میں اسی مذکورہ حدیث کے بارے علماء محدثینؒ کی بیان کردہ مختلف تاویلیں ذکر فرمائی ہیں وقد اختلف العلماء فی وقت هذا اللفظ، فقیل یحتمل انه فی زمان موسیٰ علیه السلام فاحیی الله له آدم معجزة له فکلمه، او کشف له عن قبره فتحدثا، او اراه الله روحه کما اریَ النبی صلی الله علیه وسلم لیلة المعراج ارواح الانبیاء او اراه له فی المنام ورؤیا الانبیاء وحی ... ولو کان ذالك بعد وفاة موسیٰ علیه السلام فالتقیا فی البرزخ اول مامات موسیٰ علیه السلام فالتقت ارواحهما فی السماء، وبذالك جزم ابن عبد البر والقابسی ...... وذکر ابن الجوزی احتمال التقاءهما فی البرزخ

یعنی علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ کا یہ مکالمہ و مباحثہ کب ہوا۔ بعض نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا باہم مباحثہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہو جس کی صورت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے معجزہ کے طور پر آدمؑ کو اسی مباحثہ کرنے کو زندہ کر دیا ہو پھر آپؑ نے ان سے بات کی ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کی قبر سے حضرت موسیٰؑ سے بات کرنے کی خاطر پردہ ہٹا دیا ہو تب ان دونوں نے باہم بات کر لی ہو۔ بعض علماء نے کہا ہو سکتا ہے کہ جس طرح لیلۃ المعراج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرامؑ کے ارواح دکھائے گئے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی روح دکھا دی ہو پھر آپ نے ان کی روح سے مکالمہ کیا ہو اور آدمؑ کی

روح نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں آدم علیہ السلام دکھا دیئے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے اور پیغمبروں کی خواب بھی وحی ہوتی ہے الخ اور بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہو تو حضرت آدم و موسیٰ کی ملاقات برزخ میں شروع وفات موسیٰ کے ہوئی ہو تو آسمان میں دونوں کی ملاقات ہوگئی ہو۔ ابن عبد البر اور قابسی نے اسی پر یقین کیا .... اور ابن جوزی نے یہی احتمال ذکر کیا کہ برزخ میں ان دونوں پیغمبروں کی ملاقات ہوئی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری ج ۴ ص ۳۱۹ میں اور علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۵ میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے بارے لکھتے ہیں کہ وہ صعقہ والی حدیث کو مشکل ترین حدیثوں میں سے ایک حدیث شمار کرتے ہیں قال القاضی (عیاض المالکی) وھذا الحدیث من اشکل الاحادیث لان موسیٰ علیہ السلام قد مات فکیف تدرکہ الصعقۃ وانما تدرک الاحیاء۔ مشکل ترین اس لیے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اب وفات کے بعد ان پر بے ہوشی کیسی طاری ہو رہی ہے۔ حالانکہ بے ہوشی تو زندوں کو لاحق ہوتی ہے۔

قاضی صاحبؒ کے اس قول سے بھی معلوم ہوگیا کہ اس جسم عنصری کے ساتھ حیات انبیاء کے قائل نہیں ہیں ورنہ آپ اس حدیث کو مشکل ترین حدیث نہ فرماتے اور نہ یہ سوال اٹھاتے۔

بہر حال یہ اکابر فقہاء و محدثین اور عقائد والے، انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کی صفت کو ان کے لیے حقیقی سمجھتے ہیں اس بناء پر کہ دراصل یہ صفتیں روح کی ہیں اور مرنے کے بعد روح تو باقی ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا اور یہی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دفن تک کے درمیانی وقفہ میں بھی اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور دعاؤں وغیرہ ہر مقام میں آپؐ کو نبوت و رسالت کی

وصف کے ساتھ ذکر کرتے رہے۔

ان کے اس عمل عقیدہ اور بیان سے دو باطل فرقوں کی تردید ہو گئی جو قرونِ وسطیٰ میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

فرقہ کرامیہ: ایک فرقہ کرامیہ تھا جس کا عقیدہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ساتھ ہی ساتھ ان کی وصف نبوت و رسالت بھی والعیاذ باللہ زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اوصاف اعراض ہوتے ہیں! در اعراض قائم بالغیر ہوتے ہیں اور عرض جس چیز کے ساتھ قائم ہے اس چیز کے جاتے رہنے سے عرض بھی جاتا رہتا ہے۔

ابن فورک: دوسرا فرقہ ابن فورک کے متبعین ہیں جن کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنی قبر اطہر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سچ مچ حقیقی طور پر زندہ ہیں نہ مجازی طور پر۔ محققین علمائے عقائد نے ان دونوں فرقوں کی تردید فرمائی کہ کرامیہ اور ابن فورک ہر دو کا مذہب باطل ہے۔ جیسے تقریر بالا سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔

لیکن ان محققین علماء عقائد کی تردید میں سبکی صاحب نے قلم اٹھایا اور ابن فورک بدعتی کے ہم نوا ہوئے۔

چنانچہ المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۴۵ میں لکھا ہے وتعقّب بان الانبیاء احیاء فی قبورھم فوصف النبوۃ باق للروح والجسد معًا ..... نقل السبکیؒ فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوۃ والسلام حیّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابد الآباد علی الحقیقۃ لا المجاز انتھٰی یعنی ان علماء پر تعاقب کیا گیا ہے بایں طور کہ انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں اس لیے نبوت کی وصف روح مع الجسد ہر دو کے لیے بدستور باقی ہے ..... سبکی نے اپنی تصنیف طبقاتِ کبریٰ میں ابن فورک سے یہ بات نقل کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں حقیقۃً ابدالآباد تک زندہ ہیں۔

مجازی طور پر ان کی حیاۃ نہیں حقیقی طور پہ زندہ ہیں۔ ع

"انبیا حی اند در زیر زمین" (مرزا قادیانی علیہ ما علیہ)

پھر یہ بھی لکھ دیا کہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں (ترجمہ شفاء السقام سبکی از تسکین ص ۲۲۵)

اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ سبکی کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا عنصری جسم زمین کے نیچے اپنی اپنی قبر میں زندہ نماز پڑھتا ہے آسمانوں میں بھی وہی جسم عنصری زندہ موجود ہے۔ حالانکہ جسد واحد کا حقیقۃً مختلف مقامات میں ہونا محال ہے عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ البتہ بریلوی ذہن کا کوئی آدمی یہ بات کہہ دے تو بعید نہیں۔

ایک ہی جسد کا مختلف مقامات میں حاضر و موجود ہونے سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ثابت ہوتی ہے نہ معراج نہ غزوہ و سریہ کا فرق، نہ مسجد نبوی سے غیر حاضری نہ حجرۂ نبویہ سے فقدان اور نہ قسم ازواج مطہرات، نہ سفر نہ قصر و اتمام کا قصہ نہ تیمم کا واقعہ وغیر ذالک الی مالا یحصٰی۔ تو اس معاملہ میں نعوذ باللہ بریلوی سچے ہوئے کیونکہ جب وہی جسد عنصری زمین کے نیچے قبروں میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہی جسد عنصری آسمانوں میں بھی موجود ہیں جو زمین سے پدموں اور سنکھوں میل دور ہیں تو کرۂ ارض میں جو چند ہزار میل ہے حاضر موجود ہونا کونسا بعید امر ہے۔ بلکہ بعض معاصر بریلویوں کی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا جسد مبارک ہر جگہ موجود ہے بلکہ ہمارا مطلب ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یہ ہوتا ہے کہ آپ بنفس نفیس اپنے روضۂ اطہر میں تشریف فرما ہیں اور آپ بیک نظر تمام جہان کا ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے ہتھیلی پہ دھری ہوئی چیز انسان دیکھ لیتا ہے۔ اور یہ عقیدہ شرک نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف رکھ کر تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اللہ پاک تو مکان و جہت سے پاک ہے۔

ہو سکتا ہے کہ بہ عمل ابن فورک اور سبکی کی کتابوں اور قسطلانی و شعرانی و ابن حجر کی

جیسے خالی قسم کے علماء کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اور کچھ ان کی عبارتوں میں ترمیم کر کے اپنا مذہب ایجاد کر کے اس پر لیبل اہل السنۃ والجماعۃ کا لگا دیا ہو اور سا تھ ہی آپ اہل سنۃ والجماعۃ بن بیٹھے اور مخالفین کو وہابی کہہ دیا۔ اعاذنا اللہ منہم۔

اب سوال اٹھتا تھا کہ جب آپ بالکل ہی حقیقی حسی دنیوی اسی جسد عنصری کے ساتھ حیات ہیں تو یہ ایک اصولی بات ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ جب کوئی چیز اپنا وجود پاتی ہے تو اپنے جمیع لوازمات کے ساتھ اپنا وجود پاتی ہے اور جب لازم منتفی ہوتا ہے تو ساتھ ہی تو ملزوم بھی منتفی ہو جاتا ہے تو اس اصول کے تحت چاہیے کہ جسد عنصری کھائے پیئے تو اس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ:

اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی، یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں۔ اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو، عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو۔

لیکن اگر عقلی امتناع کی بات ہو تو اس صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر اعادۂ روح کے نفس جسد کو عذاب ہو۔ جیسے فرقہ کرامیہ کہتا ہے اور جس نے اسے سفسطہ کہا ہے۔ وہ غلط ہو جیسے لامع الدراری ج ۲ ص ۱۲۰ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا لَا مَانِعَ مِنْ اَنْطَاقِ اللّٰہِ الْجَسَدَ بِغَیْرِ رُوْحٍ یعنی اس بات سے کوئی امر مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ بے روح کے جسم کو گویائی دے دے اور اگر دلیل نقلی ہو تو سبکی کو چاہیے تھا کہ دلیل میں پیش کرتے۔ دوسروں سے نقلی دلیل کا مطالبہ کرنا اور اپنی باری آئے تو عقلاً محال نہ ہوتا کہہ کر گلو خلاصی کرنا کونسا قاعدہ ہے۔

اول منکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کے نام پر سب سے پہلے جن لوگوں نے موت کو نبوت کے منافی سمجھا، یا انبیاء علیہم السلام کی موت سے برملا انکار اور حیاۃ النبی کا نعرہ بلند کیا وہ دراصل صدق دل سے

مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ قدم قدم پر انہوں نے مسلمانوں، اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ممکن طریق وکوشش سے انتہائی ضرر پہنچانے اور رسوا کرنے کی کوشش کی۔ یہی وہ گروہ ہے جسے اللہ عز وجل نے قرآن مجید میں منافقین کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ:

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا "بعض منافقان می گفتند کہ اگر محمد پیغمبر بودے وفات نیافتے" یعنی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے برحق و برگزیدہ سچے پیغمبر و نبی ہوتے تو ان کو موت ہی کیوں آتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب منافقین کے برپا کردہ فتنہ یا کفر افروز اور ہلاکت افزا نعرہ کی اطلاع ہوئی تو پورے جوش وجلال اور کفر توڑ ہیبت سے شمشیر بکف دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر لرزہ برپا ہو کر اور شیاطین کو بھگا دینے والی مہیب آواز سے اعلان فرمایا (پڑھو مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳)

"وعمرؓ چوں ایں سخن بشنید تیغ برکشید و بردر مسجد بایستادہ گفت "ہر کس کہ گوید پیغمبر مُرد بایں شمشیر دو نیمش سازم پس مردم بشنیدند ایں سخن در شک و شبہ افتادند در موت آنحضرت" یعنی منافقین کا مذکورہ باطل پروپیگنڈہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سُنا تو کفر توڑ و باطل شکن تلوار نکال کر دروازہ مسجد پر کھڑے ہو گئے اور پُر جوش آواز سے اعلان کر دیا۔" جو شخص بھی یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے اس کے تلوار سے پرزے اڑا دوں گا۔ لہٰذا سننے والے مرعوب وحیران ہو کر کشمکش و پیچ میں پڑ گئے۔

واقعہ وفات سامنے ہے عمرؓ جوش خروش اور غضبناک لہجہ میں انکار پر مجبور کر رہے ہیں با آخر کیا کیا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سُن کر حضرت عمر و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ

عنہما آئے میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اندر آنے کی اجازت طلب کی پس میں حسب دستور چادر اوڑھ کر حجرہ کے ایک کونے میں ہوگئی اور اندر آنے کی اجازت دے دی پس جب کہ حضرت عمرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو بنظر غائر دیکھا تو انتہائی پریشانی اور حزن و ملال سے بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا وا غشیتاہ قربان جاؤں کس درجہ طویل اور ہوش ربا بے ہوشی طاری ہے۔ پس جب کہ واپس لوٹے اور حجرہ کے دروازے پر پہنچے تو مغیرہؓ نے جرأت سے کہا کہ عمرؓ! غشی اور بے ہوشی نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے۔ مغیرہؓ کی زبان سے موت کا لفظ سن کر انتہائی جوش، محبت اور ہیبت ناک آواز سے فرمایا کَذَبْتَ بَلْ اَنْتَ تَحرش الْفِتْنَۃَ، تو جھوٹ کہتا ہے اور فتنہ کو بھڑکانے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ منافقین کو ختم نہ کر دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیرون مدینہ اپنے ڈیرہ سنح سے خبر وفات سن کر مسجد نبوی میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت عمرؓ مسجد کے دروازہ پر کھڑے اعلان کر رہے تھے ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقتل اللہ المنافقین وکانوا اظہروا الاستبشار ورفعوا رؤسہم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کی موت اس وقت تک واقع ہو سکتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو ختم نہ کر دے، حالانکہ منافقین موجود ہیں اور وہ خبر وفات سن کر خوشیاں منا رہے ہیں اور سر اٹھائے بغلیں بجاتے دُھائی دے رہے ہیں۔

الزام جن لوگوں نے وفات النبی کے موقع پر دوامی حیات النبی کا نعرہ، یا موت کو نبوت کے منافی، یا موت کو نبوت کی توہین و تحقیر مشہور کیا وہ شرالناس منافقین تھے اگرچہ ان فتنہ بازوں کا باطل پروپیگنڈہ فاروقی جوش اور ہیبت اور کفر توڑ تلوار و باطل شکن اعلان سے ختم ہو کر رہ گیا اور خطبہ صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان بخش و بصیرت افروز اور حقیقت سے آشنا کرنے والے دلائل قاطعہ نے پوری جماعت

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر متفق و مطمئن کر دیا۔

چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو متفقہ عقیدہ و تعامل بحیثیت عینی شاہد کے بیان فرمایا وہ یہ ہے:

یوں معلوم ہو رہا تھا کہ خطبۂ صدیقؓ سننے سے پہلے گویا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مذکورہ آیات بھی قرآن مجید میں ہیں۔ پس خطبۂ صدیق رضؓ نے حاضرین کو یہ آیات قرآنیہ یاد دلا دیں اور از بر کرا دیں حتیٰ کہ سامعین سے ہر ایک کو ہی ان کی تلاوت کرتے ہوئے وفاۃ النبی ﷺ کا کما حقہ یقین ہو گیا (واللہ لکأن الناس لم یعلموا ان اللہ تعالیٰ انزل ھذہ الآیۃ حتی تلاھا ابوبکر فتلقاھا الناس منہ کلھم فما اسمع بشرا من الناس الا یتلوھا)

بلکہ خود فاروق اعظم رضؓ کو کھلے لفظوں یہ اعلان کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوا کہ جب میں نے خطبۂ صدیقؓ کی آیات سنیں:

فعقرت وانا ثم خررت علی الارض لما یقنت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد مات (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

تو میں مارے ہیبت کے سلا/ اٹھا اور صدمۂ وفات کی زد سے دھڑام سے زمین پر گر گیا پس مجھے کما حقہ یقین ہو گیا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔

اس وقت منافقین کا برپا کردہ فتنہ ختم ہو گیا۔

مولوی احمد اللہ صاحب پشاوری نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر والایمان میں اسی طرح لکھا ہے

بیان بالا پڑھ کر امید ہے کہ آپ کے ذہن سے یہ خلش دور ہو جائے گی کہ آخر محدثین کو کیا ہو گیا تھا کہ باب وفات النبی منعقد کرتے ہیں اور ارباب حیاۃ النبی ﷺ بعد دفینہ کا نام تک نہیں لیتے۔ در اصل منکرین وفاۃ النبی ﷺ کا رد ان کا مطمح نظر تھا۔

وفات النبی صلعم کے منکرین کا دوسرا گروہ

شائقین کے بعد ایک اور گروہ آیا جس نے اہل نفاق کے برپا کردہ نعرہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی ترجمانی کا حق جس خوبی اور کمال سے ادا کیا وہ اصول کافی کتاب الحجہ باب النہی عن الاشراف علی قبرہ ص ۴۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ لکھا ہے عن جعفر بن المثنیٰ الخطیب قال کنت بالمدینۃ وسقف المسجد الذی یشرف علی قبرہ قد سقط والفعلۃ یصعدون وینزلون ونحن جماعۃ فقلت لاصحابنا من منکم لہ موعد یدخل علی ابی عبد اللہ علیہ السلام اللیلۃ فقال مہران بن ابی نصر انا و قال اسماعیل بن عمار الصیرفی انا فقلنا لہما سلاہ لنا عن الصعود لنشرف علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان من الغد لقینا ہما واجتمعنا جمیعا فقال اسماعیل قد سالنا لکم فقال ما احب لاحد منکم ان یعلو فوقہ ولا آمنہ ان یریٰ شیئا یذھب منہ بصرہ او یراہ قائما یصلی او یراہ مع بعض ازواجہ ۔ اس کا فارسی ترجمہ حیات القلوب میں ہے۔

اسی طرح حیات القلوب ج ۲ ص ۸۷۴ میں ہے۔ کلینی بسند معتبر روایت کردہ است از جعفر بن مثنیٰ خطیب کہ گفت من در مدینہ بودم کہ خراب شد سقف مسجد رسول ص از موضعے کہ نزدیک قبر شریف آنجناب و بنایان و کارکنان بالا می روند و فرود می آمدند پس من اسماعیل بن عمار گفتم کہ از حضرت جعفر صادق سوال کند کہ آیا می توانیم بالا رفت کہ بر قبر مقدس آنحضرت ص مشرف شویم و نظر کنیم۔ روز دیگر اسماعیل برائے ما خبر آورد کہ حضرت ع فرمود کہ آں دوست نمی دارم برائے احدے کہ بر قبر آنجناب مشرف شود و ایمن نیستم کہ بہ بیند چیزے کہ دیدہ اش نابینا شود و بسبب آں یا آں کہ بہ بیند کہ آنجناب ایستادہ است و نماز می کند یا آں کہ بہ بیند کہ آنجناب ایستادہ است و نماز می کند یا آں کہ بہ بیند کہ با بعضے از زنان خود نشستہ

یعنی جعفر بن مثنیٰ خطیب روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی ایک جماعت کے ہمراہ

ان دنوں مدینہ منورہ میں موجود تھا جب کہ مسجد نبوی کی چھت کا وہ حصہ جو قبر شریف پر حاوی ہے شکستہ تھا اور اس کی تعمیر کے لیے معمار و مزدور اُتر چڑھ رہے تھے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اسماعیل بن عمار کو حضرت جعفر صادق رضی کی خدمت میں بھیجا کر دریافت کریں کہ اگر اجازت ہو تو ہم مسجد کی چھت پر چڑھ کر شکستہ چھت سے قبر شریف کو جھانک کر دیکھنے کی سعادت حاصل کر پائیں۔ حضرت صادق نے فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کسی ایک کو قبر شریف کو جھانک کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ جھانک کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہے یا پھر دیکھنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں نماز پڑھتا دیکھے یا پھر بعض ازواج مطہرات کے ساتھ صحبت میں مشغول پائے۔ (نعوذ باللہ)

اس گروہ کی ایک گپ کہ قبر سے ہاتھ نکلا اور آواز آئی

در کتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسندہائے معتبر از صادق روایت کردہ اند کہ چوں گریبان حضرت امیر المومنین را گرفتہ برائے بیعت ابوبکر رض بسوئے مسجد کشیدند حضرت در برابر قبر رسول خدا ایستادہ و گفت آنچہ ہارون در جواب موسیٰ گفت کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادو یقتلوننی الآیۃ یعنی اے برادر من بدرستیکہ قوم مرا ضعیف گردانید و نزدیک شد کہ مرا بکشند پس دستے از قبر رسول خدا بیروں آمد بسوئے ابوبکر کہ ہمہ شناختند کہ صدائے آنحضرت است۔

یعنی کتاب اختصاص اور بصائر الدرجات بلکہ تمام کتب میں یہ روایت حضرت صادق سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا گریبان پکڑ کر ابوبکر رض کی بیعت کے لیے ان کو کھینچ کر لے جایا گیا تو آپ نے قبر رسول ؐ کے برابر کھڑے ہو کر وہی کہا جو کہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ ؑ کے جواب میں کہا تھا یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی الآیۃ یعنی اے میرے بھائی اور ماں کے بیٹے! قوم نے مجھے اس درجہ ضعیف اور کمزور سمجھ لیا ہے کہ میرے قتل کے درپے ہے پس اس کے جواب میں قبر شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا ہاتھ نکالا اور ابوبکر کو اشارہ سے روک دیا اور آواز بھی دی اور منع کیا، جنانچہ سب نے آپ کے دست مبارک اور آواز کو پہچانا۔

حیاۃ النبیؐ سے ایک قدم آگے

روافض نے حیات النبیؐ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حیات النبیؐ کو محور و مرکز قرار دیگر اپنے ائمہ کو زندہ درگور ثابت کرنے کی غرض سے ائمہ کو موت کی دست برد سے محفوظ و بالاتر قرار دیتے ہوئے یا علیؓ، یا حسینؓ کا نعرہ جس طرح بلند کیا اور قبر پرستی کو جس طرح فروغ دیا۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا فمنھم الغالیۃ وقد ادعت ان علیاً افضل من الانبیاء صلوات اللہ علیھم اجمعین ... ... وان علیا وسائر الائمۃ لم یموتوا بل ھم باقون الی ان تقوم الساعۃ ولا یتطرق علیھم الموت یعنی ان رافضیوں کا ایک غالی فرقہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ تمام انبیاء سے افضل ہیں ..... نیز علیؓ اور دوسرے تمام ائمہ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ قیامت تک اپنی اپنی قبروں میں دنیا کی طرح باقی ہیں اور ان کے پاس موت کے آنے کا راستہ ہی نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ج اص ۸۱ طبع مصر)

نیز فرمایا و اما الناؤسیۃ لقبوا لانھم نسبوا الی ناؤس البصری الذی ھو رئیسھم ویقولون بامامۃ جعفر وانہ حی لم یمت بعد وانہ قائم یعنی ناؤس بصری کے تابعین جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور تاحال جعفر فوت نہیں ہوئے وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے قبر سے نکل کھڑے ہوں گے۔

الملل والنحل ج اص ۱۵۰: سید حمیری کہتا ہے کہ حضرت محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ (اپنی قبر شریف میں) زندہ موجود ہیں۔

الملل والنحل ج اص ۱۵۲: عبد اللہ خراسانی کے متعلق ان کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ (اپنی قبر میں) زندہ ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۵۹ : محمد بن عبداللہ کے متعلق اس کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ قبر میں بحیاتِ دنیوی زندہ ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۰ : اثنا عشریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ سرے سے فوت ہی نہیں ہوئے اور انہی کا ایک دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۴ : ابن سبا کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضؓ زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے اور اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ علی خدا ہیں سب ہے خدا کی جز رہے وفات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۸ : مغیریہ فرقہ کہتا ہے کہ محمد بن علی فوت نہیں ہوئے ہم ان کے منتظر ہیں، واپس آئیں گے۔ جبرائیل و میکائیل رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان ان سے بیعت کریں گے اور وہ امام منتظر مُردوں کو زندہ کریں گے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۸۰ : بزیغیہ فرقہ کا تو عقیدہ ہی یہی ہے کہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے اور پھر مر جاتا ہے تو اس کے بارے میں اس طرح نہ کہنا چاہیے کہ مر گیا ہے بلکہ وہ عالم ملکوت کو پہنچتا ہے۔ مرتا نہیں ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۹۱ : اسماعیلیہ فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر تا حال وفات نہیں پائے۔

غنیۃ الطالبین جلد ا ص ۹۰ : ویسمون الرافضۃ لوقوفہم علی موسیٰ بن جعفر وقولہم ہو حیٌّ لم یمت ولا یموت : یعنی ایک رافضی فرقہ موسیٰ بن جعفر کے بارے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ ہیں نہ اب تک مرے اور نہ ہی مریں گے۔

اصول کافی ص ۱۵۸ : ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون متی یموتون و انہم لا یموتون الا باختیار منہم۔ یعنی یہ مشاہیر ائمہ علیہم السلام اپنی موت کے اوقات کو جانتے پہچانتے ہیں بلکہ ان کی موت خود ان کے قبضہ و اختیار ہی میں ہے (چاہیں مریں، چاہیں نہ مریں)

منکرِ وفاۃ النبی ﷺ کا ایک دیگر فرقہ

ان فرقوں کے بعد معتزلہ و جہمیہ جیسے بدترین گمراہ فرقوں کے اختلاط سے ایک اور فرقہ معطلہ کے نام سے پیدا ہوا جس نے اپنی دیگر محدثات و اختراعات کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی زور و شور سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں تھے اور یہی عقیدہ ابن فورک کا تھا جیسے مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۳۵ میں مذکور ہے اور طبقات کبریٰ میں علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے وان ابن فورک کان رجلا صالحا ثم قال (الذہبیؒ) کان مع دینہ صاحب فلتۃ وبدعۃ ج ۱ ص ۳۴ د) یعنی ابن فورک نیک آدمی تھا مگر علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابن فورک باوجود دینداری اپنی کے بے سوچے بولنا لغزش و غلطی کا شکار ہوتا اور بدعتی بھی تھا۔

ابن قیمؒ نے قصیدۂ نونیہ میں معطلہ کے اس واہی اور موہوم عقیدہ کی تردید کتاب و سنت کے صریح دلائل و حقائق و شواہد سے باحسن طریق بیان فرمایا۔

لو کان حیًّا فی الضریح حیاتہ	قبل الممات بغیر ما فرقان
ما کان تحت الارض بل من فوقہا	واللہ ھذہ سنۃ الرحمٰن
اتراہ تحت الارض حیًّا ثم لا	یفتیہم بشرائع الایمان
ویریح امتہ من الآراء	والخلف العظیم وسائر البہتان
ام کان حیًّا عاجزًا عن نطقہ	وعن الجواب لسائل اللہفان
وعن الحراک فما الحیاۃ اللات قد	اثبتموہا اوضحوا ببیان

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں زندہ تھے وفات سے پہلے تو قبر کی بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے کیونکہ اللہ رحمٰن کا طریقہ یہی ہے۔ ذرا اتنا تو سوچو اور خیال کرو کہ آپ قبر شریف میں زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتاوے کیوں نہیں دے دیتے؟ امت آئے دن فتنوں اور

اختلافات کا شکار ہے۔ مگر آپ خاموش ہیں۔ کیا آپ کو والعیاذ باللہ خاکم بدہن بولنے اور جواب دینے کی توفیق نہیں۔ اگر حس و حرکت نہیں پھر زندگی کے کیا معنی؟ سوچ سمجھ کر جواب دے۔ (آگے فرمایا:)

ولقد اتوا یومًا الی العباس یستسقون من قحط وجدب زمان
ھٰذا وبینھم و نبیھم عرض الجدار وحجرۃ النسوان
فنبیھم حی ویستسقون غیر نبیھم حاشا اولی الایمان

یعنی قحط و خشک سالی سے مجبور صحابہؓ حضرت عباسؓ کے پاس استسقاء کے لیے آئے حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں بذات خود بنفس نفیس زندہ موجود تھے اور فرق اور فاصلہ بھی صرف حجرات کی دیوار ہی کا ہے اس سے بڑھکر حیرت انگیز امر اور کیا ہو سکتا ہے کہ زندہ ہستی (نبی پاک) کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعا کرائی جا رہی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اسلئے ابن قیمؒ ان معطلہ کی

والترب تحتھم وفوق رؤسھم وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلتموہ معاذنا باللہ من افک ومن بھتان
بل عند ربھم تعالیٰ مثل ما قد قال فی الشھداء اصدق القرآن

یعنی جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور ان کے سروں پر بھی اور دائیں اور بائیں بھی غرض مٹی میں محصور اور گھرے ہوئے بھی کوئی زندگی ہے۔ تمہارے اس افک اور بہتان سے خدا کی پناہ! حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند اللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے۔

چونکہ یہ عقیدہ معطلہ اور ابن فورک کا عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے اسلئے حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کو جوش آتا ہے اور انتہائی غصے سے فرماتے ہیں:

یا قومنا استحیوا من العقلاء والمبعوث بالقرآن والرحمان
فاللہ ما قدر الرسولَ عرفتم کلا ولا النفس والانسان
من کان ھٰذا القدر مبلغ علمہ فلیستتر بالصمت والکتمان

ولقد ابان اللہ ان رسولہ حیث کما قد جاء فی القرآن

یعنی اے قوم! تمہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل دانش و عقل مندوں سے شرم آنی چاہیے۔ کیونکہ نہ ہی تو تم نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر و مرتبہ کو پہچانا اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا روح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی اس درجہ عقل و فہم سے محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں آنحضرت کی میت کا اعلان فرما کر نبی کریم کی وفات ظاہر فرمادی۔ مگر تم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رٹ لگا رہے ہو کہ آپ زمین کے نیچے زندہ ہیں۔

ایک قدم اور آگے

چودہویں صدی میں بریلویوں کا مجدد فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۱ میں لکھتا ہے وفات عقائد میں: انبیاء علیہم السلام کی موت یعنی ان کے اجسام طیبہ سے ارواح طاہرہ کا جدا ہونا صرف ایک آن کے لیے ہوتا ہے پھر ویسے ہی زندہ ہو جاتے ہیں جیسے حال ظاہری میں تھے جسم روح سے معمور، لہٰذا ان کا ترکہ نہیں بٹتا، نہ ان کے بعد ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے۔

ایک قدم اور آگے

ملفوظات ج ۳ ص ۲۰۱ میں احمد رضا خان نے لکھا: انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔

ایک قدم اور آگے

نیز ملفوظات ج ۳ ص ۲۴ و ۲۵ میں لکھا سید احمد بدوی کبیر کی قبر پر خصوصی و عام سے سالانہ عرس ہوتا ہے اور امام عبدالوہاب شعرانیؒ ہر سال حاضر ہوتے۔ یہ میلہ (عرس) تین دن ہوتا ہے ایک سال حضرت شعرانی کو تاخیر ہو گئی اور آخری دن پہنچے جو اولیا کرام مزار مبارک پر (پہلے دن سے) مراقب تھے انہوں نے فرمایا آپ کہاں تھے دو روز سے؟ حضرت مزار مبارک کا پردہ (غلاف یا اچھاڑ) اٹھا اٹھا کر فرماتے ہیں۔ عبدالوہاب آیا، عبدالوہاب آیا؟ انہوں نے (حضرت شعرانی نے) فرمایا۔ کیا حضرت کو میرے آنے کی اطلاع ہوتی ہے؟ انہوں نے (پہلے روز سے آنے والوں نے) فرمایا اطلاع کیسی؟ حضور (سید احمد کبیر بدوی) فرماتے ہیں، کتنی ہی منزل پہ کوئی شخص میرے مزار پہ آنے کا ارادہ کرے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہوں۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا رسی کا بھی جاتا رہے گا تو اللہ تعالے مجھ سے سوال کرے گا (یہ کیوں گم ہوا)

نیز لکھا: حضرت شعرانیؒ ایک مرتبہ اسی عرس (میلہ) پہ حاضری کے لیے چلے آتے تھے کہ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑ گئی۔ فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے: النظرۃ الاولیٰ لک والثانیۃ علیک (پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تجھ پر) یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہو گا۔ غیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی۔ مگر وہ لونڈی آپ کو پسند آئی و دل نشین ہو گئی، جب مزار شریف پہ حاضر ہوئے (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا اے عبدالوہاب! وہ کنیز تمہیں پسند ہے؟ (علامہ شعرانی نے جواباً) عرض کی ہاں جناب بہت پسند ہے اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔۔۔ (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کر دی۔ اب آپ (شعرانی) سکوت میں ہیں (خاموش و متفکر ہیں) کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور (صاحب قبر) ہبہ فرماتے ہیں (مجھ کو بخش رہے ہیں) معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز

مزار اقدس کی نذر کردی۔ خادم کو صاحب قبر کی طرف سے اشارہ ہوا۔ انہوں (خادم) نے آپ (شعرانی) کی نذر کردی (خادم نے وہ لونڈی شعرانی کے سپرد کردی) ارشاد (صاحب قبر نے) فرمایا اے عبدالوہاب! اب دیر کا ہے کی ہے انلال حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

محمد عمر اچھروی نے مقیاس الحنفیہ ص ۲۸۲ میں لکھا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے جنت ہونے کے وقت بھی حاضر وناظر ہوتے ہیں۔

مولوی سرفراز صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۱۶۵ میں لکھا:

"بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم وروح دونوں کا تعلق تھا، اور یہی حالت قبر میں بھی ہے"۔

حیات النبیؐ کے بارے مرزا قادیانی کا عقیدہ

ایک مرزائی نے اپنی تصنیف "احمد صادق" صفحہ ۴۹ میں مرزا قادیانی کا کلام نقل کیا ہے جس میں سے ایک یہ مصرعہ بھی ہے ؎

کاملاں حق اند در زیر زمین

یعنی حقیقی کامل ہستیاں ہیں اولیاء صلحاء شہداء صدیقین اور انبیاء یہ سب کے سب زمین کے نیچے (قبر میں) زندہ جاوید ہوتی ہیں۔

شان خاتم الانبیاء ص ۱۶ میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے۔

قد مات عیسٰی مطرقا و نبینا   حیٌّ وربی انہ وافانی

واللہ انی قد رأیت جمالہ   بعیون جسمی قاعدا بمکانی

یعنی عیسٰی تو بیشک سر نگاہ جھکاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مر گیا ہے۔ لیکن ہمارا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ ہے۔ میرے رب کی قسم سچی بات ہے کہ خود میرے پاس آئے ہیں اور اللہ کی قسم میں نے اپنی اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ ان کا جمال دیکھا جب کہ وہ میرے مکان میں بیٹھے تھے۔

پھر کہا ہمارے نبی زندہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

محامد خاتم النبیین صفحہ ۱۲۹ میں مرزا قادیانی کا قول نقل ہے "انبیاء بحیات جسمانی مشابہ حیات دنیوی زندہ ہیں"

جاودانی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۴) یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے (کشتی نوح ص ۱۳) (ہم مسلمان ہیں ص ۲۵) اعلیٰ درجہ کا جوان مرد نبی زندہ نبی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۳) اگر کوئی نبی زندہ ہیں تو وہ ہمارے ہی نبی ہیں اکثر اکابر نے حیاۃ النبی پر کتابیں لکھی ہیں (ہم مسلمان ہیں ص ۲) دنیا کی صرف دو زندگیاں قابل تعریف ہیں ایک خدا کی، دوسری محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۳ و ۲۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے قبر میں میت نہیں رہنے دے گا اور زندہ کر کے پھر اٹھائے گا (ازالۃ الاوہام ص ۲۲۵ و محامد خاتم النبیین ص ۱۲۹ و ۱۳۳) آپ کی توجہ روحانی نبی تراش (مجموعہ تقاریر ص ۲۷ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ ۱۹۶۱ء) آپ کی روح پھر امت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی (سیرۃ النبی ص ۶۰ از مرزا رفیع احمد)

ہندوؤں کا عقیدہ ان کے پیغمبروں کی حیات کے بارے

سری کرشن متھرا میں پیدا ہوا بعض تو کہتے ہیں کہ وہ تمام فریبیوں کا سردار تھا لیکن بعض کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھا بلکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کا اوتار تھا وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔

پھر بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن ۱۲۵ سال کی عمر میں درپودھن کی ماں گاندھاری کی بددعا سے مر گیا، لیکن بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن پیغمبر زندہ روپوش ہو گئے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے، اسی طرح بیاس کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بیاس بڑا پاکیزہ فطرت اور عارف کامل تھا اور وہ زندہ جاوید ہے۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی اور مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ

نوٹ: ہمارے عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ عقیدہ کہ (العیاذ باللہ) آپ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے ہیں، خاکم بدہن۔

بانی تحریک خاکسار علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنی کتاب تذکرہ کا مقدمہ (اردو) کے ص ۵ پر لکھا ہے "اسلام کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہ تھی اس کو اس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں مل کر مٹی ہونے والا تھا"۔

نیلکوی کہتا ہے حاشا و کلا ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہمارے اکابر نے علامہ مشرقی پر کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور کفایت المفتی میں اس امر کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

علامہ مشرقی کے کفر کے کئی وجوہات ہیں جو اس کی تصنیف کردہ کتاب "تذکرہ" کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ علامہ مشرقی حدیث نبوی علی صاحبہ الف صلوٰۃ و تحیہ کا بھی انکار کرتا ہے اور یہ بھی اس کا عقیدہ ہے کہ والعیاذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی ہو گئے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے بیزار ہیں۔ اور اس کے باوجود جو لوگ ہمیں متہم کرتے ہیں یا ہمارے اکابر میں سے کسی کو اس مسئلہ میں خواہ مخواہ متہم کرتے ہیں (جیسے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو متہم کیا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے مبیع محکم اور مدلل جواب دینے کے باوجود اس ناز یبا حرکت سے باز نہیں آتے) تو انہیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیئے اور قیامت کے روز جب مدعی و مدعا علیہ سب خدا کے حضور پیش ہوں گے وہاں کسی کی رو رعایت نہیں ہو گی۔

وہاں سب پردے ہٹا دیئے جائیں گے۔

بَیْتُ النَّبِیِّ کی بجائے قَبْرُ النَّبِیِّ کا بولنا ہی وفات کا اقرار ہے

قبر کہنا ہی دلیل ہے اقرار وفات کی۔

حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے عقیدۃ الاسلام ص ۱۱ میں لکھا کہ حضورؐ نے حضرت موسیٰ و یونسؑ کے حج کا ذکر اس لیے فرمایا کہ لعلھما لم یحجا فی حیاتھما الدنیویۃ شاید ان دونوں نے اپنی دنیوی زندگی میں حج نہ کیا تھا۔ اس لیے اب برزخی زندگی میں حج کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔ آگے ص ۱۲ ہی میں لکھا اور حضرت عیسیٰؑ کی نماز کا ذکر فرمایا پھر ص ۲۲ میں لکھا حضرت عیسیٰؑ کی قبر کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ عیسیٰؑ تو ابھی زندہ ہیں اور زندوں کی قبر نہیں ہوتی، قبر ہوتی ہے ان کی جو فوت ہو جائیں۔ انتہیٰ۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اس لیے ان کی قبر ہے اور اس پر صحابہ کرامؓ نے بھی قبر کا اطلاق فرمایا، مرثیوں میں بھی قبر کا اطلاق فرمایا، چنانچہ حضرت ابو سفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فقبرا بیک سیدی کل قبر وفیہ سید الناس الرسول

اے فاطمہؓ! تمہارے ابا جانؐ کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں سید الناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔

اسی طرح حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ (صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ (امام اول ابوبکر صدیق و امام ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) کی قبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فیا قبر النبی و صاحبیہ الا یا غوثنا لو تسمعونا

پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دونوں مصاحبوں (امام ابوبکر و امام عمر رضی اللہ عنہما) کی قبرو! کاش تم سنتے ہوتے اور ہماری فریاد سنتے تو (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اور مجھے کوڑے لگائے ہیں اس سب کی) فریاد تمہارے آگے کرتا مگر اب میں کس کے پاس جا کر اپنی فریاد سناؤں تم تو سنتے نہیں ہو۔

اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا نے آپ کی قبر اطہر پر جدث کا اطلاق فرمایا اور عربی زبان میں "جدث" قبر کو کہتے ہیں،

افاطم صلی اللہ رب محمد علی جدث امسی بیثرب ثاویا

اے بیٹی فاطمہ! صبر کر اور یوں کہو کہ خدا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے اس صاحب تربت (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرما دے جو مدینہ میں مقیم ہے (یعنی آپ کا جسد اطہر) کیونکہ اس شعر کے بعد فرماتی ہیں

علیک من اللہ السلام تحیۃ وادخلت جنات من العدن راضیا

خدا کی طرف سے آپ پر سلام تحیہ ہے اور آپ تو خوشی خوشی جنات عدن میں داخل کیے گئے (یعنی آپ کی روح مبارک (صلی اللہ علیہ وعلیٰ روحہ وعلیٰ جسدہ)

صحابہؓ کرام وفاۃ النبیؐ کے بعد دنیوی جسمانی عنصری زندگی کے قائل نہ تھے

انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی مثالی اجسام کی تصریح جو کافور و کستوری سے ذکر ہوئی اس کی سند و دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو مسند احمد ج ص میں ذکر ہے فلما خرجت نفسہ لم اجد ریحا قط اطیب منہا یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر جسد اقدس سے نکلی تو اس درجہ مشک بیز خوشبو مہکی کہ اس کی مثل ہرگز پائی ہی نہیں گئی جس سے روز روشن کی طرح آشکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسم سے نکلتے ہی جنت کی کستوری و کافور کے مثالی جسم سے فائز ہوتی ہے عند اللہ اپنے مثالی مستقر میں تشریف فرما ہو کر رفیق اعلیٰ کی ملاقات و مسرتوں میں محو ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مشکوٰۃ ص ۵۵۵ میں ہے قال ابن عمرؓ کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیؓ افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہٗ

ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اس وقت ہم کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر دوسرے نمبر پر عمر رضہ پھر تیسرے نمبر پر عثمان رضہ ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مشکوٰۃ ص ۳۲۵ میں ابن موہب سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے قاضی اور حاکم بن جاؤ تو حضرت ابن عمر رضہ نے کہا اے امیر المؤمنین مجھے معاف کریں اس کام سے حضرت عثمان رضہ نے پوچھا کہ تم قضا کو کیوں ناپسند کرتے ہو حالانکہ آپ کے والد ماجد بھی عہد نبویؐ میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عمر رضہ نے جواب دیا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو قاضی انصاف کا فیصلہ کرے تو بھی اس لائق ہے کہ نکلے اس سے برابر کر نہ فائدہ دے نہ نقصان اور نہ ثواب پاوے اور نہ عذاب۔

نیز دوسری روایت میں یہ جواب منقول ہے کہ میرے باپ پر اگر مشکل قضیہ ہوجاتا تو اس زمانہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قضیہ مشکل ہوجاتا تو جبرائیلؑ سے دریافت کر لیتے اور میں ایسا شخص نہیں پاتا جس سے پوچھ لوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکل قضیے اور عقدے حل نہیں کرائے جا سکتے اور نہ ہی آپؐ سے یہ عرض کی جا سکتی ہے کہ آپؐ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سیدھی راہ سمجھائے۔

مشکوٰۃ ص ۴۷۷: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دجال کے بارے انکشاف سنایا اور پھر فرمایا کہ حضورؐ بیان کر کے کسی مطلب کو باہر نکلے پھر واپس آئے لوگوں کو مغموم پایا پوچھا اسماء کیا بات ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دجال کا ذکر کر کے آپؐ کے ہمارے دل نکال دیئے۔ فرمایا اگر بالفرض

دجال اس وقت آیا کہ جب میں زندہ ہوں تو حجت کے ساتھ میں اس کو بھگاد وں گا اور اگر میں زندہ نہ رہا تو میرا رب میرا وکیل (محافظ، حامی وکارساز) ہے ہر مومن پر انتہیٰ
اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اب حیٌّ فی قبرہٖ نہیں ہیں ورنہ آپ وَاِلّا اَلخ نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ تم کیوں گھبراتے ہو میں خود زندہ ہوں گا میں اس کو باذن اللہ قابو کروں گا۔ جیسے مرنے سے پہلے۔
مشکوٰۃ ص ۲۷۴ و صحیح بخاری ص ۵۹۲ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے ایک جہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے بخوف حمل رہنے کے لونڈیوں سے عزل کرنا چاہا پھر دل میں یہ سوچا کہ بھلا ہم اس وقت میں عزل کریں جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہوں اور پوچھ نہ لیا ہو ان سے کہ آیا عزل جائز ہے یا نہ پھر ہم نے حضورؐ سے عزل کے جواز کا مسئلہ پوچھا الیٰ آخر الحدیث۔ مگر آپ کی وفات کے بعد کوئی مشکل واقعہ پیش آجاتا تھا تو کسی روایت میں نہیں آیا کہ صحابہ رضؓ نے حضورؐ کی آرامگاہ پر آکر مشکل حل کرالی ہو۔ حالانکہ مشکل مسائل کا حل کرانا اور صحابہ رضؓ کا باہم اختلاف ونزاع کو مٹانا بہ نسبت رد سلام کے بدرجہا اہم اور ضروری ہے۔ صحابہ رضؓ کی باہم جنگیں ہوئیں، ہزاروں مسلمان جانبین میں شہادت کے رتبہ کو پہنچے مگر کسی صحابیؓ سے ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیکر جہاد میں گئے ہوں۔ اگر صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آپ اپنی آرامگاہ (قبر) شریف میں دنیوی، عنصری جسمانی حقیقی حسی حیات کے ساتھ قبل از وفات سے بھی اکمل طریق سے زندہ ہیں تو صحابہ رضؓ سے زیادہ اولیاء اللہ کوئی نہیں تھا جب وہ عرض معروض کرتے تو حضرتؐ ضرور جواب بھی دیتے۔ اگر جواب سلام کا دیتے ہیں۔ پندرھویں صدی کے گئے گزرے مسلمانوں کی شفاعت سن لیتے ہیں، اور سعید بن مسیبؒ جیسے تابعی اندر سے حضورؐ کی اذان سن لیتے ہیں تو امام عثمانؓ کے حامی صحابہؓ حضورؐ کی آرامگاہ پر عرض کر سکتے تھے اور اندر سے حضورؐ بھی مشورہ دے سکتے تھے مگر مع ہذا کسی صحابیؓ نے آپ کی آرامگاہ پر دستک نہیں دی نہ حضورؐ سے مشورہ لیا نہ حضورؐ نے مشورہ دیا تو اب

دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو صحابہؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ کی یہ حیات دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی نہیں ہے وہ برزخی حیات ہے حیاتِ شہداء کی جنس میں سے گو نوع اور صنف حیاتِ انبیاءؑ کا کوئی اور ہو اور ایسی حیات میں نہ حضورؐ ہماری سنتے ہیں اور نہ ہم حضورؐ کی سنتے ہیں، نہ حضورؐ سے ہم مشورہ لے سکتے ہیں نہ ہم کو حضورؐ مشورہ دے سکتے ہیں۔ وہ عالم برزخ میں، ہم عالم دنیا میں۔

یا پھر صحابہؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ بحیاتِ دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی اپنی آرامگاہ میں بہ نفسِ نفیس تشریف فرما ہیں امت کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں اور امت کے لیے استغفار بھی کر رہے ہیں خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں جو آپ سے اسے جانتے پہچانتے بھی ہیں، خاص کر صحابہ کرامؓ کو جو سفر و حضر میں، نماز میں، جہاد میں، حج میں آپؐ کے ساتھ رہے ہیں ان کو تو بلا شبہ جان پہچان لیتے ہیں کیوں نہ پہچانیں جب کہ مال جان بچے وغیرہ سب کچھ آپؐ پر قربان کرتے رہے ہیں۔ وہ اگر آپؐ سے مشورہ لیتے تو صحابہؓ کو یقین تھا کہ اپنے جان نثاروں کو اپنے زریں و مفید مشوروں سے حضورؐ ضرور مستفید و مستفیض فرمائیں گے۔ ہماری بات کو رائیگاں نہ جانے دیں گے۔

اگر مؤخر الذکر صحابہؓ کا عقیدہ تھا تو پھر یلوم دار ہیں حضرت عثمانؓ کا رمنا دیکھ کر حضورؐ کو اطلاع نہ دی، یہ صحابہؓ کے حق میں بہت بڑا والعیاذ باللہ الزام ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود اس بات کے کہ حضورؐ کو اطلاع دے سکتے تھے، اطلاع نہ دی اور اپنے امیر المومنین کو ذبح کروا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس مفروضہ میں صحابہؓ کا دامن بھی قتلِ امیر میں داغدار ہو جائے گا۔

لیکن یہ سب بیہودہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس میں رتی بھر ایمان نہ ہو جب یہ شق باطل ہوئی تو دوسری شق متعین ہو گئی کہ صحابہ علیہم کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ اپنے حجرہ شریفہ کے اندر آرامگاہ (قبر اطہر) میں دنیوی حسی حقیقی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ تو بہ نفسِ نفیس بجسدہٖ و روحہٖ زندہ تشریف فرما نہیں۔ نہ وہ ہماری سنتے ہیں نہ ہم ان کی، نہ ہم ان کو دیکھتے ہیں نہ وہ ہم کو۔ البتہ اعلیٰ علیین میں تمام مقبول بندوں سے بدرجہا بلند و بالا

ارفع و اعلیٰ مقام میں تشریف فرما ہیں جہاں کسی کا مقام نہیں، اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم علیہ۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ میں ہے، حضرت انسؓ نے فرمایا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے (اس وقت مجھے مرض ذات الجنب کی وجہ سے داغ دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات فی القبر العرفی کا نہ تھا ورنہ سننے والا کہہ سکتا تھا کہ حضورؐ! آپ تو اب بھی زندہ ہیں۔ پھر ورسول اللہ حیؐ کا اضافہ کویت من ذات الجنب کے بعد کس مطلب کے لیے ہے۔ ہاں آپؓ یوں کہتے رحین نزول الوحی یا ذالوحی ینزل۔

اسی طرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۴۲ میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایت ہے خسف الشمس فی حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورج بے نور ہوگیا۔

اسی طرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۱ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کان الرجل فی حیاۃ النبیؐ اذا رأی رؤیا قصھا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں معمول تھا کہ جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو حضورؐ کو بتاتا تھا۔ اب خود حضرت ابن عمر رضؓ جو اس روایت کے راوی ہیں ۱۱ھ سے ۷۴ھ تک زندہ رہے آپؓ کو خوابیں بھی آتی ہوں گی مگر کسی حدیث میں نہیں آیا کہ حضرت ابن عمرؓ خود یا دوسرے صحابہؓ نے آپؐ کی آرامگاہ پر کبھی اپنی خواب آپؐ کو سنائی ہو پھر آپؐ نے سن کر اس خواب کی تعبیر فرمائی ہو۔ صحیح بخاری ص ۵۲۹ میں بھی یہی حدیث ہے۔

جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۰ میں ہے: قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ محمد بن کعب قرظی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جن میں فی حیٰوۃ النبی کے الفاظ ہیں۔ نمونہ کے لیے اتنا کافی ہے۔

حضرت ثوبان بن بجدد ابو عبداللہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے ساتھ

سفر حضر میں رہتے تھے۔ وفاۃ النبی کے بعد شام چلے گئے تھے اخیر حمص چلے گئے وہیں وفات پائی۔

جس غلام پر حضورؐ کی اتنی شفقت اور احسان و اکرام ہو کہ اس کو خرید کر آزاد فرمایا ہو اور سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھا ہو۔ کیا ایسا غلام احسانات میں دبا ہوا صحابی اتنی بے رخی کر سکتا تھا؟ حضورؐ کبھی سوچتے ہوں گے کہ جب سے میں عزلت نشین ہوا ہوں ہر وقت میرے ساتھ رہنے والا ایسا غائب ہوا کہ کبھی میری آرامگاہ کی طرف رخ تک نہیں کیا۔

سہیل بن بیضا قرشی کے متعلق آتا ہے مات فی حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد رجوعہ من تبوک سنۃ تسع، یعنی سہیل رض ۹ھ میں تبوک سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے (اکمال ص ۵۹۷)

مشکوۃ ص ۳۴۵ میں حضرت مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ قوم ہوازن مسلمان ہو کر آئی اور حضورؐ سے کہا کہ ہمارے مال اور قیدی واپس کر دو تو حضورؐ نے فرمایا دو چیزوں میں سے ایک چن لو یا قیدی یا مال، ہوازن نے کہا ہم اپنے قیدی لینے منظور ہیں۔ تب آپؐ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کی جیسے وہ اہل ہے پھر فرمایا تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہوازن شرک اور گناہوں سے توبہ کر کے آئے ہیں اور میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کے قیدی ان کی طرف واپس کر دوں۔ اب تم میں سے جو شخص اپنے قیدی بخوشی واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے اور جو تم میں سے چاہے کہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ ہم کو سب سے پہلے جو غنیمت عطا فرما دے گا اس کو ہم ان قیدیوں کے عوض میں دیں تو وہ بھی تیار ہے۔ تو ان صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم خوشدلی سے قیدی واپس کرنے کو تیار ہیں، حضورؐ نے فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کون راضی ہوا اور اسے ہم جدا کر نہیں سکتے اس سے جو راضی نہیں ہوا۔ اس لیے ایسا کرو جا کر اپنے اپنے سرداروں کو بتاؤ وہ تفصیل کے ساتھ تم سب کی رائے ہم کو بتائیں گے چنانچہ سب

لوگ گئے پھر ان کے سرداروں نے ان سے بات چیت کی پھر ان سرداروں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ سب کے سب قیدی چھیڑنے پر بخوشی رضامند ہیں۔

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضورؐ اپنی دنیوی زندگی میں سب کی بات یعنی ہر فرد کی بات بیک وقت نہیں سنتے تھے اسی لیے فرمایا کہ اس شور میں میں نہیں جان سکتا کہ کون راضی ہے اور کون ناراض، اس لیے اپنے قبیلے کے سرداروں کو بتا دو وہ مجھے تفصیل سے بتا دیں گے کہ فلاں فلاں راضی ہے۔ اب مابعد الوفات جو آپ کی آرامگاہ پر ہر وقت رات دن تانتا بندھا رہتا ہے سلام کہنے والوں کا جن میں سے بعض موحد ہوتے ہیں اور بعض مشرک اور بعض دوسرے کا فر مرزائی غالی شیعہ وغیرہ کیا آپ فرداً فرداً ہر ایک کا سلام سن کر ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟

حدیث ما من احد یسلم علیّ تو یہ بتاتی ہے کہ آپ ہر ہر فرد کا سلام سنتے ہیں اور ہر ہر فرد کے سلام کا ایک ایک کر کے جواب بھی دیتے ہیں لیکن ان سلام دینے والوں میں مختلف عقائد کے لوگ ہیں بعض ردِ سلام کے اہل ہیں اور بعض نا اہل ہیں۔ اب آپ سب کو ایک طرح کا جواب تو دے نہیں سکتے کیونکہ دنیا میں مسلمان اور کافر کے جواب کا فرق تھا اب کیا فرق نہ ہوگا۔؟

اگر فرق نہیں تو حضرتؐ کی دعا ان کے حق میں قبول ہوگی کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں تو سب مسلم، کافر، مشرک، مرزائی، شیعہ سلام کرنے کے بعد بخشے جائیں گے، حالانکہ مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ برابر مرتے دم تک کافرانہ عقیدے پر جمے رہتے ہیں اور اسی عقیدہ پر مرتے ہیں، بیسیوں مرزائی حاجی تھے جو روضۂ رسول پاکؐ پر سلام کر آئے اور سلام کے بعد بھی اسی عقیدہ پر رہے اور اسی عقیدہ پر مر گئے۔ مرزائیت سے تائب ہو کر نہیں مرے۔

اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلم کافر کا فرق کر کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ مابعد الوفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے دلوں میں چھپے ہوئے عقیدہ کا علم ہے کہ یہ مسلمان موحد ہے یہ مشرک ہے، یہ مرزائی ہے یہ غالی شیعہ ہے

کیا یہ علم غیب نہیں ؟ نیز اگر آنا ان کو خدا کے بتانے سے علم ہوتا رہتا ہے تو دنیا کے کونے کونے میں رہنے والوں کا علم ہونا خدا کے بتانے سے ہونا کوئی کہدے تو وہ شرک کیوں ہو جاتا ہے جب کہ وہ لوگ اپنے اس عقیدہ کے دلائل حدیثوں ہی سے دیتے ہیں اور آپ ان حدیثوں اور اقوال رجال کی تاویلیں کرتے ہو۔ اور بعض کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہو، کیونکہ مخالف قرآن ہیں اور اب اس کے برعکس آپ ان فریق مخالف کا طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ساقط الاعتبار حدیثوں کو معتبر قرار دیتے ہو اور آیات قرآنیہ میں تاویل کرتے ہیں، سچ ہے من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ ۔

متبعین ابن فورک وسبکی اور دیوبند کے ٹھیکہ داروں کے دو نظریئے

ترجمان الاسلام لاہور ۱۹۶۰ء جلد ۳ شمارہ $\frac{41}{42}$ ص۲ کالم اول میں ہے :

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل حضرات دو طرح بات کرتے ہیں بعض کا ارشاد ہے کہ موت تو قطعی وارد ہوئی لیکن جیسے حضور پر نور کی اور خصوصیتیں تھیں اسی طرح آپ کی موت بھی دوسرے طریقہ سے ہوئی۔ آپ اس جہان سے دوسرے عالم کو تشریف لے گئے لیکن روح مبارک جسم سے خارج نہیں ہوئی۔ بلکہ مستور ہو گئی۔ چراغ بجھایا نہیں گیا بلکہ چھپا دیا گیا۔ دوسرے بزرگوں کا کہنا ہے کہ روح مبارک عام لوگوں کی طرح ہی نکلی تھی لیکن لحد میں سوال جواب کے لیے جب حدیث شریف کی تصریح کے مطابق دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں تو آپ کی روح مبارک پھر واپس نہیں لی جائے گی۔

ان نظریوں کا رد

آپ کو جب مرض الموت کے آخری دنوں میں قدرے افاقہ ہوا تو مسلمانوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حالات انبساط کو دیکھ کر حضرت عباسؓ نے خاندان بنی ہاشم کی

موت سے متعلق فرمایا و انی واللہ لاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوف
یتوفی فی وجعہ ہذا انی لاعرف وجوہ بنی عبد المطلب عند الموت (صحیح
بخاری ج ص)

یعنی بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض سے انتقال فرمانے والے ہیں مجھے خوب تجربہ ہے کہ ہمارے خاندان بنی عبد المطلب کے افراد پر جب موت آتی ہے تو ان کے چہرے بالکل ایسے ہی ہو جایا کرتے ہیں جیسے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی حالت ہے۔

پس اس قول سے ان لوگوں کو جواب مل گیا جو کہتے ہیں کہ جیسے حضور پُر نور کی اور خصوصیتیں تھیں اسی طرح آپ کی موت بھی دوسرے طریقے سے ہوئی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ان من نعم اللہ علیّ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی فی بیتی وفی یومی وبین سحری ونحری (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی ایک مخصوص نعمتوں اور فضائل سے نوازا ہے مگر ان میں سے انتہائی نعمت وفضل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے حجرہ اور میری باری کے دن میرے سینے سے تکیہ لگائے اور میری ٹھوڑی کے درمیان واقع ہوئی۔

نیز فرمایا: مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین حاقنتی وذاقنتی فلا اکرہ شدۃ الموت لاحد ابداً بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری ص ۶۳۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے پھیپھڑوں اور ٹھوڑی کے درمیان واقع ہوئی، آپ کی شدت سکرات (بے ہوشی اور سختیاں) اس قدر تھیں کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھنے کے بعد میں نے کسی مرنے والے کی شدتِ موت کو برا نہیں سمجھا۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لما ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل یتغشاہ الکرب فقالت فاطمۃ واکرب اباہ فقال لہا لیس علی ابیک

کرب بعد الیوم، فلما مات قالت یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ (بخاری ص ۶۴۱) یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت مرض وسکرات کا غلبہ ہوا اور بیہوشیاں بڑھ گئیں تو حضرت فاطمہ زہرا رضی نے یہ دیکھ کر انتہائی بے قراری کے عالم میں یہ فرمایا واکرب اباہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی کرب نہیں، پھر جب حضور کا انتقال ہوا تو بیٹی غم وصدمہ سے بے حد نڈھال ہوگئیں اور پریشان حالی میں ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "اے میرے ابا جان آپ اپنے رب کی دعوت قبول کرتے ہوئے جنت الفردوس تشریف لے گئے لہٰذا میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر دیتی ہوں۔

توان ہستیوں کے فرمان سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت کی موت بھی متعارف موت تھی کوئی علیحدہ نوعیت کی موت نہ تھی جو آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز اصول قاعدہ بھی ہے کہ اثبات خصوصیات کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اور بغیر دلیل کے خصوصیت کا قول درست نہیں ہے۔

چنانچہ حضور صوم وصال رکھتے تھے، بغیر وضو کیے سو کر اٹھنے کے بعد نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۲ میں ہے پس فرمود اے ملک الموت پیشتر بیا و بآنچہ مامور شدۂ بکن، پس ملک الموت روح اطہر وے را صلی اللہ علیہ وسلم قبض کرد و باعلی علیین برد۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کو جسد اطہر سے روح مبارک نکالنے کا حکم فرمایا۔ پس ملک الموت نے آپ کی روح مطہر کو جسد عنصری سے نکالا اور اعلیٰ علیین میں پہنچا دیا۔

اسی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول فرمایا کہ "چوں روح اطہر و مطیب آنحضرت مفارقت کرد، آں چنیں بوئے خوش از وے شمیدم کہ ہرگز مثل آں بوئے خوش نشمیدہ بودم ...... یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مطہر و مطیب جب کہ جسد مبارک سے خارج (جدا) ہوئی تو ایسی مشک بیز مہک (خوشبو) ظاہر ہوئی کہ دنیا میں اس کی

مثال ونظیر ہی نہیں ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اصل واقعہ یعنی موت متعارفہ سے آگاہ ہونے کے لیے مُہرِ نبوت کا جائزہ لیا۔ اور "اسماء بنت عمیسؓ در دو کتفِ مبارک آنحضرت دست آورد و مُہر نبوت نیافت آواز بر آورد کہ مُہرِ نبوت مرتفع گشت و آنحضرت ازیں عالم انتقال نمود (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳) یعنی حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان جو دیکھا تو مُہرِ نبوت مفقود پائی اور حاضرینِ مجلس سے باوازِ بلند کہا" چونکہ مُہرِ نبوت اٹھ چکی ہے لہٰذا آپؐ پر متعارف موت واقع ہو چکی۔ یعنی آپؐ اس دارِ فانی سے انتقال فرما کر عند اللہ تشریف لے جا چکے ہیں۔

ابن حجرؒ فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں ان ابا بکرؓ مر بعمرؓ وھو یقول ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقتل اللہ المنافقین وکانوا اظہروا الاستبشار ورفعوا رؤسہم فقالؓ ایہا الرجل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد مات الم تسمع اللہ تعالیٰ یقول انک میت وانہم میتون ○ یعنی حضرت امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے پاس سے گزرے تو حضرت عمر فاروقؓ اعلان فرما رہے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ شانہٗ منافقین کو ختم نہ کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ناممکن ہے اور اس وقت یہ حال ہے کہ منافق لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات سُن کر سر اونچا کر کے خوشیاں منا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے یہ بات سُن کر صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا! اے مردِ خدا! آپؐ کی وفاۃ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیا تو نے خدائے پاک کا یہ فرمان نہیں سُنا کہ اے میرے حبیب! اگر آپؐ پر موت آنے والی ہے تو آپؐ کے مخالف بھی ضرور مرنے والے ہیں

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میّتِ مطہر و مطیب سے چادر اٹھا کر چہرۂ انور کو دیکھا اور دونوں ابرؤوں کے درمیان بوسہ دیتے ہوئے باوازِ بلند فرمایا کہ زندگی اور موت ہر حال میں آپؐ مطہر

وطیب ہیں لا یذیقک اللہ موتتین یعنی جو موت بحکم کل نفس ذائقۃ الموت آپ پر آنے والی تھی وہ آچکی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دوسری مرتبہ موت ہرگز وارد نہیں فرمائے گا۔

پھر مسجد میں تشریف لیجا کر موت اتفاقیہ کا اعلان کیا اور مجمع کو یقین دلانے کی کوشش فرمائی، مگر حضرت عمرؓ کا جوش وخروش دیکھ کر حیران ہوئے آخر منبر نبوی پر تشریف لاکر حمد وثنائے باری تعالیٰ کے بعد جامع بلیغ باطل شکن اور فیصلہ کن خطبہ ارشاد فرمایا کہ من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت قال اللہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الی قولہ الشاکرین وقال واللہ لکان الناس لم یعلموا ان اللہ انزل ھذہ الآیۃ حتی تلاھا ابوبکرؓ فتلقاھا الناس منہ کلھم فما اسمع بشراً من الناس الا یتلوھا فاخبرنی سعید بن المسیب ان عمرؓ قال واللہ ما ھو الا ان سمعت ابا بکرؓ تلاھا فعقرت حتی ما تقلنی رجلای وحتی اھویت الی الارض حین سمعتہ تلاھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد مات یعنی جو شخص حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرنے والا ہے وہ جان لے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اس کی ذات کے لیے تو موت کا امکان ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گذشتہ رسولوں کی طرح اللہ کے رسول ہیں اگر ان پر موت واقع ہو جائے یا شہید کیے جائیں تو کیا پھر تم مرتد ہو جاؤ گے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامعین حضرت صدیق اکبرؓ کی تلاوت سے پیشتر یہ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ آیت بھی قرآن میں موجود ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے سن کر سب کو از بر ہو گئی اور ہر ایک خود بخود پڑھنے لگا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ

نے فرمایا جب میں نے یہ آیت حضرت صدیق رضؓ کی زبان سے سُنی تو ہیبت اور دہشت کے مارے سہم گیا اور میں یا ؤں تلے سے نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جب یہ پتہ چلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں تو میں بے خود ہو کر زمین پر گر پڑا۔

فتح الباری میں بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ مذکور ہے کہ جب یہ آیت حضرت عمر رضؓ نے حضرت صدیقؓ کی زبان سے سُن کر بے ساختہ بولے آہ انھا فی کتاب اللّٰہ ماشعرت انھا فی کتاب اللّٰہ مجھے تو خیال تک نہ تھا کہ یہ آیت بھی کتاب اللہ میں ہے ...

فاستبشر المسلمون و اخذ المنافقین الکآبۃ یعنی خطبہ صدیقی رضؓ سے تمام صحابہؓ کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعارف موت سے وفات پا چکے ہیں۔ پس صحابہ کرام رضؓ کے اجماعی عقیدہ سے منافقین کو انتہائی صدمہ اور کوفت ہوئی یعنی ان کا فتنہ یہ در نعرہ کہ اگر محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے تو ان کو موت ہی کیوں آتی؟ ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔ ویسے ہی مابعد کے جملہ فتنے بھی عہد صدیقی کے متفقہ تعامل یعنی فیصلہ سے کالعدم ہو گئے۔

بخاری ج اس میں ہے وما کانت من خطبتھما من خطبۃ الا نفع اللّٰہ بھا لقد خوّف عمرُ الناسَ وان فیھم لنفاقًا فردّھم اللّٰہ بذٰلک ثم لقد بصّر ابو بکر الناس الھدٰی وعرّفھم الحق الذی علیھم وخرجوا بہ یتلون وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الٰی الشاکرین۔ یعنی حضرت عمر رضؓ کے پُر جوش خطبہ سے منافقین کا پورا شر و فتنہ ختم ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضؓ کے مدلل و معنی خیز خطبہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیۃ نے مسلمانوں کو ہدایت و راستی کا ایسا بیّن راستہ دکھا دیا جو ان کیلئے انتہائی مفید ایمان افروز اور بصیرت افروز تھا اور اس کے بعد نہ کسی صحابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعارف موت میں شک رہا نہ کسی صحابی نے اٹھ کر یہ کہا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتقال تو ضرور فرما چکے ہیں۔ مگر میں نے آنحضرتؐ سے یہ سُن رکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں مثل دنیا کے اجساد عنصریہ سے زندہ ہو جاتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی

ہیں، بلکہ ان کی قبور ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ حکم بدہیں ان کی ازواج مطہرات ان پر پیش کی جاتی ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ازواج مطہرات بعد از وفات سرور کائنات تا حین حیات قبر شریف سے ملحقہ اپنے سکونتی حجروں میں قیام پذیر رہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی اس قسم کی روایت کتب حدیث میں نہیں ملتی کہ فلاں وقت فلاں دن حضور نے خود سلام فرمایا اور خیر و عافیت دریافت فرمائی یا فلاں امر میں ہمیں مشورہ دیا یا فلاں کام سے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ جو اس حجرہ شریفہ میں قبر شریف اور اپنی سکونتی جگہ کے درمیان کپڑے کا پردہ حائل کر کے تا وفات قیام پذیر رہیں۔ ان سے بھی قطعاً یہ مروی و منقول نہیں کہ قبر شریف میں آپ کو زندہ مانتے ہوئے فلاں وقت میں نے آنحضرت کو سلام عرض کیا اور آپ نے باواز بلند مجھے ویسے ہی جواب دیا۔ یا فلاں پریشانی میں قبر شریف میں زندہ ماننے کے خیال سے میں نے بعد از سلام مشورہ طلب کیا اور آپ نے اس میں یہ مفید رائے دی۔

اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ آپ نے از خود ہی کبھی مجھ سے سلام فرمایا اور فلاں امر میں یوں مشورہ دیا۔

اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ حضرت امام عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے موقع پر حضرت عثمان رضہ کو کوئی مشورہ دیا۔

اور نہ ہی حضرت امام علی رضہ و طلحہ رضہ و زبیر رضہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کو جنگ سے روکا۔

المختصر آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضہ پر بڑے بڑے آزمائشی اور مشکل ترین مصائب کے وقت آئے مگر آپ نے قبر میں زندہ ہونے کے باوجود ان کو کوئی مشورہ نہیں دیا اور نہ ہی کسی وقت کوئی مدد فرمائی۔

اگر بقول غلاۃ روافض و بریلویہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہوتے کے باوجود صحابہ کرام رضہ کے باہمی اختلافات اور خون ریز لڑائیاں خاموشی سے دیکھتے

اور گوارا کرتے رہے تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاکم بدہن اس سے بڑھ کر بے وفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ غلاۃ روافض و بریلویہ اس بات پر غور کریں اور ایسی جرأت و بغاوت سے توبہ کریں۔

دوسرے گروہ کی تردید

اور یہ کہنا کہ قبر میں دوسرے اموات کی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح بھی نکیرین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے لوٹائی جاتی ہے یہ وہم باطل ہے اور اس میں آپ کی بے ادبی تحقیر اور گستاخی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حسب حدیث صحیح حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیادت (بیمار پرسی) کے لیے اور حضرت ملک الموت ان کے ہمراہ روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام حسب دستور حجرہ شریف میں داخل ہو کر سلام عرض کرتے ہوئے بیمار پرسی کے بعد مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ ملک الموت دروازے سے باہر کھڑے ہیں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ بلا لیجئے تب ملک الموت حاضر ہو کر سلام اور بیمار پرسی کے بعد عرض کرتے ہیں کہ آپ کا وقت پہنچ گیا ہے اور مجھے بھیجا گیا ہے۔ مگر حکم یہ ہوا ہے کہ آپ کے حکم کی اطاعت کروں حضور فرماتے ہیں پھر کیا مرضی ہے۔ ملک الموت عرض کرتے ہیں کہ آپ جو فرمائیں حضور جبریل کی طرف دیکھتے ہوئے مشورہ چاہتے ہیں۔ جبرائیل عرض کرتے ہیں یا محمد ان اللہ قد اشتاق الی لقائک حضور! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں الیس جب آپ نے ملاقاتِ الٰہی کی بشارت سن پائی تو ملک الموت کو حکم دیا امض بما امرت بہ فقبض روحہ اے ملک الموت امر بجالا جس کے لیے تو مامور ہو کر آیا ہے پس یہ حکم پا کر حضرت ملک الموت نے روح اطہر قبض کر کے اعلیٰ علیین حرم میں پہنچا دی۔

سوچو! جہاں ملک الموت بھی مارے ہیبت کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کی

جرأت و ہمت نہیں کر پاتے اور تعمیل ارشاد کے مامور ہیں وہاں نکیرین کا قبر شریف میں بغرض سوال آنا چہ معنے؟ پھر امتی کا آپ سے اجازت لیے بغیر اندر چلا جانا اور بغیر اجازت کے آپ کی آرامگاہ پر جا کھڑا ہونا کس طرح جائز ہوگا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنا تو بعد کا مسئلہ ہے اور اگر باہر سے آواز دیتا ہے تو ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون کا حکم اس پر نافذ ہوگا۔

عام بنی نوع انسان سے تو آپ کی رسالت کے اقرار لینے کی ضرورت تھی خود آپ سے اقرار لینے کی کیا ضرورت آپ کا تو قرین شیطان جن مسلمان ہے جیسے صحیح مسلم میں ہے ما منکم من احد الا و قد وکل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملائکۃ قالوا و ایاک یا رسول اللہ قال و ایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم یعنی ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن (شیطان) مقرر ہے پس یہ فرمان سن کر صحابۂ کرام نے دریافت کیا حضور! آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے ضرور مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ مسلمان ہے پس جہاں شیطان بھی مسلمان ہو پھر وہاں من ربک وغیرہ سوالات کی ضرورت چہ معنے دارد؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و اسلام کا ادنیٰ مظہر تو یہ ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار و میثاق لیا جسے قرآن مجید میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اس میثاق کے وقت تمام ملائکہ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد تھا جن میں نکیرین بھی موجود تھے۔ لہٰذا اس مشاہدہ کے بعد نکیرین کے سوال امتحان اور جائزہ کا شبہ امکان ہی نہیں ہو سکتا۔

غلاۃ کا یہ باطل عقیدہ کہ جسد عنصری میں بعد از موت قبل از حشر پھر روح آجاتی ہے اور اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں تھا قرآن کی رُو سے مردود ہے

اللہ پاک کا فرمان ہے کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون یعنی پہلے تم بے جان تھے پھر اللہ نے تمہارے خاکی جسموں میں روح ڈال کر تم کو زندہ کر دیا پھر تمہارے ان خاکی جسموں سے جان (روح) اللہ نکال بھی دیں گے پھر تمہارے انہی خاکی جسموں میں دوبارہ روح ڈال کر زندہ کر دیں گے پھر اللہ ہی کی طرف حساب دینے کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی جسد عنصری وخاکی میں روح آنے کے دوسری مرحلے میں تیسرا کوئی مقام وموقع نہیں۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ ثم یحییکم سے وہ زندگی مراد ہے جو قبر میں نکیرین کے سوال کا جواب دینے کے لیے تھوڑے وقت کے لیے عند الجمہور دی جاتی ہے یہ کئی وجوہ سے مرجوح ہے (۱) ایک تو اس لیے کہ وہ زندگی تو تمام دنیا کے عالم سے نکلتے ہی بلا مہلت وبلا تاخیر حاصل ہوتی ہے جیسے قرآن پاک میں اغرقوا فادخلوا نارا فرمایا کفار ادھر پانی میں ڈوبے اُدھر آگ میں داخل کر دیئے گئے فوراً بلا تاخیر اور اس مقام پر ثم کا لفظ بتارہا ہے کہ دنیا میں جسم خاکی سے روح نکلنے کے بعد مدت گزرے گی جو خدا کو معلوم ہے تب جاکر کہیں اس خاکی جسم میں دوبارہ روح پڑے گی لہٰذا ثم یحییکم میں وہی احیاء مراد ہے جو حشر میں ہوگا نہ قبر کا احیاء۔

(۲) دوسرے یہ کہ خصم کو یہ بات مسلم ہے کہ قبر کا احیاء ناقص ہے اصل اور کامل احیاء حشر ہی میں ہوگا اور اس جگہ ثم یحییکم مطلق فرمایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے نہ فرد ناقص، اس لیے ثم یحییکم سے وہی کامل احیاء مراد ہے جو حشر میں ہوگا نہ وہ ناقص احیاء جو قبر میں سمجھا گیا ہے۔

(۳) یہ کہ مفسرین نے اس قول کو کہ ثم یحییکم میں احیاء سے قبری احیاء مراد ہے رقیل بصیغۂ تمریض بیان فرمایا ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ بیضاوی کی عادت ہے کہ جس قول کو مرجوح سمجھتا ہے اس کو راجح قول کے بعد ذکر کرتا ہے اور اس مقام پر بیضاوی نے احیاء قبری کا قول بعد میں نقل فرمایا ہے۔ بیضاوی کی اس روش سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام بیضاوی رحمہ اللہ کے

نزدیک احیاء سے احیاء قبری مراد لینا قول ضعیف ہے۔

اور غلات کے عقیدہ کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے زندگی کے تین دور تسلیم کرنے پڑتے ہیں بایں طور کہ ایک دنیوی زندگی، دوسری قبوری زندگی تیسری اخروی زندگی، جو عقل و نقل کے سراسر خلاف اور بالکل برعکس ہے۔

اسی لیے امام ابن قیمؒ اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے قصیدۂ نونیہ میں اس طرح ارشاد فرمایا:

اثلاث موتات تکون لرسلہ		ولغیرہم من خلقہ موتان

اذ عند نفخ الصور لا یبقی امرؤ		فی الارض حیا قط بالبرہان

افہل یموت الرسل ام یبقوا اذا		مات الوری ام ہل لکم قولان

تکلموا بالعلم لا الدعوی		اجیبوا بالدلیل فنحن ذو اذہان

یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے لیے تین موتیں ہیں اور ان کے سوا دوسری مخلوق کے لیے صرف دو موتیں؟ کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی دلیل کے ساتھ ثابت ہے کہ نفخۂ صور کے وقت کوئی ایک شخص بھی زمین میں زندہ نہیں رہے گا۔ کیا جب نفخۂ صور کے وقت لوگ مریں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی وفات پا جائیں گے اور یا کہ وہ زندہ رہیں گے۔ کیا تم انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسری مخلوق کے بارے دو قول رکھتے ہو؟ پس علم کے ذریعے ہم سے بات کرو نہ خالی دعوے سے۔ اور دلیل سے جواب دو کیونکہ ہم بھی سمجھ رکھتے ہیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ اگر آپ اس قاعدہ کلیہ اور ضابطۂ قرآنیہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مستثنیٰ فرماتے ہو تو اس کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے جیسے عہد موسوی میں بنی اسرائیل کے بعض گستاخوں کا مر کر پھر زندہ ہونا نص قطعی قرآنی سے ثابت ہے

(۱) واذ قلتم یاموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون ثم بعثناکم من بعد موتکم۔

(۲) اسی طرح واذ قتلتم نفسا فادارأتم فیہا واللہ مخرج ما کنتم

تکتمون فقلنا اضربوہ ببعضھا۔

(۳) اسی طرح الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللّٰہ موتوا ثم احیاھم۔

(۴) اسی طرح او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھٰذہ اللّٰہ بعد موتھا فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ثم بعثہ۔

(۵) اسی طرح قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا ثم ادعھن یاتینک سعیا۔

(۶) اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا: واذ تخرج الموتیٰ باذنی

(۷) اسی طرح فتی موسیٰؑ کی مچھلی کے بارے میں فرمایا نسیا حوتھما فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا۔

(۸) اسی طرح حضرت ایوبؑ کے بارے فرمایا فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر وآتیناہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بالکل دنیوی زندگی بسر کرنا وفات کے بعد اگر صحیح ہے تو اس کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوگی اور قطعی دلیل دو ہی ہیں ایک صریح نص قرآنی، دوسری حدیث متواترہ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں کوئی نص صریح ایسی نہیں ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد اور قیامت کے روز شق قبور سے پہلے اس درمیانی وقفہ میں ان کی دنیوی زندگی ہو اور حدیث متواترہ بھی اس بارہ میں مفقود ہے۔ یہ حدیث خیر القرون میں مستور رہی، نہ مؤطا امام مالکؒ میں ہے نہ صحیح بخاری میں، نہ صحیح مسلم میں نہ مسند احمد میں نہ جامع ترمذی میں، نہ سنن ابی داؤد میں نہ سنن نسائی میں نہ سنن دارمی میں، نہ مسند ابی داؤد طیالسی میں نہ مسند ابی عوانہ میں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے تلویح حاشیہ توضیح شرح تنقیح طبع مصر ج ۲ ص ۲۴۶ میں لکھا ہے اما بعد القرون الثلاثۃ فاکثر اخبار الاحاد وتقلت بطریق التواتر

لتوفر الدواعی علی نقل الاحادیث وتدوینها فی الکتب۔ وفیہ اشارۃ الی ان خبر الواحد اذا لم یکن راویہ الاول متنزھا عن وصمۃ الکذب لا یفید علم الطمانینۃ وان دخل بعد ذلک فی حد التواتر کما یشتھر من الاخبار الکاذبۃ فی البلاد۔ یعنی قرون ثلاثہ۔ صحابہ تابعین وتبع تابعین کے مبارک عہد کے بعد اکثر اخبار احاد تواتر سے نقل ہونے لگیں کیونکہ ان احادیث کو نقل کرنے اور کتابوں میں مدون اور جمع کرنے کے کافی اسباب پیدا ہو گئے تھے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس قول میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ خبر واحد کا پہلا ہی راوی جب جھوٹ کے عیب کے ساتھ ملوث ہو وہ اگرچہ اخبار متواترہ کی حد میں آجائے پھر بھی اس سے اطمینان نہیں ہوتا چہ جائیکہ تیقن کا درجہ حاصل ہو جیسے شہروں میں جھوٹی حدیثیں مشہور ہو جاتی ہیں۔

قرون ثلاثہ کا مسئلہ تو رہا درکنار حضرت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ جو تابعین میں سے ہیں اور براہ راست صحابہؓ کے شاگرد رشید ہیں، اولیاء اللہ ہو، اپنے عہد میں بھی کئی نالائقوں کے ایسے کرتوتوں کو دیکھا تو فرمایا کتاب وسنت صحیحہ کو معیار حق سمجھو اس کے علاوہ جو کوئی کتاب تمہیں دکھائے اس سے بچو، ایاکم والکتب فانہ قد تاہ من کان قبلکم بالکتب او قال ضل من کان قبلکم بالکتب (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۹۴) کیونکہ تم سے پہلے پیغمبروں کی امتیں ایسی ہی کتابوں کی وجہ سے گمراہ اور تباہ ہوئی ہیں۔

مناقب کردری ج ۱ ص ۹، والجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۴۶۵ میں ہے کان العلامۃ یقول لا یھولنکم اسماء الرجال عند قوۃ الدلیل وکشف المقال فان کتاب اللہ حاکم ببطلان ھذا القول یعنی جب تمہارے پاس قوی دلیل موجود ہے اور بات واضح اور کھلی ہوئی ہے تو پھر دوسری طرف بہت کثیر تعداد میں لوگوں کے ناموں سے نہ گھبرانا چاہیے اس لیے کہ ان اکثر کی بات کو باطل کرنے پر اللہ کی کتاب فیصل ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۶ میں ہے عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ فاخبرتہ فقال اوقد فعلوھا؟ قلت نعم قالؓ اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول الا انها ستكون فتنة، فقلت ما المخرج منها يا رسول الله؟ قال كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى في غيره اضله الله وهو حبل الله المتين وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم هو الذي لا تزيغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا تنقضي عجائبه هو الذي لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا انا سمعنا قرانا عجبا ومن عمل به اجر ومن حكم به عدل ومن دعا اليه هدى الى صراط مستقيم۔

حاصل کلام در حیاۃ انبیاء کرام علیہم السلام

اس دنیائے آب و گل سے رحلت و انتقال کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کے لیے ایک ہی مقرر فرمائی ہے اور وہ ہے موت، اور اس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں جیسا کہ ارشاد ہے کل نفس ذائقة الموت (انبیاء رکوع ۳) یعنی ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے خواہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام پیغمبر ساغر موت نوش فرما چکے ہیں (حضرت ادریس، الیاس، اور خضر علیہم السلام کے بارے میں محقق اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں) چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت (بقرہ رکوع ۱۶)، کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب پر موت کا وقت آیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا حتى اذا هلك قلتم لن يبعث الله من بعده رسولا (مومن رکوع ۴) یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تم کہنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل منساته (سبا رکوع ۲) پس جب ہم نے

اس (سلیمانؑ) پر موت کا حکم جاری کر دیا تو ان (جنوں) کو اس کی موت کا پتہ کسی نے نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا۔

اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا: انک میت وانھم میتون (زمر رکوع ۳) آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہو چکا ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صدمۂ جانکاہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور از خود رفتہ ہو کر اعلان کرنے لگے "خبردار کوئی یہ مت کہے کہ حضورؐ فوت ہو گئے ہیں ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صورتِ حال دیکھی تو آپؓ نے تمام صحابہ کرام رض کے سامنے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو: من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وقال انک میت وانھم میتون ○ (صحیح بخاری ج اص ۷۵) تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ آپؐ تو فوت ہو گئے اور آپؐ پر موت وارد ہو چکی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ زندہ جاوید ہے۔ اور یہ آیت بھی پڑھی بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کی کسی بات پر انکار نہیں کیا اور حضرت عمر رض نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی آپؐ وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام رض نے یہی سمجھ کر کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں آپؐ کے جسدِ اطہر کو قبر مبارک میں دفن کر دیا۔

الغرض موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام بنی آدم اسی دروازے سے گزر کر عالم برزخ میں پہنچے اور جو باقی ہیں وہ بھی اسی دروازے سے گزریں گے۔

موت کے معنی

اور موت کے معنی ہیں روح کا بدن عنصری سے نکل جانا اور اس سے جدا ہو جانا۔

(۱) امام راغب اصفہانیؒ اس آیت میں موت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں: وقوله کل نفس ذائقة الموت فعبارة عن زوال القوة الحيوانية وابانة الروح عن الجسد (مفردات ص ۴۹۴) یعنی موت قوت حیات کے زائل ہو جانے اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا نام ہے (۲) محمد بن علی بن حزمؒ نے بھی عصمت انبیاء ص ۹۷ میں یہی لکھا کہ موت نام ہے روح کے جسم عنصری سے جدا ہونے کا۔

(۳) علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں: واجل الموت هو الوقت الذی فی معلومه سبحانه ان روح الحی تفارق جسده (قرطبی ج ۴ ص ۲۲۶) اجل موت اس وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جاندار کی روح اس کے بدن سے جدا ہوگی۔

(۴) علامہ سیوطی فرماتے ہیں قال العلماء الموت ليس بعدم محض ولا فناء صرف وانما هو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقته وحيلولة بينهما وتبدل حال وانتقال من دار الى دار (شرح الصدور ص ۵ وبشری الکئیب ص ۱۶۱۵) علماء نے کہا ہے کہ موت عدم محض اور فناء صرف کا نام نہیں، بلکہ روح بدن سے تعلق روح کے منقطع ہو جانے اور روح اور بدن میں جدائی اور پردہ حائل ہو جانے اور ایک دار (دنیا) سے دوسرے دار (عالم برزخ) کی طرف منتقل ہونے سے عبارت ہے۔

(۵) اور علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ رقمطراز ہیں الاماتة بمعنی اخراج الروح وسلب الحياة (روح ج ۳ ص ۳۱) اماتت کے معنی ہیں روح کا نکال لینا اور زندگی کا سلب کر لینا۔

اور پھر موت کی یہ کیفیت مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ سب کے لیے یکساں ہے اور تمام بنی آدم، انبیاء علیہم السلام ہوں یا شہداء اور دیگر عامة المسلمین پر موت

اخراج روح از بدن اور اماتتِ روح از جسد ہی کے طریق پر وارد ہوتی ہے البتہ اعزاز و اکرام اور تحقیر و تذلیل کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، شہداء اور دیگر مومنین سے قبضِ روح کا معاملہ علیٰ حسب المراتب اعزاز و اکرام سے کیا جاتا ہے اور کفار و مشرکین سے تذلیل و اہانت کے ساتھ۔

شہداء کے بارے میں تو پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی روحیں ان کے ابدانِ عنصریہ سے نکال کر مثالی قالبوں میں داخل کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ بھی ان کے ابدانِ طاہرہ سے نکال کر جدا کرلی جاتی ہیں۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی اللہ تعالیٰ کی عادتِ مستمرہ اور دستورِ متعارف کے مطابق اسی طرح واقع ہوئی کہ آپؐ کی روحِ طیبہ و طاہرہ آپؐ کے بدن مبارک سے نکالی گئی جیسا کہ خود آپؐ کا ارشاد ہے ان جمیع الانبیاء قبض ارواحھم ملک الموت و ھوالذی سیقبض روحی (قرطبی ج ۴ ص ۲۷۴) یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی روحیں ملک الموت نے قبض کیں اور وہی میری روح کو بھی قبض کرے گا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ فقبضہ اللہ وان راسہ بین سحری ونحری (صحیح بخاری ج ۲ ص) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض فرمائی اس وقت آپؐ کا سر مبارک میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا۔

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں فی روایۃ ھمام عن ھشام بھذا الاسناد عند احمد نحوہ وزاد فلما خرجت نفسہ لم اجد ریحا قط اطیب منھا (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۲) اس روایت کو امام احمد نے بھی اسی اسناد کے ساتھ ہشام سے بواسطہ ہمام روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) جب آپؐ کی روح مبارک (بدن سے) نکلی تو ایسی خوشبو آئی کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ یہ خوشبو آپؐ کی روحِ طیبہ کی تھی۔

اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اخرجت الینا عائشۃ رض کساء وازارا غلیظا فقالت قبض روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین (صحیح بخاری ج

حضرت عائشہؓ نے ایک چادر اور ایک موٹا تہبند دکھایا اور کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ ان دو کپڑوں میں قبض ہوئی۔

باقی رہی یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے ابدان سے نکلنے کے بعد کہاں رہتی ہیں اور ان کا مستقر کہاں ہے۔

تو اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عنصری بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام عطا کیے جاتے ہیں اور ان کا مقام و مستقر جنت کا اعلیٰ ترین اور سب سے اونچا درجہ اعلیٰ علیین ہے۔ ویسے جنت میں وہ جہاں چاہیں آتے جاتے اور جنت کے میوے تناول فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور علامہ سید محمود آلوسیؒ امام نسفیؒ سے ناقل ہیں ارواح الانبیاء تخرج من جسدها وتصير مثل جسدها مثل المسك والكافور وتكون في الجنة تاكل وتشرب وتتنعم الخ (شرح الصدور ص ۱۰۴ و بشری الکئیب ص ۴۳ و روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ و تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۴۴) یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے بدنوں سے نکل کر ان کے مماثل مشک و کافور کے جسموں میں متشکل ہو جاتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن القیم اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں الانبياء عليهم السلام فلا شك ان ارواحهم عند الله في اعلى عليين، وقد ثبت في الصحيح ان اخر كلمة تكلم بها رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته انه قال اللهم الرفيق الاعلى (روح ج ۱ ص ۱۶۱ و شرح الصدور ص ۱۰۴)

ان روایتوں اور عبارتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ شہداء اور دیگر اموات کی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح بھی ان کے ابدان سے نکالی جاتی ہیں۔

دوم یہ کہ ان کی ارواح کو ان کے اصلی ابدان کے مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام دیئے جاتے ہیں۔

سوم یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مستقر اعلیٰ علیین ہے نہ ان کے ابدان عنصریہ کیونکہ ابدان عنصریہ مبارکہ تو قبور ارضی میں مدفون ہوتے ہیں لیکن دیگر اموات کے برعکس ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور شرف عطا فرمایا ہے کہ ان کے ابدان مبارکہ قبور میں باعث اسی طرح صحیح سالم رہیں گے جس طرح رکھے گئے تھے اور مٹی ان کو نہیں کھاتی ان کے ابدان کو محفوظ رکھنے کی اللہ کی طرف سے ضمانت ہے اور اگر کسی صدیق و شہید کا یا کسی اور برگزیدہ بندہ کا بدن قبر میں محفوظ ہے اور مٹی اسے نہ کھائے تو یہ بھی کوئی بعید نہیں، ممکن ہے۔

مسئلہ تعلق رُوح بجسدِ عنصری

باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ، تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات و اقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً و اثباتاً ذکر آیا ہے، برزخ میں حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہداء کرام کی جو کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ اوپر مذکور ہو چکی ہے قرون ثلاثہ میں یہ اسی طرح منقول ہو کر پیچھے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔

البتہ چوتھی صدی کے بعد شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تحقیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے، کسی نے اشراق، کسی نے اشراف سے اور کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ و عاشق بمعشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے البتہ اس پر متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ حیات دنیا میں تھا بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت و کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں تعلق ارواح با ابدانِ عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے محفوظ مسلک ہے کیونکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر اذکار نہیں لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ کیونکہ

متقدمین میں کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے لیکن اس تعلق کے باوجود ان کے مدفون فی القبور ابدان میں کسی قسم کی حرکت یا جنبش پیدا نہیں ہوتی اور نہ قیامت سے پہلے ان کے یہ ابدان قبروں سے باہر نکلیں گے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل و مسلم شدہ ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہے وہ ہمارے ادراک و حواس سے بالا ہے۔ لیکن حیات شہداء سے بہت بلند اور اعلیٰ ہے اور پھر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت ارفع و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے۔ والمراد بتلک الحیاۃ نوع من الحیٰوۃ غیر معقول لنا، وھی فوق حیاۃ الشھداء بکثیر وحیاۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اکمل واتم من حیاۃ سائرھم علیھم السلام (روح ج ۲۲ ص ۳۲)

ایک اشکال

یہاں ایک اشکال ہے جس نے بڑے بڑوں کو متحیر و سرگرداں کر رکھا ہے اور جسے حل کرنے کے لیے بڑے بڑے شہسواران قلم رہوار قلم دوڑا چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مقام و مستقر اعلیٰ علیین ہے اور وہ نہ ان کے عنصری ابدان میں موجود ہیں اور نہ قبروں کے قریب وجوار میں، اور ان کے ابدان قبروں میں مدفون و محفوظ ہیں اور ارواح کا ابدان میں اعادہ نفخۂ ثانیہ پر ہوگا اور اس وقت وہ قبروں سے نکلیں گے اس سے پہلے نہیں، لیکن صحیح حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں مختلف آسمانوں پر کئی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت بھی فرمائی۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے کثیب احمر کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔ نیز آپ نے فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور وادی میں اتر رہے ہیں اور بعض کاملین نے حالت بیداری میں حضور علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔

بعینہ یہی اشکال غیر انبیاء کے بارے میں ہے کیونکہ بعض کاملین کو بھی بیداری کی حالت میں دیکھا گیا ہے تو ان مشاہدات اور منصوصات سے بظاہر یہ قاعدہ ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اموات کے ابدان عنصریہ میں نہ قبروں میں جنبش ہوتی ہے اور نہ ہی قیامت سے پہلے وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔

اشکال کا حل

اس اشکال کے کئی حل پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن بیشتر توجیہات دل کو مطمئن نہیں کر سکتیں بلکہ ان سے مزید پیچ در پیچ اشکالات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں صرف ایک حل ایسا ہے جس سے یہ اشکال نہایت عمدہ طریقہ سے حل ہو جاتا ہے اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی محققین علماء اور صوفیاء نے بھی اسے ترجیح دی ہے اور وہ یہ ہے

جس طرح حیات دنیا میں ارواح ابدانِ عنصریہ کے ذریعے متحرک ہوتی ہیں اور تمام اعمال و تصرفات بجالاتی ہیں، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور بعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالم برزخ میں مثالی اور برزخی اجسام کے ذریعے حرکت کرتی اور نماز پڑھتی، تلاوت قرآن، حج اور کئی دوسرے اعمال بجالاتی ہیں۔

اگر کسی کامل بزرگ کو حالت بیداری میں کسی پیغمبر یا کسی فوت شدہ ولی کی زیارت بشکل انسانی نصیب ہو جائے تو یہ شکل اس کی مثالی شکل ہے اور اس کی روح جسم میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئی ہے اور اس کا عنصری جسم قبر میں بلا حرکت و جنبش موجود ہو گا۔

(۲) علامہ آلوسی رحمہ فرماتے ہیں وعندی ان الحیوٰۃ فی البرزخ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ وان الارواح وان کانت جواہر قائمۃ بانفسہا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لا مانع من تعلقہا ببدن برزخی مغایر لہٰذا البدن الکثیف (روح ج ۲ ص ۲۱) یعنی میرے نزدیک برزخ میں ہر میت کو حیات حاصل ہے اور ارواح اگرچہ جواہر ہیں اور قائم بانفسہا ہیں اور اپنا

محسوسہ کے مغایر ہیں، لیکن اس میں کوئی منافات نہیں کہ ارواح کا تعلق برزخی جسم سے ہو جائے جو اس عنصری جسم سے مغایر ہو۔

(۲) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: الارواح المقدسة قد تظهر متشكلة و يجتمع بها الكاملون من العباد وقد صح انه صلى الله عليه وسلم رأى موسى عليه السلام قائما يصلي في قبره ورآه في السماء ورآه يطوف بالبيت (روح ج ۲ ص ۳۲) پاکیزہ روحیں کبھی متشکل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور کامل بندے ان سے ملاقات کرتے ہیں اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور شب معراج، ان کو آسمان پر بھی دیکھا اور انہیں خانہ کعبہ کا طواف کرتے بھی دیکھا۔

(۳) بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے جس کی امام ابو یعلیٰ نے مسند میں، امام طبرانی نے کبیر میں تخریج کی ہے قال مُثِّلَ لِيَ النبيون فصليت بهم (ربنا ج ۳ ص ۱۲، وتفسیری ثنا ص ۳۹۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میرے لیے مثالی اجسام میں حاضر کیے گئے اور میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: لكن تمام هذا التوجيه ان يقال ان المنظور اليه هي ارواحهم فلعلها مثلت له صلى الله عليه وسلم في الدنيا كما مثلت له ليلة الاسراء واما اجسادهم فهي في القبور۔

(۵) قال ابن المنير وغيره يجعل الله لروحه مثالا فيرى في اليقظة كما يرى في النوم (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے اور ان کو اور حضرت یونس علیہ السلام کو حج کرتے دیکھنے کی بہتر توجیہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے دیکھا، وہ ان کی ارواح تھیں تو شاید دنیا میں آپ کے لیے ان کو مثالی شکلیں دی گئی ہوں جیسا کہ شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ نے مثالی اجسام میں دیکھا لیکن ان کے ابدان عنصریہ قبروں میں موجود تھے۔

(اور وہ قبروں میں سے نہیں نکلے) ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میت کی روح کو مثالی جسم عطا فرماتا ہے اور جس طرح خواب میں دکھائی دیتا ہے اسی طرح بیداری میں بھی نظر آتا ہے (۶) اور علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں ولکن المراد رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء فی لیلۃ الاسراء فی السموٰت الصحیح انہ رای فیہا الارواح فی مثل الاجسام (شرح الصدور ص ۱۰۰) اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنا، تو اس کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ وہاں آپ نے ان کی ارواح کو دیکھا تھا جو مثالی اجسام میں متمثل تھیں۔

اسی طرح اگر کسی خوش بخت انسان کو بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے تو اکثر صوفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے آپ کے جسم مثالی کی زیارت کی ہے نہ کہ جسم عنصری کی۔

(۷) چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں لیس المراد انہ یری جسمہ وبدنہ بل مثالاً لہ صار ذٰلک المثال آلۃ یتأدی بہا المعنی الذی فی نفسہ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷)

(۸) اور شیخ علاء الدین قونویؒ فرماتے ہیں: وسادۂ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالمے متوسط در عالم اجساد و ارواح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم مثال گویند الطف از عالم اجساد و اکثف از عالم ارواح، و ظہور ارواح در صور مختلفہ مبنی بر آں ساختہ و ظہور جبرائیل علیہ السلام بصورۃ دحیہ کلبی و تمثل او مریم علیہا السلام بصورت بشر سوی الخلق از آں عالم می پندارند و بناء علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام با وجود استقرار در آسمان ششم بہ شبح و ہیکل مثالی در قبر متمثل باشد و آنحضرت او را در ہر دو مکان مشاہدہ فرمودہ۔ و بعد از اثبات عالم مثال جواب از مسائل کثیرہ بیروں آید و اشکالات بسیار مثل بیان وسعت جنت و دوزخ ..... اور در عرض حائط متمثل گردد۔ انتہی کلام الشیخ (جذب القلوب ص ۲۰۶) صوفیائے کرام عالم اجساد اور عالم ارواح کے درمیان ایک اور عالم تسلیم کرتے ہیں جسے وہ عالم مثال کہتے ہیں جو عالم اجساد سے زیادہ لطیف لیکن عالم ارواح کے مقابلہ میں کثیف ہے اور ارواح کا مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا ان کے نزدیک اسی عالم مثال کے وجود پر مبنی ہے اور حضرت

جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں اور حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بشر سوی کی صورت میں متمثل ہوتا اسی قبیل سے ہے اور اسی بنا پر یہ جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ بپیکر مثالی کے ساتھ قبر میں بھی متمثل ہو کر نماز پڑھ رہے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور عالمِ مثال کا وجود تسلیم کر لینے سے بہت سے مسائل کا جواب نکل آتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں مثلاً جنت کی وسعت کا بیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں جنت کو دیوار کی عرض میں دیکھنا وغیرہ یہ سب عالم مثال کی چیزیں ہیں۔

(۹) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں طویل بحث و تمحیص کے بعد اصل حقیقت کی اس طرح ترجمانی فرماتے ہیں:

وحقیقت آں است کہ تحقیق مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام وغیر ایشاں موقوف بمعرفت ایں عالم است و تحقیق دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ و یونس را علیہ و علیہما السلام بمعرفت زمان و مکان روحانیات و تمیز و فرق آنہا از زمان و مکان جسمانیات چنانچہ محققین صوفیہ کردہ اند دست دہند الخ (جذب القلوب ص ۲۰۹) اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کی عالمِ برزخ میں حیات کا مسئلہ اس عالم مثال کی پہچان پر، حضرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ اور یونس علیہما السلام کو دیکھنے کی تحقیق روحانیات کے زمان و مکان کی معرفت اور محققین صوفیہ کے بیان کے مطابق جسمانیات کے زمان و مکان سے ان کے امتیاز ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کئی بزرگوں نے عالم بیداری میں دیکھا ہے تو چونکہ قول محقق اور مسلک صحیح کے مطابق ان کی وفات ہو چکی ہے اس لیے صوفیائے کرام میں سے بعض کاملین نے فرمایا ہے کہ خضر علیہ السلام کی رؤیت مثالی اور عالم مثال کی چیز ہے جسد عنصری کے ساتھ نہیں جیسا کہ حضرت شیخ صدر الدین اسحاق قونویؒ اپنی کتاب تبصرۃ المبتدی و تذکرۃ المنتہی میں فرماتے ہیں ان وجود الخضر علیہ السلام فی عالم المثال (روح ۱۵ ص ۳۲۶) یہ سارا مضمون جواہر القرآن سے نقل کیا گیا ہے (دنیلوی)

حضرت حکیم الامتؒ کی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حکیمانہ تقریر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت بھی آپؐ کی ایک قسم کی ولادت ہی ہے ....
اور تحقیق یہ ہے کہ ولادت کی ایک حقیقت صوریہ ہے اور ایک حقیقت معنویہ ہے حقیقت صوریہ تو یہ ہے کہ مرد و عورت ہمبستر ہوں اور حمل قرار پائے پھر ایک مدت معتد بہا کے بعد بچہ ماں کے پیٹ سے نکلے اور لغوی حقیقت بھی ولادت کی یہی ہے۔ اور حقیقت جو کہ ولادتِ صوریہ کی روح ہے یہ ہے کہ وہ ابتداء ہے حیات کی اور چونکہ حیات برزخیہ بھی ایک حیات ہے تو اس کی ابتداء بھی ولادت میں معنًی داخل ہوگی اور اس کی ابتداء ہے وفات تو اس بناء پر وفات بھی ولادت ہے اور اس کو وفات کہنا ولادتِ صوریہ کے اعتبار سے ہے یعنی جس حیات کی ابتداء ولادتِ صوریہ سے ہوئی تھی اس وقت اس کا انقطاع ہو جاتا ہے لیکن دوسری حیات کے اعتبار سے یہ بھی ولادت ہوگی۔ تو وفات میں دو حیثیتیں ہوئیں ایک یہ کہ منتہیٰ ہے ایک حیاۃ کا اور وہ حیاتِ ناسوتیہ ہے اس حیثیت سے وہ بیشک واقعہ غم ہے .... چنانچہ یہ اثر عقلاء میں بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ حضرات صحابہؓ جیسے مستقل اور حکیم اور عارف جماعت پر بھی ہوا۔ چنانچہ احادیث میں ایسے ایسے غم کے قصے مذکور ہیں جن کی نظیر نہیں مگر ساتھ ہی خلافِ صبر ان کا ایک قول یا فعل بھی منقول نہیں پس ایک حیثیت تو وفات میں یہ ہے۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ مبدا ایک حیات کا اور وہ حیاتِ ملکوتیہ ہے اور اس حیثیت سے وہ بھی معنًی ولادت میں داخل ہے .... یہ ولادتِ ملکوتیہ ولادتِ ناسوتیہ سے اہم و اعظم ہے حقیقت کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی۔ حقیقت کے اعتبار سے تو اس لیے کہ جس حیات کی یہ ابتداء ہے یعنی حیاتِ ملکوتیہ وہ بہ نسبت اس حیات کے جس کی وہ ولادت ابتداء ہے یعنی حیاتِ ناسوتیہ، اقوی و ابقیٰ و اصفیٰ و اکمل ہے۔ چنانچہ وہ اقوی تو اس طرح ہے کہ جو تصرفات و افعال انسان سے اس حیات میں صادر ہوتے ہیں وہ حیاتِ ناسوتیہ میں صادر نہیں ہوتے۔ چنانچہ حدیث میں ہے اروا ح

الشہداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی قنادیل تحت العرش (رواہ مسلم) یعنی شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے حواصل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں، عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر قرار پکڑتی ہیں۔ بھلا یہ قوتِ طیران یہاں کہاں؟ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومنین کی روحیں سبز پرندوں کے حواصل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں (اخرجہ الطبرانی) اور اسی سے استغنا ہونا معلوم ہوگیا کیونکہ اتنی راحت اور بے فکری یہاں کہاں! غرض دنیا میں نہ تو اتنی قوت انسان میں ہوتی ہے نہ اتنی راحت و بے فکری۔ بلکہ یہاں تو مشقت و محنت اور تکلیف کا ہی حصہ غالب ہے چنانچہ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں لقد خلقنا الانسان فی کبد، کبد کے معنی تعب و مشقت کے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو بڑی تعب میں پیدا کیا ہے۔ واقعی اگر دیکھا جائے تو حیوانات اپنے اسباب معیشت میں انسان سے زیادہ آزاد ہیں جانوروں کا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی کھانا پینا چلنا پھرنا شروع کر دیتا ہے اور انسان کا بچہ عاجز و محتاج ہوتا ہے پھر جانوروں کو نہ لباس کی ضرورت نہ غذا کے لیے سامان کی ضرورت، اور انسان ایک دن کی غذا بھی بدوں ہزاروں مخلوق کی امداد کے حاصل نہیں کر سکتا اور دوسرے افکار اس کے علاوہ ہیں اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ...... کوئی انسان خواہ کیسا ہی عیش و آرام میں ہو مشقت و فکر سے خالی نہیں ...... اور اس حیات میں غم کا نام بھی نہیں، الا خوف علیہم ولا ھم یحزنون۔ اور اکمل اس طرح کہ ولادت ناسوتیہ میں آثارِ حیات یعنی کمالات متصلاً و فوراً ظاہر نہیں ہوتے چنانچہ بچہ نہ کچھ افعال کر سکتا ہے نہ چلتا پھرتا ہے نہ خود کھاتا پیتا ہے نہ بولتا ہے بلکہ جمادات کے ساتھ ملحق ہوتا ہے حیوانات سے بھی زیادہ بیکار ہوتا کیونکہ جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہیں اچھلنے کودنے پھرنے لگتے ہیں اور آدمی کا بچہ سوائے ٹیں ٹیں کے کچھ نہیں کر سکتا۔

اور مرنے کے بعد جو ولادت ملکوتیہ ہوتی ہے اس کے آثار متصلاً ظاہر ہو جاتے ہیں کہ روح پھر سے اِدھر اُڑ گئی اُدھر سے اُدھر اُڑ گئی ..... مرنے کے بعد ارواح کی یہ حالت

دلیل ہے حیات ملکوتیہ کے غیر فانی ہونے کی۔ اور

حیات ملکوتیہ ابقیٰ اس طرح ہے کہ اس کے لیے فنا نہیں ہے اور حیات ناسوتیہ کے لیے فنا لازم ہے۔ یہاں کی صبح کے لیے تو شام بھی ہے وہاں ایسی صبح ہوگی جس کی شام ہی نہیں۔

اس پر شاید یہ اشکال ہو کہ ایک عاشق تو یوں فرماتے ہیں ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہرگز نہ میرد سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاق کی یہ زندگی بھی فنا نہیں ہوتی۔

سو سمجھ لیجئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زندہ دلان عشق کو موت نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل حیات تو آخرت کی حیات ہے مگر یہاں کی زندگی جب آخرت کی معین ہوگی اور اس کے انقطاع کے متصل ہی وہ حیات شروع ہو گئی پس گویا یہ موت موت نہیں، جس سے گھبراہٹ اور پریشانی ہو بلکہ موت تغیر ہیں اور خوشگوار ہوتی ہے کیونکہ عاشق جانتا ہے کہ اس موت سے وہ موانع وصال ممکن مرتفع ہو جائیں گے جو حیات ناسوتیہ میں قرب تام سے مانع تھے۔ پس وہ موت کو حیات اور یہاں کے بقا کو فنا سمجھتا ہے پھر مرنے کے بعد جو حیات حاصل ہوگی وہ تو ابقیٰ ہے ہی کیونکہ اسکے بعد پھر موت نہیں ہوگی۔

ایک شبہ

اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ بعض نصوص سے تو اس حیات کا بھی منقطع ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ہے کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال والاکرام اور ایک جگہ ارشاد ہے کل شیئ ھالك الا وجهه ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں گی تو پھر حیات ملکوتیہ بھی ابقیٰ نہ ہوئی۔

اس کا جواب

اس کا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے کہ اس آیت میں استثناء بھی وارد ہے۔۔۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ونفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت ومن فی

والارض الا من شاء اللہ کہ جب نفخ صور ہوگا تو آسمان و زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے یہاں صعقہ سے صعقہ موت مراد ہے اس کے بعد استثناء ہے اِلّا من شاء اللہ کہ جن کو حق تعالیٰ بچائیں گے وہ اس صعقہ سے بھی مستثنیٰ ہوگا۔ پس ارواح اِلّا من شاء اللہ میں داخل ہیں ان کو موت نہ آئے گی۔

مگر ہم اس جواب پر مجبور و مضطر نہیں ہیں بلکہ ہم تسلیم کے بعد دوسرا جواب دیتے ہیں کہ اگر نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں تب بھی اس سے انقطاع حیات لازم نہیں آتا کیونکہ وہ فنا تھوڑی دیر کے لیے ہوگا۔ ممتد نہ ہوگا۔ اور امور عادیہ میں زمان لطیف کا انقطاع مانع استمرار نہیں۔ موٹی بات ہے کہ اگر ایک شخص پانچ گھنٹہ تک تقریر کرے اور درمیان درمیان میں سکنڈ سکنڈ سکوت کرے تو یہ سکوت مانع استمرار تقریر نہیں بلکہ محاورہ میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے پانچ گھنٹے تک مسلسل تقریر کی۔ اس پر اگر کوئی کہنے بھی لگے کہ واہ صاحب! اس نے درمیان درمیان میں دس دس پانچ پانچ منٹ سکوت بھی کیا تھا پانچ گھنٹے مسلسل تقریر کہاں کی؟ تو ہر شخص یہ کہے گا تم احمق ہو کہیں دس یا پانچ منٹ کے سکوت کا بھی اعتبار ہوا ہے۔ اسی طرح جب آپ چلتے ہیں تو حرکت کے ساتھ درمیان میں ایک زمان لطیف کا سکون بھی ہوتا ہے کیونکہ ایک پیر کی حرکت کے بعد بدوں اس کے سکون کے دوسرے پیر کو حرکت نہیں ہو سکتی مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہم مسلسل بارہ کوس تک چلتے رہے غرض احکام عرفیہ عادیہ میں استمرار و دوام کے لیے زمان لطیف کا تخلل مخل نہیں ہوتا تو نفخ صور کے وقت ارواح کا فنا تھوڑی دیر کے لیے یا ایک لمحہ کے لیے ہوگا محض تحلّۃ قسم کے طور پر یہ جواب محققین کا ہے۔ یعنی ارواح کی بقا زمانی ہے اور فناء آنی ہے تو استمرار و بقا حقیقۃً بھی منقطع نہ ہوئے اور حیات ملکوتیہ کے انتفاء ہونے پر جو شبہ تھا وہ رفع ہو گیا اور اس کے انتفاء ہونے کا دعویٰ بیجا ہی باقی رہا۔

حیاتِ ناسوتیہ وحیاتِ ملکوتیہ کے مابین فرق

حیاتِ ناسوتیہ کے ابتداء کے وقت کامل انسان بھی کمالات سے خالی ہوتا ہے اور حیاتِ ملکوتیہ کی ابتداء میں مکمل حالت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ موت کے بعد عقل وغیرہ سب کامل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ قبر میں تمہارے پاس دو فرشتے گرجتے کڑکتے آئیں گے اور تم کو ہلا ڈالیں گے اور حاکمانہ گفتگو کریں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم کہیئتکم الیوم یعنی اس وقت ایسی عقل ہوگی جو آج ہے! انہوں نے عرض کیا کہ بس کام چلا لوں گا (اخرجہ احمد والطبرانی)

اور ولادت ناسوتیہ کے وقت متصلاً بدیہیات اولیہ تک کا بھی ادراک نہیں ہوتا۔ چنانچہ حکماء کا قول ہے کہ اس وقت عقل بھی بالکل نہیں ہوتی محض استعداد ہوتی ہے جس کا نام عقل ہیولانی ہے ..... تو یہ ولادتِ ناسوتیہ ایسی ناقص ہوئی کہ اس کے ساتھ متصلاً کمالات حاصل نہیں ہوتے اور ولادتِ ملکوتیہ کے متصل بھی آدمی جامع کمالات ہوتا ہے۔

غرض حیات ملکوتیہ، حیاتِ ناسوتیہ سے ادوم بھی ہے اور اتم بھی اور اقوم بھی اور افضل بھی اور اکمل بھی اور اجمل بھی اور اتقیٰ بھی اور اقویٰ بھی اور اعلیٰ بھی اصفیٰ بھی ازکی بھی اسنیٰ بھی انفع بھی۔ ارفع بھی اوسع بھی احلیٰ بھی اشہیٰ بھی احظیٰ بھی .....

جب حیاۃ ملکوتیہ، حیاتِ ناسوتیہ سے اعظم ہے تو ولادتِ ملکوتیہ یعنی حیاتِ ملکوتیہ کی ابتداء کہ سفرِ آخرت یا وفات ہے، ولادتِ ناسوتیہ یعنی حیاتِ ناسوتیہ کی ابتداء سے کہ ولادتِ متعارفہ ہے تیز اہم اور اعظم ہوگی اور اس سے زیادہ قابلِ ذکر ہوگی۔

موت وحیاۃ میں سے افضل کون ہے؟

علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ موت وحیات میں افضل کون ہے حیات افضل ہے یا موت؟ اس میں دو قول ہیں بعض نے حیات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے موت کو۔ دلائل فضیلت حیات میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ طول حیات میں تکثیر اعمال ہے جس سے ثواب بڑھتا ہے اور موت سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سے حیاۃ من حیث ہی حیات کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایک عارض کی وجہ سے فضیلت ثابت ہوئی اور عارض بھی عند التامل راجع ہے فضیلت موت ہی کی طرف۔ کیونکہ اعمال کا ثمرہ موت ہی کے بعد ملے گا۔ تو اس میں خود اقرار ہے فضیلت موت کا اور موت کی فضیلت ذاتی ہے جس کی صریح دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے تحفۃ المؤمن الموت (اخرجہ ابن المبارک وابن ابی الدنیا والطبرانی والحاکم) کہ موت مومن کے لیے تحفہ ہے پس مسلمان کو خدا کی طرف سے جو چیز بطور تحفہ کے ملتی ہے وہ موت ہی ہے حیات کو کہیں تحفہ نہیں کہا گیا اور ذاتی فضیلت کے علاوہ موت کے لیے عارضی ترجیح بھی ثابت ہے۔ چنانچہ میں نے ثابت کر دیا کہ موت کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ اس حیات سے افضل واکمل وابقی وادوم ہے۔ جب اس طرح حیات ملکوتیہ کا حیات ناسوتیہ سے اکمل ہونا ثابت ہو گیا تو میرا یہ دعویٰ لزوماً ثابت ہو گیا کہ ولادت ملکوتیہ ولادت ناسوتیہ سے اہم واعظم ہے یہ اہمیت باعتبار حقیقت کے ہے۔

اور آثار کی حیثیت سے اہمیت اس لیے ہے کہ ولادت ناسوتیہ جن منافع کا مقدمہ ہے حیات ملکوتیہ ان منافع سے افضل واکمل منافع کا مقدمہ ہے۔

حیاۃ آنجا مماثل حیاۃ دنیا نیست

(۱) مولانا حافظ عزیز الرحمن صاحب مراد آبادی اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان

ص ۱۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اور مراد "حیاتِ قبر" سے حیاتِ برزخی ہے نہ مماثل حیاتِ دنیوی۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۳ ص ۲۵۰ میں مرقوم ہے:

ولا شك ان الانبياء ارفع رتبة من الشهداء۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ شہداء سے بلند درجہ میں ہے۔

(۲) ایضاً پارہ ۱۶ ص ۳۶ میں مرقوم ہے۔

فهي حياة اخروية لا تشبه الحيوة الدنيا یعنی یہ حیاتِ اخرویہ ہے نہیں ہے مشابہ حیاتِ دنیا کے۔

(۳) خود مولانا محترم نے تسکین الصدور ص ۱۰۱ طبع دوم میں فتح الباری ج ۷ ص ۳۲ کے حوالے سے لکھا ہے لانه بعد موته وان كان حيا فهي حيوة اخروية لا تشبه حيوة الدنيا کیونکہ آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ وهذه الحيوة ليست دنيوية انما هي اخروية اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے۔

(۴) مولانا کا مصدقہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۷ میں حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے:

ایشاں را در برزخ حیاتِ ابدی ثابت شد و دیگراں را سوائے شہداء فی سبیل اللہ ثابت نیست وحال آنکہ حیاتِ آنجا مماثل حیاتِ دنیا نیست بلکہ احکام حیاتِ دنیا دیگر است و احکام حیاتِ آنجا دیگر۔

(۵) حضرت مولانا محمد اسحاق صاحبؒ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے اربعین مسائل میں بعینہٖ یہی ارشاد کیا۔

(۶) حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ نے بھی الہدیۃ المکیہ ملخصہ... مفتاح الصلوٰۃ میں یہی فرمایا۔

حرمین شریفین کے اماموں کا فتویٰ

دربارہ حیاتِ انبیاءؑ

زندگی تین قسم کی ہے۔ دنیوی، برزخی، اخروی، اور ان تینوں کے اپنے اپنے خواص اور مراسم ہیں اور بفرقِ مراتب یہ تینوں زندگیاں نیک و بد سب کو یکساں حاصل ہیں۔ اس میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان سب میں نفسِ حیات کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ جن خوش فہموں نے حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ کا میدان گرم کر رکھا ہے وہ غالباً اس بحث کے اس پہلو کو کم ملحوظ رکھتے ہیں کیونکہ اس میں اختلاف کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہاں آج کل جو بات اختلافی ہے اور جس میں ناحق اختلاف پیدا کر لیا گیا ہے وہ مسئلہ دنیوی حیات کے انقطاع کا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف لے گئے تو کیا دنیوی زندگی کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا یا نہیں؟ یہ اختلاف علمی ہے نہ عقلی، نہ پہلے زیرِ بحث آیا نہ اسلاف میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی بلکہ یہ سرتاپا مصنوعی اور خوش حیلہ اور عجوبہ پسند طبائع کی اختراع ہے۔ کیونکہ یہ بات قرآن حکیم اور اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (پارہ ۴ سورہ آلِ عمران رکوع ۱۵) پس ان سے پہلے اور بھی رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں مُڑ جاؤ گے؟ انک میت و انھم میتون (پارہ ۲۳، زمر، ع ۳) اے پیغمبرؐ! کچھ شک نہیں آپ کو بھی وفات پانا ہے اور کچھ شک نہیں کہ ان کو بھی مرنا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر حضرت عمرؓ گھبرا گئے تھے اور وہ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو شخص کہے گا آپ وفات پا گئے ہیں ان کی وہ خبر لیں گے مگر حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے تو خطبہ دیا اور آیاتِ متعلقہ کی تلاوت کے بعد فرمایا من کان

یعبد محمداً فان محمداً قد مات (بخاری) جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا تو وہ آج وفات پا چکے ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے اما الموتۃ الاولی فقد ذقتھا تو آپ ایک موت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ اعلان تمام موجود صحابہؓ کے سامنے ہوا سب نے سُنا۔ مگر کسی نے بھی اس سے اختلاف نہ کیا۔ اگر بات غلط ہوتی تو کوئی بھی صحابی چپ نہ رہتا اسلیے اس بات پر صحابہ کا اجماع ثابت ہو گیا۔

بہرحال "حیات النبی" کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ جاہلوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک سبیل ہے یا ان کی خوش فہمیوں کا نتیجہ۔ ورنہ یہ مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں۔ فللّٰہ الحمد (امام حرمین کی آمد ص۴۹ تا ص۵۱)

مفتی اعظم ہند و مفتی محمد شفیعؒ کی صریح عبارتوں میں مولانا کی کھینچا تانی

تسکین طبع دوم ص ۶۰،۴۷ میں اپنی بات (کہ انبیاء کرام کی حیات دنیوی برزخی ہے) کی تائید میں حضرت استاذی المفتی الاعظم ہند اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دو فتوے پیش کیے لیکن دیکھئے نا! حیران رہ جاتا ہے کہ دعویٰ تو ہے حیات دنیوی حسی برزخی کا اور تائید میں جو فتوے پیش کیے ہیں ان کی عبارت میں حصر کا کلمہ موجود ہے۔

(۱) "جو بھی تو قائل حیات ہیں (حیات برزخی ہی کے قائل ہیں)" اور جہاں حصر ہوتا ہے وہاں دو جملے ملحوظ ہوتے ہیں ایک مثبت دوسرا منفی، تو یہاں بھی اسی طرح ہے یعنی حیات برزخی کے قائل ہیں اور حیات دنیوی کے قائل نہیں ہیں۔

اور حضرت استاذ صاحبؒ کی عبارت تو بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے.... لیکن حیاۃ دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

دیکھا حضرت استاذ صاحبؒ نے لیکن سے استدراک فرمایا یعنی اس وہم کو دور فرمایا جو پہلی عبارت سے پیدا ہو سکتا ہے کہ حیات برزخیہ کہنے سے شاید حیات دنیویہ کی نفی نہ ہو اور اس طرح آپ کو حیات برزخی بھی ہو اور دنیوی بھی اس لیے تصریح سے جواب دیا کہ حیات دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ اب خواہ مخواہ صاف عبارت میں تاویل کرنا کونسا انصاف ہے؟

اب محترم مولانا صاحب کا حضرت استاذ صاحبؒ کی صریح عبارت میں اپنی طرف سے "ظاہری" کی قید بڑھا کے لوگوں کو تلقین کرنا یہ ایسی بات ہے جس پر نہ خود استاذ صاحب رضامند ہیں اور نہ ہی ان کی کسی عبارت سے یہ قید مفہوم ہوتی ہے خاص کر جب کہ مولانا ان کی طرز گفتگو سے بھی ناواقف ہیں۔

نیز استاذ جیؒ نے کفایت المفتی ج ۱ ص ۸۴ میں لکھا ہے کہ وہ حیات دنیوی نہیں بلکہ

برزخی ہے۔" یہاں بھی استاذ جی نے ظاہری کی قید نہیں لگائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت میں جو ظاہری کا لفظ ہے یہ قید نہیں بلکہ تشریح ہے یعنی دنیوی سے مراد وہی حیات تو ہے جو ہر کسی کو ظاہری طور پر محسوس ہوتی ہے انبیاء کرام کی حیات دنیوی نہیں اور دنیوی ہوتی تو ہر کسی کو محسوس ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے محسوس کیا کہ آپ میں کوئی اثر دنیوی زندگی کا نہیں رہا تب آپؓ نے آنحضرتؐ پر میت کا لفظ اطلاق فرمایا اور آپ کے ساتھ موتی کا سا معاملہ شروع کیا اور یوں نہیں کہا کہ آپ کی حیات دنیوی تو ہے مگر ظاہری دنیوی نہیں۔ انہوں نے تو ظاہری اور دنیوی حیات میں کوئی عموم خصوص کی نسبت نہیں نکالی تھی اور نہ یہ کہا کہ دفن کے بعد یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ حیات دنیوی تو ہوگی مگر ظاہری اور محسوس نہ ہوگی۔

المہند پر مفتی اعظم ہند کی تقریظ کا جواب

استاذ صاحب کے فتویٰ واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی زندگیاں دنیوی نہیں ہیں، برزخی ہیں اور دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ اب بھی المہند سے استاذ جی کے دستخط کرنا فضول سی بات ہے کیونکہ کسی معتمد علیہ کی تصنیف شدہ کتاب کو تقریظ کرنے والا تقریظ کرتے وقت من اولہ الی آخرہ ایک ایک حرف کر کے کوئی نہیں دیکھتا، خصوصاً وہ ہستیاں جن کے سر پر بیسیوں ذمہ داریاں ہوں گھر کی، مدرسہ کی، افتاء کی، سیاست کی، دور دراز علاقوں میں تبلیغی دوروں کی، کئی مدارس کی نظامت کی، طلباء کے اشکالات حل کرنے کی، ایسی مصروف زندگی والا کسی کے رسالہ کا حرف حرف نہیں دیکھ سکتا۔ پھر استاذ پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس اعتماد پر دستخط کر دیئے۔ اعتبار اس صریح عبارت کا ہوگا جو خود تحقیق کر کے اپنی صواب دید کے مطابق لکھا ہو۔ ایک موقعہ پر حضرت تھانویؒ نے بھی اپنی تقریظ شدہ کتاب کا جواب اسی طرح دیا ہے۔ (دیکھو بوادر النوادر) پھر خود المہند میں ایسی غلطیاں ہیں جن کی نسبت ان جید علماء کی طرف

کرنا ان کی توہین ہے۔ پھر اس میں کئی کتابت کی غلطیاں ہیں۔

تعلیم الاسلام

تعلیم الاسلام ج ۳ ص ۱۳ میں ہے:۔
س: وحی نازل ہونے کے بعد کتنے دنوں تک حضورؐ زندہ رہے؟
ج: تئیس ۲۳ برس، تیرہ ۱۳ برس مکہ معظمہ میں اور دس ۱۰ سال مدینہ منورہ میں!

عالم برزخ میں حیات کی کیفیت

عالم دنیا سے جب عالم برزخ میں آدمی جاتا ہے تو دنیا والوں کے خیال میں تو مر گیا ہے مگر وہ اس عالم سے منتقل ہونے کے بعد عالم برزخ میں جا بستا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حیات کس کیفیت کی ہے۔ نفس حیات میں تو تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف ہے تو کیفیت میں ہے۔ چنانچہ خود محترم جناب مولٰنا صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۱۴۷ میں لکھا تھا "کیفیت حیات میں اختلاف ہے" پھر تفصیل بیان کرتے وقت صرف دو گروہ ظاہر فرمائے۔ اور تین گروہ اور ہضم کر گئے۔

گروہ **نمبر ۱** جسد اطہر سے روح مبارک حضرتؐ کی خارج ہی نہیں ہوئی بلکہ اندر ہی سمٹ کر رہ گئی اور پہلے سے زیادہ حیات قویہ ہو گئی ہے یہ ہے مسلک حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک!

صاحب تسکین نے حضرت نانوتویؒ کے مسلک کے بیان میں دیدہ دانستہ جیب گتر بازی کی ہے جو حضرت کی کتب دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔ جمال قاسمی ص۱۵ میں واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں:۔ "انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا حضرت نانوتویؒ جس معنیٰ سے موت مانتے ہیں وہ معنیٰ متعارف نہیں بلکہ حضرتؒ موت بمعنیٰ ستر الحیات لیتے ہیں اور اس معنیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت ثابت

کرتے ہیں۔ اب صاحب تسکین کا یہ کہنا کہ نانوتوی موت مانتے ہیں محض دھوکہ دہی ہے کیونکہ اس سے تبادر عوام معنے متعارف موت کا سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حضرت متعارف معنے سے موت کے طاری ہونے کے انبیاء کے حق میں مطلقاً قائل نہیں، کیونکہ موت کے متعارف معنی خود صاحب تسکین علماء کے حوالے سے لکھتے ہیں" علماء نے موت کا معنی کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے" (تسکین ص۱۸۲) اب حضرت نانوتوی سے پوچھیے، کیوں جی حضرت! آپ اس متعارف معنی سے موت کا انبیاء پر طاری ہونے کے قائل ہیں؟ آیا روح کا تعلق انبیاء کے جسم سے کسی وقت منقطع ہوا تھا؟ تو آپ حضرت جواب یہ دیتے ہیں کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں (آب حیات ص۳۶) ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔

سکتہ سے تشبیہ: اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کیجیے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور ہی قوت ہو جاتی ہے (جمال قاسمی ص۱۴) موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہے جیسا چراغ کے ظرف گلی میں مستور ہو جاتے اور گل ہو جانے میں فرق ہے (لطائف قاسمی ص۴) ما بین روح اطہر حضرت سرور عالم اور جسد مطہر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی حائل اور حاجب کی گنجائش نہیں، جو موت بمعنی انقطاع علاقہ حیات متصور ہو کیونکہ اس علاقہ کے انقطاع کی کوئی صورت نہیں۔ تعلق حیات و بدن نبوی قابل انفکاک نہیں۔ پھر موت جسمانی حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم، جو کسی طرح قابل انکار نہیں بجز اس کے متصور نہیں کہ حیات مذکور زیر پردہ موت مستور ہو جائے اور موت جسمانی حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مثل موت روحانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استتار حیات بہ ستور مستطیر سمجھی جائے۔ وعدہ الٰہی یہی ہے کہ علاقہ روح و جسد نبوی کبھی منقطع نہ ہو گا۔

علی العموم آیت واللذین یتوفون منکم تو بعد عدت درصورت زوال حیات انقطاع نکاح پر شاہد ہے اور آیت ولا تنکحوا ازواجہ حرمت نکاح ازواج مطہرات پر الی الابد دال ہے بغیر تطبیق کی بجز اس کے اور کیا صورت ہے کہ نکاح منقطع نہ ہوا ہو اور بقائے نکاح بے بقائے علاقہ روح وجسد متصور نہیں۔ مگر اجازت نکاح ازواج شہداء اور تقسیم اموال شہداء بقدر میراث جو احادیث صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے... انقطاع حیات پر دال ہے (آب حیات ص۱۲۶) سو جب روح کو شہداء کے اس جسم سے تعلق ہی نہ رہا تو یہ ازواج واموال روح کے حق میں بیکار محض ہو گئے اور دوسرے عالم کے اجسام سے اگر تعلق پیدا ہو گیا ہے تو وہ اس باب میں (یا باب منافع وغیرہ میں) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعہ انتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج واموال انکے انتفاع کا ذریعہ بن سکتے ہیں (آب حیات ص۱۳۰) بعدا سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال حسب فرمودۂ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچی اس حیات کو یا تو حیات ثانی کہا جا سکتا یا مثل حیات شہداء سمجھا جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں۔ اس کی غرض تو اس رد و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔

یعنی غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعت طعن میراث فدک تھی سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیات نبوی حیات دنیوی ہو اور پھر وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو، ورنہ حیات شہداء اور حیات ثانی مانع ترتب میراث نہیں، اور علی ہذا القیاس مانع اجازت نکاح ازواج نہیں چنانچہ ظاہر ہے (آب حیات ص۱۴۲) آپ کے تمام خصائص حرمت نکاح ازواج ہو یا اور کچھ ازواج مطہرات کا امہات ہونا ہو یا کچھ اور سب اسی بات پر متفرع ہیں کہ آپ کی حیات قابل زوال اور ممکن الانفکاک نہیں۔ (آب تسکین الصدور طبع اول میں یہ ابھی دیکھ لیں) سو اگر متقدمین نے حرمت نکاح ازواج

کیا صاحب تسکین اور حضرت نانوتویؒ کا عقیدہ ایک ہے

مختلف اقتباسات آپ کی کتب سے ناظرین دیکھ چکے ہیں مفصل بحث حضرتؒ کی کتب دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اب یہ سمجھا ہیں کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آیا اسی متعارف معنی کے رو سے موت نبی کے قائل ہیں یا موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا تو خاتم النبیین کی بھی تمادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

اب صاحب تسکین کا یہ رویہ اختیار کرنا کہ موت کے وہی متعارف معنی جو علماء نے کیے ہیں لکھ کر یہ کہہ دینا کہ حضرت نانوتویؒ بھی موت کے قائل ہیں سخت دھوکا ہے جس سے عوام یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ حضرت نانوتویؒ کا بھی عقیدہ ہے کہ جو صاحب تسکین کا۔

جیسے کوئی مسلمان خاتم النبیینؐ کے صحیح معنی بیان کرنے کے بعد کہہ دے کہ میرزائی بھی ختم نبوت کے قائل ہیں۔ مگر اس مسلمان کا یہ قول صریح اس کی دھوکہ دہی ہے کیا اس قول میں اور صاحب تسکین کے قول میں کوئی فرق ہے؟

اب میرے اس قول سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت نانوتویؒ کے حق میں گستاخی کر گیا ہے اور مرزا کا مال کے مساوی قرار دے گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ میرے ہاتھ اور زبان جل جائیں اگر ان کے حق میں گستاخی کروں۔ ہمیں قرائن قویہ سے یہ تحقیق ہے کہ آپ فنا فی الرسول تھے، حد عشق رسول میں انتہا کو پہنچ چکے تھے بخلاف مرزا کا مال کے کہ وہ کفر کی ندی میں غوطے کھاتا رہا اور اپنی خواہشات نفسانیہ سے بلند دعاوی فرعونیہ کرتا رہا۔ فافترقا!

گروہ **نمبر ۲** روح مبارک جسد اطہر سے پرواز کر گئی لیکن دفن ہو چکنے کے لیے پھر حضورؐ زندہ ہو گئے اور ان کے جسد اطہر کی طرف روح واپس کر دی گئی یعنی (البیہقی) ان النبیؐ عقب ما دفن ردّ اللہ علیہ روحه لاجل سلام

من سلم علیہ استمرت فی جسدہٖ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسے صاحب تسکین نے ص۱۶۳ میں تحریر فرمایا۔

گروہ نمبر۳: آپؐ کی وفات کے بعد آپ کی رُوح پرفتوح تو ملاءِ اعلیٰ علیین اور جنت میں ہے اور جسدِ اطہر قبرِ مبارک میں محفوظ ہے لیکن روحِ مبارک کا جسدِ اطہر سے ایسا تعلق و اتصال ہے کہ عندالقبر صلوٰۃ وسلام بنفسِ نفیس خود سُن لیتے ہیں یعنی تعلق اشرافی و اشراقی ہے (خلاصہ تسکین ص۱۳۵)

مگر اس کی دلیل نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے ہے نہ اجماع سے۔ ہاں کسی بزرگ کا قول ہے جو نقلاً چلا آرہا ہے۔ اب ناظرین خود سوچ سکتے ہیں کہ دلائل اربعہ سے باہر کسی بزرگ کا قول حجت ہے؟ خصوصاً اعتقادیات میں۔

نیز اس کی تخصیص بے وجہ ہے کہ قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں کیا اور باتیں نہیں سنتے؟ اگر نہیں سنتے تو استشفاع عندالقبر بے سود، اور اگر سنتے ہیں تو تخصیص بے سود۔ مگر جن کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ سب صلوٰۃ وسلام سننے کی قید لگاتے ہیں۔ آخر اس تقیید کی وجہ کیا ہے؟

نیز جو سننے کے قائل ہیں وہ دیکھنے اور باقی حواس کے منکر کیوں ہیں؟ جیسے فیض الباری ج۴ ص۹۰ و ۹۱ میں ہے لاخلاف فی نفی سائر الصفات غیر السماع کالایاب والذہاب والمعرفۃ ..... ونحوہا منفی عنہم رأساً۔ اب بتایئے باقی صفات کی نفی سے

سے شاید ان کی دلیل یہ حدیث ہو عن انس رضا ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہٖ اربعین صباحاً حتی ترد الیہ روحہ اس حدیث کی بابت محمد بن طاہر فتنی رحمہ اللہ تلمیذ ابن حجر رحمہ فرماتے ہیں فیہ الحسن بن یحیٰی منکر الحدیث جداً۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۸۶) یروی عن الثقات ما لا اصل لہ قلت روی لہ ابن ماجہ وقیل صدوق سیئ الحفظ (تذکرۃ الموضوعات ص۲۳۵) قال النسائی لیس بثقۃ وقال الدارقطنی متروک وقال عبد الغنی بن سعید لیس بشیئ وذکر ابن حبان حدیثہ عن یزید بن ابی مالک عن انس ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہٖ اربعین صباحاً الحدیث وقال ہذا باطل موضوع (تہذیب التہذیب ص۳۲۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم نہیں آتی؟

گروہ **نمبر ۴**: اجساد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دفن کے بعد قبروں سے نکال کر اعلیٰ علیین میں پہنچا دیے جاتے ہیں اب وہ وہیں اپنے ان عنصری ابدان کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ یہ تو الوسی کا مذہب ہے مگر صاحب تسکین نے اس مذہب کا نام ظاہر نہیں کیا اور اس مذہب کو چھپا ڈھکا ہی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس مذہب کے اظہار میں ان کا مطلب فوت ہوتا ہے یعنی قبر میں جب جسد ہی نہ رہے تو سماع صلوٰۃ و سلام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز جس اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

گروہ **نمبر ۵**: آپ کی حیات شہداء کی حیات کی طرح ہے بلکہ شہداء کی حیات سے کئی درجہ اعلیٰ اولیٰ ازکی الطیب اعظم اہم ادوم اتم اقوم افضل اکمل اجمل انقی اقویٰ اصفیٰ اسنیٰ انفع ارفع اوقع اشہیٰ احظیٰ حیات حقیقی اشرف۔ یہی مسلک ہے اہل حق کا کثرہم اللہ وفضلہم تفضیلا۔

صاحب تسکین کا کتمان حق

صاحب تسکین حوالوں کے ضمن میں اندر ہی اندر اس گروہ کا ذکر کر جاتے ہیں مگر جہاں کیفیت حیات کا اختلاف بتایا ہے وہاں صراحت اور وضاحت سے اس گروہ نمبر ۵ کا نام نہیں لیا کیونکہ اس مذہب کو دراصل واضح کرنا ہی نہیں چاہتے کیونکہ ان کے بھائی ناراض ہوتے ہیں۔ حوالجات شاید اس لیے لکھ دیئے تاکہ اہل حق کو کہہ سکیں کہ میں نے ان کتابوں کا مطالعہ کر رکھا ہے اور میں اس گروہ سے واقف ہوں مگر میرا اس گروہ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے۔

تفصیل مسلک اہل حق

علامہ بدر الدین محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱۳

ص ۲۱۱ میں مسلکِ اہلِ حق کی تفصیل یوں فرمائی کہ شہداء کی زندگی میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ ان عنصریہ اجساد کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے ارواح و نسمہ کو عالم برزخ میں نئے نورانی اجساد مرحمت کیے جاتے ہیں جو مشابہ ہیں اجسام عنصریہ کے، ان اجسام میں اڑنے کی بھی طاقت ہوتی ہے اور ان عنصری اجساد میں اڑنے کی طاقت نہیں وہ موہوبہ اجسام کے ذریعے جنت کی سیر کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اپنے دوستوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اس عالم برزخ کے آسمان زمین اور جنت میں جہاں جی چاہے جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی یاوری کرتے ہیں۔ انبیاء کی شان تو بہت رفیع ہے ان کے موہوبہ اجسام مجسم مشک و کافور بلکہ ان سے بھی زیادہ معطر و خوشبودار ہیں انہی موہوبہ اجسام نورانیہ کافوریہ کے ساتھ جنت کی سیر کرتے کھاتے پیتے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی کے مارے اس ذات کے مداح اور اس کے آگے سربسجود رہتے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ جنت کی نعمتیں اس ترابی معصوم منہ مبارک کے ذریعے کھاتے ہیں اور وہاں کی خوشبوئیں اسی خاکی معصوم ناک مبارک کے ذریعے سونگھتے ہیں اور وہاں کے پھلوں کو ان خاکی معصوم مبارک ہاتھوں سے پکڑتے ہیں اور وہاں کی سیر ان خاکی معصوم مبارک قدموں سے کرتے ہیں،

ورنہ تو قونوی کا مذہب اختیار کرنا پڑتا ہے کہ یہی جسم عنصری بعینہٖ جنت میں چلا جاتا ہے اور وہاں کا رزق کھاتا پیتا ہے اور وہاں کی سیر کرتا ہے، حالانکہ اس مذہب کی سب تردید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ مسلک قونوی کے مسلک سے بھی گرا ہوا ہے کیونکہ قونوی تو معصوم جسد عنصری کا جنت میں پہنچنے کا قائل ہے اور آج کے معاصرین آپ کے جسد مطہر معطر مقدس کو جنت سے محروم رکھتے ہیں اور اسی خاک مدینہ طیبہ میں آپ کے جسد اطہر کو مقید رکھتے ہیں۔

ف قالحیاۃ المذکورۃ فی الآیۃ مذکورۃ علی ما حصل بروح (تحریرات حدیث ص۳۰۹) بل احیاء ان اللہ تعالیٰ یعطی لارواحہم قوۃ الاجساد فیذہبون من الارض بالسماء والجنۃ حیث یشاءون وینفعون اولیاءہم (الاکلیل ص۴۷) یہ ارض و سماء و جنت سب برزخ میں ہیں نہ یہ دنیوی، خوب سمجھ لو (نیلوی)

اور حضرت نانوتویؒ کے مسلک کو بھی کسی نے نہیں اپنایا۔

اور امام بیہقیؒ کا مذہب بھی شاید کسی نے اختیار کیا ہو۔ ورنہ تو حسب فرمان علامہ ابن قیمؒ کے، سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ جسم انسانی جسم میں روح جاتے زمین کے اوپر رکھتے ہیں۔ دیکھو قصیدۂ نونیہ۔

ہاں رہا جسد اطہر کے ساتھ روح پُرفتوح کا تعلق۔ سو اس تعلق سے کونسا تعلق مراد ہے؟ اگر تعلق عشق و محبت والا اور معنوی اتصال ہے جیسے ملا علی قاری رحؒ نے مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۵ میں فرمایا لکل روح بجسدہا اتصال معنوی۔ اسی طرح ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا۔ اور خود صاحب تسکین نے طبع ۲ ص ۸۹ میں فرمایا روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں، اور ص ۱۴۰ میں ہے کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ نظر و عنایت کے اعتبار سے اپنے حال پر رہتا ہے اور ص ۱۴۴ میں کہا ایسا تعلق جیسا عاشق کا معشوق کے ساتھ یا مالک کا مملوک کے ساتھ یا صاحب خانہ کا اپنے گھر کے ساتھ، اور جیسے حضرت نانوتویؒ نے جمال قاسمی ص ۱۱ میں فرمایا۔ البتہ علاقہ محبت باقی تھا الخ

تو یہ سب کو مسلّم ہے نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے اور نہ ہی اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کوئی خصوصیت ہے کیونکہ اس قسم کا تعلق تو تمام اموات کے ارواح کو ان کے اجسادِ عنصریہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب رہا یہ امر کہ اس تعلق کی وجہ سے آپ زائر کو پہچانتے ہیں اور زائر کا سلام سنتے ہیں...... سو یہ امر محلِ تامل ہے کیونکہ اس دعوی کو تسلیم کرنے کے لیے دلیل اور برہان قاطع کی ضرورت ہے۔ لیکن مطالبۂ دلیل و برہان قاطع سے پہلے ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیویہ جسمانیہ عنصریہ مانتے ہیں کہ صرف سماعِ صلوٰۃ و سلام پر اس قدر زور دینے کا کیا مطلب؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ عنصریہ حقیقیہ جسمانیہ حقیقیہ دنیویہ کاملہ ثابت ہو چکی تو حسب قاعدہ "تثبت علیہا الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ" جو کہ حضرت نانوتویؒ کو بھی مسلّم ہے

آپ کی معصوم ذات کے لیے حیات حقیقیہ جسمانیہ دنیویہ عنصریہ حقیقیہ کاملہ کے تمام لوازمات کے ثبوت سے کیوں کتراتے ہیں۔ یا پھر یوں کہو کہ یہ قاعدہ ہمیں مسلم نہیں آپ کے ہاں اس قاعدہ کا مسلم نہ ہونا بھی ہمیں مسلم نہیں۔ کوئی چودہ صدیوں میں ہمیں ایسا عالم بتاؤ جس نے اس قاعدہ کو رد کیا ہو یا پھر حضرت نانوتوی کی بابت کذب یا افتراء کا حکم لگاؤ جنہوں نے اس قاعدہ کا مجمع علیہا ہونا تسلیم فرمایا ہے۔

اب اگر یہ قاعدہ مسلم ہے تو پھر جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حسیہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ کاملہ کے مدعی ہیں ان کا فرض تھا کہ انبیاء کو خصوصاً اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو قبر مبارک سے باہر بلا لیتے تاکہ لوگ بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو کر صحابیت کا درجہ حاصل کر لیتے اور مختلف فیہا مسائل کا تصفیہ حضورؐ سے کروا لیتے جیسے وفات سے پہلے اپنے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حل کروائے جاتے تھے۔ زائرین بھی حضرت سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کر لیتے اگر وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ الآیۃ حال حیات و بعد ممات ہر دو کو شامل ہو سکتا ہے جیسے صاحب تسکین کا عقیدہ ہے تو یہ آیت فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ہر دو حال حیات و بعد ممات کو کیوں شامل نہیں ہو سکتا۔ جیسے عموم جاؤک میں ہے ایسا ہی عموم رُدُّوْہُ میں بھی ہے پھر رُدُّوْہُ میں عموم کا مانع کونسی چیز آ گئی ہے اور جاؤک میں عموم کا مقتضی کونسی چیز ہے۔

نوٹ: ندائے حق طبع اول میں یہ لفظ لکھے گئے تھے "قبر مبارک سے نکال لیتے" لوگوں نے اودھم مچا دیا کہ نیلوی نے توہین کر دی حضرتؐ کی کہ حضرتؐ کو قبر سے نکالنے کا منصوبہ یہود نے بنایا تھا۔ لہٰذا نیلوی یہودی ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ آپؐ کے جسد اطہر کو قبر اطہر سے نکالنے کا نامبارک منصوبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی بنا پر تھا اسی لیے مذموم تھا۔ لیکن یہاں حصول فیض کے لیے ہے جیسے کہ ساتھ ہی یہ لفظ متصل ذکر ہیں "تاکہ لوگ بھی آپؐ کی زیارت سے مشرف ہو

صحابیت کا درجہ حاصل کر لینے "۔ اور ظاہر ہے کہ علت کے اختلاف سے معلول کا اختلاف ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی دونوں معنوں کے درمیان بُون بعید ہے۔

اگر نفس اخراج جسد نبیؑ توہین ہے تو یہ توہین حضرت موسیٰ پر بھی ہو گئے جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو قبر سے نکال کر کنعان میں جا دفن کیا تھا دیکھو روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶ قال الهیثمی مرفوعا ان موسیٰؑ نقل یوسف من قبرہ بمصر یعنی ہیثمی نے کہا نبی پاک نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کی قبر جو مصر میں تھی اس میں سے نکال کر کنعان کی طرف موسیٰ لے گئے۔ ابو یعلیٰ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

معترض کے اعتراض کی وہی مثال ہے جو بریلوی اپنے زعم کے مطابق حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر توہین نبیؐ کا الزام دھرتے ہیں کہ اسماعیل کہتا ہے کہ نماز میں گائے اور گدھے کا خیال آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن والعیاذ باللہ نبی پاکؐ کا خیال آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ محض الزام ہے شاہ صاحب پر کیونکہ شاہ صاحبؒ کا اس الزام سے دامن پاک ہے۔

اگر خواہ مخواہ بولنا ہی ہے تو یہ بتاؤ کہ جمال قاسمی ص۵ میں نبی پاکؐ کی قبوری زندگی کو سکتے کے مرض والے کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ توہین نہیں؟

نیز جمعیت العلماء اسلام کے ترجمان الاسلام میں حضرت عزیرؑ کے بارے لکھا: جسم بے روح ہونے وہیں پڑے رہے ان کی ہڈیوں کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے تھے۔ جسم کا بند بند ٹوٹ گیا تھا...... اس بے جان لاشے میں اپنی روح پھونک دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال مردہ رکھا۔ کیا حضرت عزیر پیغمبرؑ کے بارے میں یہ تعظیمی الفاظ ہیں؟ اسی طرح "خدام الدین" جو حضرت لاہوریؒ کا جاری کردہ ہے نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں جو لکھا۔ دریں اثنا جسم زخم آلودہ سے ایک کیڑا زمین پر گر گیا..... حضرت

ـــ بیان القرآن ص۳۹۳ میں ہے۔ زمانہ فرعون تک آپ (یوسفؑ) کی نعش یہاں ہی مدفون تھی" ظاہر ہے کہ نعش کے معنی جسد بے روح آتے ہیں۔

ایوبؑ کے زخموں کی عفونت ہوا میں مل کر نزدیکی گاؤں کی طرف گئی.... حضرت ایوبؑ نے لوگوں کو فرمایا مجھے اپنے گاؤں کے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو۔ سمجھا کہ معاذ اللہ گلا سڑا کتا پڑا ہوا ہے... کیا یہ تنقیصی الفاظ ہیں؟ وہ ناقابل جواب ہیں جنہوں نے خدام الدین جیسے اسلامی رسالہ میں یہ لکھا ہے۔

نیز یہ بتائیں کہ صحابہ کرام رض کا آپؐ کی قبر لحد بنانا پھر آپؐ کو لحد میں رکھنا پھر مٹی سے آپؐ کے جسد اطہر کو چھپا دینا تو یقیناً توہین نہیں لیکن آپؐ کے جسد اطہر سے مٹی ہٹانا کیونکر توہین ہے۔

ہاں تو ایک اور بات رہ گئی کہ آپ کا فتویٰ ہے کہ ہمارے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور مسئلہ ہے کہ نبیؐ کی توہین کرنے والا کافر ہے۔ کافر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہونے کا کیا مطلب؟ کافر کے پیچھے تو نماز ہوتی ہی نہیں۔ لیکن آپ جو ہمارے پیچھے نماز کو مکروہ تحریمی کہتے ہو تو معلوم ہوا کہ آپ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ نبیوں کی توہین کرنے والا فاسق، فاجر، مبتدع تو ہو سکتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ترجمان الاسلام میں اور خدام الدین میں کھل کر نبیوں کی توہین کی گئی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؐ کی حیات دنیویہ جسمانیہ عنصریہ حقیقیہ جسدیہ ہے اور عشق نبیؐ کا دم بھرتے ہیں اور کہتے ہیں "مکھڑا دکھا دے یا رسول اللہ" وہ تو دل میں یہی سوچتے ہوں گے کہ کاش صحابہؓ آپؐ کو دفن نہ کرتے۔ آپؐ کا جسد اطہر طیب ومعطر تو تھا ہی اور صحابہ کرام رض کو بھی علم تھا کہ آپؐ کے پاک جسم میں کسی طرح تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا اور تعفن کا بھی خطرہ نہیں اور حجرہ شریفہ میں معتکف ہیں اذان واقامت کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں چاہیے تھا کہ حجرہ شریفہ میں چارپائی پر تشریف رکھتے ہم مردہ دل آپؐ کے معصوم چہرہ کی زیارت کر کے زندہ دل ہو جایا کرتے اور یہ فیض تاقیامت رہتا۔

مع ہذا صحابہ کرام رض روتے رہے اور مرثیہ پڑھتے رہے حضور آپؐ کی سب سے

زیادہ پیاری اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا یوں یہ کہہ کر روتی تھیں۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا ...

حضرتؐ نے کسی ایک کو بھی تسلی نہ دی، یہ مانا کہ بطعمنی ربی ویسقینی کے مطابق دنیوی خوراک استعمال نہ فرماتے مگر باقی امور میں تو تمام حواس ظاہریہ و باطنیہ جو آپ کو حاصل ہیں تو بہرحال رہتیں اور عاشقوں خصوصاً خیر القرون صحابہ، تابعین و تبع تابعین کو محسوس ہوتیں اور وہ حضرتؐ کی مجلس شریف میں رہ کر اپنے مدارج و مقامات عالیہ میں اور کمالات حاصل کرتے اور لوگ دوسرے پیروں اور مشائخ و مرشدین کی بیعت کی بجائے حضرتؐ سے براہ راست بیعت ہو کر مقامات طے کرتے۔ جیسے صوفیاء کے طریقے ہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی طرح پہلی نظر ہی سے سب مقامات طے ہو جاتے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی سنیئے!

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحؒ نے صراطِ مستقیم ص ۵۱ میں لکھا: ہر چند اولیاء و مقبولان بارگاہ حق را موت جسد بے اذیت کہ بہ حبیب می رساند و ایشاں را آنچناں انعامات الٰہیہ و معارف ربانیہ عطا می شود کہ در ایں عالم احیاء و زندگان را کمتر نصیب می شود، بناءً علیہ آنہا را احیاء می تواں گفت لیکن بلا ریب بہ نسبت احکام ایں عالم مردگاں اند۔ قدرتے و قوتے کہ احیاء ایں عالم را حاصل است ایشاں را ہرگز نیست واگر فی الواقع ہمیں قسم قوت و قدرت متحقق مے بود و مجاورت مزارات مدعا حاصل می شد، تمام عالم قصد مدینہ منورہ می کرد، و سلسلہ تربیت و ارشاد لغو بے حاصل مے شد۔ پس واضح گردید کہ عادۃ اللہ در تربیت و ارشاد خلق بر ہمیں منوال جاری است کہ استفاضہ فیہ ہمہ از زندگانی شود، واگر احیانا کسے را ایں چنیں نسبتہ کہ کشود کار از فے منقول بود میسر نباید پس قصد مزارات از اماکن بعیدہ نہ کندو، بلکہ صالحیت قرآن و حدیث را لازم گیرد کہ مفتاح متعلقات است پیغمبر خدا فرمود ترکت فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی کتاب اللہ الخ

جواب دیگر علیٰ سبیل التسلیم

خلافِ قیاس کو اپنے مورد پر بند رکھنے کا حکم!

اگر کہو کہ ہم حضرت ؐ کی قوت سماع کے قائل محض حدیث کی رو سے ہوئے ہیں اگر سماع کے علاوہ دوسری قوتوں کا ثبوت بھی حدیثوں سے مل جائے تو ہمیں ان کے ماننے سے بھی کوئی عذر نہیں۔ تو ہم پوچھیں گے کہ سماع کی حدیث تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان بھی لیں تو اس حدیث میں صرف صلوٰۃ وسلام عندالقبر سننے کا ذکر ہے جو خلاف قیاس ہے اور قاعدہ ہے کہ جو حدیث صحیح خلاف قیاس وارد ہو اسے اپنے مورد پر بند رکھتے ہیں، تو اب اس قاعدہ کے مطابق صلوٰۃ وسلام کے سوا کسی اور بات کے سماع کا قائل نہ ہونا چاہیے اور سماع کو صرف صلوٰۃ وسلام پر بند رکھتے۔ دوسری چیزوں کے سماع کے قائل نہ ہوتے مگر اس قاعدہ کا پاس نہ رکھتے ہوئے ہر چیز کے سماع کے قائل ہوئے بلکہ سماع سے تجاوز کر کے دیکھنے پہچاننے اور بولنے کے بھی قائل ہو گئے اور عقیدہ بنا لیا کہ:

"چونکہ آنحضرت ؐ کی قبر مبارک کا علم تواتر سے ثابت ہے اس لیے آپ کی قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر یہ کہنا کہ حضرت! آپ میری مغفرت کی شفاعت کریں جائز اور درست ہے اور متعدد کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے (تسکین ص ۱۹۶)

تواتر کی دوسری دلیل بھی سنیے۔ فرماتے ہیں:

اطراف واکنافِ عالم کے لوگوں کو بھی آپ جانتے ہیں پھر عالمگیری کے حوالہ سے لکھا کہ .... "جس شخص نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہے آپ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس یوں کہے کہ یا رسول اللہ ؐ فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہو۔ آپ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس سفارش بنا تا ہے۔ سو آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں (تسکین ص ۱۹۹)

اسی پر بس نہیں بلکہ اور ترقی کر کے حضورؐ کو کہتے ہیں کہ تم اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو ہمارا صلوٰۃ وسلام کی خصوصیت اٹھتے اٹھتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی اڑ گئی اور ابوبکر صدیق رض و عمر فاروق رض کو بھی سلام سنا کر کہنے لگے کہ!

"ہم تم دونوں کے پاس آئے ہیں تمہیں بطور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لیے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا رب ہے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ کی ملت پر زندہ رکھے۔ اور اسی پر وفات دے الخ (تسکین منتہیٰ)

خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ سے درخواست کہ تم حضورؐ کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے یعنی واسطہ در واسطہ۔ بریلویوں سے ایک قدم آگے وہ تو کہتے ہیں اے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے دعا و التجا ہے اور یہ شیاستی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابوبکرؓ و عمرؓ کے آگے اور ان کی حضورؐ کے آگے اور پھر حضورؐ کی اللہ کے آگے۔

ناظرین اب انصاف سے بتائیں کہ مشرکین مکہ کو جو کوسا جاتا ہے ان کا کیا تصور تھا جو حضرت ابراہیم و اسماعیل و دیگر انبیاء و اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے ... وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ۔ فرق اگر ہے تو اسی قدر کہ وہ ابراہیم و اسماعیلؑ کو کہتے تھے یا ابراہیم اغثنی یا ابراهیم انسألك الشفاعة یا اسماعیل اغثنی اسألك الشفاعة واشفع لی ولغاوات وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ شیخ ابوالمعالی سلامی رح نے غایۃ الامانی ج اص ۳۵۳ میں لکھا ہے کہ نصاریٰ حضرت مریم کو پکار کر کہتے ہیں یا والدۃ الاله اشفعی لنا الی الاله! اے خداوند یسوع مسیح کی والدہ! خداوند خدا کے آگے ہماری سفارش کیجیو! آگے لکھا فهم طلبوا منها الشفاعة والجاه ليس الا وهذا امن كفرهم وشركهم یعنی نصاریٰ نے بھی والدہ عیسیٰ علیہما السلام سے سوائے شفاعت وجاہ کے اور کچھ نہیں کیا پھر بھی ان کا یہ کفر اور شرک ہے (یعنی هؤلاء شفعاؤنا عند الله میں داخل ہے یہ عقیدہ مشرکانہ ہے)

یہ بتائیں کہ وفات کے بعد جب حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کو شفیع بنانا منع ہے جب کہ عیسائی ہر سال ام عیسیٰؑ کی قبر پر میلہ لگاتے ہیں اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر صرف شفاعت اور رجاء کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ تو ہو گئے کافر اور مشرک، کیا نبی پاک اس حکم سے مستثنیٰ ہیں؟ کیا دلیل ہے کہ طلب شفاعت مریمؑ سے تو شرک ہو مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت شرک نہ ہو۔

زمانۂ حال کے بریلوی تو یہی کہتے ہیں بلکہ طلب شفاعت کے علاوہ بھی آپ سے امداد و استعانت امور دنیا میں مانگتے ہیں اور قول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ کا پیش کرتے ہیں، جواز استمداد از انبیاء علیہم السلام کے بارے۔

مگر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے شیخ کی ذات کو نہیں دیکھا اور نہ یہ کہا کہ وہ قرآن و حدیث کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں اس لیے اگرچہ یہ بات قرآن و سنت کے خلاف لگتی ہے مگر شیخ کے علم و تقویٰ و امانت و دیانت کو دیکھتے ہوئے ان کی یہ بات مان لیتا ہوں اور انبیاء سے استمداد کو جائز کہہ دوں بلکہ قرآن و سنت و علماء امت کے خلاف پا کر شیخ کے قول کی تردید فرما دی۔

یوں اگر علماء کے عندیوں کو دین سمجھ لیں تو بہت سا فتور پیدا ہو جائے گا۔

بہر حال آج کے بعض نام نہاد دیوبندی حضرات نے صلوٰۃ و سلام پر سماع کا حصر اڑا دیا اور پھر نبی کے سماع کے حصر کو بھی اڑا دیا۔ پھر فاعلی، مفعولی، ذاتی عرضی، الغرض تینوں حصر تم نے ختم کیے۔ اب جب دروازہ ختم حصر کا کھلا پایا تو اب بریلوی برادران نے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے لگے ہاتھوں عند القبر کا حصر بھی اڑا دیا اور کہنے لگے کہ حدیث میں قید "عند القبر" اتفاقی ہے اور جہاں آیا ہے کہ دور سے فرشتے پہنچا دیتے ہیں وہاں سماع کی نفی نہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ خود بنفس نفیس بھی ہر جگہ کی بات سن لیتے ہیں اور فرشتے بھی پہنچا دیتے ہیں اور جیسے اتنے پردوں میں گنبد خضراء کے پاس آنے والے کو دیکھ پہچان لیتے ہیں اور ان کی درخواستیں سن لیتے ہیں اسی طرح تمام دنیا آپ کے سامنے ایسی ہے جیسے ہتھیلی الی غیر ذالک من الخرافات والواہیات

تصدیق کے لیے مقیاس الحنفیۃ مصنفہ محمد عمر اچھروی دیکھ لیں۔

سو جیسے بریلویہ کی تعمیم بلا دلیل وخلاف قاعدہ ہے اسی طرح آپ کی تعمیم بھی بلا دلیل اور خلاف قاعدہ ہے۔ جیسے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی عبارات ہیں باغیانہ تدسیسات کر کے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور عوام کو اہل حق سے متنفر کرتے ہیں۔ حالانکہ شیخ جیسے محدث محقق ایسے غلط عقیدے سے مبرا ہوتے ہیں وہ قرآن وسنت کے خلاف بات نہیں کر سکتے۔ لیکن بریلویوں کو جب مطالعہ قرآن وسنت کی دعوت دی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں کیا شیخ رح قرآن وسنت نہ جانتے تھے؟ چونکہ انہوں نے شیخ رح کی کتب میں تدسیس کی ہے جو قرآن کے خلاف ہے اور قرآن کا مطالعہ کرنے والے پر وہ بات آشکارا ہو جاتی ہے اس لیے اپنی ناز یبا حرکت پر پردہ ڈالنے کے لیے شیخ جیسے علماء کی علمیت وامانت ودیانت کا رعب کھاتے ہیں ان کی دس شدہ کتابیں آگے آگے کرتے ہیں اور قرآن کے مطالعہ سے روکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن مشکل ہے ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا جو یہ علماء قرآن سمجھے ہیں یہی ٹھیک ہے اگرچہ تمہاری سمجھ میں قرآن کے خلاف ہے۔

بعینہٖ اسی طرح آج یہ نام نہاد دیوبندی ہیں جو قرآن کو چھوڑ کر کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جب قرآن کے مطالعہ کو کہیں تو وہی بریلویوں کا سا جواب دیتے ہیں۔ تشابہت قلوبہم۔

یہود ونصاریٰ بھی تورات وانجیل چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے تھے۔

حضرت مولانا حسین علیؒ نے اپنی خود نوشت تفسیر بے نظیر ص۴۸ میں لکھا ہے کہ ہر نبی ؑ کو خداوند کریم نے یہ فرمایا ہے کہ خاص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا ہے۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا کہ جن کو ان کا لکھا ہوا مل گیا ان کو شک پڑ گیا۔ لیکن علمائے ثقات نے بیان فرما دیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے ...... اب جو شخص خلاف قرآن کے لکھا ہوا دکھا دے اس کو کہو "یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے" اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں وہ مقبول الٰہی ہے (تو کہو کہ) اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کیا ہے۔ اگر آیت الٰہی کے مقابلہ میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو

تو کم از کم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنی علمائے کرام بیان کریں گے۔ اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے نہیں تو علمائے کرام کے بیان پر حوالہ کر دے۔

مولانا کے اعتراض کے جوابات

اور تدلیس فی الکتب کا اثبات

یاد رہے کہ اس عبارت سے غلط مطلب نکال کر عوام کو متنفر کرنے کی ناکام سعی کی گئی ہے کہ نیلوی نے تمام فقہاء علماء، صوفیاء، محدثین مفسرین کو خاکم بدہن باغی لعدیا خدا غارت کرے اس کو جو ایسا کہے۔۔۔۔ خیال ایسی پاکباز ہستیوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ نیلوی یہ نہیں کہتا کہ یہ نامور ہستیاں باغی ہیں۔ بلکہ نیلوی یہ کہتا ہے کہ باغی لوگوں نے اپنی شرارتوں سے نیک لوگوں کی کتابوں میں اضافے کیے اور کہیں عبارتیں کاٹ دیں۔ میرے پاس اس دعوی کے لیے شمار شواہد ہیں جن میں سے بعض علی سبیل الاختصار بیان کرتا ہوں۔

غنیۃ الطالبین میں دس

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں بیس ۲۰ تراویح پڑھنا مسنون ہے۔ پھر کراچی میں بعض غیر مقلدین نے اس کا ترجمہ کیا۔ جب تراویح کی جگہ یہ ترجمہ کرتے کرتے پہنچے تو انہوں نے عربی عبارت بدل ڈالی اور پھر اپنی طرف سے عربی عبارت بنا کر ساتھ ہی ترجمہ لکھ دیا کہ رمضان کی راتوں میں آٹھ رکعت تراویح پڑھنا سنت ہے۔

~~~~~~
~~~~~~

صاحب قاموس پر ردّ

النافع الکبیر ص ۱۶ میں مولانا عبدالحئیؒ نے فرمایا: ودسّوا علی شیخ الاسلام مجدالدین الفیروزآبادی کتاباً فی الرد علی ابی حنیفۃؒ وتکفیرہ ودفعوہ الی ابی بکر بن الخیاط الیمنی فارسل یلوم مجدالدین فکتب الیہ ان کان بلغک ہذا الکتاب فاحرقہ فانہ افتراء علی من الاعداء، وانا من اعظم المعتقدین فی ابی حنیفۃ رح وذکرت مناقبہ فی مجلد (الیواقیت والجواہر للامام الشعرانی رحمہ اللہ) یعنی حضرت مجدالدین فیروزآبادی شافعی رحؒ پر امام ابوحنیفہؒ کے رد اور ان کی تکفیر میں ایک کتاب لکھ کر نقوب دی اور ابن خیاط یمنی کو بھیج دی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر مجدالدینؒ کو ملامت کا خط بھیجا تو مجدالدین رحؒ نے خط کے جواب میں لکھا اگر یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے تو اسے فوراً جلادو کیونکہ یہ دشمنوں کا مجھ پر جھوٹا بہتان ہے۔ میں تو امام ابوحنیفہؒ کا بہت بڑا معتقد ہوں میں نے تو ان کے مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

شرح فقہ اکبر میں دسّ

اسی طرح شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۷۷ سطر ۳ میں وذلک حین اجتمعوا فی سقیفۃ الخ سے ص ۸۵ سطر ۳ وثبت عن علیؓ تک کی عبارت مطبع لکھنؤ سے مطبع مجتبائی دہلی طبع محرم سنہ ۱۳۴۸ھ میں جو کسی رافضی کا اضافہ ہے بڑھادی حالانکہ اتنی عبارت (۸ صفحات والی) مصر کے مطبع دارالکتب العربیۃ الکبری میں رمضان ۱۳۲۷ھ میں شرح فقہ اکبر میں موجود نہیں پھر جب دوبارہ مصریوں نے کتاب طبع کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے سامنے کہیں مطبع مجتبائی کی مطبوعہ کتاب بھی رکھی تھی جب انہوں نے اس کا مقابلہ اپنی قدیم مطبوعہ کتاب کے ساتھ کیا۔ قدیم نسخہ میں یہ عبارت نہ پائی اور مجتبائی طبع میں مل گئی تو اب اس جدید طبع میں درج کر دیا۔

میزان الاعتدال میں دسّ

نیز علامہ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۶۵ میں کسی متعصب نے یہ نمبر ۹۰۹۲ اضافہ کرکے اس کے تحت لکھ دیا النعمان بن ثابت (ت۔س) بن زوطی ابو حنیفۃ الکوفی امام اھل الرای۔ ضعفہ النسائی من جھۃ حفظہ وابن عدی وآخرون وترجم لہ الخطیب فی فصلین من تاریخہ واستوفی کلام الفریقین معدلیہ ومضعفیہ یعنی امام ابوحنیفہؒ امام اہل الرائے ہے، ان کے ضعف حافظہ کی وجہ سے نسائی نے انہیں ضعیف کہا اور ابن عدی اور دوسروں نے بھی، اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام ابوحنیفہؒ کو عدل کہنے والوں کا بھی ذکر کیا اور ضعیف کہنے والوں کا بھی۔

اور دلیل اس امر کی یہ عبارت کسی اور نے اس کتاب میں لکھ دی ہے یہ ہے کہ خود حضرت علامہ ذہبیؒ نے مقدمہ ص ۲ میں پہلے لکھ دیا ہے وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمۃ المتبوعین من الفروع احدا لجلالتھم فی الاسلام وعظمتھم فی النفوس مثل ابی حنیفۃؒ والشافعیؒ والبخاریؒ یعنی ابوحنیفہ وشافعی وبخاری جیسے متبوع فی الفروع اماموں کا تذکرہ اپنی اس کتاب میں نہیں کروں گا اس لیے کہ اسلام میں یہ ہستیاں جلیل القدر ہیں اور دلوں میں ہمارے ان کی عظمت ہے۔

مثنوی مولانا رومؒ میں دسّ

نیز سب کو علم ہے کہ حضرت جلال الدین رومیؒ اہل سنت وجماعت میں سے بڑے عالم فاضل اور اولیاء اللہ میں سے تھے، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کا وہی عقیدہ تھا جو اہل سنت والجماعت کا ہے، مگر کسی نے ان کی مثنوی میں یہ شعر بھی ٹھونس دیا۔

چوں صحابہ حبّ دنیا داشتند
مصطفیٰؐ را بے کفن بگذاشتند

پیر جیلانیؒ پر دوش

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ نے بلغۃ الحیران ص ۳۴۳ میں لکھوایا:
"کہتے ہیں کہ حضرت عبد القادر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مجھے پکارو یہ اس طرح نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اول تو ثبوت اس امر کا نہیں۔ بہجۃ الاسرار والے کے حق میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ مشائخ حدیث بہجۃ الاسرار والے کو معتبر نہیں سمجھتے مع ہذا اس نے جو سند لکھی ہے رُواۃ کا پتہ نہیں کہ وہ کیسے ہیں۔ اور اصل عبارت یوں لکھتے ہیں اذکرونی اس کا معنی یہ ہے کہ بتوسل میرے دُعا مانگو۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اور بلاغ المبین میں ہے کہ یہ اندراج بعض مجاوروں فاسدوں کا ہے نہ کہ پیر صاحبؒ کا فرمودہ ہے نہ بہجۃ الاسرار والے نے لکھا ہے۔

بعض عبارات و کتب کی غلط نسبت
ذمہ دار علماء و صوفیاء کرام کی طرف

الیانع الجنی بر حاشیہ کشف الاستار ص ۷۷ میں ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ایک کتاب ہے جس میں کئی کہتے ہیں اس میں دس کیا گیا ہے۔
نیز ص ۷۷ میں ہے کہ بعض کتابوں میں کچھ خدشات ہیں اور ان کتابوں کی نسبت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی طرف کی جاتی ہے حالانکہ ایسی باتیں ان کی شان سے بعید ہیں۔ حاشیہ میں ہے کہ مائۃ اور اربعین دونوں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں جن میں کئی باتیں غلط نقل ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے مجلس نشینوں میں کئی بُرے لوگ تھے وہ حضرت شاہ صاحب ان کے حق میں حُسن ظن رکھتے تھے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو جواب لکھنے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے تو وہ حاشیہ نشین اپنی آراء کے مطابق اس کے جواب کے مطابق کوئی بات ملا دیتے تھے۔
سر الشہادتین کسی غالی شیعہ نے لکھ کر اس کی نسبت حضرت شاہ عبد العزیز صاحب

محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف کر دی۔

قصیدۂ امام اعظم کسی مبتدع نے لکھا اور اس کی نسبت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کر دی اور اس بات کو خود حضرت محترم نے بریلویوں کے رد میں لکھا ہے۔

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ کی نسبت علی بن محمد بن محمد بن عبد الکریم المعروف بابن اثیر المورخ المشہور کی طرف غلط ہے (الفوائد البہیہ ص ۱۴۸)

کتاب اوراد جنیدی کی نسبت ملا علی قاریؒ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اس نام کی کوئی کتاب ان کی تصنیف نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۴)

تحفہ اثنا عشریہ دراصل ایک کابلی عالم کی ہے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف اس لیے نسبت کی گئی ہے کہ ترتیب انہوں نے دی ہے قاضی علامہ شمس الدین صاحبؒ و امام فیضۃ العلمی سابق مدرس دار العلوم دیوبند نے یہ بات بتائی، "ہفت مسئلہ" کی نسبت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی طرف غلط ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

فتاویٰ نقشبندیہ کی نسبت جناب خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی طرف غلط ہے دراصل یہ کتاب خواجہ معین الدین کشمیریؒ (متوفی ۱۰۸۵ھ) کی ہے (رسالۃ الحق اکوڑہ خٹک)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح تجرید کی نسبت میر سید سند کی طرف کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب ص ۱۷۸ میں لکھ دیا "شفاء السقام فی زیارۃ سید الانام" تاج الدین سبکیؒ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ دراصل یہ کتاب ان کے والد صاحب کی ہے۔ کذا فی الفوائد البہیہ ص ۱۹۶)

کتاب البرہان المؤید لصاحب السید احمد رفاعی کی نہیں ہے۔ کذا فی خاتمۃ الامانی ج ۲ ص ۲۷۴)

ترجمہ شیخ سعدیؒ کا نام مشہور ہے۔ دراصل یہ ترجمہ میر سید سندؒ کا ہے طالبین نے شیخ سعدی کی طرف غلط نسبت کر دی۔ کما حققہ صاحب تفسیر حقانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

منبہات اصل تصنیف ابن حجیہ کی ہے۔ ابن حجر تصحیف ہوئی پھر عسقلانی کا لفظ قیاساً ٹانک دیا۔ کذا افادنی القاضی المحترم مولٰنا شمس الدین دام فیضہ عن السید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالٰی۔

مسند الامام الاعظمؒ و مسند الامام الشافعیؒ ہر دو کتابوں کی ان دو مشہور اماموں کی طرف نسبت کرنا غلط ہے۔ دیکھو کتاب تعجیل المنفعہ از حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

شرنبلالی نے رسالہ "سعادۃ اہل الاسلام بالمصافحۃ عقیب الصلوٰۃ والسلام" میں کہا کہ کفایہ شرح ہدایہ تاج الشریعہ کی تصنیف ہے حالانکہ درحقیقت یہ تصنیف سعد خدبوشی خوارزمیؒ کے استاد سید جلال الدین کرلانی خوارزمیؒ کی ہے اور تاج الشریعہ کی تصنیف ... نہایۃ الکفایہ ہے کذا فی النافع الکبیر لمولٰنا عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ ص ۱۵ اور بعض نے کہا ہے کہ کفایہ کا مصنف علی بن عثمان رحمہ متوفی ۷۶۶ھ ہے اور یہ بھی غلط ہے۔

فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۷ میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ کتاب الحیل کی نسبت امام محمدؒ کی طرف غلط ہے۔

اسی طرح امام شافعیؒ کی طرف منتسب متاخرین نے ادھر اُدھر سے مستشرقین سے اکثر حیلے حاصل کر کے اپنے مذہب میں داخل کر دیئے۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۱۸ اور ۱۱۹ میں اور ج ۳ ص ۱۷۸ میں اسی طرح ہے۔ عبارت یہ ہے "اکثر الحیل التی ذکرھا المتاخرون المنتسبون الی مذھبہ رای مذھب الشافعی من تعرفانھم تلقوھا من المستشرقین وادخلوھا فی مذاھبہ"

آثار الصنادید در اصل مرزا سنگین بیگ شاہ جہان آبادی کی ہے جس نے بحکم سر جان چارلس مٹکاف کے لکھا۔ سر سید احمد خان کی طرف کل کتاب کی نسبت غلط ہے البتہ اخیر میں حضرات دہلی کے حالات" سرسید کی ذاتی تحقیق ہے (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۱۲)

"الاقتصاد فی الاعتقاد" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں۔

"دیوان علی" رافضی شعراء نے اپنی طرف سے لکھ کر حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دی۔

مصحف فاطمہؓ یعنی رافضیوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف خاص نسبت کردی ان کا علیحدہ کوئی مصحف نہیں ہے۔

فقہ اکبر کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف غلط ہے۔ در اصل یہ کتاب ان کے شاگرد ابوالمطیع البلخی کی تصنیف ہے۔ (دیکھو امام ذہبی کی معتدل العجائب ص ۲۳۰)

اسی طرح بعض مناجات کے اشعار حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں حالانکہ آپ نے نہ عہد جاہلیت میں شعر کہا اور نہ عہد اسلام میں۔ نہ بت پرستی کی نہ شراب پی نہ عہد جاہلیت میں بھی۔ تیز اس ص ۲۸۵ حاشیہ ۵ میں ہے:

قال السیوطیؒ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت عائشۃؓ و عنہما قال ابوبکرؓ شعر قط فی الجاهلیۃ ولا فی الاسلام ولقد ترکہ ھو وعثمان شرب الخمر فی الجاهلیۃ اخرجہ ابن عساکر بسند صحیح: حاشیہ مغنی اللبیب ص ۱۲۶ و ص ۲۰۸ میں ہے لم یقل ابوبکر ولا عمر ولا عثمان شعرًا ولم یشربوا خمرًا لا جاہلیۃ ولا اسلامًا

ایک لمبی تقطیع کی موضح القرآن تفسیر لکھی ہوئی ہے اور اس کی نسبت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے سو وہ نسبت غلط ہے وہ تصنیف حضرت شاہ صاحب کی نہیں۔

اور جو مختصر تفسیر قرآن اور حمائل کے حاشیہ پر لکھی ہے جس میں ہر حاشیہ کے اختتام پر رحمہ اللہ لکھا ہوتا ہے اور شروع میں موضح القرآن لکھا ہوتا ہے وہ حضرت شاہ صاحب کا ہے مگر اس میں بھی یار لوگوں کو اپنی آراء ٹھونسنے کا موقع مل گیا ہے جیسے سورۂ ص میں حضرت داؤدؑ اور اوریا کے واقعہ میں .... در اصل ترجمہ وہ ہے جو شروع شروع میں ۱۸۶۳ء میں کلکتہ کی پریس سے طبع ہوا تھا۔

اور ایک ترجمہ مع حاشیہ کے مزنگ چونگی لاہور کے قریب عبدالعزیز نے حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ کا نام کرکے چھاپا اور اس میں شرکیہ باتیں داخل کردیں۔

ایک مظاہر حق شرح اردو مشکوٰۃ شریف نواب قطب الدین دہلویؒ تلمیذ حضرت شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ نے لکھی تھی۔ اب لاہور والوں نے بھی شرح اردو مشکوٰۃ شریف

مظاہر حق بے نام ہی سے پیا یاں ہے مگر اس میں اپنی بدعات کی خوب تشہیر کی ہے۔

غنیۃ الطالبین کے متعلق حضرت مولانا صاحب بہاروی نے فرمایا کہ اس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف غلط ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی یہی لکھا ولا یغرنک وقوعہ فی غنیۃ الطالبین المنسوبۃ الی الغوث الاعظم عبد القادر الجیلانی قدس سرہ العزیز فالنسبۃ غیر صحیحۃ والاحادیث الموضوعۃ فیھا وافرۃ۔ نبراس ص ۵۷۴ نیز حاشیہ نمبر ۳ اسی صفحہ کا دیکھیں۔

اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف قصیدہ غوثیہ کے نام سے غلط منسوب ہے۔

سید مسلم نظام دہلویؒ نے انوار الفریدیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار ص ۱۸ و ۲۰ میں لکھا ہے کہ یہ ملفوظات عثمانی ہروقی (ان عثمان ہرونی) کے لکھے ہوئے نہیں ہیں اور ص ۲۰، انوار الفریدیہ میں ہے نظام الدین اولیاء ملکہ ہمارے شجرہ کے کسی خواجہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

بلاغ المبین ص ۴۵ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا۔ قبر پرستوں کی کتابیں بہت ہیں جس میں انہوں نے بزرگوں پر افترا کیا اور یہ چیز خود حضرت شیخ نصیر الدین کے قول سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اخبار الاخیار میں خیر المجالس سے نقل کیا ہے کہ ایک عزیز نے شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات میں لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے دو گائے ذبح کیں اس نے ایک خون کیا اور جس نے چار گائیں ذبح کیں اس نے دو خون کیے اور جس نے دس بکرے ذبح کیے اس نے ایک خون کیا۔۔۔۔ اوّلاً خواجہ نے فرمایا یہ لفظ ہارونی نہیں ہے ہروقی ہے ہروان اس دیہات کا نام ہے جہاں خواجہ رہتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ یہ ان کی باتیں نہیں۔ یہ باتیں مجھ تک بھی پہنچی ہیں اور اس میں بہت سی باتیں نقل کی ہیں جو ان کے شایاں نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ نے شیخ نظام الدین کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اس لیے کہ شیخ فریدالدین اور شیخ

قطب الدین اور خواجگان چشت میں سے کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔

تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۰۲ میں لکھا ہے **ایک شبہ:** بعض مبتدعین یہاں حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے "یعنی و باشد رسول شما بر شما گواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الخ" (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۴۳۶) یعنی اور ہو رسول تمہارا تم پر گواہ کیونکہ آپؐ نورِ نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ پر پہنچا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جوابِ شبہ: یہ عبارت حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے بلکہ مدرج ہے۔ بعد میں کسی نے بڑھائی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آگے چل کر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "شہادت دریں جا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادۂ حق بیروں نہ روند چنانچہ: واللّٰہ علیٰ کل شیئٍ شہید و در مقولہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ وکنتُ علیہم شہیداً ما دمتُ فیہم ..... شہید" (تفسیر عزیزی ص ۴۴۲) یعنی اس آیت میں شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں تا کہ وہ راہِ حق سے باہر نہ جا سکیں جیسا کہ واللّٰہ علیٰ کل شیئٍ شہید میں اور حضرت عیسیٰؑ کے قول کنتُ علیہم شہیداً میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران اور نگہبان کے ہیں۔ یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ پہلی عبارت حضرت شاہ صاحبؒ کی نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری عبارت میں انہوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

خود محترم بھی عبارات اکابر میں کمی بیشی کے عادی ہیں جیسے حضرت پیر طریقت کی بلغۃ الحیران ص ۳۴۷ کی عبارت اپنے مطلب کے مطابق لکھ دی اور اس کے بعد تردیدی عبارت منضم کر گئے اور وہ یہ ہے اور بلاغ المبین میں ہے کہ یہ اندراج

بعض محاوروں قاسدوں کا ہے نہ پیر صاحب کا فرمودہ ہے۔ بہجۃ الاسرار والے نے لکھا:
کتاب العاقبۃ کی نسبت امام عبد الحق اشبیلی کی طرف کی جاتی ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ان کی نہیں ہے۔

ردالمختار کتاب اللقطہ کے اخیر میں اب جدید نسخوں میں عبارت بڑھا دی گئی جو قدیم نسخوں میں نہ تھی۔

انوار الفرید ص ۳۹۸ میں ہے بابا فرید کی طرف اُردو اشعار غلط منسوب ہیں۔ انہیں تو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتا اور ص ۴۵ا میں ہے ان کی طرف مبالغہ آمیز عبارت منسوب ہے اور ص ۱۰ا میں ہے بابا فریدؒ کے حالات کی بابت جو کتابیں بازار میں مل رہی ہیں ان میں رطب ویابس ہر قسم کی روایات درج کی گئی ہیں۔ ص ۱۱ا میں ہے تاریخ گواہ ہے کہ بے دین حکمرانوں کے عہد میں درباری علماء کی ایک جماعت نے ان کے غلط اعمال پر شریعت کی مہر ثبت کر دی۔

اور اکثر ایسا بھی ہوجاتا تھا کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اسی کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور اسی حسن ظن پر آنے والے اپنی اپنی کتب میں درج کرتے چلے گئے حتیٰ کہ وہی غلط قول مشہور ہو گیا۔ جیسے غلط العوام ہو۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کثیرا ما یقلدون الساھون الساھین (فتح القدیر ص ۳۴۷)
بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی بات کو تقلیدی طور پر مانتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ابن نجیم فرماتے ہیں و قد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فی کتابہ فیاتی من بعدہ من المشایخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا ناقل مخطی (بحر الرائق ص ۱۸۵/۶)
اور کثرت سے یہ بات ہوتی رہتی ہے کہ ایک مؤلف اپنی کتاب میں غلطی سے کوئی بات لکھ جاتا ہے پھر اس کے بعد جو مشائخ آتے ہیں تو بغیر کسی تبدیلی کے اور تنبیہ کے بعینہٖ وہی عبارت نقل کرتے جاتے ہیں اس واسطے اس عبارت کے ناقل بہت ہو جاتے ہیں

مگر شروع میں اس عبارت کے ایک ناقل کی غلطی تھی جس کو کثیر ناقلین نے نقل کر دیا اور وہ غلط عبارت اکثر کتابوں میں درج ہو گئی۔

صاحب تسکین کا دعویٰ

کہ انبیاءؑ کی حیات دنیوی بھی ہے اور برزخی بھی

صاحب تسکین نے ص ۱۲۸ میں کہا ۱ انبیاء کو دنیوی و برزخی دونوں طرح کی زندگی حاصل ہے۔ برزخی اس حیثیت سے کہ وہ عالم برزخ میں ہے[ف] ادراک شعور اور علم وغیرہ میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے۔ اور صـ۱۲۸ میں کہا گو یہ حیات کامل ہے مگر تمام لوازمات دنیوی اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ اس میں دنیوی اور حسّی خوراک کی حاجت بھی ہے۔ پھر صـ۱۲۹ میں ہے یہ رزق دنیوی اور حسّی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے اور صـ۱۳۰ میں ہے حضرات انبیاء کرامؑ کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسّی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ

خلاصہ یہ نکلا کہ خورد و نوش کے اعتبار سے حیاتِ برزخی ہے کہ یہ رزق دنیوی اور حسّی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے مگر سمع و بصر کلام شعور ادراک کے اعتبار سے حیاتِ دنیوی ہے (صـ۱۵۱ میں ہے کھانے اور پینے وغیرہ تمام امور میں وہ حیاتِ دنیوی نہیں بلکہ علم و شعور اور ادراک و سماع میں وہ دنیوی ہے)

صاحب تسکین کے دعویٰ پر ہمارے چند اشکالات

اشکال نمبر ۱

اب یہ سوال تو علیحدہ ہے کہ اس طرح برزخی و دنیوی زندگی کی تعبیر سے انبیاء، شہداء

ف حالانکہ عالم برزخ بین بین ہے عالم شہادت اور عالم غیب کے ۱۲

اور دوسرے اموات کی حیات میں مابہ الامتیاز کیا چیز ہے جب کہ دوسرے اموات کے لیے بھی یہی سمع و بصر کلام شعور و ادراک بعینہٖ ثابت کی گئی ہیں۔ تو ان کی حیات تو برزخی کی برزخی ہی رہے مگر انبیاء و شہداء کے لیے بھی وہی سمع و بصر کلام شعور و ادراک کے اثبات کے لیے دنیوی حیات بن جائے۔

مولانا کی دورنگی چال

پھر ایک اور سوال بھی ہے کہ اس تقریر کے بعد صاحب تسکین فرماتے ہیں:

"بالفاظ دیگر" یعنی اسی پہلے مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہم عبارت لکھتے ہیں پھر خود ہی اندازہ لگایئے کہ پہلی عبارت کا مفہوم اور بالفاظ دیگر کے بعد آنے والی عبارت کا مفہوم ایک ہے جس کو دو عبارتوں کے ذریعے ادا کیا گیا؟

عبارت ذیل دیکھیے:-

"بالفاظ دیگر ان کے ارواح طیبہ کا تعلق ان کے ابدان دنیویہ سے ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح ادراک و شعور اور علم ان کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی تو اس کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اخروی ہے" (ص ۱۳۸، ۱۳۹)

اب سوچیے کہ پہلی عبارتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ سمع و ادراک کے اعتبار سے دنیوی ہے اور کھانے پینے وغیرہ کے اعتبار سے برزخی حیات ہوئی اور اب بالفاظ دیگر یہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کے حق میں چونکہ غیر محسوس ہے برزخی ہے اور خود ان کو چونکہ اپنی حیات محسوس ہوتی ہے اس لیے دنیوی ہے۔ بتائیے ان دونوں تعبیروں میں فرق ہے یا نہ؟ اب بتلایئے کہ کھانا پینا ان کا ہمیں تو محسوس نہیں ہوتا خود انبیاء و شہداء کو محسوس ہوتا ہے یا نہ؟ کہ ہم جنت کے میوے کھا رہے ہیں۔ پہلی تقریر کی

رُو سے حیات برزخی ہے دنیوی نہیں۔ دُنیوی تو صرف سمع و ادراک کے اعتبار سے ہے اور دوسری تقریر کی رو سے دنیوی ہوئی مگر اس طرح تو تمام اموات کے متعلق حیات دنیویہ کا قائل ہوتا ہوگا۔ کیونکہ ان کو دکھ سکھ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کو گرز لگتے محسوس ہو رہے ہیں گو ہمیں محسوس نہیں ہو رہے ان کے آگے جنت و دوزخ پیش کی جاتی ہے اور انہیں محسوس ہوتی ہے۔ ہم نہیں دیکھتے اگر ان کو محسوس ہونے کا نام دنیوی حیات ہے تو سب اموات کی دنیوی حیات مانو۔ اگر کہو انہیں محسوس نہیں ہوتا تو پھر عذاب ثواب قبر کا اگر صاف لفظوں میں انکار نہیں تو ہیرا پھیری سے عذاب و ثواب قبر کے انکار کا راستہ تلاش کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

نیز یہ جو فرمایا اگر کوئی شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے الخ ذرا یہ سمجھائیں وہ دیکھے گا کیسے؟ قبر اطہر سے مٹی ہٹا کر یا بغیر مٹی ہٹانے کے اگر مٹی ہٹا کر دیکھے گا تو توہین نہ ہوگی؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ نماز بھی اسی جسد عنصری سے پڑھتے ہیں تو قیام رکوع سجود و قعود میں یہی جسد عنصری متحرک بھی ہو اور ساکن بھی یہ اجتماع نقیضین کیسے؟

اشکال نمبر ۲

مہند کی عبارت بتاتی ہے کہ انبیاء و شہداء ہر دو کی حیات ایک جنس کی ہے یعنی دنیویہ، حالانکہ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ شہداء کی زندگی جسد عنصری کے ساتھ نہیں۔ جیسے حضرت نانوتویؒ وغیرہ علماء کی عبارات گزر چکی ہیں۔ اب فرمایئے کہ شہداء کی زندگی کو دنیوی برزخی کہیں گے یا صرف دنیوی کہیں گے اگر دنیوی برزخی کہیں تو حضرت نانوتویؒ کے قول کی کیا توجیہ ہے اگر صرف دنیوی یا صرف برزخی کہیں تو المہند کی عبارت کی کیا توجیہ ہے؟

اشکال نمبر ۳

دنیویہ و اخرویہ کا باہمی تقابل و تباین تو ظاہر ہے دنیویہ اور برزخیہ کی باہمی کونسی نسبت ہے (اگر "کما ھی لسائر المؤمنین" کو "برزخیہ" کی صفت مخصصہ بنائیں)

اور البدر کی عبارت فتثبت بھٰذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ سے معلوم ہوتا ہے
کہ دنیویہ و برزخیہ کی باہمی نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے جس کے تین مادے ہوتے
ہیں ایک اجتماعیہ دو افتراقیہ۔ جیسے اہل دنیا کی زندگی دنیوی ہے برزخی نہیں۔ اور
دوسرے اموات کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ انبیاء کی زندگی دنیوی بھی ہوئی اور
برزخی بھی تو اس سے عالم کی تقسیم کا مسلمہ انحصار باطل ہو جاتا ہے۔ عالم اجساد، عالم
ارواح، عالم مثال، عالم آخرت ایک پانچواں عالم منکشف ہوا۔ عالم اجساد مع البرزخ
جس کا آج سے پہلے ظہور نہیں تھا۔ علماء نجد کی عبارت ص ۱۴۴ میں آپ نے اپنی تائید
میں پیش کی ہے اس میں بھی دنیوی اور برزخی کا تباین واضح ہے رہبر تسکین کے ص ۱۴۵
میں مان رہے ہیں کہ علمائے نجد حیات برزخیہ کے قائل ہیں۔

یاد رہے! کہ صاحب تسکین اثبات حیات عنصریہ میں علمائے نجد کی عبارت
مثبت حیات برزخیہ بطور دلیل کے پیش فرما رہے ہیں۔ اب ناظرین خود ہی اندازہ لگائیں
کہ تقریب تام ہے؟ دلیل دعویٰ کے ساتھ منطبق ہے؟ تو ہم سے پوچھیے نہ صاحب
تسکین سے۔

اشکال نمبر ۴

آپ نے سبکی کی تقلید میں دنیوی و برزخی کی تشریح فرمائی ہے یہی تشریح کسی
اور نے بھی کی ہے یا صرف آپ کی اپنی خانہ زاد ہے۔ اگر کسی نے یہی تشریح کی ہے تو وہ
مجتہد ہے یا غیر مجتہد؟ اگر مجتہد ہے تو اس کی یہ تشریح کس کتاب میں ہے اگر غیر مجتہد ہے
تو اس کی تشریح غیر مقبول ہے۔ (لا عبرۃ لغیر الفقہاء یعنی المجتہدین ردالمحتار ص ۳۲ ج ۳)

اشکال نمبر ۵

سبکی کا قول ص ۱۳۰ میں نقل فرمایا کہ انبیاء کی حیات اس لیے اتم واعلیٰ واکمل ہے
کہ علی الدوام روح اور جسد دونوں کے لیے ہے انتہی..... معلوم ہوا کہ دوسروں کے لیے
علی الدوام روح وجسد دونوں کے لیے نہیں۔ اس کی کئی شقیں ہیں (۱) دوسروں کی حیات
صرف روح کی علی الدوام ہے (۲) دوسروں کی حیات صرف روح کی علی الانقطاع ہے۔

(۳) دوسروں کے صرف جسد کی حیات علی الدوام ہے (۴) دوسروں کے صرف جسد کی حیات علی الانقطاع ہے (۵) دوسروں کی حیات روح مع الجسد کی ہے علی الانقطاع ...
تیسری اور چوتھی صورت دنا قابل ہے۔ پہلی دوسری صورت بھی صاحب تسکین کو تسلیم نہیں، پس پانچویں صورت (حیات روح مع الجسد علی الانقطاع ہی متعین ہوئی اب سوال یہ ہے کہ جسد عنصری سے روح کا انقطاع کس وقت ہوتا ہے؟ اگر نکیرین کے سوال کے بعد علاقہ منقطع ہو تو تعذیب و تنعیم قبر کی نفی لازم آتی ہے اور یہ صاحب تسکین کو بھی مسلم نہیں کیونکہ ص۳۲ میں لکھتے ہیں کہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔ اگر یہ مقصود نہیں تو دوسرے اموات کے لیے جسد عنصری سے انقطاع روح کا کونسا وقت ہے؟ اگر انقطاع نہ مانو تو روح کا جسد عنصری سے دائمی اتصال ہوگا، ورنہ لازم ارتفاع النقیضین ہو رہا ہے) جب علی الدوام اتصال ثابت ہوا تو سبکی کی اثبات حیات انبیاء کی دلیل دعوے کے ساتھ منطبق نہ ہوئی، کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام، تقریب تام نہ ہوئی پھر شہداء کو انبیاء کے حکم میں بناؤ گے یا عام اموات کے، شاید بر خلاف حضرت نانوتوی کے یہ جواب ملے کہ انبیاء و شہداء ایک زمرے میں ہیں یعنی دونوں کی روح مع الجسد کے دائمی حیات ہے۔ تو حیات انبیاء کی دلیل پھر بھی دعوے کے ساتھ منطبق نہ ہوئی پھر سبکی اور اس کے اتباع پر لازم ہے کہ کوئی اور دلیل ایسی پیش کریں جس سے حیات انبیاء کی حیات شہداء سے امتیاز ہوجائے اور انبیاء کی حیات کی اکملیت افضلیت اتمیت ثابت ہوجائے۔

اشکال نمبر ۶

قول سبکی فان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا سے صاحب تسکین جسد خاکی عنصری سمجھے لیکن اس کے ساتھ ہی سبکی کے الفاظ ہیں وکل الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلہا صفات الاجسام ولا یلزم من کونہا حیاۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان معہا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف (ص۱۴۱) یہاں اجسام عنصریہ مراد ہیں یا نہ؟ اگر نہیں تو اجسام عنصریہ کی حیات ثابت کرنے کے لیے یہ عبارت پیش کرنا

غلط ہے اور سارا بنا بنایا کھیل ختم۔ اگر اجسام عنصریہ ہی مراد ہیں تو ابن قیم ابو یعلیٰ، ابن منیر سیوطی، غزالی، طبرانی، تونوی، ابن حجر، بیضاوی، آلوسی وغیرہم سب محدثین مفسرین صوفیا اور محققین علماء کے اس قول کا کیا جواب ہے کہ شب معراج میں بیت المقدس کے اندر انبیاء کے ارواح متشکل ہوکر آئے تھے ایسے نہیں ہوا کہ اپنی اپنی قبروں میں رکھے ہوئے اجساد مطہرہ قبریں شق کرکے باہر نکل آئے ہوں کیونکہ یوں کہنے سے یوم البعث سے پہلے ہی بعث کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ بعث کا روز ایک ہی ہے وھو یوم القیامۃ (ثم انکم بعد ذلک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون) قالوا ھذہ الرؤیۃ (رؤیۃ النبی فی المعراج) الانبیاء انما ھی لارواحھم دون اجسادھم و الاجساد فی الارض قطعًا انما تبعث یوم بعث الاجساد ولم تبعث قبل ذلک اذ لو بعث قبل ذالک لکانت قد انشقت عنھا الارض قبل یوم القیامۃ وکانت تذوق الموت عند نفخۃ الصور وھذہ موتۃ ثالثۃ وھو باطل قطعًا ولو کانت قد بعثت الاجساد من القبور لم یعدھم اللہ الیھا بل کانت فی الجنۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم الجنۃ علی الانبیاء حتی یدخلھا ھو وھو اول من یستفتح باب الجنۃ وھو اول من تنشق عنہ الارض علی الاطلاق ولم تنشق عن احد قبلہ ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم طری مطرا وقد سالہ الصحابۃ کیف تعرض صلاتنا علیک وقد ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی ضریحہ لما اجاب بھذا الجواب (کتاب الروح ص۶۲ لابن قیم) (خوف طوالت سے دوسری عبارات ترک کر دیں)

پس قول ابن قیم وغیرہ درست ہے مگر آپ کا جسد سے عنصری مراد لینا غلط ہے۔ وھو المطلوب۔

اشکال نمبر ۷

صاحب تسکین نے ص۱۰۱ میں لکھا ہے: "جس طرح انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں اپنے

تمام اعضائے مبارکہ میں حیات کے آثار معلوم ہوتے ہیں اسی طرح قبر میں جو حیات ان کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں ...
بخلاف عام مردوں کے کہ ان میں حیات کا اثر صرف اس جزو سے وابستہ ہوتا ہے جس سے فہم خطاب اور الم و راحت کا ادراک ہو سکے اور ص۱۰۵ میں لکھا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف و جوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پر اکٹھا کر دیا اور سا عضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی جس طرح کہ بعض اوقات سکتہ کے مرض میں ہوتی ہے[عه] اور ص۱۰۳ میں ہے پھر اگر حضرت مولانا نانوتویؒ کے ارشاد کے مطابق روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے تو اس سے کونسا اشکال لازم آتا ہے۔ ادھر عام برزخی حیات کے متعلق لکھتے ہیں اس میں روح کا اتصال ربط اور تعلق بدن عنصری کے ان اہم اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے جن سے فہم شعور اور ادراک ہو سکے اور قبر کی راحت و کلفت کا ادراک ہو سکے اور اس حیات میں بدن عنصری نہ تو دنیوی خوراک اور لباس وغیرہ کا محتاج ہے اور نہ ظاہری طور پہ حس و حرکت اور جنبش کرتا ہے جس کا احساس اور مشاہدہ کیا جا سکے (ص۵۳) پھر اس بدن عنصری کے اہم اجزاء کا بیان فرماتے ہیں جس سے فہم شعور اور ادراک ہو سکتا ہے۔ عذاب کا ادراک کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے۔ (ص۵۶)

اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت ﷺ کی ساری کی ساری حیات دل میں مرکوز ہو جائے اور باقی حواس معطل ہو جائیں یعنی اپنا اپنا کام چھوڑ دیں یعنی کان سننا چھوڑ دیں آنکھیں دیکھنا چھوڑ دیں زبان بولنا چھوڑ دے ناک سونگھنا چھوڑ دے۔ ہاتھ پکڑنا چھوڑ دیں، پاؤں چلنا چھوڑ دیں اور عام مردوں کی حیات برزخیہ بھی یہی ہو کہ روح کا ربط اتصال تعلق بدن عنصری کے اہم جزء دل کے ساتھ ہو جس سے فہم شعور ادراک کر سکے تو انبیاء اور عام مردوں کی حیات میں کونسا مابہ الامتیاز فرق رہ گیا۔ اگر کہو کہ دل میں حیات اس طرح مرکوز رہتی ہے کہ اس کا اثر تمام بدن پر ایسا پڑتا ہے کہ زندگی کے آثار

عه لا ینبغی لفظ لکن لانہ لاستدراک و ہو مقام الترقی

حضرت ؐ کو محسوس ہوتے ہیں تو یہ بات تو عام مردوں میں بھی ہے کیونکہ آپ ہی
فرماتے ہیں کہ زائر کے سلام وغیرہ کی آواز مردہ کو سنائی دیتی ہے۔ مردہ زائر کو دیکھتا
پہچانتا ہے اور جب اس کو گرز لگتے تو اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر، ادھر کی ادھر ہو جاتی
ہیں وہ اس قدر روتا چلاتا ہے کہ جن وانس کے سوا سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ گرز
لگ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے پھر فرشتے اس کو جوڑتے ہیں۔ سو اس طرح بھی بلا امتیاز
کوئی فرق نہیں ہوا۔

پھر کمال یہ کہ اسی عدم فرق کو دلیل الطالب ص۸۸۶ کے حوالے سے ص۹۸ میں
مان بھی لیا "تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر، علم شعور، ادراک
سننے، احساس کے ہمیشہ ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور
یکساں ہیں۔ اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔

اشکال نمبر ۸

تسکین ص ۳۶ میں ہے کہ قبر میں میت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔
اب ہمارا سوال یہ ہے کہ میت کو دفن کرنے سے پہلے روح میت ہے یا نہ؟
اگر روح میت ہے تو عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۱ میں جو نبی پاک ؐ سے حدیث بیان
ہے کہ میت پہچانتی ہے جو اسے اٹھاتا ہے، نہلاتا ہے اور قبر میں رکھتا ہے اس کے
کیا معنی؟ نیز مجاہد سے مروی ہے کہ جب میت مر جاتا ہے تو قبر میں پہنچنے تک وہ
سب کو نہلانے اور اٹھاتے وقت پہچانتا دیکھتا ہے اس کے کیا معنی؟
اور اگر روح میت نہیں جسد کے اندر ہے اور زندہ دیکھتا سنتا پہچانتا ہے
تو گویا زندہ روح مع الجسد کو دفن کرتے ہیں۔ پھر تسکین ص۳۶ کی مندرجہ بالا عبارت کے
بھی خلاف ہے کہ بعد دفن کے روح لوٹتا ہے۔

اشکال نمبر ۹

آپ حیات النبی ؐ بالجسد العنصری کے قائل ہیں اور موت طاری ہونے پر ایمان

لایا ضروری بھی کہیں اور یہ منافی بھی لازم سمجھیں کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتا پھر کہیں کچھ۔ علمائے اسلام موت کا معنی انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں۔ پھر کہیں لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی۔ ملکہ فرماتے ہیں دلائل صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے اور اس کے مستقر پر (جو علیین و سجین ہے) پہنچا دی جاتی ہے مگر یہ بھی صحیح براہین سے ثابت ہے کہ قبر میں میت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب دلائل صریحہ سے موت کے وقت روح کا نکالا جانا ثابت ہے تو حضرت نانوتوی کا قول دلائل صریحہ کے خلاف ہے یا نہ؟ اگر خلاف نہیں تو توجیہ کیا ہے؟ نیز جب روح میت کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو علیین و سجین مستقر کیسے کہلائے؟ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کے بعد حیات مرحمت ہوئی ہے تو ابوبکر صدیق کا طبت حیا و میتا قبل از دفن کہنا کس چیز کو خطاب تھا جب کہ آپ کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات یعنی روح مع الجسد پہ دلالت کرتی ہے اور ادھر آپ کے قول کے مطابق دفن سے پہلے حیات مرحمت نہیں ہوئی کیا جسد بے روح و بے حیات کو خطاب تھا یا روح بے جسد کو؟ اور پھر فداک ابی و امی جسد بے روح کو تفدیہ کیسے؟ جب آپ کے معتقد پروفیسر خالد محمود صاحب "مقام حیات" میں لکھ رہے ہیں حقیقۃ التفدیۃ بعد الموت لا تتصور (فتح الباری ص ۸۹/۴) نیز جب موت لازمی ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہوا اور موت سے روح کا جسم سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دلائل صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے تو انبیاء کی وراثت کیوں جاری نہیں ہوتی؟ حالانکہ حضرت نانوتوی فرماتے ہیں "اموال انبیاء کرام میں میراث کا جاری نہ ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کے ارواح کو خارج کر دیتے ہیں" (جمال قاسمی ص ۱) معلوم ہوا کہ جب روح خارج ہوگی تب وراثت قائم ہوگی لیکن

وراثت انبیاء تو قائم نہیں لیس انبیاء کی ارواح بھی اجساد عنصریہ سے خارج نہیں ہوئیں رفع تالی مستلزم رفع مقدم ہے اگر آپ خروج روح کے بھی قائل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وراثت انبیاء سے انکاری بھی ہیں۔ کیا منطق میں کوئی قاعدہ بھی ہے کہ وضع مقدم مستلزم ہو رفع تالی کا؟

اگر کہو کہ نفی وراثت انبیاء حدیث سے ثابت ہے نہ قیاس استثنائی سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب فرمان حضرت نانوتوی رح اس حدیث کی مدار اصلی بھی وہی حیات النبی ﷺ اور عدم خروج روح من الجسد العنصری ہی ہے۔ تو گویا حدیث میں وراثت انبیاء کی نفی کا مطلب ہی یہی ہے کہ انبیاء کی ارواح ان کے جسد عنصری سے خارج نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی بدستور علی الاتصال قائم رہتی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہماری نظروں سے آپ کی حیات مستور ہو گئی اس لیے موت سے تعبیر کرنا درست ہے۔ مگر صاحب تسکین تو بالکل حضرت نانوتویؒ کے خلاف پہلے جسد عنصری سے روح کے نکلنے کے قائل ہیں پھر بعد از دفن دوبارہ حیات مرحمت ہونے کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ دفن ہونے کے بعد پھر سے جو حیات مرحمت ہوئی ہے وہ حیات اولی نہیں بلکہ وہ حیات ثانیہ ہے جیسے حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیات ثانی ہے۔ چنانچہ ارواح شہداء کا ان اجسام سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہے (آب حیات ص۱۳) اور ظاہر ہے کہ حیات ثانیہ مانع میراث نہیں۔ مانع میراث اگر ہے تو وہی حیات اولی ہے جو بدستور علی الاتصال بغیر انقطاع علاقہ روح و جسد کے بحال خود رہے نواب صاحب تسکین یا تو صاف صاف حضرت نانوتویؒ کے متبع بن کر حیات اولی کے قائل ہو جائیں اور ایک آن کے لیے بھی روح اور جسد کا علاقہ منقطع نہ مانے اس طرح علاقہ دنیویہ تسلیم کر کے تمام لوازمات حیات اولی کے تسلیم کریں عدم جریان میراث حرمت ازواج مطہرات، حرمت اکل اجساد علی الارض وغیرہ الخ۔۔۔۔۔۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حیاتِ انبیاء اور حیاتِ شہداء میں بہت فرق ہے

اگر حیاتِ اولیٰ نہ مانتے تو حضرت نانوتویؒ کو اپنی تائید میں پیش نہ فرمائیں۔ کیونکہ حضرت نانوتوی کے نزدیک حیاتِ انبیاء و حیاتِ شہداء کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) ارواحِ انبیاء اجسادِ عنصریہ سے خارج نہیں ہوتے اور ارواحِ شہداء اجسادِ عنصریہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔

(۲) ارواحِ انبیاء کسی دوسرے جسد میں داخل نہیں ہوتے بدستور سابق پہلے جسم میں مستور ہیں اور ارواحِ شہداء ان اجسادِ عنصریہ کو چھوڑ کر دوسرے اجساد میں داخل ہو جاتے ہیں جو سبز پرندوں کی شکل میں ہیں

(۳) حیاتِ انبیاء حیاتِ اولیٰ ہے نہ حیاتِ ثانیہ اور حیاتِ شہداء حیاتِ ثانیہ ہے نہ حیاتِ اولیٰ۔

(۴) حیاتِ انبیاء حیاتِ دنیویہ ہے نہ برزخیہ اور حیاتِ شہداء حیاتِ برزخیہ نہ دنیویہ۔

(۵) حیاتِ انبیاء مانع جریانِ میراث، محرم نکاح ازواج مطہرات مع الغیر، محرم اکل اجساد علی الارض اور حیاتِ شہداء اس طرح کی نہیں۔

صاحبِ تسکین کے نزدیک بالکل معمولی سا فرق ہے

مگر صاحبِ تسکین کے نزدیک سوائے جریان و عدمِ جریانِ میراث و حلت و حرمتِ نکاح ازواج مطہرات مع الغیر کوئی وجہ فرق کی نہیں۔ ان کے نزدیک انبیاء ہوں یا شہداء، نیک و بد سب کی روحیں قفسِ عنصری سے نکل کر پرواز کر جاتی ہیں۔ پھر دفن کے بعد انبیاء و شہداء بلکہ نیک و بد سب کی روحیں واپس قفسِ عنصری میں بند کر دی جاتی ہیں۔ دونوں کی بلکہ نیک و بد سب کی حیاتِ ثانیہ ہے، دونوں کی

حیات دنیویہ بھی ہے برزخیہ بھی ہے۔ دونوں ملکہ سب زائر کو دیکھتے پہچانتے ہیں دونوں ہر ملکہ ہر مومن زائر کا سلام سن کر سلام زائر کا جواب دیتے ہیں دونوں ملکہ سب کی حیات ایسی ہے کہ دیکھنے والوں کو محسوس نہیں ہوتی مگر خود ان کو تمام اعضاء میں اپنی حیات کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

نیز یہ سوال ہے کہ جب روح نے واپس اسی جسم عنصری میں واپس آنا ہی ہے پھر نکالنے میں کیا حکمت ہے پھر علیین وسجین کے دفتر میں بغیر روح نکالے اور دفتر میں حاضر کرانے کے نام درج نہیں کیا جاسکتا۔ پھر دفن کے بعد روح واپس کیوں ہوتی ہے۔ اگر دس روز تک میت دفن نہ ہو دس دن تک نہ روح بدن عنصری میں واپس ہوگی اور نہ منکر نکیر آئیں گے۔ نکیرین اس میت کے دفن کے منتظر ہیں کہ کب دفن ہو اور اس سے سوال کریں۔ اور عذاب کے فرشتے گرز لیے کھڑے ہیں کہ کب دفن ہو اور کب ہم اپنی ڈیوٹی پہ لگیں۔ یہ نہیں کہ صاحب تسکین کا ہی یہ مسلک ہے بلکہ سب متعلق کتابوں والے یہی بات لکھ گئے ہیں۔

چنانچہ فتاوی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۶ میں ہے والسوال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر آخر یالم یدفن لم یسال۔

نامعلوم ان کی نظر میں قرآن کی کونسی آیت یا حضور کی کونسی حدیث تھی جس کے ماتحت یہ مسئلہ لکھا۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں محقق ہے۔

کہ مرنے کے بعد قبر ہی حساب کتاب ثواب وعذاب شروع ہو جاتا ہے اگر دفن کی شرط تھی تو نوح کی قوم اور فرعونیوں کو عذاب نہیں ہونا چاہیے اور ہندو اور سکھ قوم کو عذاب نہ ہونا چاہیے کیونکہ دفن نہیں کیے گئے اغرقوا فادخلوا نارا میں فاتعقیب بلا مہلت کے لیے ہے جب تسکین کو بھی مسلم ہے پھر معلوم نہیں کہ دفن کے متعلق میت کو کس خبر مشہور یا متواتر سے مستثنیٰ فرماتے ہیں۔ رہی خبر واحد سو اس کے ساتھ زیادتی کرنا مطلق کتاب اللہ پر ناجائز ہے اور نسخ بن جاتی ہے۔

جو بندے کا کام نہیں اور قطعی کو ظنیت کی طرف اتارنا خبرِ واحد یا اس سے منع ہے اور علامہ عینی رح نے عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ میں جو لکھا ہے وہ بالکل قرآن وسنت کے مطابق ہے فالکافر ومن شاء اللہ تعذیبہ من العصاۃ یعذب بعد موتہ ولو لم یدفن ..... قال الزمخشری یلحقہم فیہ العذاب فی البرزخ والقیامۃ یعنی کافر اور جس گنہگار کو اللہ عذاب دینا چاہے اس کے مرنے کے بعد ہی فوراً ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے اگرچہ دفن نہ ہو۔ زمخشری بھی عذاب برزخ کا قائل ہے۔

عارفوں کا قول "العارفون لایموتون" صحیح ہے؟

فائدہ عجیبہ

الجواہر والیواقیت ج ۲ ص میں حضرت عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ شعرانی رح کی طرف منسوب عبارت پیش کرتے رہتے ہیں کہ اس میں عارفوں کا مقولہ منقول ہے۔

العارفون لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار عارف باللہ مرا نہیں کرتے بلکہ وہ تو ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر چلے جاتے ہیں۔

اس کلام میں دو جملے ہیں۔ دوسرا جملہ بلاشک صحیح ہے مگر عارفین باللہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر نیک و بد کو شامل ہے کیونکہ ہر شخص دارِ دنیا سے منتقل ہو کر دارِ برزخ میں جا بستا ہے۔ نیک روح علیین میں اور بد روح سجین میں اور اسی بات کو مقدمہ میں خوب بسط سے بیان کیا جا چکا ہے۔

رہا پہلا جملہ یعنی العارفون لا یموتون سو جب تک اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے تب تک یہ ظاہر عبارت نصِ قرآنی کے خلاف بھی ہے کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کل نفس ذائقۃ الموت نیز فرمایا ہے وھو الذی احیاکم ثم یمیتکم یہ تو عام ہے سب کو عارف ہوں یا غیر عارف پھر فاماتہ اللہ مائۃ عام حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے، اذ حضر یعقوب الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے، فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے حتی اذا ھلک حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے انک میت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ...

بارے صراحتاً موت کا اطلاق ہوا جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ سب نبیوں کے بارے ہے اور نبیوں سے بڑھ کر کوئی عارف باللہ ہو ہی نہیں سکتا جب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے موت اور میت کا اطلاق نص قرآنی میں ہے تو دوسرا اور کون عارف باللہ ایسا ہے جو موت سے بری ہو اور زندہ جاوید ہو۔

نیز یہ جملہ احادیث صحیحہ متواترہ کے بھی خلاف ہے۔ نیز اجماع امت کے بھی خلاف ہے نیز مشاہدہ کے بھی خلاف ہے کہ سب اولیاء اللہ عارف باللہ جو بھی جو دنیا میں تشریف لائے اپنی اپنی ڈیوٹی پر رہ کر زندگی پوری کی اور اس جہان سے جب رخصت ہوئے تو ان کی روح ان کے جسموں سے نکل پاس والوں نے دیکھا کہ اب روح نکل چکی ہے پھر وہ اس عارف باللہ کو نہلانے کفنانے کا انتظام کرتے ہیں پھر ان پر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں جس میں وہی دعا پڑھتے ہیں جو عام اموات پر پڑھتے ہیں مثلاً اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا الخ پھر کس طرح کہا جاتا ہے عارف باللہ مرا ہی نہیں کرتے۔

لیکن بعض علماء نے جب دیکھا کہ یہ قول قرآن پاک کی صریح آیات کے بھی خلاف ہے تو چونکہ یہ مقولہ کسی ولی اللہ کے منہ سے نکلا تھا اس لیے ادباً اس مقولہ کو صراحتاً تردید سے بچاتے ہوئے راہ تاویل اختیار کی تاکہ دلائل بھی اپنی جگہ صحیح اور مستقر رہیں اور تاویل کے ذریعے بزرگ کو بچایا جائے تاکہ اس پہ یہ زد نہ پڑے کہ فلاں بزرگ کی بات قرآن وسنت اور اجماع ومشاہدہ کے خلاف ہے۔

اور وہ تاویل یہ ہے: من مات الموت المعنوی بمخالفۃ نفسہ حتی لم یبق لہ مع اللہ تعالیٰ اختیار ولا ارادۃ لا یعظم تألمہ عند طلوع روحہ لانہ عجل یموت نفسہ حین قتلھا بسیف المجاھدۃ واما من وافق نفسہ فی ھواھا وشھواتھا فیشتد علیہ الالم عند الموت لاجتماع ذلک الألام التی فاتتہ حین لم یجاھد

یعنی عارف باللہ کے اس قول " العارفون لا یموتون " کی تاویل یہ ہے کہ جو عارف اپنے نفس کی مخالفت کر کے معنوی موت مرتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے

آگے اس کا بالکل اختیار اور ارادہ نہیں رہتا تو ایسے عارف باللہ کی جب روح نکلتی ہے تو اسے دکھ درد کچھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اس نے تو اپنے نفس کو پہلے سے ہی مجاہدہ کی تلوار کے ساتھ مار رکھا ہے لیکن جو شخص اپنی خواہشات نفسانیہ کے موافق چلتا ہے تو وہ جب مرنے لگتا ہے تو اس نے چونکہ زندگی میں محنت مشقت اور مجاہدہ نہیں کیا اب موت کے وقت وہ تمام دکھ درد جمع ہو جاتے ہیں جنہیں سہہ نہیں سکتا تو بڑی مشکل سے مر مر کے گویا اس کی روح نکلتی ہے۔

حیاتِ شہداء اور قرآنِ حکیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں (پارہ نمبر ۴ رکوع ۸) میں فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ یعنی اے مخاطب! اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ ان کو مردہ خیال نہ کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس پر خوش ہیں۔

شہداء کے بارے منافقین کا غلط نظریہ

مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لیے منافق لوگ ایک شبہ پیش کرتے تھے اور وہ یہ شبہ تھا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہو گئے یہ کہا کرتے تھے کہ آہا وہ بیچارے مارے گئے دنیا کی عیش و عشرت سے محروم ہو گئے اور ان کی کئی امنگیں اور مرادیں دل ہی دل میں رہ گئیں ہیں، بال بچے بیوی وغیرہ سے جدا ہو گئے وہ مقتول یا رول کا ساتھ چھوٹ گیا انھوں نے ہمارا کہا نہ مانا۔ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے۔

چونکہ حیاتِ دنیوی ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی امر ہے پھر جب

اس کو اس شبہ سے فوت ہو گئی تو اس غلط نظریہ کا جواب خود اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں صراحتاً ارشاد فرمایا تاکہ معترض کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے۔

بل احیاءٌ: تو مقتول فی سبیل اللہ کی زندگی قرآن پاک اور حدیث نبوی میں مصرح ہے۔ جو شخص قرآن کریم کو خدا کا کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کا رسول برحق جانتا ہے وہ اس میں تردد نہیں کر سکتا۔

ہاں اس کی کیفیت کے سمجھنے میں دو مسلک ہو سکتے ہیں ایک تفویض کا دوسرا تاویل کا۔ تفویض یہ کہ جو کچھ خدا اور اس کے رسول برحق نے فرمایا ہے اس پر صدق دل سے ایمان رکھیں اور اس کے خلاف لب کشائی نہ کریں اور اس کی حقیقت اور کیفیت و نوعیت کا علم سپرد خدا کریں، اور تاویل یہ کہ اس سے مجازی معنی مراد لیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے ان کو مردہ کہنے سے منع جو کیا تو صرف اعزاز و اکرام کے لیے کیا اور تاکہ دوسرے لوگوں اور ان کے پسماندگان پر برا اثر نہ پڑے اور نہایت خوشی اور شوق سے جہاد کا سلسلہ قائم رہے۔

اور یہ مسلک تاویل اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں بلکہ یہ مسلک تاویل اسلام میں ایک بدعی **فرقہ معتزلہ** کا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحق حقانی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر حقانی میں پارہ نمبر ۲ ص ۱۰۸ میں کہا:

فوائد (۱) ان شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کیے جائیں گے کیونکہ منافق بعث و حشر کے قائل نہ تھے سو وہ اس موت کو رائیگان سمجھتے تھے اس لیے خدا نے ان کے قول کو رد کر دیا **لیکن** اس جگہ تاویل جائز نہیں سب سے پہلے اس وجہ سے کہ علم معانی کی رو سے بل احیاءٌ قصر قلب ہے جس میں متکلم پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی مراد کی تصریح کرے۔ اگر ناموری اور نیک نامی کا دوام مراد ہوتا تو اس کی تصریح ضروری تھی لیکن خدا تعالےٰ نے اسے ترک کر کے صرف احیاءٌ فرمایا جو اموات کی ضد ہے پس معلوم ہوا کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک لفظ احیاءٌ حقیقی معنی میں ہے نہ کہ مجازی

معنی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ ائمہ فن نے تاویل کے محل اور قواعد پوری وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہے۔ جن کا خلاصہ ان تین امور میں آجاتا ہے (۱) اول حقیقت محال بالذات ہو (۲) قرینہ صارفہ موجود ہو (۳) تیسرے سلسلہ کلام اس کی شہادت دیتا ہو جس سے متکلم کا منشا معلوم ہو سکتا ہو لیکن اگر حقیقت مجہول الکیف ہو اور اس کا علم انسانی شعور اور عقل و ادراک سے بالاتر ہو تو اس جگہ بالاتفاق تاویل جائز نہیں کیونکہ محال اور مجہول الکیف میں فرق ہے۔

اس کی مختصر تفصیل یوں ہے کہ ہم کسی ایسی شئے کو جو عقل اور مشاہدے کے خلاف ہو تو اس کو دلائل اور براہین سے محال تو قرار دے سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ایسی شئے ہو کہ ہم اس کی حقیقت و کیفیت سمجھ ہی نہیں سکتے تو یہ دونوں باتیں ایک نہیں ہیں پہلی بات یعنی کسی شئے کو دلائل و براہین سے محال قرار دینا مقتضائے علم سے ہے لیکن دوسری بات یعنی حقیقت و کیفیت کو نہ سمجھنا عدم علم کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم کی وجہ سے کسی شئی پر انکار کا حکم نہیں لگا سکتے خدائے تعالیٰ قرآن مجید کے منکروں کے حال میں فرماتا ہے بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه یعنی انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلا دیا کہ انہوں نے اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا۔ (سورہ یونس)

اسی طرح قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ان سے زجراً سوال کرے گا اَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا (سورۂ نمل پارہ ۲۰ رکوع ۲) یعنی کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالانکہ تم نے ان کے علم کا احاطہ نہیں کیا تھا۔

پس جب خدائے تعالیٰ نے ولکن لا تشعرون سے فرما دیا کہ تم اس نوع حیات کو نہیں سمجھ سکتے تو شہداء کی زندگی مجہول الکیف ہوئی نہ کہ ممتنع بالذات، اور کارخانۂ قدرت میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں کہ ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے لیکن ان کی حقیقت و کیفیت ہمارے علم سے بالاتر ہے۔

مثلاً روح کہ اس کی وجود و بقاء اور بدن سے اس کے تعلق کی کیفیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی حقیقت اور بدن سے اس کے تعلق کی کیفیت بالاتر

قدرت ہے جو علم انسانی سے بالاتر ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ہمارے حبیب پاک ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۱۰) یعنی لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں آپ فرمائیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم لوگوں کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ پس تم اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

تیسری وجہ اس جگہ تاویل نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ عالم برزخ کی روحانی زندگی اور دنیا میں نیک نامی اور ذکر خیر کے دوام میں مقتولین فی سبیل اللہ کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام جو ان سے بلند مرتبہ ہیں بلکہ ائمہ عظام اور صالحین کرام بھی شریک ہیں لیکن باوجود اس کے ان کے ذکر میں قرآن وحدیث میں موت کا لفظ متعدد مقامات پر صریحاً وارد ہے اور ان کے حق میں اموات کہنے کی ممانعت مذکور نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کی برزخی زندگی ایک دیگر نوع کی ہے جو انہیں سے مخصوص ہے اور اس کی وجہ سے ان کو "اموات" کہنا منع ہے۔

چوتھی وجہ تاویل جائز نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ موت جس کی حقیقت روح اور جسم کی مفارقت ہے اس سے جسمانی تمتعات یک قلم چھوٹ جاتے ہیں لیکن شہداء فی سبیل اللہ کی حالت اس میں دگرگوں ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ الآیہ (آل عمران پارہ رکوع ۴) بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کی وجہ سے جو خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں خوش ہوتے ہیں۔ نیز صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ آل عمران کی اس مذکورہ بالا آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کے متعلق سوال کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل یعنی ان کی روحیں سبز جانوروں کے پیٹوں

میں رہتی ہیں جو ان قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتے رہتے ہیں پھر ان قنادیل میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶)

یہ وہ امتیازی انعام ہے جو صرف مقتولین فی سبیل اللہ سے مخصوص ہے۔ دیگر کسی کے حق میں وارد نہیں ہوا پس جس معنی میں دوسرے صالحین کو میت کہا جاتا ہے کہ وہ تمتعات جسمانیہ چھوڑ چکے ہیں جب وہ معنیٰ شہداء میں نہ پائے گئے بلکہ جو کھانا پینا ان کو اس دارِ دنیا میں جسم اور روح کے تعلق کے وقت حاصل تھا وہ ان کو عالم برزخ میں بھی اعلیٰ حیثیت میں میسر ہے اور وہ ان سے خوش و خرم ہو کر حسب مرضی متمتع ہوتے رہتے ہیں تو ان کو مردہ کہنے سے منع کر دیا اور اس کی تاویل "دوام ذکر خیر" سے کرنی جائز نہ ہوئی۔

دفع وہم تناسخ: شاید کسی کو خیال گزرے کہ جب شہداء کے ارواح دوسرے جانوروں کے بدنوں میں چلے گئے تو اس میں اور ہندوؤں کے تناسخ میں کیا فرق رہا تو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ

تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح اس دار العمل میں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جا داخل ہو اور اس میں زندگی کے آثار و تصرفات پیدا کرے اور پھر اس بدن کو چھوڑ کر تیسرے میں جائے۔ وہلم جرّاً۔ لیکن شہداء کے ارواح جو حواصل طیور میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتے ہیں تو اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ وہ بہشتی طیور یا ارواح خود آگے ہی زندہ ہیں اور شہداء کے ارواح کا سریان ان کے ابدان میں بمعنی زندگی بخشنے کے نہیں بلکہ ان کے حواصل (پوٹیں) ان کے لیے ظروف ہیں جس طرح کہ قنادیل عرش ان کے لیے ظروف ہیں اور وہ قیامت کے دن انہی بدنوں سے کھڑے کیے جائیں گے جن کو وہ دنیا میں چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے چنانچہ یہ بات تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ طیبہ میں بالتصریح موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حتی یرجعه الله الی جسده یوم یبعثه (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶) یعنی وہ شہید انہی حالات میں رہے گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے اصلی بدن میں

واپس لا کھڑا کرے گا۔ یہی جواب امام نوویؒ نے قونوی عیاضؒ سے تناسخ کے جواب میں نقل کیا ہے۔

نوٹ: نیلوی کہتا ہے کہ علمائے کرام کا اس مقام پر تناسخ کا وہم پیدا کر کے اس کا جواب دینا صریح دلیل ہے اس امر کی کہ ان کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے کہ یہ روح واپس اسی بدن عنصری میں آجاتی ہے خوب سمجھ لیجیے!

(۱) مولوی عبدالحق حقانی رح

مولوی عبدالحق حقانی رح نے فرقہ معتزلہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"اہل سنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو احیاء۔۔ (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرمارہے ہیں۔

(۲) فرقہ معتزلہ کی ایک اور توجیہ

معتزلہ بھی بالذین لم یلحقوا بہم سے یہ مراد لیتے کہ شہید تو جنت میں پہلے جاویں گے مگر جو لوگ ہنوز جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے ان کی طرف سے انہیں فکر ہوگی سو اس لیے ان کو بشارت دی جائے گی کہ وہ بھی تمہارے پاس آتے ہیں۔

اس توجیہ کی تردید

یہ توجیہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد ہے، وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں، صحاح و دیگر کتب حدیث ان سے مالا مال ہیں۔

(۳) فرقہ معتزلہ کی ایک اور توجیہ

بعض متقدمین نے اس سے مجازی معنی مراد لیے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ قوم اور ملت پر قربان ہوتے ہیں۔

اس توجیہ کی تردید

مگر یہ بھی لغو۔ کیونکہ سیاق اور سباق کلام اور احادیث اور اجماع امت

کے برخلاف اور تاویل باطل ہے۔ پیر جو ان کو بالفعل زندہ مانتے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسی جسم میں حیات دی جاتی ہے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ شہیدوں کی روحانیت اور لقاء باللہ کا اثر بعض اوقات ان کے اجسام تک بھی پہنچتا ہے اس لیے سینکڑوں برسوں کے بعد جو کبھی شہیدوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں تو ان کا جسم بھی ترو تازہ پایا گیا ہے۔

چنانچہ امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ احد پہاڑ کے نیچے جو برساتی نالہ بہتا ہے۔ ایک بار جو اس نے زور دیا تو جنگ احد کے بعض بعض شہیدوں کی لاشیں نکلیں جس سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہدِ سلطنت میں ہوا ہے۔ اور یہی سِر ہے کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی لاشوں میں بھی وہ اثر ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو پھول کا اثر مٹی میں ہو جاتا ہے رُوح تو بڑی چیز ہے۔

ہم اہل السنت والجماعت کا مسلکِ حق

جمہور اہل السنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیات روحانی نصیب ہوتی ہے یوں تو ہر شخص کا فرد مومن کی روح نہیں مرتی کس لیے کہ اصل انسان روح کا نام ہے کہ جو ایک جوہر لطیف ہے اور جس کا علاقہ جسم سے وہ ہے جو آگ کا لکڑی دہکتی سے یا خوشبو کا پھول سے یا علاقہ تدبیر و تصرف اور مرکب و راکب کا ہے۔

جس کو موت کہتے ہیں اس سے وہ علاقہ جسمی منقطع ہو جاتا ہے اور روح تمام و سالم دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہاں جو کافر و منافق یا گنہگار ہیں وہاں ان کی روح اپنے اعمال کے اس رنگ سے جو دنیا میں اس پر چڑھا تھا، عذاب پاتی ہے۔ جہنم کی دہکتی آگ میں جلتی ہے اور جو ابرار اور نفوس قدسیہ ہیں وہ انوار الٰہیہ اور عالم نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور مشاہدہ جمال سے لذت اٹھایا کرتے ہیں اور ان کی روح اپنے جسم لطیف کے ساتھ جنت اور عالم قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے چنانچہ ...... وہ جو احادیث میں آیا ہے

کہ شہیدوں کی روح سبز پرندوں کے قالب میں آشیانۂ عرش میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں) اس سے یہی مراد ہے۔ بلکہ کبھی اس عالم میں بھی صورت جسدانیہ میں سیر کر جاتی ہیں۔ جیسا کہ ثقات کو بار با مشاہدہ ہوا ہے۔

نوٹ: نیلوی کہتا ہے کہ وہ خود ارواح نہیں ہوتیں بلکہ ان کی اشکال ہوتی ہیں۔

چونکہ جسم سے علاقہ منقطع ہو جاتا ہے اس لیے ان کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح درست ہو جاتا ہے۔

برجندی ص ۱۸۴ میں ہے حیاتھم فی حکم الاخرۃ لا فی حکم الدنیا ولذا قسمت اموالھم کذا فی الحص یعنی شہدا کی حیات آخرت کے حکم میں ہے نہ دنیا کے حکم میں اس لیے ان کے مال وارثوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

عینی الہدایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۷۳۵ میں ہے اگر کہا جائے کہ شہید تو زندہ ہیں اور نماز مردوں پر ہوتی ہے، **جواب** یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح مردہ پر نماز ہے اسی طرح شہید بھی مردہ ہے حتیٰ کہ اس کی عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور اس کا ترکہ میراث ہے اور مانند اس کے احکام سب مثل مردہ کے یکساں ہیں۔

رہا ان کا زندہ ہونا تو وہ یہ دنیاوی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی ہے بقولہ تعالیٰ احیاء عند ربھم اور وہ زندگی جس شان سے ہو صحیح قطعی ہے۔ اور غسل و نماز دنیوی احکام ہیں۔ م۔ مقبع)

سرخسیؒ و کاسانی کا فرمان

امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط ج ۲ ص ۵۰ میں اور علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے البدائع والصنائع ج ۱ ص ۳۲۵ میں فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدا کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ زندہ پر وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لا یصلی علیہ (الشھید) لان اللہ تعالیٰ

وصف الشهداء بانهم احياء فقال ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين والصلوة على الميت لا على الحي۔

اور ہمارے حنفیہ نے اس مذہب کے خلاف اپنا مذہب بیان کیا اور فرمایا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے پھر اس کی عقلی ونقلی دلیل بیان کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا دلیل کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ شہید کی زندگی اخروی احکام میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے "احیاء" کے ساتھ "عند ربهم" فرمایا ہے لیکن دنیا کے اعتبار سے وہ میت ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا مال دوسرے اموات کی طرح وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور عدت گزارنے کے بعد یعنی حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل کے بعد اور دوسری حالتوں میں چار ماہ اور دس دن گزارنے کے بعد دوسری جگہ اس شہید کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت ہے اور نماز جنازہ کا پڑھنا بھی احکام دنیا میں سے ایک حکم ہے تو اس اعتبار سے شہید میت ہے اس لیے شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

ولنا ..... الشهيد حي فی احكام الآخرة كما قال تعالیٰ بل احياء عند ربهم فاما فی احكام الدنيا فهو ميت يقسم ميراثه وتتزوج امرأته بعد انقضاء العدة وفريضة الصلوة عليه من احكام الدنيا فكان فيه ميتا يصلی عليه۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع صنائع ج اص ۳۲۴ میں فرمایا واما حکم الشهادة في الدنيا فنقول ان الشهيد كسائر الموتى في احكام الدنيا وانما يخالفهم في حكمين احدهما انه لا يغسل عند عامة العلماء ...... والثاني انه يكفن في ثيابه ...... فاما في ما سوا ذالك فهو كغيره من الموتى وقال الشافعي رحمه الله تعالیٰ لا يصلی عليه كما لا يغسل ...... لان الله تعالیٰ وصف الشهداء بانهم احياء فی كتابه والصلوة على الميت لا على الحي ولنا ......

وانما وصفهم بالحيوة فی حق احكام الآخرة الا ترى الى قوله تعالیٰ بل احياء عند ربهم يرزقون فاما فی حق احكام الدنيا فالشهيد ميت يقسم ماله

ولکنہ امر ثابت بعد انقضاء العمر والوجوب الصلوٰۃ علیہ من احکام الدنیا فکان میتاً فیہ فیصلی علیہ۔

یعنی دنیا کے احکام میں شہید بھی دوسرے اموات کی طرح ایک میت ہے صرف دو حکم ایسے ہیں جن میں شہید کا حکم دوسرے اموات سے خلاف ہے ایک تو یہ کہ دوسرے اموات کو نہلایا جاتا ہے لیکن شہید کو اکثر علماء کے ہاں نہیں نہلایا جاتا۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ دوسرے اموات کو نہلانے کے بعد باقاعدہ کفن دیا جاتا ہے مرد کے لیے ردا، ازار، قمیص اور عورت کے لیے سربند وسینہ بند بھی لیکن شہید کو اس کے انہیں کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے خون سمیت۔ اور ان دو حکموں کے سوا باقی امور میں شہید بھی دوسرے اموات کی طرح ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہید پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے جس طرح اس کو نہلایا نہیں جاتا، کیونکہ قرآن پاک میں شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور نماز جنازہ کی اموات پر پڑھی جاتی ہے نہ احیاء پر۔

اس کا جواب ہمارے فقہاء حنفیہ اس طرح دیتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ نے شہداء کو حیات کی وصف کے ساتھ متصف فرمایا ہے وہ اخروی احکام کے بارے ہے دیکھو قرآن پاک میں احیاء کے ساتھ عند ربہم مذکور ہے جو اسی جانب مشیر ہے لیکن احکام دنیا کے اعتبار سے تو شہید میت ہے اس کا مال وارثوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور عدت گزار کر اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور نماز جنازہ کی فرضیت بھی احکام دنیا میں سے ایک حکم ہے اس لیے اس حکم میں شہید بھی میت ہے۔ پس اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی کا بیان

اور حضرت قاسم العلوم والخیرات نے خود آب حیات ص ۳۱ میں فرمایا۔ بلفظہ عند ربہم جو کلام اللہ میں واقع ہے اس جانب مشیر ہے کہ وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیات ثانی ہے (یعنی اخروی حیات) چنانچہ ارواح

شہداء کا ان اجسام عنصریہ سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہے اور ص 167 میں لکھا حیات شہداء ہو تو یوں ہو کہ اس حجاب کو رفع کر کے جا ہیں تو یوں ہی رکھیں جا ہیں کسی اور بدن کے ساتھ چھوڑ دیں اور بظاہر شہداء کے لیے یہی ہوتا ہے، چنانچہ احادیث شہداء ادخال اجواف طیر خضر اور لفظ عند ربھم جو آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا میں واقع ہے اس پر دال بھی ہیں۔

اور جمال قاسمی ص 13 میں فرمایا حیات شہداء، اجسام یعنی اجواف طیر خضر کے اعتبار سے ہے چنانچہ حدیثوں میں مصرح اور قرآن میں لفظ عند ربھم جو احیاء کے ساتھ ہے اس طرف مشیر ہے اور جب حیات شہداء کی کیفیت یہ ہے تو ان کے ازواج نہ اموال اوروں کے ازواج و اموال کی طرح بمجرد مرگ ان کے ملک سے نکل جائیں گے البتہ ازواج کو نکاح ثانی میں اتنا انتظار کرنا پڑے گا جس میں اختلاط تعلق شوہر اول و شوہر ثانی باقی نہ رہے۔

نیز ص 14 میں فرمایا: وجہ تساوی کی جو شہدا اور اموات باقیہ میں ملحوظ رہی وہی ہے کہ اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو تعجب نہیں کیونکہ ان کو جب نعم البدل عنایت ہو گیا تو اب اس جسم کی کیا محبت رہی ہوگی۔

حضرت شیخ مشائخنا شیخ الہند محمود الحسنؒ کا بیان

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ف "ولا تقولوا لمن یقتل میں فرمایا" یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

اور ولا تحسبن الذین قتلوا کے تحت حضرت شیخ الہند نے ف لکھا:
شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی

ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے، بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں جنت کا رزق آنا ان کو پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجے کے جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اُڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح "حواصل طیور خضر" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ ان طیور خضر کی کیفیت و کلاتی کو اللہ ہی جانے وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں اس وقت شہداء بیحد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، ایسی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی زبانی کیے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی نعمت ضائع نہیں کرتا بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پرلطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے ان کو نہ اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم الخ

نیلوی کہتا ہے کہ یہ ان کا سوچنا اسی تعلق کی بنا پر ہے جو ان شہداء کا اہل دنیا کے ساتھ تھا "قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ" کی طرح۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا بیان

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے:

فوائد: شہید اگرچہ ظاہراً مر گیا۔ لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کی ترقی رک جاتی ہے اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے جب روح کا تعلق بدن سے ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہوگئی۔ مگر شہید کی ترقی برابر

جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دے دی اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا اب بھی وہ عمل کر رہا ہے، حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے (بخاری و مسلم)

احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی ہیں اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں، درجنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا۔ حق تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلے ایک دوسرا عنصری بدن اس کی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے کہ جس کے ذریعے سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے۔ اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبر اور متصرف نہیں تاکہ تناسخ کا شبہ ہو۔ اس لیے کہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کے نشو و نما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں مدبر و متصرف ہو۔ اور ارواح شہداء میں یہ بات نہیں اس لیے کہ جس جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشو و نما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں اس کا تعلق پرندہ کی اصلی روح سے نہیں پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے۔ اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مع اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کے لیے سواری ہے خوب سمجھ لو۔

الحاصل ابرار کا اس عالم شہود میں جانا اصل زندگی ہے اسی لیے ان کو بالتخصیص زندہ کہہ سکتے ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیات کو اللہ کی نذر کر دیتا ہے اس لیے اس کو حیاتِ ابدی اس کے بدلے نصیب ہوتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

علامہ محدث سندھیؒ شارح صحیح مسلم کا بیان

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کے بارے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے اوپر سوال کیوں ہوا؟ اس کی وجہ علامہ سندھی نے حاشیہ صحیح مسلم میں لکھی ہے ولعل سبب السؤال ان بقاء الروح مشترک بین تمام الاموات وبقاء الجسد غیر موجود فی احد فما بال تخصیص الشھداء بکونھم احیاء یعنی منشا سوال کا یہ ہے کہ روح تو جیسے شہداء کی باقی رہتی ہے ایسے ہی دوسرے اموات کی بھی باقی رہتی ہے اور رہا جسم سو وہ نہ شہیدوں کا باقی رہتا ہے نہ دوسرے اموات کا، پھر شہیدوں کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے کہ وہ زندہ ہیں تو اس کا جواب دیا۔

حاصل الدفع ان ارواحھم فی اجساد یتلذذ دون نعیم الجنۃ بخلاف سائر الاموات فحصل الفرق بین الشھداء وغیرھم وبہ خصت الشھداء بانھم احیاء یعنی ان شہیدوں کے ارواح تو دوسرے اجساد میں رہ کر جنت کی نعمتوں کا مزہ لیتے ہیں، دوسرے اموات کا یہ حال نہیں ہے یہی فرق ہے شہداء اور دوسرے اموات کا اسی وجہ سے شہیدوں کی تخصیص کی گئی کہ وہ زندہ ہیں۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا بیان

تحقیق حیاۃ شہداء

حیات شہداء کے بارے میں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں ایک تو یہی زیر تفسیر آیت اور دوسری آیت سورہ بقرہ رکوع ۱۹ میں گزر چکی ہے یہاں فرمایا کہ شہداء کو مردے مت سمجھو اور وہاں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو۔ حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شہداء قتل کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ابدان عنصریہ سے پرواز کر جاتی ہیں اور ان کے ابدان سے اس طرح جدا ہو جاتی ہیں کہ ان سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا جیسا کہ علامہ بیضاوی کا قول آگے آرہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ شہدائے کرام

کی دنیوی زندگی تو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے اور روح کے بدن سے نکل جانے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ شہادت کے بعد جو ان کو زندگی اور حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیوی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مختلف ہوتی ہے جب وہ دنیا میں زندہ تھے تو ان کی زندگی بھی دنیوی تھی یعنی روح اور جسم دونوں کے ملاپ سے وہ زندہ تھے لیکن موت سے دنیوی زندگی ختم ہوگئی اور برزخ کا زمانہ شروع ہوگیا اس لیے اب اس زندگی کو برزخی زندگی کہا جائے گا اور یہ زندگی بلا اشتراک بدن عنصری صرف روح کے لیے ہوگی یہ معاملہ چونکہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ برزخ عالم غیب کی چیز ہے اس لیے اس برزخی حیات کی کیفیت کے بارے میں عقل و فکر رائے اور قیاس سے کچھ کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس معاملہ میں نصوص کتاب و سنت سے جو کچھ ثابت ہوا اس سے تجاوز کرنا جائز ہے۔ علامہ سید محمود آلوسیؒ سورہ بقرہ میں و لکن لا تشعرون کے تحت فرماتے ہیں أی لا تحسون ولا تدرکون ما حالہم ....

بالمشاعر لانہا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیہا ولا طریق للعلم بہا الا بالوحی (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

حیات شہداء کی کیفیت کی طرف قرآن مجید میں تو چند اجمالی اشارات ہی ہیں تفصیل نہیں ہے۔ **مثلاً**: قرآن مجید میں اس طرف اشارہ ہے کہ قتل کے بعد شہداء کو جو حیات ملتی ہے وہ دنیوی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عالم غیب کی ایک حالت ہے احیاء عند ربہم میں عند ربہم سے اس طرف اشارہ ہے وہ اپنے مہربان رب کے پاس اور عالم غیب میں زندہ ہیں۔ علامہ خازنؒ لکھتے ہیں انہم احیاء عند اللہ تعالی فی عالم الغیب لانہم صاروا الی الآخرۃ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۰۹)

قرآن مجید میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ شہداء عالم برزخ میں کھاتے پیتے بھی ہیں۔ حیات شہداء کی تفصیلی کیفیت سب سے عمدہ اور صحیح ترین وہی ہے جو خود صاحب وحی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کس طرح زندہ ہیں؟ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ وہ قتل ہو چکے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا وہ اس طرح زندہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم عطا فرما کر ان کو جنت میں آزاد چھوڑ دیا ہے وہ جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے اور سیر کرتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں و قال اخرجت ارواحھم فی اجواف طیر خضر وانھم یرزقون فی الجنة ویاکلون ویتنعمون وھذا ھو الصحیح من الاقوال لان ماصح بہ النقل فھو الواقع (قرطبی ج ۴ ص ۲۷۰)

اور علامہ ابو السعود حنفی امام واحدی سے ناقل ہیں الاصح فی حیاة الشھداء ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ان ارواحھم فی اجواف طیور خضر وانھم یرزقون ویاکلون ویتنعمون (ابو السعود ج ۲ ص ۱۳۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ؛ مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا الآیة کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ - جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ ابن ماجہ ص ۲۰۱ - تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۱۰۶ و ۱۰۷)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارواح الشھداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة او شجر الجنة جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۷ - و ابن ماجہ ص ۲۰۴ و ۳۱۶ و نسائی ج ۱ ص ۲۹۲ - موطا امام مالک ص ۸۰ - مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۶)

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لما اصیب اخوانکم باُحُد جعل اللہ ارواحھم فی اجواف طیر خضر ترِدُ انھار الجنۃ وتاکل من ثمارھا وتاوی الیٰ قنادیل منْ ذھب فی ظل العرش الحدیث (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۸۸ وص ۲۹۷ تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۱۰۶ ومسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶ وابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۴)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ملاحظہ ہو در منثور ج ۲ ص ۹۶)

ان حدیثوں کے الفاظ میں اگرچہ خفیف سا اختلاف ہے لیکن ماحصل سب کا وہی ہے جو پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ ان حدیثوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت سے شہدا کی برزخی زندگی کی حقیقت بیان فرمادی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے بھی یہی منقول ہے اور اسی کو محققین مفسرینؒ نے راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ کعب احبارؒ، عکرمہؒ، سدی کبیرؒ ابوالعالیہؒ، قتادہؒ، ربیعؒ وغیرہم کے اقوال کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۳ وج ۴ ص ۱۰۶ و۱۰۷ وتفسیر در منثور ج ۱ ص ۱۵۵ وج ۲ ص ۹۶)

حاصل کلام یہ کہ عالم برزخ میں شہداء کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ارواح کو پرندوں کی شکلیں عطا ہوتی ہیں جن میں داخل ہوکر وہ جنت میں گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں اور رات کو عرش کے نیچے قنادیل میں بسیرا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ طیوری اجسام مثالی ہیں نہ کہ عنصری، کیونکہ شہداء کے عنصری ابدان تو قبروں میں مدفون ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں حیات محض روحانی اور برزخی ہے جسمانی نہیں۔ ان کے ابدان قبروں میں ہیں لیکن ان کی ارواح طیوری قالبوں میں نعیم جنت سے متمتع ہو رہی ہیں، علامہ بیضاویؒ سورہ بقرہ میں فرماتے ہیں

ولکن لا تشعرون ما حالھم وھو تنبیہ علی ان حیاتھم لیست بالجسد ولا من جنس ما یحس بہ من الحیوانات وانما ھی امر لا یدرک

یا تعقل بل یا لوحی (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۰۱) لیکن تم نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں اور یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان شہداء کی حیات جسمانی نہیں اور نہ زندوں کی مانند ظاہری حواس سے محسوس قسم کی زندگی ہے اور نہ اس کا ادراک عقل سے ہو سکتا ہے۔

اور مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں "حیات شہداء یعنی تعلق ارواح بابدان است برائے استیفاء لذاتے کہ موقوف بر آلات بدنی است نہ تعلق ارواح بابدانِ سابقہ و نہ بقائے روح بادراک و شعور الی آخرہ۔ (عزیزی ص ۶۸۵) یعنی حیاتِ شہداء کا مطلب یہ ہے کہ وہ لذات حاصل کرنے کے لیے جن کا حصول آلات پر موقوف ہے ارواح ابدانِ مثالیہ سے متعلق ہو جائیں، یہ مطلب نہیں کہ ارواح سابقہ عنصری ابدان سے متعلق ہو جائیں اور نہ یہ کہ روح کا ادراک و شعور باقی رہے۔

کیفیت حیات شہداء کرام

نیلوی کہتا ہے ہماری تقریر بالا سے یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کے سب فرقے حیاتِ شہداء پر متفق ہیں، اختلاف ہے تو اس بات میں ہے کہ معتزلی لوگ شہداء کی حیات مجازی مانتے ہیں جیسے تفصیل گذر چکی۔ اور ہم اہل السنۃ والجماعۃ شہیدوں کو حقیقی معنوں میں زندہ مانتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اس زندگی حقیقی کی کیفیت کیا ہے؟ دنیوی یا برزخی؟ اس جسدِ عنصری کے ساتھ یا کسی اور جسد کے ساتھ؟ گو اس سے پہلے بھی ہم نے اکابر کی عبارت کا ذکر کیا ہے تاہم اور مستند علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

فتح الملہم ج ۲ ص ۹۶ میں ہے واذا دنت ہٰذہ الاعضاء بسبب استیلاء الاخلاط الغلیظۃ علیہا وخرجت من قبول تلک الآثار فارق

الروح ایدن کو انفصل الی عالم الارواح، قال وھٰذا ھو الصواب فی المسئلۃ وھو الذی لا یصح غیرہ، وکل الاقوال سواہ باطلۃ: وعلیہ دل الکتٰب والسنۃ واجماع الصحابۃ وادلۃ العقل والفکر وذکر لہٗ مائتہ دلیل۔

یعنی جب اعضاء پر غلیظ اخلاط . . . کے غلبہ کی وجہ سے ان اعضاء میں فساد آجاتا ہے اور ان کے آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں رہتی تو اس وقت بدن سے روح جدا ہوجاتی ہے اور جدا ہوتے ہی عالم ارواح کو پہنچ جاتی ہے فرمایا یہی بات عین صواب صحیح اور ٹھیک ہے اس مسئلہ میں اور یہی وہ بات ہے جس کا غیر صحیح نہیں ہے اور اس کے سوا تمام اقوال باطل ہیں اور قرآن مجید اور فرمان نبیؐ اور اجماع صحابہؓ اور عقل و فکر کے دلائل سب اسی بات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں پھر اس کے سو دلائل لکھے:

مولانا عبدالحق حقانیؒ

اور وَلَا تحسبن الذین قتلوا کی تفسیر میں مولانا عبدالحق صاحب حقانی لکھتے ہیں

خدا تعالیٰ شہیدوں کے درجات بیان فرماتا ہے کہ اے مخاطب! تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں اس معنٰی سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیات جاودانی اور حقیقی زندگی ہے وہ بہ منا قون روزی دیئے جاتے ہیں اور وہ روزی مشاہدۂ انوار اور خدا کی تجلی اور جنت کی بے شمار نعمتیں ہیں اور ان کو وہاں ہر وقت خدا کی بے شمار نعمتوں سے فرحت و سرور بھی ہے الخ آگے فوائد لکھتے ہیں۔

پیر طریقت مولانا حسین علیؒ

اور تحقیق بل احیاءٌ کی مختصر یہ ہے کہ احیاء سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس

جسم کے ساتھ زندہ ہیں، باقی روح خود زندہ ہوتے ہیں مع النفس یا بدون النفس اور نفس اور روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے: باقی خاص ان کو اس معنی کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ عیش و خوشی میں ہوتے ہیں (ملتقط المیزان، ص ۲۸ من امالی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

الانباء بمقام ارواح الانبیاء ؑ

فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۱ و ۲۵۲ میں حدیث [۱] ہے قلت طوفتمانی اللیلۃ فأخبرانی عما رأیت قالا نعم اما الذی رأیتہ یشق شدقہ فکذاب یحدث بالکذبۃ فتحمل عنہ حتی تبلغ الآفاق فیصنع بہ ما رأیت الی یوم القیامۃ والذی رأیتہ یشدخ رأسہ فرجل علمہ اللہ القرآن فنام عنہ باللیل ولم یعمل فیہ بالنہار یفعل بہ الی یوم القیامۃ والذی رأیتہ فی الثقب فہم الزناۃ والذی رأیتہ فی النہر آکل الربوا والشیخ فی اصل الشجرۃ ابراہیم علیہ السلام والصبیان حولہ اولاد الناس والذی یوقد النار مالک خازن النار والدار الاولی التی دخلت دار عامۃ المومنین واما ہذہ الدار فدار الشہداء وانا جبریل وہذا میکائیل فارفع رأسک فرفعت رأسی فاذا فوقی مثل السحاب، قالا ذاک منزلک قلت دعانی ادخل منزلی قالا انہ بقی لک عمر لم تستکملہ فلو استکملت اتیت منزلک (بخاری ص ۱۸۵) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا تم دونوں ساری رات مجھے گھماتے

---

[۱] مشکوٰۃ ۳۹۶ بخاری ۱۸۵

پھراتے رہے ہو اب اتنا تو مجھے بتاؤ کہ جو کچھ میں نے یہ دیکھا یہ سب ہے کیا؟ دونوں فرمانے لگے بہت اچھا سنو۔ اسودہ شخص جس کو آپ نے دیکھا تھا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں وہ کذاب تھا جھوٹی باتیں بیان کرتا تھا اور ان باتوں کو لوگ لے اڑتے تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا تو اس کے ساتھ آپ نے جو ہوتے دیکھا ہے وہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا تھا لیکن وہ راتوں کو قرآن سے غافل بن کر سوتا رہا اور دن کو اس کے مطابق اس پر عمل نہ کیا یہ عمل قیامت تک اس کے ساتھ ہوتا رہے گا اور جن کو آپ نے سوراخ میں دیکھا تھا وہ زناکار تھے اور جس کو آپ نے دریا میں دیکھا وہ سود خوار تھا اور وہ شیخ جو درخت کی جڑ کے پاس تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بچے جو ان کے اردگرد تھے وہ انسانوں کی اولاد تھے اور جو آگ بھڑکا رہے تھے وہ مالک داروغۂ جہنم تھے اور وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مومنین کا گھر تھا اور یہ گھر شہداء کے گھر ہیں اور میں جبرائیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر مبارک اوپر کو تو اٹھائیے میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا ان دونوں نے کہا کہ یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے اگر اس کو آپ پورا کر لیں تو اپنے اسی گھر میں آ جائیں گے (بخاری ج ۱ ص ۱۸۵)

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم الرفیق الاعلیٰ..... اخبرنی سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر فی رجال من اھل العلم ان عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو صحیح لن یقبض نبی قط حتی یریٰ مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر فلما نزل بہ ورأسہ علیٰ فخذی غشی علیہ ساعۃ ثم افاق فاشخص بصرہ الی السقف ثم قال اللھم الرفیق الاعلیٰ قلت اذا لا یختارنا وعلمت انہ الحدیث الذی کان یحدثنا وھو صحیح قالت فکانت تلک آخر کلمۃ تکلم بھا......

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی۔

بہت سے اہل علم میں سے چند حضرت سعید بن مسیب اور عروہ بن الزبیرؓ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تندرستی کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کو کبھی وفات نہیں دی جاتی جب تک کہ اسے جنت میں اس کا مقام نہیں دکھایا جاتا۔ پھر مقام دکھانے کے بعد اسے انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر چاہے دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو ترجیح دے) پس آپ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ جب آپؐ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا آپؐ کو تھوڑی دیر کے لیے غشی آگئی پھر آپؐ ہوش میں آئے اور نگاہیں اوپر چھت کی طرف گاڑ دیں اور فرمایا اللھم الرفیق الاعلی پس میں نے سمجھا کہ اب آپ اس کہنے کے بعد ہم دنیا والوں کی رفاقت کو اختیار نہ کریں گے میں نے جان لیا کہ جو بات آپ فرمایا کرتے تھے اپنی صحت کے زمانہ میں وہ اس کا وقت آگیا۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ مبارک جس کے بعد آپؐ نے کوئی بات نہیں کی وہ یہی کلمہ تھا اللھم الرفیق الاعلی (بخاری و مسلم)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا نظریہ!

فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱ ، واما بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فروحہ المقدسۃ قد استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف فان لروحہ علیہ السلام اشرافا علی البدن المبارک المطیب واشرافا وتعلقا بہ وبہ تصلی اللہ علیہ وسلم فی ضریحہ غیر مفقود واذا سلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یرد علیہ السلام کما ورد فی الحدیث و لم یفارق الملأ الاعلی۔

حضرت سیف الدین ابو معینؒ کا نظریہ

بحر الکلام ص ۷۰ و روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ و مظہری ج ص ۲۲۵ فتاوی عبدالحی

ج ۲ ص ۸ بحوالہ خزانۃ الروایات ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا و تصیر صورھا مثل المسک والکافور و تکون فی الجنۃ تاکل و تشرب و تتنعم و تاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ تحت العرش انبیاء کا روح بدن سے نکل کر صورت میں کافور کا سا اور خوشبو میں کستوری کا سا ہوتا ہے پھر جنت میں جاکر کھاتا ہے اور رات کو عرش کی قنادیل میں آرام کرتا ہے۔

حضرت سید محمود آلوسی رح کا نظریہ

روح المعانی ج ۵ ص ۱۶۱ اما مستقر ارواح الانبیاء علیھم الصلوات والتسلیمات فی اعلی علیین وصح ان آخر کلمۃ تکلم بھا صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم الرفیق الاعلی وھو یؤید کہ رای الجماعۃ مع الانبیاء الذین یسکنون اعلی علیین[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا نظریہ

لمعات برحاشیہ مشکوٰۃ ص ۸۶ لیس المراد بعود الروح عودھا بعد المفارقۃ عن البدن، وانما المراد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ مشغول حول الملکوت مستغرق فی مشاھدۃ رب العزۃ عزوجل کما کان فی الدنیا فی حالۃ الوحی وفی الاحوال الاخر فعبر عن افاقتہ عن تلک المشاھدات و ذلک الاستغراق برد الروح

حضرت سید محمد انور شاہ رح کا نظریہ

فیض الباری ج ۲ ص ۶۵ لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذالک الجانب الی ھذا الجانب کیونکہ ایک ہی روح بیک وقت دونوں طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام بیہقی کا نظریہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب ما دفن رد اللہ علیہ روحہ لاجل

---

[1] جماعۃ الانبیاء الذین یسکنون اعلی علیین۔ النبایہ جزری ج ۲ ص ۲۲۴۔

سلام من سلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم (تسکین الصدور طبع اول ص ۱۹۲)

لیکن حضرت بیہقی کا یہ نظریہ اگر اس حدیث پر مبنی ہے جو درج ذیل ہے تو صریح مردود ہے۔ امام ابن جوزی نے الموضوعات میں لکھا ہے۔

باب ردّ الارواح الانبیاء الیھم فی قبورھم انبأنا محمد بن عبد الملک قال انبانا الجوھری عن الدارقطنی عن ابی حاتم بن حبان انبأنا الحسن بن سفیان حدثنا ھشام بن خالد الازرق ثنا الحسن بن یحیٰی الحسنی ابو عبد الملک عن سعید بن عبد العزیز عن یزید بن ابی مالک عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی یموت فیقیم فی قبرہ الاربعین صباحًا حتی یردّ الیہ روحہ۔ قال ابو حاتم ھذا حدیث باطل موضوع، والحسن بن یحیٰی یروی عن الثقات مالا اصل لہ وقال یحیٰی الحسن لیس بشیئٍ وقال دارقطنی متروک (موضوعات ابن جوزی ج ۳ ص ۲۳۹)

یعنی یہ حدیث کہ وفات کے بعد کوئی نبی چالیس دن بھی قبر میں اقامت پذیر نہیں رہتا حتی کہ اسکی روح اس کی طرف واپس کر دی جاتی ہے باطل من گھڑت ہے حسن بن یحیٰی بے اصل وبے سند باتیں ثقہ راویوں سے بیان کرنے کا عادی ہے۔ یحیٰی نے کہا یہ ہیچ ہے۔ دار قطنی نے کہا متروک ہے۔

بانی دار العلوم دیوبند کا نظریہ

جمالِ قاسمی ص ۱۵ ارواح انبیاء علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نورِ چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔

آب حیات ص ۲۶ سلامت اجسادِ انبیاء علی الاتصال استمرار حیات پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر لمحہ دو لمحہ، بلکہ پہر دو پہر کے لیے روح کو بدن سے کچھ تعلق نہ رہے اور

انقطاع کلی ہو جائے اور بعد ازاں پھر بدستور روح و بدن میں وہی علاقہ سابق عود کر آئے تب بھی بدن میں کچھ فساد نمایاں نہ ہوگا لیکن اس صورت میں نہ نکاح قائم رہے گا نہ ملک اموال باقی رہے گی بلکہ یہ تعلق ثانی از قبیل حیات اخروی ہوگا (نہ دنیوی)

قیدیوں کے ازواج و اموال ان کی ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ سکتہ والے کے ازواج و اموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے ہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہوتے ہیں۔ اور سکتہ والے کی روح مقید ہوتی ہے مگر اس کا قید خانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اس لیے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح بند ہو جاتا جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے۔ سو یہی صورت بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھیے۔ اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے روح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوت سامعہ و قوت باصرہ اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب بن نہ پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کر دیتے ہیں۔ اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے، جیسے فرض کیجیے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور بھی قوت آ جاتی ہے اور مثل نور چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

(جمال قاسمی ص ۱۲)

لیکن حضرت نانوتوی رح کا یہ نظریہ صریح خلاف ہے اس حدیث کے جو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔

الہ فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۸ میں بھی مسند احمد کے حوالے سے ابن حجر رح نے نقل فرمایا

فلما خرجت نفسہ لم اجد ریحا قط اطیب منہا یعنی آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے خارج ہوئی تو ایسی پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی کہ اس جیسی پاکیزہ خوشبو عمر بھر میں کبھی میں نے نہیں پائی۔

فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۳ الرفیق الاعلیٰ الجنۃ، الانبیاء، الملائکۃ، اہل الجنۃ، سبحانہ وتعالیٰ کل باسما، مع جبرائیل وغیرہ، مع الذین انعم اللہ علیہم۔

عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۴۶ قولہ الرفیق الاعلیٰ، قال الجوہری الرفیق الجنۃ وقیل الرفیق الاعلیٰ اسم جنس والمراد بہ الانبیاء۔ وقال الخطابی یعنی الملائکۃ۔ وقال الکرمانی اے ادخلنی فی جملۃ اہل الجنۃ من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین، وقیل المراد بالرفیق الاعلیٰ سبحانہ وتعالیٰ۔ وقال الداؤدی ہو اسم لکل ما سمی وقال الاعلیٰ لان الجنۃ فوق ذالک منہا حدیث رواہ احمد من روایۃ المطلب عن عائشۃؓ مع الرفیق الاعلیٰ مع الذین انعم اللہ علیہم الخ ومنہا حدیث رواہ النسائی وفیہ فقال اسأل اللہ الرفیق الاسعد مع جبرائیل ومیکائیل واسرافیل۔

رفیق اعلیٰ کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ جنت، ملائکہ، انبیاء، صدیقینؑ، شہداء و صالحین کا مقام، باری تعالیٰ، بمعیت جبرائیل، میکائیل و اسرافیل، آنحضرتؐ نے بوقت وفات فرمایا یا اللہ! مجھے مذکورہ مقاموں میں سے جگہ عطا فرما۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۴۱ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے کہا ! انبیاء و شہداء ہر چند ارواح در اعلیٰ علیین باشند (انبیاء و شہداء کے ارواح اعلیٰ علیین میں ہوتے ہیں)

کتاب الروح ص ۱۰۰ ارواحہم فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء وہو الرفیق الاعلیٰ، آپ کا روح اعلیٰ علیین میں ہے دوسرے انبیاء کے ارواح کے ساتھ اور وہی ہے رفیق اعلیٰ۔

مقدمہ تفسیر حقانی ص ۱۲۸ آنحضرتؐ مہینوں پیشتر اپنی رحلت سے مطلع فرما چکے تھے اور لوگوں سے رخصت ہوتے تھے اور وقت اخیر میں یہی کلمہ ورد زبان تھا اللّٰہم الرفیق الاعلیٰ کہ مجھے بارگاہ قدس میں پہنچا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت یوسفؑ جبکہ خواب میں حضرت یعقوبؑ اور اسحاقؑ اور ابراہیمؑ اور اپنی والدہ ماجدہ کو دیکھا کہ ایک عمدہ اور دلکش مقام

میں کرسیوں پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے تو اس عالم کے شوق میں بیدار ہو کر یہی دعا مانگی توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین الہٰی مجھے اپنی نیاز مندی میں موت دیجیے اور ابرار سے ملا دے۔

فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱ و اما بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فروحہ المقدس قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ قرار پاکر رہی ہیں۔

عقاید الاسلام ص ۱۶۰ میں حقانی نے لکھا "جیسا کہ انبیاء و صدیقین یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی جنت میں مقام ملتا ہے۔

فتح العزیز ص ۹۹ پارہ عم میں شاہ عبدالعزیز نے لکھا "مقام علیین بالائے ہفتم آسمان است و پائین آں متصل بسدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل بہ پایہ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض در آنجا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر می مانند یعنی علیین ساتویں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ اور عرش معلی سے ملا ہوا ہے نیک تبدل کی ارواح وہاں جا رہتی ہیں۔ انبیاء و اولیاء بھی وہیں رہتے ہیں۔

تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۲۳ قولہ یشہدہ المقربون قال البغوی الملائکۃ قلت وارواح الانبیاء والشہداء ایضاً لحیٰوۃ والصدیقین ایضاً فان ھناک تغیرھا وفی ص ۲۴۴ قلت وھذا الحکم غیر مختص بالشہداء فان الانبیاء والصدیقین اعلیٰ منھم منزلۃ ---- وقال الشعبی فی بعد الکلام الارواح علی اربعۃ اوجہ الخ امام بغوی نے مقربون کے معنی ملائکہ کیے ہیں یا مراد ارواح انبیاء و شہداء و صالحین و صدیقین ہوں گے۔ یہ حکم شہداء سے مخصوص نہیں ہے جو ان سے رتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان کو تو مقام بلند یقیناً حاصل ہوگا۔ ارواح کے چار درجے ہیں (۱) ارواح انبیاء وہ نکلنے کے بعد کا نور اور مشک کی شکل میں ہو کر جنت میں جا کر کھاتے پیتے ہیں اور رات کو عرش کی قنادیل میں آرام کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ ص ۷۱ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول مامن نبی

یمرض الا خُیّر من الدنیا والآخرۃ قالت فلما کان مرضہ الذی قبض فیہ اخذتہ بحۃ فسمعتہ یقول مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین فعلمت انہ خُیّر۔ یعنی ہر پیغمبر کو بوقت مرض الموت اختیار دیا جاتا ہے کہ کہاں رہنا چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بوقت مرض الموت اختیار دیا گیا تو حضور نے فرمایا یا اللہ میں وہاں رہنا چاہتا ہوں جہاں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین رہتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔ اب دنیا میں رہنے کا آخری وقت ہے۔

روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۲) البحث السادس فی مستقر الارواح بعد مفارقۃ الابدان الذی دلت علیہ الاخبار ان مستقر الارواح بعد المفارقۃ مختلف ... فمستقر ارواح الانبیاء فی اعلیٰ علیین وصح ان اٰخر کلمۃ تکلم بہا صلی اللہ علیہ وسلم اللہم الرفیق الاعلیٰ وھو یؤید ماذکر یعنی بحث ۶ مستقر ارواح میں ہے کہ بدنوں سے جدا ہو کر روحیں کہاں رہتی ہیں؟ سو ارواح انبیاء اعلیٰ علیین میں جا کر رہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ اللہم الرفیق الاعلیٰ اسی کا مؤید ہے۔

حاشیہ بخاری مصری جلد ۵ ص ۱۳۸ قولہ الرفیق الاعلیٰ ای الجماعۃ من الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین ویحتمل ان یراد بہ حظیرۃ القدس یعنی الرفیق الاعلیٰ .... جماعت انبیاء ہے جو اعلیٰ علیین میں رہتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا پڑوس ہو۔

لمعات ص ۸۶۱ ردّ اللہ علیّ روحی لیس المراد بعود الروح عودھا بعد المفارقۃ عن البدن وانما المراد انہ فی البرزخ مشغول حول الملکوت مستغرق فی مشاہدۃ رب العزۃ کما کان فی الدنیا فی حالۃ الوحی وفی احوال الآخرۃ فعبر عن افاقتہ من تلک المشاہدۃ وذالک الاستغراق بردّ الروح جس کے ردّ روح کا یہ مطلب نہیں کہ روح بدن میں واپس آجاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ برزخی حالات میں استغراق سے کچھ افاقہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں وحی کے وقت استغراق ہو جاتا تھا۔ اسی افاقہ کو ردّ روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کتاب الروح ص ۴۱ ثمّ تعادروا رواح فی اعلیٰ علییّن فی الملأ الاعلیٰ وھی ارواح الانبیاء وھم متفاوتون فی منازلھم کما رآھم النبی ؐ فی لیلۃ الاسراء۔
انبیاء کی ارواح اعلیٰ علییّن میں ملأ اعلیٰ کے ساتھ رہتی ہیں جیسا کہ حضور ؐ نے معراج کی رات میں آسمانوں پر ارواح انبیاء کو دیکھا تھا۔

مقامِ ارواحِ شہداء

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۲ عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشھداء علیٰ بارق نھر بباب الجنۃ فیہ قبۃ خضراء یخرج علیھم رزقھم من الجنۃ بکرۃ وعشیّا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کی ارواح سبز رنگ کے قبہ میں جنت کے دروازے پر جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں رہتی ہیں صبح و شام جنت سے ان کو رزق ملتا ہے۔

کتاب الروح ص ۱۵۴ و ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۹ میں بحوالہ صحیح بخاری حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حارثہ رض کی والدہ ام الربیع رض حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں:
فقالت یا نبی اللہ الا تحدثنی عن حارثۃ وکان قتل یوم بدر اصابہ سھم غرب فان کان فی الجنۃ صبرت وان کان فی غیر ذلک اجتھدت علیہ فی البکاء فقال علیہ السلام یا ام حارثۃ انھا جنان وان ابنک اصاب الفردوس الاعلیٰ وارواح الشھداء یجول فی اجواف طیور خضر فی ثمر الجنۃ پوچھا حارثہ مقتول کا کیا حال ہے جو بدر میں شہید ہوا تھا، اگر جنتی ہے تو صبر کر لوں ورنہ اس پر خوب رو لوں تو آپ ؐ نے فرمایا تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے، شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں بیٹھ کر جنت میں رہتی ہیں۔

کتاب الروح ۴۹۴: لا تحسبن الذین قتلوا یخبر تعالیٰ عن الشھداء بانھم وان قتلوا فی ھذہ الدار فان ارواحھم حیۃ مرزوقۃ بکرۃ و عشیا اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارہ میں خبر دیتے ہیں کہ دنیا کی حیات سے تو وہ چل بسے

لیکن ان کی ارواح زندہ ہیں، جنت میں صبح و شام ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

خازن ج ا ص ۲۲۶ احیاء سبحانہ عن الذین قتلوا فی سبیلہ انھم احیاء عند ربھم یرزقون وانھم فرحون مستبشرون باخوانھم وھذہ الارواح قطعا لان الابدان فی التراب تنتظر عود ارواحھا الیھا یوم البعث

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں وہ خدا کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے، خوش و خرم اپنے احباب سے۔ بتتے ہیں۔ ہاں یہ تو قطعاً روح ہیں بدن تو زیر زمین ارواح کے لوٹنے کا انتظار کرتے ہیں تا قیامت۔

فان قلت نحن نراھم موتی فما معنی قولہ تعالیٰ بل احیاء وما وجہ النھی فی قولہ تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات: قلت معناہ لا تقولوا امواتا بمنزلۃ غیرھم من الاموات بل ھم احیاء تصل ارواحھم الی الجنات کما ورد ان ارواح الشھداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فھم احیاء فی ھذہ الجھۃ وان کانوا امواتا من جھۃ خروج الروح من اجسادھم

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شہید مردہ ہیں پھر بل احیاء کا کیا مطلب؟ تو جواب یہ ہے کہ دوسرے اموات کی طرح نہیں ہیں ان کے ارواح کو بڑا درجہ ملتا ہے جو جنت میں سیر کرتی ہیں، ارواح کا جنت میں سیر کرنا، رزق کھانا، خوش و خرم رہنا، اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا یہ ہے حیات، اگرچہ دنیا کے اعتبار سے مر چکے ہیں کہ ان کی ارواح ان کے ابدان سے نکل چکی ہیں۔ الحاصل حیات روحانی برزخی ہے، نہ دنیاوی بالاجساد۔

پ۱۴ نحل ع ۴: الذین تتوفٰهم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ کفر و شرک سے پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہوجاؤ۔ (دخول کے معنی یاد کرلو)

پ۲۷ واقعہ ع ۳ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم خدا کے مقربوں کے لیے تو آرام خوشبودار پھول اور جنت کے باغات ہیں۔

پ۳۰ فجر: یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اے اطمینان پذیر روح اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا، اور میرے بہشت میں آجا۔

مؤطا امام مالکؒ ص ۲۴۸ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسمۃ المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ الی جسدہ یوم یبعثہ (ابن کثیر ص ۳۹۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح اڑتی جنت کے درختوں میں کھاتی پیتی ہے قیامت کو اللہ تعالٰی روح جسم کی طرف لوٹائے گا۔

ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۳ قد رُوِّینا فی مسند الامام احمد حدیثا فیہ بشارۃ لکل مؤمن بان روحہ تکون فی الجنۃ تسرح ایضا فیہا وتاکل من ثمارہا وتری ما فیہا من النضرۃ والسرور وتشاہد ما اعد اللہ لہا من الکرامۃ وھو باسناد صحیح عزیز عظیم اجتمع فیہ من الائمۃ الاربعۃ واصحاب المذاھب السبعۃ، مسند احمد میں حدیث ہے جس میں ہر مومن کے لیے بشارت ہے کہ اس کی روح جنت میں سیر کرتی ہے اور جنت کے میوے کھاتی ہے اور عجائبات دیکھتی ہے اور اللہ تعالٰی کے احسانات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ باجماع سند ہے۔

اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

معالم التنزیل پ۹ ص ۲۰۳ وخازن ص ۲۱۵ عن عبید بن عمیر اذا توفی

العبد المومن ارسل اللہ عزوجل ملکین وارسل الیہ بتحفۃ فیقال لہ اخرجی یا ایتھا النفس المطمئنۃ اخرجی الی روح وریحان والرب عنک راضی فتخرج کاطیب ریح مسک وجد احد فی انفسہ والملائکۃ علی ارجاء السماء یقولون قد جاءنا من الارض روح طیبۃ فلا تمر بباب الا فتح لھا ولا بملک الا صلی علیھا حتی تؤتی بھا الرحمن فتسجد ثم یقال لمیکائیل اذھب بھذہ فاجعلھا مع انفس المومنین ثم یؤمر فیوسع علیہ قبرہ سبعون ذراعا عرضہ وسبعون ذراعا طولہ بوقت قبض روح ملائکہ کو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں ان کے پاس تحائف ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یا ایتھا النفس المطمئنۃ الآیۃ بوقت خروج روح مشک جیسی خوشبو ہوتی ہے ملائکہ آسمان کے کنارے پر کھڑے ہوکر دعائیں کرتے ہیں، ہر آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر فرشتہ دعا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ روح خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاتی ہے۔ پھر میکائیل کو کہا جاتا ہے کہ اس روح کو مومنوں کی ارواح میں داخل کردو پھر اس روح پر قبر (اس کی رہائش گاہ) وسیع کردی جاتی ہے ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی ......

قبر کا مفہوم سمجھ لیا آپ نے؟

کتاب الروح ص ۱۵۹، وقال الطبرانی حدثنا ابو زرعۃ الدمشقی حدثنا عبد اللہ بن صالح قال حدثنی معاویۃ بن صالح عن ضمرۃ بن حبیب قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ارواح المومنین فقال فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت قالوا یا رسول اللہ! ارواح الکفار؟ قال محبوسۃ فی السجین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومنین کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟ فرمایا جنت میں سیر کرتی ہیں جہاں چاہیں، پھر عرض کی گئی کہ کفار کی ارواح کہاں رہتی ہیں تو فرمایا سجین میں بند ہیں۔

کتاب الروح ص ۱۶۰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا عرج ملک الموت بروح المومن الی السماء استقبل جبرائیل فی سبعین الفا من الملائکۃ

کل منهم یأتیه بشارة من السماء سوی بشارة صاحبه فاذا انتهی به الی العرش خرّ ساجداً فیقول الله عز وجل لملک الموت انطلق بروح عبدی فضعه فی سدر مخضود وطلح منضود وظل ممدود وماء مسکوب

یعنی جب ملک الموت مومن کی روح کو آسمان کی طرف لے جاتا ہے تو جبرائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں ہر ایک اس روح کو نئی سے نئی بشارت سناتے ہیں۔ جب روح عرش کے قریب پہنچتی ہے تو خدا کے آگے سجدہ میں گر جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ملک الموت! اس میرے بندے کی روح کو بے خار بیریوں اور تہ بہ تہ کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کے جھرنوں میں رکھ دو۔

مقام ارواح کفار

پ انعام ع ۱۱ ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملائکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تقولون علی الله غیر الحق وکنتم عن آیاته تستکبرون۔ اور کاش تم ان ظالم (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں اور فرشتے ان کی طرف عذاب کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ تم خدا پہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔

پ۲۷ واقعہ ع ۳ واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیة جحیم اور اگر وہ روح جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے اور جہنم میں داخل کیا جانا۔ یہ یقیناً صحیح حق الیقین ہے۔

پ۲۸ تحریم ع ۲ وقیل ادخلا النار مع الداخلین اور نوحؑ و لوطؑ کی کافر بیویوں کو حکم ہوا کہ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔

پ اعراف ع ۴، حتیٰ اذا جاءتهم رسلنا یتوفونهم قالوا این ما کنتم

تدعون من دون اللہ قالوا ضلوا عنا وشھدوا علیٰ انفسھم انھم کانوا کافرین قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار۔ یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کفار کی روحیں قبض کرنے کے لیے ان کے سامنے آموجود ہوں گے تو ان سے پوچھیں گے کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم .... خدا کے سوا حاجت روائی کے لیے بلایا کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے اور اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیں گے یعنی اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔ اس پر خدا ان کو حکم دے گا اور کافرو! جتنی از قسم جن وانس جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں مل کر تم بھی دوزخ میں جا داخل ہو۔

ابن کثیر ج ۷ ص ۳۰۱؛ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا ان ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو علیٰ جہنم وتروح علیٰ جہنم وذالک عرضھا۔ آل فرعون کی ارواح کو سیاہ قالبوں میں صبح وشام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے یعرضون علیہا سے یہی مراد ہے ثوری نے ابی حسین سے آل فرعون کی ارواح کے بارے اسی طرح روایت کیا۔

معالم التنزیل ج ۷ ص ۳۰۱ میں اسی طرح ہے اور قتادہ، مقاتل، سدی اور کلبی کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور تفسیر ابن جریر پ ۲۴ ص ۴۶ میں یہ لکھا ہذیل بن شرحبیل سے بھی اسی طرح نقل کیا۔ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ میں ابن عباس رضؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا۔

تفسیر الرحمان ج ۲ ص ۲۲۹ حاق بآل فرعون احاط بالطالبین لہ من قومہ سوء العذاب نقل فرعون فی الحال وقتل النار فی البرزخ والقیامۃ اذ النار یعرضون بعد جعل ارواحہم فی اجواف طیر سود علیہا فی البرزخ غدوا وعشیا فتقتلھم کل یوم مرتین۔ یعنی ان کی ارواح کو سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں رکھ کر برزخ میں روزانہ دو بار مار پڑتی ہے۔

تفسیر الرحمان ج ۲ ص ۲۶۸ اغرقوا فی بحر الطوفان للمعاقبۃ الدنیویۃ فادخلوا نار المعاقبۃ البرزخیۃ۔ سمندر میں غرق ہوئے دنیوی سزا دینے کے لیے پھر آگ میں داخل کیے گئے برزخی سزا دینے کے لیے۔

صحابۂ کرامؓ کے اشعار

مشعرہ مقام ارواح مومنین وکافرین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے اپنے برادر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مرثیہ میں فرمایا :

فقال الخبیر ان حمزۃ قد ثوی　　　وزیر رسول اللہ خیر وزیر

دعاہ الٰہ الحق ذو العرش دعوۃ　　　الی جنۃ یحیی بہا و سرورہا

یعنی واقف کار نے بتایا کہ حضرت حمزہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور بہتر وزیر کا انتقال ہوگیا۔ ان کو سچے اور برحق معبود مالک عرش نے جنت کی طرف جس میں وہ زندہ رہیں گے اور دائمی فرحت وسرور کی طرف بلالیا (ابن ہشام ج ۲ ص ۷۵)

حضرت حسان بن ثابتؓ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابن الزبعری کو جواباً جو اشعار سنائے تھے ان میں یہ بھی تھے :

فلا تذکر وا قتلی وحمزۃ فیہم　　　قتیل ثوی للہ وھو مطیع

فان جنان الخلد منزلۃ لہ　　　وامر الذی یقضی الامور سریع

وقتلاکم فی النار افضل رزقہم　　　حمیم معا فی جوفہا وضریع

یعنی بس تم ہمارے شہداء کا اور خصوصاً ان میں حمزہؓ کا جو کہ ایک جلیل القدر شہید ہیں جنہوں نے خدا کے لیے اطاعت خدا کرتے کرتے جان دے دی، برائی سے ذکر نہ کرو کیونکہ ان کا مقام جنت الخلد ہے کیونکہ ان کے لیے خدا کی طرف سے جنت کا حکم ہوچکا ہے

اور خدا جو کہ معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اس کا حکم بڑی تیزی سے نافذ ہوتا ہے اور فوری طور پر اس حکم پر عملدرآمد شروع ہو جاتا ہے اس لیے ضرور ان کو جنت مل چکی ہے - اور اے ابن زبعری! تمہارے مقتول تو دوزخ (برزخیہ) میں پڑے ہیں جہاں ان کا بہترین رزق گرم کھولتا ہوا پانی اور کھانے کو جھاڑ کانٹے ہیں۔

نیز حضرت سعد بن معاذ و دیگر شہدار کا ذکر خیر کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صبابتہ وجد ذکرتنی اخوۃ　　　　وقتلی مضی فیھا طفیل ورافع
وسعد فاضحوا فی الجنان واوحشت　　　　منازلھم فالارض منھم بلا قع

یعنی رقتِ شوق نے مجھے بھائیوں کی اور ان شہدار کی یاد دلائی جن کے ضمن میں طفیل، رافع، اور سعد بھی چل دیئے ہیں اور جنت میں جا بسے ہیں اور ان کے مکانات ان سے خالی ہو گئے ہیں اور ان سے زمین ویران ہو گئی ہے۔

حضرت امام علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

حضرت امام علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اپنے اشعار میں یہ شعر بھی بیان فرمایا ہے:

فان تبغوا وتفتخروا علینا　　　　بحمزۃ، فھو فی الغرف العوالی

اب اگر تم سرکشی کرو اور ہمارے مقابلہ میں حمزہ کو شہید کر کے فخر کرو تو یہ تمہارا فخر بے جا ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا اس لیے کہ وہ تو جنت کے عالی شان بالاخانوں میں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رض

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سید الشہدار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علیک سلام ربک فی جنان　　　　مخالطھا نعیم لا تزول

اس جنت میں خدا کا سلام تجھ کو پہنچے جس میں دولت و نعمت بے زوال ملی ہوئی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضؓ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فخرتم بقتلی اصابتهم　　فواضل من نعم المفضل
فحلوا جنانا واابقوا لكم　　اسودا تحامی عن الاشبل

یعنی تم ان شہیدوں کے قتل ہونے پر فخر کرتے ہو جن پر صاحب انعامات کثیرہ یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بہت سے انعامات ہوئے ہیں اور اب وہ جنت میں مقیم ہو گئے ہیں اور تمہارے لیے وہ شیر چھوڑ گئے ہیں جو اپنے بچوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔

نیز ضرار بن الخطاب کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما تقتلوا سعدا سفاها　　فان الله خير القادرينا
سيدخله جنانا طيبات　　تكون مقامة للصالحينا

اے کفار اگر تم سعد بن معاذ کو حماقت سے قتل کر دو تو اس سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر قادر ہیں کہ وہ ان کو پاکیزہ جنت میں داخل کریں گے جو کہ نیک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

صحابہ رضؓ کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سلام سن لیتے ہیں

اہل حق سے آپ اور آپ کے ہم خیال یہ سوال بڑے شدومد کے ساتھ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایک صحابی ایسا بتاؤ جو سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو۔ مگر اہل حق کا اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ اور آپ کے ہم خیال

لوگوں سے بڑے عاجزانہ طور سے **سوال** ہے کہ جن صحابہ کرام رض کی طرف آپ لوگ
یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ وہ حیات النبی بحیات دنیویہ عنصریہ حقیقیہ حسیہ اور سماع
عند قبر النبی ؐ کے قائل تھے تو وہ صحابہ کرام رض اپنے اس نظریہ کے موافق عمل بھی ضرور کرتے
ہوں گے کیونکہ مطابق شعر مشہور ع ۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"
اگر صحابہ کرام رض ہی اپنے علم کے موافق عمل نہ کریں گے تو دوسروں کو تو اور آزادی
مل جائے گی

اہل اصول کا اصل عظیم

ہمارے فقہائے کرام ؒ نے تو اس بات سے ایک قانون مستخرج کیا ہے کہ جو روایت
خود راوی کے عمل کے خلاف ہو تو وہ روایت حجت نہیں ہوتی بلکہ وہ عمل صحابی اس
روایت کے اسناد سے ارجح ہے اگر وہ روایت سچ مچ ہی سنداً صحیح ہو تو یہ کہا جائیگا
کہ یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اگر اس روایت کو معمول بہا سمجھیں تو صحابی پر زد پڑتی ہے کہ
خود صحابی ہو کر سنت نبویہ کی مخالفت کرتا ہے حالانکہ اس صحابی کو اس سنت کا علم بھی
ہے اور خود روایت کرتا ہے۔

یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں کہ حضور ؐ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ
کندھوں تک اٹھاتے تھے ..... مگر ان کے شاگرد فرماتے ہیں کہ دس سال میں اپنے
استاذ عبداللہ بن عمر رض کی صحبت میں رہا آپ ؓ کا یہی معمول دیکھا کہ نماز کے شروع میں
تکبیر تحریمہ کے وقت تو ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ تو
ہمارے علماء کرام فقہاء حنفیہ یہ لکھتے ہیں کہ آپ ؓ کا اپنی روایت کے خلاف معمول یہ دلیل
اس امر کی ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے یعنی ابتداء میں آنحضرت ؐ رکوع میں جاتے وقت
اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر بعد میں حضور ؐ نے ان دونوں
حالتوں میں ہاتھ اٹھانا ترک کر دیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رض یادداشت کے
طور پر فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت بھی تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان

دو حالتوں میں بھی ہاتھ اُٹھاتے تھے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے، دُوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ما بین السجدتین بھی رفع یدین کرتے تھے۔ لیکن اہل سنت میں سے جو لوگ رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کے قائل اور عامل ہیں وہ اس کا یہی جواب دیتے ہیں کہ ما بین السجدتین رفع یدین کا حکم شروع شروع میں تھا لیکن اب یہ حکم نہیں ہے۔

امام بن سیرین مطلب عجب اصول یہ ٹھہرا کہ صحابی اپنی روایت کے خلاف ہرگز عمل نہیں کرتا اگر اپنی روایت کے خلاف کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو صحابی کی طرف اس روایت کی نسبت ہی صحیح نہیں کسی پیچھے کے راوی نے قصداً یا غلط فہمی سے صحابی کی طرف نسبت کردی یا روایت اگر صحیح ہے تو ابتدائی عہد میں یہ حکم تھا اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

تو صورت مذکورہ میں بالفرض حضرت امام سناقی الدین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ سنداً صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے یقیناً بلا شک و بلا تردد بیان فرمایا ہے تو یقیناً اس حدیث پر آپ کا بھی عمل ہوگا۔ آپ مسلمان ہونے کے بعد حضورؐ کے ساتھ ہی رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کی سکونت مدینہ ہی میں رہی یہاں تک کہ آپ ۸۰ سال کی عمر میں سنہ ہجری ۵۷ یا ۵۸ یا ۵۹ میں مدینہ منورہ ہی میں فوت ہوئے۔ آپ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے رہے اور مسجد نبویؐ کے متصل مشرق کی سمت میں حجرہ شریفہ موجود ہے جو آرامگاہ ہے خاتم الانبیاء والمرسلین امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تو اور صحابہ کرام رضہ نہ سہی خود راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ جنہوں نے خود اپنے محفوظ کانوں سے حضورؐ کی معصوم زبان سے بیان فرمودہ حدیث سنی تھی ضرور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ پر دستک دینا ان کا معمول ہوگا۔ پھر ام المومنینؓ پردہ کرکے دروازہ کھولتی ہوں گی آپ میلند و پردہ میں بیٹھ جاتی ہوں گی اور حضرت ابوہریرہؓ صلاۃ وسلام پڑھنے کے لیے قبر اطہر کے پاس

جاتے ہوں گے اور دوسرے صحابہؓ و تابعینؒ بھی نماز پڑھ کر حضورؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیئے بغیر یونہی چلے جانے کو بے مروتی سمجھتے ہوئے ضرور اندر آتے ہوں گے۔ حجرہ چھوٹا، آدمی زیادہ، کتنی دیر لگتی ہوگی، خصوصاً جمعہ و عیدین کے دنوں میں بہت رش ہوتا ہوگا تو یہ امر ایسا ہے جسے بہت مشہور ہونا چاہیے اور اس واقعہ مہمہ کو تمام صحاح والے نقل کرتے امام بخاریؒ بھی تعلیقات میں اس اجماعی عمل کو نقل فرماتے اور حضرت ام المومنینؓ کے پردہ کا احساس کرتے ہوئے اور ان کے آرام میں خلل کا احساس کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ ان کے لیے علیحدہ رہائش گاہ کا انتظام فرماتے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اور کیوں نہ کیا گیا؟ کونسا امر مانع تھا؟

نتیجہ

پس اس امر اہم کا عہد صحابہؓ میں منقول نہ ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ ان کا عقیدہ سماع عند القبر کا نہ تھا ورنہ یہ عمل ان کا نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔ نیز حضرت ام المومنینؓ کو ایسے حالات میں حجرہ شریفہ میں رہنا مشکل تھا لیکن باوجود اس کے ساری عمر اپنے حجرہ شریفہ میں گزاری جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد صحابہؓ میں یہ عمل نہ تھا اور اس عمل کا نہ ہونا دلیل اس امر کی ہے کہ وہ سماع عند القبر کے قائل نہ تھے، ورنہ صحابہؓ پہ بے مروتی کا الزام عائد ہوگا والعیاذ باللہ۔ اور یہ الزام اسی وقت عائد ہو سکتا ہے کہ جب وہ سماع عند القبر کے قائل ہوں، پھر خوشی سے نماز پڑھ کر حضورؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیئے بغیر صلوٰۃ وسلام کہے بغیر اپنے گھروں میں چلے جائیں یا اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

صحابی رسولؐ حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کی جامع مسجد میں تھے۔ مدینہ پاک سے ایک آدمی وہاں دمشق میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حدیث پوچھنے کے لیے پہنچا جس کی بابت اسے یہ بات پہنچی کہ وہ حدیث حضرت ابوالدرداءؓ نے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور کہا کہ میں نے جو سفر اتنا کیا ہے اس سفر سے میرا مقصد اور کچھ بھی نہیں صرف یہ حدیث سننے کے لیے میں نے اس قدر دور دراز سفر کیا ہے۔ حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بتائی، دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴ ۔

نیکوی کہتا ہے کہ وہ شخص تابعی تھا شائق علم دین تھا۔ مگر وہ شہر مدینہ طیبہ، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرامگاہ میں عزلت گزین ہیں، چھوڑ کر دور دراز کا سفر کر کے دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ سے حدیث سننے کے لیے آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ آدمی براہِ راست آنحضرتؐ سے فیض حاصل نہ کر سکتا تھا اور جب ایک تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تو آج پندرھویں صدی کا آدمی آنحضرتؐ سے براہِ راست کس طرح فیض حاصل کر یا کرا سکتا ہے۔ اس حدیث میں ان کا رد شکل آیا جو کہتے پھرتے ہیں کہ جب ہم کو کسی قضیہ میں اشکال ہوتا ہے تو ہم سیدھے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں اور آپ سے اشکال حل کروا لیتے ہیں۔ نیز حضرت ابوالدرداءؓ نے اس مدنی آدمی کو یہ نہیں فرمایا کہ اب تو واپس مدینہ پاک میں جا رہا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تو جا کر حاضری دے گا اور ان کی آرامگاہ پر اپنا صلوٰۃ وسلام کہے گا تو میرا عریضہ صلوٰۃ وسلام بھی آپؐ کو پہنچا دینا کہ یا رسول اللہؐ آپؐ کا پرانا دیرینہ ملازم خادم ابوالدرداء آپؐ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ دستور خیر القرون میں نہ تھا، اسی طرح شام، مصر، بصرہ، کوفہ، یمن، حضرموت وغیرہ میں صحابہؓ پھیل گئے تھے کئی آدمی ان علاقوں سے مدینہ طیبہ آتے جاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک صحابیؓ ایسا دکھائیں جو مدینہ طیبہ جانے والے کو زبانی کہلا بھیجیں کہ آپؐ کا فلاں صحابی خادم و ملازم آپ کو سلام کہتا ہے کیونکہ حضورؐ زندہ آرامگاہ میں بہ نفس نفیس معتکف ہیں۔ مگر کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ اپنی آرامگاہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے زائر کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور نہ یہ عقیدہ تھا کہ آپ بحیاتِ دنیویہ عنصریہ حقیقیہ جسمانیہ حسیہ، زندہ بیٹھے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق

امام ابن تیمیہؒ نے الرد علی الاخنائی مترجم ص ۲۴۲ میں کہا ہے۔ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں صحابہؓ کرام مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے، نماز ادا کرتے اور واپس گھروں میں چلے جاتے، معلوم نہیں ہو سکا کہ نماز کی ادائیگی سے پہلے یا بعد حجرۂ نبوی پر صلوٰۃ وسلام کہنے کھڑے ہوتے ہوں۔

خیال رہے کہ خلفائے راشدینؓ اور عہد صحابہؓ میں حجرۂ نبوی م مسجد کے حدود میں داخل نہ تھا ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں (جب مدینہ منورہ میں بسنے والے صحابہ اکثر فوت ہو چکے تھے ان میں سب سے آخر میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ولید بن عبدالملک کی خلافت سے قبل ۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ولید ۸۶ھ میں خلافت کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۳ھ میں فوت ہوئے حجرہ نبوی کو مسجد میں داخل کیا گیا۔۔۔ اسی سال فقہا و کثرت سے فوت ہوئے سعید بن المسیبؒ وغیرہ اسی سال فوت ہوئے اس سال کو اسی لیے سنۃ الفقہاء کہتے ہیں، اسی سال عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع کو مکمل کیا۔۔۔۔ اور حجرہ عائشہؓ جس میں آپؐ مدفون ہیں اس کے دروازے کو بند کر دیا اور اس کے گرد ایک اور دیوار بنا دی گئی۔ اب تو آپؐ پر سلام بھیجنے والے بہ نسبت قبر اطہر کے پہلے لوگوں سے زیادہ دُور ہو گئے۔

نیلوی کہتا ہے، اس عہد کے چند صحابہؓ مثلاً ابو امامۃ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جو ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور محمود بن الربیعؓ جن کے چہرے پر آپؐ نے پانی کی کلی پھینکی تھی جبکہ وہ پانچ سال کے تھے ۹۳ھ میں فوت ہوئے اور سائب بن یزید کندیؓ ۹۳ھ میں فوت ہوئے، عبداللہ بن ابی طلحہؓ ان کے بعد فوت ہوئے سہل بن سعد ساعدی رضؓ ۹۱ھ میں فوت ہوتے اور عہد رسالت میں بچے تھے سن رشد کو نہیں پہنچے تھے، جو موجود تھے عمر بن عبدالعزیزؒ کی اس کارروائی پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ تم نے دروازہ بند کر کے اور ارد گرد دیوار کھینچ کر ان لوگوں کو

محروم کر دیا جو زیارت قبر النبی ﷺ سے مشرف ہوتے اور صلوٰۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنانے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیزؒ کا رویہ

خود خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیزؒ جو مجدد مائۃ ثانیہ کہلاتے ہیں اور بڑے پائے کے محدث تھے اگر ان کا یہی عقیدہ ہوتا تو خود آپ کے قبر اطہر پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور لوگوں کو بھی حکم کرتے اور حجرہ شریفہ کا دروازہ بند نہ کرتے اور اس کے گرد دیوار نہ بناتے۔ بلکہ قبر اطہر کو خود کھلے میدان میں بنایا جاتا۔ چلو آپ کی قبر اطہر کو ام المومنین رضؓ کے حجرہ شریفہ میں بنایا ہی گیا تھا تو زیارت مشتاقین کے لیے اور عند قبر النبی صلوٰۃ و سلام سنانے کے لیے ضروری تھا کہ حجرہ شریفہ کے ایک طرف زائرین کے داخل ہونے کے لیے دروازہ ہوتا اور قبر اطہر کے نزدیک زائرین کے ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ کا انتظام ہوتا کہ وہاں زائرین بیٹھ سکتے اور اگر دروازہ بھی نہیں تو کم از کم دیوار میں ایک کھڑکی کا انتظام کیا جاتا تاکہ زائرین گزرتے ہوئے کھڑکی سے قبر اطہر پر نظر ڈالتے۔ اور آپ کو صلوٰۃ و سلام سُنا سکتے اور دُعا کرا سکتے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ قبر اطہر پر صلوٰۃ و سلام کھڑے ہوکر پڑھنا تو رہا درکنار، قبر اطہر کی محض زیارت کے لیے بھی تو کوئی سہولت موجود نہیں چھوڑی گئی اور کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس کے ذریعے قبر اطہر پر پہنچا جا سکے، نہ ہی وہ حجرہ منیفہ جس میں آپ مدفون ہیں کوئی وسیع رقبہ کا حامل ہے اور نہ ہی حجرہ کی کسی دیوار پر کوئی کھڑکی موجود ہے۔ بہر حال حجرہ شریفہ کے اندر داخل قبر اطہر کے پاس جانا ممکن ہی نہیں رہا۔ لہٰذا علی فرض صحۃ الحدیث "عند قبری" قبر کے پاس والی بات ناممکن ہے۔

اور اسی لیے سلف صالحین نے اس قول سے اجتناب کیا۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ پر نہ قندیلیں روشن ہو سکتی ہیں نہ ہوئی ہیں، نہ غلاف چڑھایا جا سکتا ہے نہ چڑھا تھا ہے جب کہ مسجد نبوی کی زینت

اور آرائش کے لیے اس میں رنگ برنگ قمقمے اور فانوس لٹک رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کی قبر اطہر کو کسی خوشبو کے ساتھ معطر کرنا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی وہ لوگ جو عام اولیاء اللہ کی قبروں کے لیے مختلف قسم کی چیزوں کی نذر مانتے ہیں اور عملاً ان قبروں پر پہنچ کر نذریں پوری کرتے ہیں۔ آپ کی قبر اطہر پر کسی نذر کے پورا کرنے کی گنجائش نہیں اگرچہ بعض لوگ جمالی (مشبکہ) کے ساتھ خلاف شرع معاملہ کر لیتے ہیں لیکن آپ کی قبر اطہر ان کی ان نازیبا حرکتوں سے محفوظ ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبولیت بخشا: اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اے اللہ میری تربت کو بت خانہ نہ بنانا کہ اس کی پوجا شروع ہو جائے۔

بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے رشید تلامذہ تابعین اور پھر تبع تابعین قبر اطہر کو زیارت گاہ بنانے سے گریز ہی کرتے رہے اور انہوں نے اپنے مبارک عہد میں کبھی تحصیل برکت اور شفاعت کے لیے قبر اطہر کا قصد نہیں کیا۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس عہد کے صحابہ کرامؓ تابعین اور خلفاء راشدینؓ سماع عند قبر النبیؐ کے قائل نہ تھے اور ان کا معمول یہ نہ تھا کہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام کہیں اور ان سے دعا کروائیں اور ان کو شفاعت کرنے کے لیے عرض معروض کریں۔

ہمارے قول کی تائید امام ابن تیمیہؒ کے قلم سے

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قبر اطہر پر کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابہؓ اور تابعین جو مدینۃ الرسول میں قیام پذیر تھے ان کا معمول یہ نہ تھا کہ جب بھی وہ مسجد نبویؐ میں داخل ہوں یا مسجد نبویؐ سے باہر نکلیں تو آپ کی قبر اطہر پر جا کر سلام کہیں اور اگر اس سلام کا حکم اس سلام کی طرح ہوتا جس کو آپ کی زندگی میں صحابہؓ کرامؓ آپ پر کہتے تھے، تو یقیناً صحابہ کرامؓ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ضرور

وہاں پہنچ کر سلام کہتے جیسا کہ جب آپ بقیدِ حیات تھے اور مسجد میں تشریف فرما ہوتے، تو صحابہ کرام کو حکم تھا کہ وہ آپ پر سلام کہیں، بلکہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور مسجد میں کچھ لوگ موجود ہیں تو اس کے لیے ان پر سلام کہنا مسنون ہے، اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت سلام کہنا بھی مسنون ہے، بلکہ ایک حدیث میں صراحت موجود ہے کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے۔ اور اس قسم کے سلام کو قبرِ اطہر کے پاس مشروع قرار دینا اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

نیز صحابہ کرام کی عادتِ معروفہ کے بھی مخالف ہے۔ اگر حجرۂ عائشہ رضہ کے باہر سلام تحیہ کہنا مستحب ہوتا تو اس کا استحباب عام ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلاف اس مسئلہ میں عمومیت کے قائل ہیں، اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں کے درمیان فرق کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی حالتِ سفر اور غیر سفر میں کچھ فرق کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ اہلِ مدینہ کے لیے مکروہیت کا حکم اور غیر کے لیے استحباب کا حکم دلیلِ شرعی کا محتاج ہے۔ جب کہ اس فرق کے لیے کوئی دلیلِ شرعی موجود نہیں۔ کوئی محقق بات ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لیے مشروع قرار دیا ہو کہ مدینہ سے الوداع ہوتے وقت قبرِ اطہر پر حاضری دیا کریں یا سفر سے واپسی پر قبرِ اطہر کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہو اور نہ ہی مدینۃ الرسول ؐ سے باہر رہنے والوں کو حکم ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو ان کے لیے قبرِ اطہر پہ حاضری دینا مستحب ہو۔

حضرت ابن عمر رضہ کا تفرد

البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ سفر سے آتے تو قبرِ اطہر پر جا کر سلام کہتے۔ عبداللہ بن عمر رضہ سے جذبۂ اتباعِ رسول ؐ کے پیشِ نظر بعض دیگر تفردات بھی منقول ہیں جو جمہور صحابہ کرام رضہ کے تعامل کے خلاف ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر ہمیشہ کوشاں رہتے کہ جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ سفر اترے ہیں، وہاں نزول کرتے اور جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی، وہاں اتر کر نماز ادا کیا کرتے۔

بلکہ جس راستہ سے آپ گزرتے اسی راستہ کو اختیار کرتے لیکن ان کے والد حضرت عمرؓ انہیں اسی تشدد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

امام عمرؓ کا اپنے بیٹے کو ایسے کاموں سے روکنا

سنن سعید بن منصور میں بواسطہ الاعمش عن المعرور بن سوید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: خرجنا معہ فی حجۃ حجہا فقرأ بنا فی صلوٰۃ الفجر الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل ولإیلاف قریش فی الثانیۃ فلما رجع من حجہ رأی الناس ابتدروا المسجد فقال ما ھٰذا فقالوا مسجد صلی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھٰذا املۃ اھل الکتٰب تیلکم اتخذوا آثار انبیائہم بیعًا، من عرضت لہ منکم فیہ الصلوٰۃ فلیصل ومن لم یتعرض لہ فلیمض یعنی المعرور فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے آپ نے فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فیل اور دوسری میں سورہ قریش تلاوت فرمائی۔ جب آپ حج سے واپس لوٹے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھنے کے لیے اس جگہ کا قصد کر رہے ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ اہل کتاب کا ہے انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت خانوں میں تبدیل کر دیا۔ یاد رکھو کہ اگر ایسے مقام پر نماز کا وقت آجائے تو نماز ادا کرنے میں رکاوٹ نہیں اور اگر نماز کا وقت نہ ہو تو قصداً نماز کے لیے ایسے مقام کی طرف جانا درست نہیں ہے۔

اجماع صحابہ کرامؓ

عبداللہ بن عمرؓ سمیت تمام صحابہ کرام متفق ہیں کہ اہل مدینہ کے لیے مستحب نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد نبوی میں داخل ہوں یا نکلنے لگیں تو سلام کرنے کے لیے قبر اطہر پر وقوف کریں بلکہ اس طرز عمل کو مکروہ سمجھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جو علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر سلام کہتا ہے تو مجھ میں میری روح کو واپس کیا جاتا ہے اور میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں) اور اس کے جواز کے قائل ہیں ان کا استدلال ضعیف ہے۔ اگر اس حدیث سے سلام کا استحباب ثابت ہوتا ہے تو صحابہ کرامؓ کا اس کے ترک پر اجماع نہ ہوتا۔ بلکہ اگر یہ عمل جائز بھی ہوتا تو کسی ایک صحابی سے تو اس کا تعامل منقول ہوتا۔ معلوم ہوا وہ اس فعل کو ناجائز سمجھتے تھے۔ لہٰذا حدیث صحیحہ بھی اس کے ناجائز ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہی ہیں اور صحابہؓ و تابعینؒ کا اجماع بھی اس کے خلاف ہے۔

قبر النبیؐ کی تشبیہ بیت اللہ کے ساتھ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، الرد علی الاخنائی مترجم ص ۲۴۳ میں یہ بھی فرماتے ہیں:

اگر روضہ نبویؐ کی زیارت کے آداب میں اس کو شامل کر لیا جائے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت روضہ نبوی پر سلام کہا جائے تو کیا بلا دلیل اس کی مشابہت بیت اللہ شریف کے ساتھ نہ ہو گی؟ جس طرح بیت اللہ شریف کے آداب میں داخل ہے کہ اس کی زیارت کرنے والا طواف قدوم کرے اور واپس جانے والا طوافِ وداع کرے۔ ظاہر ہے کہ شریعت حقہ میں بلا دلیل کسی حکم کو داخل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرۂ عائشہؓ کا طواف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، صحیح مسلم میں ہے:

عن ابی مرثد الغنوی انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تم قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

اس کلیہ میں قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ نہیں ہے۔

پس اہل مدینہ اور غیر اہل مدینہ کسی کے لیے قبر نبوی پر وقوف کرنا ثابت نہیں۔

آگے چل کر لکھا آپ کی قبر کی زیارت ممکن نہیں جب کہ اس پر قدرت حاصل نہیں اس لیے کہ آپ کی قبر اطہر کے گرد کئی دیواریں ہیں پس آپ کی قبر کی زیارت ممکن ہی نہیں غالباً اسی لیے زیارت مشروع بھی نہیں ہے پس ان لوگوں کا قول اقرب الی الصواب ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی زیارت کا جملہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

آگے چل کر لکھا: دیگر احادیث کو ملاتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پہنچانے کے لیے فرشتے مقرر ہیں، ورنہ آپ کا سننا ثابت نہیں۔ اسی طرح بعض جاہل لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ جمعہ کی رات اور دن کو خصوصیت کے ساتھ سنتے ہیں بالکل باطل ہے اور اسی طرح یہ نظریہ کہ آپ تمام مخلوق کی آوازوں کو سنتے ہیں بالکل لغو ہے۔ یہ وصف تو رب العالمین کا ہے جو تمام کی آواز کو سنتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجوٰھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ ہاں ہاں سب سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس ان کی سب باتیں لکھ لیتے ہیں۔

نیز فرمایا: ما یکون من نجوٰی ثلٰثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم یعنی کسی جگہ تین شخصوں کا مجمع اور کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے۔

پس جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی طرح کوئی انسان بھی تمام بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے۔ ان کا نظریہ عیسائیوں والا ہے جو مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں اور جو کام لوگ کرتے ہیں ان کو وہ جانتے ہیں۔ ان کی آوازوں کو سنتے ہیں ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم الی قولہ واللہ ھو السمیع العلیم۔

اعتراض اور جواب

اعتراض: صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے روانہ

ہوا، اثنائے سفر میں ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس سے ملا اس نے پوچھا کدھر جا رہے ہو؟ جواب دیا فلاں بستی میں میرا بھائی رہتا ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے دریافت کیا کیا تیرا اس پر کچھ احسان بھی ہے اس نے جواباً کہا نہیں صرف اللہ کے لیے اس سے محبت ہے، اس نے بیان کیا کہ میں تیری طرف اس کا قاصد بن کر آیا ہوں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ جب تو اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے، تو اللہ تیرے ساتھ محبت کرتا ہے۔

نیز مؤطا امام مالکؒ میں معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے وہ لوگ میری محبت کے حق دار ہو گئے جو میری رضا جوئی کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔

پس ان دو حدیثوں کی روشنی میں یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہے اور اس سے وہ اللہ کی محبت کا حق دار ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا احترام فوت ہونے کے بعد بھی اتنا ہی رہنا چاہیے جتنا کہ زندگی میں تھا اور جن کو اللہ پاک نے تمام مخلوقات پر شرف بخشا ہے اور جن کی وجہ سے ہدایت حاصل ہوئی اور جن کی برکت سے ہم شیطان سے محفوظ ہوئے اور جو ہم پر اس قدر رحیم ہیں کہ جہنم سے بچانے کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے) ان کی قبر کی زیارت کے لیے سفر نہ کیا جائے؟

جواب: جن احادیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے ان میں صراحتاً ذکر ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی زیارت کے لیے جاتا ہے جب کہ وہ زندہ ہے۔ زندگی کے بعد اس کی قبر کی زیارت کا ذکر حدیث میں نہیں ہے پس جس شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی وہ صحابہ کرامؓ ہیں جن کو خیر القرون کا لقب ملا۔ لیکن کیا جب آپ فوت ہو گئے ہیں تو آپ کی قبر کی زیارت بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ آپ کی زیارت صحابہ کرامؓ

نے کی جب کہ آپؐ ان کے درمیان تھے ظاہر ہے کہ اس کو اس پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کسی بھی امام سے یہ استدلال منقول نہیں کہ اس نے آپ کی قبر کی زیارت کو آپؐ کی زندگی کی زیارت کے مساوی قرار دیا ہو یا اس پر قیاس کیا ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کے پاس اس کی زندگی میں ملاقات کرتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے، بلکہ اس سے گفتگو کرتا ہے، اس کی کلام کو سنتا ہے، آپس میں سوال وجواب ہوتا ہے لیکن اس کا بھائی جب فوت ہو جائے تو کیا اس کی قبر کی زیارت کرنے سے اس کا مشاہدہ کر سکے گا؟ ہرگز نہیں! اسی طرح جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرے گا یا اس دیوار کا مشاہدہ کرے گا جو آپؐ کے حجرہ کے گرد بنی ہوئی ہے اس کو نہ تو آپ کا دیدار حاصل ہو گا نہ آپ کا کلام سن سکے گا۔ نہ اس کو آپؐ کی مجلس کا شرف حاصل ہو گا۔ اگر کہا جائے کہ اس کو یہ تمام سعادتیں ضرور حاصل ہوں گی تو پھر اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شمار کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے باطل اور غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیا کوئی شخص ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں داخل سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤیدہ دلیل

نیلوی کہتا ہے کہ علماء اصول نے صحابی کی جو تعریف فرمائی ہے وہاں رؤیت کی حد و اندازہ کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ جانبین کی حیات دنیوی ہو۔ جس جس نے بوقت تدفین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا وہ صحابی نہیں اور اسی طرح شب معراج میں جن پیغمبروں کو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آپؐ نے دیکھا ہے، وہ بھی اس تعریف میں نہیں آتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شرف صحبت حاصل ہے اس واسطے کہ آپ زندہ زمین سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور اخیر زمانہ میں دین محمدیؐ کے نائب ہو کر امام مہدی کے وقت تشریف لائیں گے۔ کما فی جمیع کتب الحدیث (از مقدمہ استجلاء البصر من شرح نخبۃ الفکر ص ۱۶۱)

تدریب الراوی ص ۲۰۹ میں ہے من رآه بعد موته علیه السلام قبل الدفن وقد وقع ذلک لابی ذؤیب خویلد بن خالد الهذلی فانه لا صحبة له یعنی جس شخص نے آپ کی وفات کے بعد اور مدفون ہونے سے پہلے آپ کو دیکھ لیا وہ صحابی نہیں ہے جیسے ابوذؤیب خویلد بن خالد الہذلیؓ نے آپ کو اس وقت آکر دیکھا جب آپ وفات پاچکے تھے اور ابھی تک آپ کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا ابوذؤیب خویلد بن خالد ہذلی صحابی نہ بن سکے

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۳

مشکوٰۃ ص ۱۶۵: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ بعض ازواج مطہرات نے حضورؐ سے عرض کی کہ ہم میں سے وہ کون ہے جو جلدی کے ساتھ آپ کو ملنے والی ہے یعنی آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کون پہلے مرے گی تو آپ نے فرمایا تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں، یعنی اللہ کی راہ میں بہت دیتی ہے (الحدیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ سے ملاقات کا مطلب ہے عالم برزخ کی ملاقات ورنہ آنحضرتؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ منیفہ میں مدفون ہیں اس میں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی رہتی تھیں تو ہر وقت انہی کی ملاقات ہوتی رہتی ہے نہ کہ زینبؓ اور تمام امہات المومنینؓ نے بھی عالم برزخ کی ملاقات سمجھی۔ اگر جسد عنصری حقیقی حسی دنیوی کے ساتھ حیات مراد ہوتی تو پھر پہلے ملنے والی حضرت عائشہؓ کو کہا جاتا نہ ان کا خیال سودہؓ کی طرف جاتا اور زینبؓ کی طرف۔

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۴

مشکوٰۃ ص ۳۶۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ (میں اندر آسکتا ہوں) حضرت سعدؓ نے وعلیکم السلام تو کہا مگر حضور کو سنا کے نہیں کہا چپکے سے کہدیا۔ تین بار حضورؐ نے سلام

اور تینوں بار سعد نے جواب دیا مگر چپکے سے سُنا کر حضورؐ کو جواب نہیں دیا، پھر حضورؐ واپس گھر کو جانے لگے اور سعدؓ آپ کے پیچھے آئے اور کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپؐ کے تینوں سلام میرے کان میں آئے میں نے سُنا اور میں نے تینوں سلاموں کا جواب دیا لیکن میں نے آپ کو سُنایا نہیں کیونکہ میری خواہش تھی کہ میں آپ کے سلام اور کلام سے بے حد سلامتی اور برکات حاصل کروں۔ الی آخر الحدیث۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ جب خالص دنیوی زندگی میں تھے تب تو دیوار کے ساتھ اندر والے کی آواز آپ نے نہیں سُنی حتیٰ کہ واپس جانے لگے اور حائل بھی درمیان میں کپڑا نہ تھی دیوار ہی ہوگی اور بعد از وفات باہر والے کی آواز اندر والا میت کس طرح سُن سکتا ہے؟ خاص کر کے جب کہ سات پردوں ۱۸ ہاتھوں کا فاصلہ ہو۔

پھر بھی بعد از وفات آپؐ پست آواز سُن لیتے ہیں؟

اس حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں محترم مولنا کا تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۵۳ میں بحوالہ تذکرۃ الخلیل ص ۳۶۶ حضرت مولنا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے جو منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے، مسجدِ نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ آہ کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے۔

بخاری شریف ص ۱۰۸۱ میں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جب (یا ایہا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو) نازل ہوئی تو (فما کان عمرؓ یسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یستفہمہ، اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُن بھی نہ پاتے تھے اور دوبارہ دریافت فرماتے تھے۔

جب حیات دنیوی میں آپ پست آواز نہیں سنتے تھے تو حیات برزخیہ میں پست آواز اس جہان کی اس جہان تک کیسے پہنچ سکتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ احیاة البرزخیة لیست الحیاة المتعارفة والا لاقتضت لوازمها کما فی غایة الامانی ج ۱ ص ۳۱۲ یعنی آپ کی برزخی حیات یہ متعارف حیاۃ نہیں ہے اگر آپ کی یہی متعارف حیات ہوتی تو اس کے لوازم بھی ساتھ ہوتے کیونکہ الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ (آب حیات ص) اور الشیء یتعدم بانعدام لوازمہ کما فی المجلد الثالث من الہدایہ ملم عینانی ص ۱۸۱ یعنی جب کسی چیز کے لوازمات نہ رہیں تو وہ چیز خود بھی نہیں رہتی تو اس لیے:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لوازم حیات عنصری نہ رہے تو پھر آپ کی حیات عنصری جسمانی دنیوی حقیقی حسی بھی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ استاذی و شیخی ومقتدای ومولای فقیہ النفس ابوحنیفہ ثانی مفتی اعظم ہند حضرت محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً سانغۃً کافیۃً جلیلۃً عظیمۃً نے اپنے فتاویٰ میں صاف صاف تحریر فرمایا ہے:

مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ کے سنہری فتوے

کفایت المفتی جلد ۱ ص ۴۷، ۵۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا صحیح ہے قرآن مجید میں ہے:

افان مات او قتل، اور انک میت و انھم میتون۔

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی بشریت مع اپنے لوازم جسمانیت وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی اور جیسے آپ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں کہ یہ بات صریح البطلان ہے واللہ اعلم، محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ خدا بخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، سکندر دین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، عبدالغفور عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، انتظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، محمد حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

کفایت المفتی ج ۱ ص ۷۷ : ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے اجو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوتی ہے جو اولیاء کی حیات سے ممتاز ہے۔ مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔

کفایت المفتی ج ۱ ص ۹۱ : ہمارا اور امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے یہ حضرت حق ہی کو معلوم ہے وہ حیات حضور پر لوازم پر مترتب کے اطلاق کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضور کو خطاب کر کے فرمایا ہے انک میت وانہم میتون اور دوسری جگہ فرمایا أفإن مات أو قتل اور حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا :

من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مفتی گکھڑوی کا فتویٰ

آپ نے حضرت مفتی اعظم ہند کا فتویٰ تو دیکھ لیا۔ اب محترم مولینا کا فتویٰ بھی سنیں جو تسکین الصدور طبع ۱ ص ۱۶۵ میں ہے۔ بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے۔

کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۴۳ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بذات خود درود شریف سننا ثابت نہیں۔ ملائکہ سیاحین کے ذریعے سے درود شریف پہنچایا جاتا ہے (یعنی عالم برزخ میں۔ نیلوی)

مسئلہ تشفع کے بارے حضرت استاذی المکرم رحمہ اللہ رحمۃً کا فتویٰ تو کفایت المفتی ج ۱

لہ قبر سے مراد شرعی قبر (عالم برزخ) مراد ہے۔ خود استاذ جی نے جواہر الایمان ص میں اس کی تصریح فرمائی ہے ۱۲

ص ۱۰۵ میں فرمایا: "کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے کشفی طور پر مشاہدہ بھی کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور ﷺ خود مجلس میں تشریف لائے، کیونکہ کشف میں ایسی چیزوں کا ایسے مقام پر مشاہدہ ہوجاتا ہے جہاں وہ چیزیں خود نہیں ہوتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں جنت اور دوزخ کو قبلہ کی دیوار میں مشاہدہ فرمایا۔ صحیح بخاری کی صحیح حدیث میں اس کی تصریح ہے ما من شیئ کنت لم اراہ الا قد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار اور ایک روایت میں فی عرض ھذا الحائط اور مثلہ بھی آیا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام مرئیات اور جنت ونار خود وہاں موجود نہ تھیں، بلکہ یہ کشفی مشاہدہ تھا۔

احسن وصحیح تر جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے اور یہ ایسی زندگی ہے کہ اس پر موت نہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی، صدیق اور شہید ہیں اور شہداء کی زندگی اللہ تعالیٰ نے احیاء عند ربھم یرزقون فرحین فرمائی، نیز فرمایا ولکن لا تشعرون۔ بنابریں آپ کی برزخی زندگی تمام شہداء، صدیقین، بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی اعلیٰ وافضل اور برتر ہے آپ بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبورؐ میں برزخی زندگی سے فائز جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص سے مومنین کی برزخی زندگی یعنی اہل ایمان کا جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز، اور بدکاروں کا عذاب میں مبتلا ہونا بھی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص ناطقہ سے اظہر من الشمس ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی دلیل ۵

فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۴ میں ہے نقال اسأل اللہ الرفیق الاعلیٰ الا سعد

لہ قبر سے مراد برزخ ہے۔ جیسے جواہر الایمان ص۳ میں آپ نے خود تصریح فرمائی ہے۔

مع جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وظاهره ان الرفیق المکان الذی تحصل المرافقۃ فیہ المذکورین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ اسعد یعنی جبرائیل میکائیل اسرافیل کی مرافقت کی دعا مانگی اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جہاں یہ مقربین بارگاہ الٰہی عنداللہ و دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہیں، آپ اسی مقام میں ان کی رفاقت سے سرفرازی چاہتے ہیں، نہ کہ ان مقربین بارگاہ الٰہی کو آپ اپنی قبر شریف میں رفاقت کے طلب فرما رہے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۶

فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ ایک آدمی قبلہ رخ ہو کر بیٹھا ہے دوسرا آدمی اس کی پشت کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں (صحاح ستہ وغیرہ) میں باسانید صحیحہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آگے لیٹی ہوئی تھیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھتے تھے۔ جب سجدہ میں جانے لگتے تھے تو ہاتھ لگاتے تھے تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اپنی ٹانگیں سکیڑ لیتی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ زندہ آدمی قبلہ رخ سامنے بیٹھا یا لیٹا ہو تو اس کی پشت کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اس سے پہلے اسی کتاب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرہ عائشہ رض کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

تو اس اجماع سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام رض کا اجماع ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں دنیوی، عنصری جسمانی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں ہیں بلکہ روحانی اور برزخی حیات ہے۔ ورنہ آپ کی قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے سے منع نہ فرماتے کیونکہ نہ تو آرامگاہ کے سامنے نماز پڑھنے کی ممانعت کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اور نہ دیوار حجرہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اور پھر قبر نبی ﷺ، قبر تو (آپ کے زعم کے مطابق) قبر ہی نہیں بلکہ آپ کی آرامگاہ معتکف

خارج از مسجد اور کوٹھی ہے پھر آرامگاہ اور کوٹھی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے میں کونسی وجہ ممانعت کی ہو سکتی ہے۔

الحاصل قبر نبی م کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت پر صحابہؓ کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ سب صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ آپ بجسدہٖ و بہم بحیوٰۃ دنیویہ عنصریہ زندہ نہیں ہیں دنیا کے اعتبار سے آپ اموات میں داخل ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۷

ابوداؤد سجستانی رح اپنی سنن ج ۲ ص ۲۹ میں باب الاضحیۃ عن المیت (میت کی طرف سے قربانی کرنے کے ثبوت وجواز کا باب (بیان) منعقد فرماتے ہیں۔

عن حنش قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین، فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ یعنی حنش نے کہا میں نے حضرت علی رض کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دے گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری طرف سے قربانی کرتے رہنا۔ اس لیے میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہتا ہوں۔

اس حدیث باب سے امام ابوداؤدؒ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور حدیث باب میں جس میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت اور جواز استنباط کیا گیا ہے وہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور قربانی کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جس سے روز روشن کی طرح عیاں و آشکارا ہے کہ ابوداؤد سجستانیؒ نے حضورؐ کو میت کہا اور مستقل باب منعقد کیا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط سے مسلسل آج تک محدثینؒ شارحین، فقہاء، مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی، حنبلی) اس باب کو پڑھتے پڑھاتے اور شرح کرتے آئے ہیں، مگر آج تک کسی غالی

سے عالی مقتدر کو اس باب اور حدیث باب پر عالم بیداری میں تو کیا عالم خواب تک میں انکار و اعتراض نہیں سوجھا، غرضیکہ پوری امت بالاتفاق اس باب کو قبول و معمول بہ قرار دیتی ہوئی متفقہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون جسد اطہر کو میت ہی مانتی چلی آرہی ہے بلکہ خوش قسمت و بلند بخت اہل علم حضرات حضرت علی رضہ کے عمل اور فرمان نبوی کی ذیل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کا شرف بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس اقرار کے باوجود بھی آپؐ کو دنیوی حسی حقیقی جسمانی عنصری حیات ثابت کرنا اپنے دو عملوں میں تناقض پیدا کرنا ہے۔

یہ حدیث امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع ج ا ص ۹۳ میں ذکر کی اور مشکوٰۃ ص ۱۲۸ میں بھی مذکور ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۸

جیسے محقق ابن اثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف فرما ہوتے تو نماز سے پہلے یا پیچھے آپؐ کو السلام علیکم کہتے۔ بغیر سلام کہے دربانی بھی بے رخی کرتے ہوئے چلے نہ جاتے تھے مگر کسی حدیث سے یہ بات نہیں ملتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بعد از وفاۃ النبیؐ یہ معمول ہو کہ جب بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آئیں تو قبر النبی پر السلام علیک یا رسول اللہ بھی کہتے جائیں۔

اس عمل صحابہ کرام رضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو صحابہ کرام رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی حیات کے ساتھ آپؐ کو زندہ فی القبر مانتے تھے اور نہ ہی آپؐ کے سماع عند القبر کے قائل تھے کیونکہ اگر یہ تسلیم کریں کہ ان اصحاب کبار کا یہی عقیدہ تھا اور یہی عقیدہ رکھتے ہوئے نماز پڑھتے آئیں اور سلام علیک کہنے کے لیے آپؐ کی قبر اطہر کی طرف رخ تک نہ کریں تو صحابہ کرامؓ پر بہت بڑا الزام عائد ہوتا ہے کہ معاذ باللہ سخت بے مروت ہیں اس لیے کہ حسب مقولہ حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمہ اللہ قبرستان

میں گزرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جائے" (جمال قاسمی ص ۹)

یہ تو عام قبرستان میں گزرنے کے متعلق فرمایا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ کی وہ حیثیت تو ہرگز نہیں جو دوسروں کی قبور کی ہوتی ہے۔ جب امتیوں کے قبرستان میں بغیر سلام کرنے کے یوں ہی آنکھیں چرائے چلا جانا بڑی بے مروتی ہے اور بہت ہی بری بات ہے تو مسجد نبویؐ میں پانچوں وقت نماز پڑھنے آنا اور فیصلے کرنے کرانے اور شہادت دینے کے لیے آنا اور اپنے محسن اعظم شفیق اکبر والد روحانی معلم لاثانی علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دینا اور ان کو السلام علیکم نہ کرنا بلکہ بغیر ملاقات کیے یوں ہی آنکھیں چرا کر اپنے اپنے گھروں کو چلا جانا کتنی بری قسم کی بے مروتی ہے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والعیاذ باللہ سچ مچ ایسے ہی تھے کہ جب سامنے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ اس کو باعث برکت من اللہ سمجھ کر اپنے بدن پر مل لیتے تھے آپ کی تھوک مبارک کو باعث برکت من اللہ سمجھتے تھے اور آپ کی معصوم پیٹھ کے ساتھ اپنا پیٹ لگانا سعادت سمجھتے تھے اور آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے تھے آپ سے دعا کرواتے تھے اور حضرت ان کے حق میں دعا مانگتے تھے، قحط پڑ جاتا تو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرواتا۔ گناہ ہو جاتا تو آپ بھی اللہ سے بخشش مانگتا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے گناہ بخشوانے کی درخواست کرتا۔

لیکن اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرامگاہ میں عزلت نشین ہو گئے ہیں اب حضرت امام اول خلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپ کے یار غار تھے رفیق سفر تھے اور بچپن سے حضرت کے قدیمی دوست تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات کبھی سننے میں نہیں آئی کہ ان کا معمول ہو پانچوں وقت نماز سے پہلے یا پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم یا رسول اللہ کہا ہو، حالانکہ حجرہ شریفہ میں ان کی اپنی صاحبزادیؓ سکونت پذیر تھیں انہیں تو اجازت ملنے میں بھی کوئی دقت نہ تھی

مگر کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں بھی آپؓ کا یہ معمول نہیں ملتا۔

اس کے بعد امام ثانی حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا ان کے عہد ہمایوں میں بھی یہ معمول نہیں ملتا۔ قحط پڑا تو بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ پر جا کر عرض معروض کرتے، آنحضرتؐ کے چچا جان حضرت عباسؓ کو باہر میدان میں لے گئے آپ بھی دُعا کی اور ان سے بھی دُعا کی درخواست کی۔ اور جو قصہ حضرت بلال مزنیؓ کی طرف منسوب ہے وہ سراسر جھوٹ ہے جو سیف بن عمرو نے گھڑا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا عہد آیا اس عہد میں بھی یہ معمول نہیں ملتا، حضرت ذی النورینؓ پر کس قدر مصائب آئے مگر آنحضرتؐ کی آرامگاہ میں سلام علیک کہنے بھی نہیں گئے حتیٰ کہ اپنے دار میں بھوکے پیاسے ڈیڑھ مہینہ محبوس رہے۔ اخیر میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے کرتے باوضو اور روزہ دار ہوتے کی حالت میں اشقیاء کے ہاتھوں بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے بعد حضرت علیؓ کا عہد آیا اس عہد میں بھی یہ رسم نہیں نکلی تھی کہ نماز سے آگے یا پیچھے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے والے آنحضرتؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیتے اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر جاتے بلکہ کسی صحابیؓ سے یہ معمول ثابت نہیں ہے البتہ اتنا احادیث میں ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر پر آپ جانا چاہتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آکر درود پڑھتے اور دُعا مانگ کر فوراً چلے جاتے (موطا امام محمد عن مالک عن عبداللہ بن دینار ص ۳۹۰) اور پھر فرمایا قال محمد هكذا ينبغي ان يفعله اذا قدم المدينة يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم یعنی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر تشریف لاتے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام کرتے دعا کرتے پھر واپس چلے جاتے تھے ایسے ہی کرنا دوسرے لوگوں کو بھی مناسب ہے کہ جب مدینہ میں آئیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر آئیں۔ اور آپ پر درود بھیجے اور دُعا مانگے پھر چلا جائے۔

مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت میں تو یہ ہے کہ آپؐ السلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ نبیؐ اور صاحبینؓ تینوں پر صلوٰۃ کرتے اور ایک میں ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھتے تھے۔ بہرحال یہ سلام دعائیہ ہے خطاب کرنا مقصود نہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۹

ہمارے حضرات حنفیہ فقہاء کے استاذ اولین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشھد کما یعلمنی السورۃ من القرآن التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وھو بین اظھرنا فلما قبض قلنا السلام علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد اسی طرح سکھایا جس طرح قرآن کریم کی سورتیں سکھاتے تھے التحیات للہ الخ آپ کی حیات طیبہ میں ہم تشہد میں السلام علیک ایہا النبی خطاب کے صیغے سے پڑھتے رہے جب آپ کی وفات شریف ہوئی تو پھر ہم السلام علیک کی جگہ غائب کے صیغے سے السلام علی النبی پڑھنے لگے۔ فلما قبض کی شرح میں علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری میں ارشاد فرماتے ہیں:

فلما قبض ھکذا جاء فی ھذہ الروایۃ دون الروایات المتقدمۃ ظاھرھا انھم کانوا یقولون السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ بکاف الخطاب فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما مات ترکوا الخطاب وذکروہ بلفظ الغیبۃ فصاروا یقولون السلام علی النبی یعنی دوسری روایتوں کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کی حیات طیبہ میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کو خطاب سے پڑھتے تھے جب آپ وفات پاچکے تو وہ خطاب چھوڑ کر غائبانہ

طور پر علی النبی پڑھنے لگے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس بیان اور علامہ عینیؒ کی اس تشریح سے نمایاں طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں (بحیات جسد عنصری) اگر آپ اپنی عرفی قبر شریف میں بحیات جسد عنصری زندہ ہوتے تو حضرات صحابہ کرامؓ خطاب کو ترک ہی کیوں کرتے اور قلنا قبض اور قلنا مات کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔

اور اصل روایت میں لفظ قلنا اور علامہ عینیؒ کی شرح کے الفاظ فصار و یقولون یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کل صحابہ کرامؓ کا یہی عمل اور یہی عقیدہ تھا کہ آپ اپنی عرفی قبر شریف میں بجسد عنصری زندہ نہیں۔

اور سنن ابی داؤد کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی رُوحِ طیبہ عالم برزخ میں ہے جیسے کہ یہ مقدس الفاظ ہے عن ابی ہریرۃؓ قال قال ما من مسلم یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام (کتاب المناسک باب زیارۃ القبور)

نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۳

مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص میں ہے کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب سفر سے واپس آتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پہ آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہدیتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبر پہ سلام کہا کرتے تھے اور میں نے آپ کو سو مرتبہ بلکہ سو مرتبہ سے بھی زیادہ مرتبہ دیکھا کہ آپ قبر اطہر پہ آتے ہیں اور کہتے ہیں السلام علی النبی (بصیغۂ غائب نہ مخاطب) السلام علی ابی بکر السلام علی ابی (بصیغۂ غائب)

اور مسند امام اعظم ص ۱۲۶ میں ہے ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ قال

من السنة ان تاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجھک ثم تقول السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ دین کا سنہ یعنی طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس تو آئے اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور چہرہ قبر کی طرف کر کے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ،

مگر بڑی تلاش کے بعد مجھے یہ نہیں ملا کہ حضرت نافعؒ اور عبداللہ بن دینار کا اپنا کیا معمول تھا؟ آیا اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح ان کا اپنا معمول یہی تھا کہ سفر پہ جاتے وقت اور سفر سے آتے وقت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ آکر درود وسلام پڑھتے تھے یا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کا یہ معمول نہ تھا۔ اگر ان کا یہ معمول تھا تو اس سے وہ بات تو ہرگز ثابت نہیں ہوتی جو حیات النبیؐ یا سماع النبیؐ پہ دال ہو۔ ۔ ۔

حضرت ابن عمرؓ غائب کا لفظ بھی استعمال فرما لیتے تھے جیسے خطاب کا استعمال فرماتے اگر خطاب سماع کی دلیل ہے تو صیغۂ غائب کے استعمال کا کیا مطلب؟ نیز ان کا عمل سفر پہ جانے یا سفر سے آنے کے وقت تھا اور جب پنجگانہ نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں آتے تھے تو قبر النبیؐ پہ ان کے آنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تب بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک کہہ کر گھر جاتے ہوں حالانکہ آپؓ کو سلام کہنے کی بڑی شوق تھی، جیسے مشکوٰۃ باب السلام ص ۴۰۰ میں یہ روایت طفیلؒ بن ابی بن کعب سے مروی ہے کہ طفیل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عام معمول تھا کہ سویرے سویرے صبح میرے ساتھ بازار میں جاتے جب کسی بساطی یا تاجر یا مسکین یا کسی اور آدمی کے پاس سے گزرتے تو آپ اس کو سلام علیک کرتے۔ طفیل کے سوال کے جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ اے بڑے پیٹ والے ہم بازار میں صرف سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں ہم ہر اس شخص کو سلام کرتے ہیں جو ہمیں ملتا ہے یعنی اس میں ثواب ملتا ہے۔

سلام کرنے کے لیے بازار میں تو آپ چلے جاتے ہیں اور سوائے سلام کے آپ کا کوئی مقصد نہیں ہوتا تھا، نہ سودا لینا نہ کسی چیز کا نرخ پوچھنا، مع ہٰذا نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ کے پاس جاکر سلام نہ کہتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس طرح کا عقیدہ نہیں تھا جس طرح اب سمجھا جاتا ہے۔

اور تابعین میں بھی یہ رواج نہیں تھا بلکہ حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجرہ شریفہ کا دروازہ ہی بند کردیا اور اردگرد دیوار کھینچ دی کہ قبر کے قریب ہی کوئی نہ آئے اور کتب حدیث کے مؤلفین نے خود قبر النبیؐ و قبر صاحبیہؓ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔

مشکوٰۃ ص ۵۴۸ میں امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سفیان تمارؒ جو تبع تابعین کبار میں سے ہیں انہوں نے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھا جو کوہان کی طرح تھی۔ نیز ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں انہیں سفیان تمارؒ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ سفیان فرماتے ہیں کہ میں بیت (حجرہ شریفہ) کے اندر چلا گیا تھا جس میں دیکھا کہ تینوں قبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مسنم (کوہان کی طرح) تھیں۔ اسماء الرجال والے بھی ان کی خصوصیات سے بتلاتے ہیں کہ یہ وہ مبارک شخصیت ہے جس کو قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور یہ عبداللہ بن المبارک وغیرہ کے استاذ ہیں۔ حضرت امیرالمؤمنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھا ہے۔ دیکھو الکمال فی اسماء الرجال ص ۵۹۷) سفیان تمار کی روایت صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶ میں بھی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی عقیدہ حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۱

ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۰ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت (میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان) میں ہے وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والنفل بہا غیر مشروع ولہٰذا انری الناس ترکوا عن اٰخرھم الصلوٰۃ علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع۔ یعنی

ولی کے نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نفل مشروع نہیں لہٰذا دوبارہ نماز جنازہ جائز نہیں چنانچہ تو دیکھا نہیں کہ حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازہ پڑھنے کے بعد پھر کسی نے قبر اطہر پہ کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔ حالانکہ آپ کا مقدس و مطہر و معصوم جسم قبر شریف میں بالکل ویسے ہی تر و تازہ صحیح سلامت موجود ہے جیسا کہ سپردِ خاک کرنے کے وقت تھا۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ آپ کو کس حال میں رکھا گیا تھا۔ احادیث کی کتابوں کو دیکھا تو ان میں ایک باب بایں عنوان لکھا پایا مَاجَاءَ فِیْ دَفْنِ الْمَیِّتِ یعنی وہ حدیث جو میت کو دفن کرنے کے بارے آئی ہے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیر کے روز وفات کا ذکر فرمایا پھر منگل کے دن دفن کیا جانا ذکر کیا تو صراحتہً معلوم ہو گیا کہ آپ کو جب دفن کیا گیا اس وقت آپ میت تھے یعنی جس وقت آپ کو قبر اطہر میں رکھا گیا تھا اس وقت آپ میت تھے۔ پھر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وھو الیوم کذٰلک یعنی آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ کو رکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ آپ کو میت ہونے کی حالت میں رکھا گیا تھا سو اب بھی اسی حالت میں ہیں جب آپ کو قبر اطہر میں رکھا گیا تھا اس وقت آپ کا جسدِ مقدس و مطہر و مطیب بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت تھا اور آج بھی آپ کا جسدِ مطہر و مطیب و مقدس بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت محفوظ ہے اور آپ کی قبر اطہر ہمارے لیے شرعی احکام کی رو سے نمونہ ہے جس طرح آپ کی قبر اطہر کچی ہے باوجودیکہ آپ بعد از خدا بزرگ تر ہیں ہماری قبر بھی کچی ہو آپ کی قبر بغلی ہے ہماری بھی بغلی ہو۔ آپ کی قبر مسنم ہے ہماری بھی مسنم ہو آپ کے جسدِ مطہر کے نیچے روئی وغیرہ نہیں رکھی گئی ہمارے جسم کے نیچے بھی کوئی روئی وغیرہ گدگدی چیز نہ ہو۔ آپ کی قبر پہ چراغاں نہیں ہوتا ہماری قبر پہ بھی نہ ہو آپ کی قبر پہ سجدہ نہیں ہوتا ہماری قبر پہ بھی سجدہ نہ ہو۔ آپ کی قبر پہ قرآن خوانی نہیں ہوتی ہماری قبر پہ بھی قرآن خوانی نہ ہو، آپ کی قبر پر سرخ رنگ کی کنکریاں ہیں ہماری قبر پہ بھی سرخ کنکریاں ہوں۔ آپ کے کفن میں عمامہ، ٹوپی، جبہ

جوتا نہ تھا۔ ہمارے کفن میں عمامہ، ٹوپی، جبہ اور جوتا وغیرہ نہ ہو۔

ہاں چند خصوصیات ہیں جو آپؐ اور آپؐ کی قبر کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً آپ کو کپڑوں سمیت نہلانا اور عند البعض آپؐ کے نیچے قطیفہ حمراء کا بچھانا جیسے مصنف عبدالرزاق میں یہ خصوصیت کا قول امام ابوالصدیق رضؓ کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اور آپ کی قبر اطہر کا مکان (حجرۂ شریفہ) کے اندر ہونا اور آپؐ کے جسد طیب و مطہر و مقدس کا کھانا مٹی پر حرام ہونا۔ یہ سب خصوصیات ثابتہ ہیں ان میں دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ اس آخری بات میں کسی امتی کو شان بخشدے تو اس کی عنایت۔ ورنہ گارنٹی کوئی نہیں۔

مگر ہاں یہ کہنا کہ آپؐ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اس میں کوئی پہلو خصوصیت کا نہیں ہے کیونکہ بزعم شما جب دیگر اموات بھی زائر کو دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں اور سلام زائر سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اگرچہ ان کا جسم مٹی ہو چکا ہو تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی دیکھ جان پہچان لیں۔ زائر کا سلام سُن لیں جواب دے لیں تو کیا کمال ہوا، بلکہ اس میں انبیاء کی توہین اور دیگر اموات کا کمال پایا گیا، کیونکہ جس کا جسم عنصری صحیح سلامت ہو زندہ ہو اور سلام سُن لے اور جواب دے لے تو عقلاً بعید نہیں کیونکہ آلات صحیح سلامت ہیں۔ کمال یہ ہے کہ کان آنکھ زبان دل وغیرہ تمام اعضاء مٹی میں مٹی ہو گئے خاک ہو گئے یا راکھ ہو گئے پھر وہ سُن لے، دیکھ لے، جان لے، پہچان لے اور ناشہ لے سلام کا جواب دے لے یعنی نبی پاکؐ تو سنیں کانوں کی سلامتی کے ساتھ اور غیر نبی کانوں کی سلامتی کے بغیر بھی سُن لیتے ہیں، نبیؐ تو بات کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی زبان صحیح سلامت ہے اور غیر نبی کی زبان مٹی ہو جاتی ہے پھر بھی باتیں باقاعدہ کرتی ہے۔ نبیؐ اس لیے دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی آنکھیں بالکل صحیح سلامت ہیں اور غیر نبی کی آنکھیں مٹی ہو جانے کے باوجود باقاعدہ زائرین کو دیکھتی رہتی ہیں، نبیؐ کا زائر کو جان پہچان لینا کوئی کمال نہیں جب ان کا دل مبارک قفس عنصری کے اندر بلا تغیر و تبدل تندرست موجود ہے۔ کمال شان تو اللہ تعالیٰ نے غیر نبی کو عطا فرمایا

کر باوجود یکہ دل گُردے اور سارا جسم خاکی خاک ہوگیا ہے پھر بھی زائر کو جان پہچان لیتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نیلوی کہتا ہے کہ ایسا عقیدہ جس میں غیر نبیؑ کی نبیؑ پر فضیلت ہو اور انبیاؑ کی شان میں گستاخی ہو وہ بلا ریب کفر ہے۔ اب ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی کس صورت میں لازم آتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی عقیدۂ حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۲

نیلوی کہتا ہے کہ احادیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے جو بات ارشاد ہوئی ہے اس سے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات دنیویہ کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ احمد و بیہقی و دارمی کے حوالہ سے صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص۳۰ و ۳۲ میں فرمایا: "لوکان موسٰی حیًّا ما وسعہ الا اتباعی، لوکان موسٰی حیًّا وادرک نبوتی لاتبعنی" یعنی اگر حضرت موسٰی علیہ السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتے اور وہ میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو وہ خود بھی میری ہی پیروی کرتے، ان کو میری پیروی کیے بغیر کوئی ذرا سی گنجائش بھی نہ ہوتی۔

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ برزخی حیات میں کوئی بھی احکام شرعیہ کا مکلف نہیں اور یہ مسئلہ سب کے ہاں بلا شک مسلم الثبوت ہے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان وضاحت سے بتا رہا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی دنیوی زندگی اس وقت نہیں ہے کیونکہ ان کی زندگی اگر دنیوی ہوتی تو ان پر میری پیروی فرض ہوتی لیکن چونکہ اس وقت ان پر میری پیروی فرض نہیں ہے لہٰذا حسب قاعدہ انتفاء تالی منتج ہے۔ انتفاء مقدم کا دنیوی زندگی کا حضرت موسٰیؑ سے انتفاء ثابت ہو گیا اور اگر دنیوی حیات موسٰی علیہ السلام کی ثابت کریں تو حسب قاعدہ "وضع مقدم منتج ہے وضع تالی کا" ثابت کرنا پڑے گا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام پر آپ کی اتباع واجب ہے۔ لیکن کلمہ لَوْ اس بات سے آبی ہے۔

نیز سب محدثین اسنادِ عالی پہ فخر کرتے ہیں اگر استاذ کا استاذ زندہ ہے اور اور وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے تو خواہ کس قدر کٹھن راستہ ہو صعوبتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بشق الانفس وہ راستہ طے کرتے ہوئے پہنچتا ہے اور شیخ الشیخ سے براہِ راست حدیث حاصل کرتا ہے۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہم دیکھتے ہیں اسی طرح ان کے شاگردوں کو کہ مدینہ میں رہتے ہوئے بعد از وصال نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نہیں پوچھتے بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ دنیویہ عنصریہ کے ساتھ رونق افروز تھے تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ جب کسی نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا تو یہی جواب دیتے کہ جب نبی پاک ہم میں موجود ہیں تو انہیں سے پوچھ لیتے ہیں۔ جیسے مسئلہ عزل وغیرہ میں صاف موجود ہے۔

مؤید دلیل ۱۳

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (جب آپ رضی اللہ عنہ دمشق کی جامع مسجد میں مقیم تھے) ایک آدمی مدینہ طیبہ سے چل کر صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کی صعوبتیں جھیلتا ہوا پہنچتا ہے بغرض معلوم کر کے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اس کو تسلی دیتے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ او بیچارے تو نے اس قدر تکلیف کی ہے اس قدر تکلیف کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب مدینہ پاک میں بہ نفس نفیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہیں سے آپ کے حجرہ مبارک کے اندر آپ کی آرامگاہ کے پاس بیٹھ کر براہِ راست حدیث پاک دریافت کر لیتا تو پاتو فوراً "حضورؐ اپنی معصوم زبان سے حدیث سنا دیتے یا حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو بھی خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حدیث سنا دیتے (بزعم خصم)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ دنیویہ عنصریہ کا عقیدہ نہ تو اس مسافر کا تھا اور نہ ہی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و اہل حدیث کا متفقہ عقیدہ ہے

کہ ان انبیاء و شہداء کی حیات اخرویہ روحانیہ ملکوتیہ برزخیہ ہے اور اس مسئلہ میں بجز معتزلہ کے خلاف کسی نے نہیں کیا۔ کمافی شیخزادہ حاشیہ بیضاوی۔

مظاہر حق ص ۹۱ میں ہے ف: نہیں آیا میں واسطے اور کام کے یعنی سوائے سننے حدیث کے اور کچھ غرض میری نہیں۔ انہوں نے اجمالاً وہ حدیث سنی ہو گی، چاہا کہ ساتھ تفصیل کے سنیں۔ یا احتمال ہے کہ انہوں نے بواسطہ سنی ہو گی اب چاہا کہ بلاواسطہ سنیں۔

مؤید دلیل ۱۴

معراج میں حضورؐ نے تمام انبیاء کی امامت کرائی

فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں میں انبیاء کرام ؑ سے ملاقات اور بیت المقدس میں ان کی امامت کا ذکر ہے: دخلت بیت المقدس فجمع لی الانبیاء فقدمنی جبرائیل ؑ حتی اممتھم۔ میں بیت المقدس کے اندر گیا اور انبیاء کرام ؑ کی جماعت وہاں موجود پائی پس جبرائیل ؑ نے مجھے ان کا امام بنایا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ ...... وفی حدیث ابی ھریرۃ عند البزار وحاکم انہ ؐ صلی بیت المقدس مع الملائکۃ وانہ اُتی ھناک بارواح الانبیاء فاثنوا علی اللہ وفیہ قول ابراھیم لقد فضلکم محمد یعنی حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی اور انبیاء کے ارواح مطہرہ بھی بیت المقدس میں جمع کیے گئے پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے میر آتعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے آپ سب حضرات پر میرے اس فرزند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت و سرفرازی بخشی ہے۔ آگے فرمایا ج ۷ ص ۱۶۴ میں ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین من بین قائم و راکع و ساجد ثم اقیمت الصلوٰۃ فاممتھم یعنی جب ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انبیاء کرام علیہم السلام کو قیام رکوع اور سجدہ میں مشغول پایا، چنانچہ تکبیر آوامت

ہوئی تو ہم نے امام ہو کر ان کو نماز پڑھائی۔

(۲) علامہ بیضاوی نے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ کی تفسیر میں آنحضرتؐ کا فرمان نقل فرمایا کہ مثلت لی الانبیاء فصلیت بہم یعنی انبیاء علیہم السلام برزخ کے مثالی اجسام میں بیت المقدس میں جمع تھے پھر میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

(۳) صوفی خازن نے اپنی تفسیر میں فرمایا ومثلوا لہ یعنی شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام نے برزخی مثالی اجسام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی۔

(۴) علامہ سیوطیؒ نے بھی شرح الصدور ص ۲۲۹ میں فرمایا انہ رأی فیہا الارواح فی مثال الاجسام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کو برزخی مثالی اجسام میں دیکھا۔

(۵) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۹ میں فرمایا الصحیح انہ رأی فیہا الارواح فی مثال الاجسام یعنی اصل اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہم کو برزخی مثالی اجسام ہی میں دیکھا اور ملاقات فرمائی۔

(۶) اور فرمایا وارواحہم مشکلۃ بشکل اجسادہم کما جزم بہ ابو الوفا بن عقیل (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۸) یعنی حضرت ابو الوفا ابن عقیلؒ ایسے نامور محدث اور چوٹی کے شارح بڑے وثوق الیقین اور دعویٰ سے فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح بیت المقدس میں اپنی اپنی شکل کے مثالی اجسام سے حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی آسمانوں میں ملاقات کا ذکر ص ۱۶۷ میں کیا۔ ان جبرائیل قال لہ ھذا کل واحد منہم سلم علیہم قال فسلمت علیہ فرد علی السلام یعنی آسمانوں پر بوقت ملاقات انبیاءؑ سے ہر ایک کو سلام کہنے کا جبرائیل نے امر کیا پس میں سلام ان انبیاء کو کہتا گیا اور انبیاء کرام علیکم السلام کہتے رہے حتیٰ کہ فاذا فیہا آدم

فقال ھذا ابوک آدم حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو جبرائیلؑ نے کہا یہ آپ کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

(۲) پھر بیہقیؒ کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں اما بآدم تعرض علیہ ارواح ذریۃ المومنین فیقول روح طیبۃ ونفس طیبۃ اجعلوھا فی علیین ثم تعرض علیہ ارواح ذریۃ الفجار فیقول روح خبیثۃ ونفس خبیثۃ اجعلوھا فی سجین یعنی میں نے دیکھا کہ آدمؑ پر اس کی اولاد سے مومنین کے ارواح پیش کیے جاتے ہیں تو حکم دیتے ہیں یہ روح و نفس تو طیب ہیں ان کو علیین میں جگہ دیدو اور جب بدکار پیش کیے جاتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ خبیث روح و نفس ہیں ان کو سجین میں داخل کردو۔

توجب مومنین کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ بطور اولیٰ اعلیٰ علیین میں ہوں گی کیونکہ ان کی شان ارواح مومنین سے بدرجہا اعلیٰ اولیٰ ارفع ہے۔

(۳) پھر تیسری روایت میں فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا جب ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے تو کچھ زیادہ وقت نہ گزرا کہ حتّٰی اجتمع ناس کثیر ثم اذن موذن فاقیمت الصلوٰۃ فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبرائیل فقدمنی فصلیت بھم یعنی کثیر تعداد میں لوگ مسجد میں جمع ہو گئے پھر اذان و اقامت ہوئی تمام حضرات صفیں بنائے امام کے منتظر کھڑے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر آگے کر دیا اور میں نے بحیثیت امام الانبیاء کے ان سب کو نماز پڑھائی۔

(۴) پھر آگے چل کر اسی صفحہ ۴۷۲ میں فرمایا رؤیتہ ایاھم فی السماء محمولۃ علی رؤیۃ ارواحھم الا عیسٰی لما ثبت انہ رفع بجسدہ یعنی چونکہ حضرت عیسیٰ مع جسد عنصری کے آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں لہٰذا ان کی ملاقات تو دنیوی جسم سے ہی ہوئی اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح نے ملاقات کا فخر حاصل کیا۔

(۵) حافظ ابن رجبؒ کا بیان سیوطیؒ شرح الصدور میں احوال القبور کے باب میں محل ارواح الموتٰی فی البرزخ سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کے ارواح طیبہ عند اللہ اعلیٰ علیین میں دیدار الٰہی کی مسرتوں سے لطف اندوز اور فردوس کی بہاروں سے فائز ہیں

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اس امر کا مجسم ثبوت اور مصرح شہادت ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد کہاں ہیں (قبر شریف میں ہیں یا عند اللہ جنت میں؟) تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اب جنت الفردوس میں ہیں۔

(۶) ابن حزم ظاہری کا بیان سیوطی نے شرح الصدور ص ۹۹، ۱۰۰ میں نقل کیا کہ: تعجل ارواح الانبیاء والشهداء الى الجنة یعنی انبیاء اور شہداء کے ارواح طیبہ عنصری اجسام سے نکل کر فوراً جنۃ الفردوس میں تشریف لے جاتے ہیں۔

(۷) معین الدین نسفی حنفی نے بحر الکلام میں فرمایا عالم برزخ میں بعد الموت ارواح چار طرح پر ہیں (۱) انبیاء علیہم السلام کے ارواح انسانی عنصری اجسام سے خارج ہو کر جنت میں کستوری اور مثالی اجسام (انسانی صورت) سے قائم فردوس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے عرش معلّی سے ملحقہ نورانی قنادیل میں آرام فرما اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذتوں کی محویت سے سرشار ہیں۔

(۸) تفسیر مظہری ج ا ص ۱۴۳ میں ہے ارواح الانبیاء تخرج من جسدها و تصیر مثل صورتها المسك والكافور وتكون فى الجنة تاكل وتشرب وتتنعم وتاوی الى قناديل معلقة بالعرش یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح قدسیہ اپنے دنیوی عنصری اجسام سے نکلتے ہی کستوری و کافور ایسے معطر و شفاف اجسام میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں اور عرش معلّی سے ملحقہ قندیلوں میں آرام فرما اور جنۃ الفردوس کی بہاروں اور نعمتوں سے لطف اندوز اور شاداں و فرحاں ہیں۔

(۹) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا بیان بھی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مظہری میں ذکر فرمایا کہ قلت وما ذکر فی ارواح الانبیاء انها تصیر فی مثل صورتها المسك والكافور یعنی ان لها اجسادا کاجساد الانسان وعبرها بالمسك للتلطيف صرحا وعين المجدد رحمه الله عن تلك الاجساد بالجسم الموهب یعنی ہم نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح قدسیہ اجساد

عنصریہ دنیوی اجسام) سے نکلتے ہی کستوری و کافور کے مشک بیز و شفاف جسموں میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں، وہ اجسام بالکل انسانی جسموں ہی کی صورت میں ہیں اور ان کی مہک و خوشبو اور لطافت کی وجہ سے اسے کستوری و کافور سے تعبیر کیا گیا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان برزخی (مثالی) اجسام کو اجسام عملائیہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ [۱]

کیا وفات النبی ﷺ کے عقیدہ سے انکار رسالت لازم آتا ہے؟

موطا امام مالک ص ۲۳۸ میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایت ہے کہ آپ فرماتی تھیں کسر عظم المسلم میتا ککسرہ وھو حی قال مالک تعنی فی الاثم یعنی مسلمان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسے اسکی زندگی۔ حدیث عائشہ رض میں گو "فی الاثم" کا لفظ نہیں ہے مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنین رض کی مراد ہے تشبیہ فی الاثم نہ تشبیہ فی الالم اور ابن ماجہ ص ۱۱۷ میں حضرت ام سلمہ رض کی روایت میں صراحۃً لفظ فی الاثم وارد ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی وفات پا جانے کے بعد بھی ایمان کے وصف کے ساتھ متصف رہتا ہے جیسا کہ زندگی میں ایمان کی وصف کے ساتھ متصف تھا مرنے کے ساتھ مسلمان سے ایمان والی صفت اس سے منتزع نہیں ہو جاتی جب ہر مسلم کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے تو بطریق اولیٰ یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کی وفات کے ساتھ وصفِ رسالت و نبوت زائل نہیں ہو سکتی۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وفاتِ انبیاء کے عقیدہ سے انتزاعِ وصفِ رسالت و نبوت کا عقیدہ لازم آتا ہے یہ بالکل بے اصل اور بے دلیل ہے اگر ہر مسلم سے وصفِ ایمان زائل نہیں ہوتی تو نبی سے وصف نبوت کیسے زائل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آپ کے نزدیک بھی

---

[۱] ابن حجر، بیضاوی، خازن، سیوطی، ابن رجب، نسفی، ابن حزم، پانی پتی، مجدد الف ثانی، کاندھلوی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

حیاتِ مسلم محض برزخی ہے دنیوی نہیں ہے۔ اگر وصفِ نبوت کا زائل نہ ہونا دلیل بن سکتی ہے انبیاء کی حیاتِ دنیویہ برزخیہ کی، تو پھر ہر مسلم سے وصفِ ایمان زائل نہ ہونا بھی دلیل بن سکتی ہے ہر مسلم کی حیاتِ دنیویہ برزخیہ کی، پھر انبیاء کی حیاتِ دنیویہ پر زور دینا چہ معنے؟

فائدہ: پوسٹ مارٹم کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ!

اور اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ ہڈی توڑنے سے گناہ تو ضرور ہوتا ہے مگر اس میت کو دکھ درد نہیں ہوتا۔ اس میت کی ہڈیاں توڑتے رہو اس کا چمڑا کاٹتے رہو اس کے گوشت کو چھری سے کاٹ کر بوٹی بوٹی کر دو میت کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ مولانا کے محشی صاحب محمیؒ نے صراحتاً لکھا ہے قولہ فی الاثم ای الافی الالم یعنی تشبیہ گناہ میں ہے دکھ درد میں تشبیہ نہیں اس لیے کہ مسلمان جب اس خاکی جسم کے ساتھ زندہ تھا تو اس کو مارنے سے یا چوکا دینے سے دکھ محسوس ہوتا تھا، بال کھینچنے سے دکھ ہوتا تھا، ہڈی توڑنا تو بہت ہی بڑی بات ہے مگر مرنے کے بعد اسے کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں زید کو ضرور ماروں گا۔ اب زید مر گیا اور قسم کھانے والا اس زید کی لاش کو لاٹھیوں سے مارنے لگ جاتا ہے تو اس کی قسم پوری نہیں ہوتی اس لیے کہ مارنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مضروب کو درد ہو اور مضروب کی لاش کو اس کے مر جانے کے بعد کچھ درد محسوس نہیں ہوتا اس لیے اسکی قسم پوری نہ ہوگی۔

سوال و جواب

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا تو عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے اور ادھر کہتے ہو کہ مرنے کے بعد میت کے بدن میں کچھ قوتِ احساسیہ نہیں رہتی تو عذاب و ثواب بے فائدہ ہوا تو اس کا جواب علماء اہل سنت نے یہ دیا ہے کہ یہاں دنیا کے باشندوں کے مارنے سے دکھ اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ

وہ معذب دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور اب مرنے کے بعد وہ دنیوی زندگی سے نکل گیا اس کو اب کوئی مارے یا اس کی لاش کو کاٹے، ہڈیاں توڑے یا جلائے یا کتوں بلوں بھیڑیوں کے آگے ڈال دے یا چیلوں گدھوں کی خوراک سے اس کی لاش کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اور عذابِ الٰہی جو ہوتا ہے وہ اس دنیوی جسمِ خاکی کو زندہ کرنے سے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ وہ حیات کی ایک دوسری غیر معلوم الکنہ قسم ہے (نوع من الحیاۃ) یعنی برزخی حیات جو دنیوی حیات سے بالکل مغایر ہے۔ دنیوی حیات محسوس ہے اور برزخی غیر محسوس دنیا والوں کو برزخ والوں کا علم نہیں، برزخ والوں کو دنیا والوں کا علم ہے۔ اہلِ دنیا کے معمولات اور اہلِ برزخ کے معمولات اور اہلِ دنیا کے مدرکات اور اہلِ برزخ کے مدرکات اور اہلِ دنیا کے مبصرات اور اہلِ برزخ کے مبصرات اور اہلِ دنیا کے مسموعات اور اہلِ برزخ کے مسموعات، اور اہلِ دنیا کی خورد و نوش کی چیزیں اور اہلِ برزخ کے خورد و نوش کا سامان، اہلِ دنیا کے سزا دینے کے آلات اور طریقے اور اہلِ برزخ کے سزا دینے کے آلات اور طریقے اور اہلِ دنیا کے لیے فرحت اور سرور کے سامان اور اہلِ برزخ کے لیے فرحت و سرور کے سامان اور اگر کسی ولی یا نیک آدمی کو خدانخواستہ ہندوؤں نے پکڑ کر آگ میں جلا دیا ہے گو اس کی یہ خاکی لاش آگ میں جل گل رہی ہے مگر عالم بالا علیین میں باغات اور جنات کے اندر سیر کر رہا ہے۔ اگر کسی بدبودار مقام میں اس کی لاش رکھ دی ہے تو اس کی ناک میں بدبو محسوس کرنے کی کوئی حس نہیں۔ قوتِ شامہ ختم ہو چکی ہے۔ مگر عالم برزخ میں جنت کے باغوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں مسرور ہوتے ہیں۔ یہاں دنیا میں ان کی لاش پانی میں غرق ہے مگر برزخ میں باغات کی سیر کرتے ہیں۔ یہاں دنیا کے خاکی جسم سے ہاتھ کاٹ دیئے گئے برزخ میں اڑنے کے لیے پر مل جاتے ہیں (جیسے حضرت جعفر طیار کا ذکر حدیث میں ہے) یہاں آنکھ نکال دی گئی مگر برزخ میں نظر عطا ہو جاتی ہے۔ یہاں ٹانگیں کاٹ دی گئیں وہاں چلنے پھرنے کے لیے ٹانگیں عطا ہوتی ہیں۔

بہرحال دنیا والوں کی مار کا برزخ والوں کو احساس نہیں ہوتا، دنیا والوں کی بات

برزخ والے نہیں سنتے، دنیا والے زائرین کو برزخ والے نہ دیکھتے ہیں نہ جانتے پہچانتے ہیں نہ دنیا والوں کے ساتھ مکالمہ کرتے ہیں۔

ہاں برزخ والے خدا پاک کی برزخی جزا سزا کو خوب محسوس کرتے ہیں۔ وہاں کے فرشتوں کو دیکھتے ہیں، وہاں کے سانپوں اور بچھوؤں کو اور ہر موذی جانور کو دیکھتے ہیں، اندھے نہیں، وہاں ہولناک آوازیں سنتے ہیں بہرے نہیں۔ نیک لوگ جنت کے لہلہاتے باغ دیکھتے ہیں اندھے نہیں۔ وہاں باغات کی سیر کرتے ہیں لنگڑے نہیں۔ وہاں فرشتوں کے سوالات سنتے ہیں بہرے نہیں، ان کا جواب دیتے ہیں گونگے نہیں۔ وہاں مجالس میں حاضر ہوتے ہیں ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں بدلوگ جب مار کھاتے ہیں تو چیختے چلاتے ہیں کیونکہ انہیں گرزوں کی مار محسوس ہوتی ہے ادھر ادھر دوڑتے ہیں۔ ان کا سر حقیقۃً کچلا جاتا ہے، ان کے ہونٹ حقیقۃً کاٹے جاتے ہیں پھر درست کر دیے جاتے ہیں۔ خاکی جسم کی لاش اگرچہ حنوط اور مسالے لگا کر بڑی محفوظ رکھی ہو۔

مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام اور متقدمین احناف

صاحب تسکین نے عرفی قبور میں انبیاء کرام کے حیات عنصریہ کو اجماعی مسئلہ بتایا ہم نے خیر القرون و مجتہدین تک تو بتا دیا کہ وہ انبیاء کی عنصریہ حیات فی القبور العرفیہ کے قائل نہ تھے اب ہم متقدمین مشائخ احناف کے متعلق بتانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی انبیاء کی حیات عنصریہ فی القبور العرفیہ کے قائل نہ تھے۔

قرون وسطیٰ میں یہ مسئلہ اٹھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیوی زندگی میں تو واقعی برحق نبی و رسول تھے مگر بعد از وفات اب بھی رسول و نبی ہیں یا کہ آپ کی ذات کے ساتھ ہی ساتھ آپ سے رسالت و نبوت کی صفت بھی زائل ہو گئی ہے۔ معاذ اللہ

بدعقیدہ، اب آپ رسول و نبی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جیسے کرامیہ فرقہ کے بدعقیدوں نے کہا تھا، لعنہم اللہ ابداً

(۱) ابوالمعین نسفی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا کہ حیات میں تو آپ حقیقی نبی و رسول تھے اور بعد از وفات آپ حکمی نبی و رسولؐ ہیں اور حکم شئے کو اصل کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ جیسے عدت میں نکاح کے بعض احکام قائم رہتے ہیں لیکن ابوالحسن اشعریؒ کے سوا دوسرے اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ آپ وفات کے بعد بھی حقیقی نبی و رسول ہیں جیسے وفات کے بعد ایمان کی صفت حقیقۃً باقی ہے کما مرّ۔

کیونکہ: نبوت، رسالۃ و ایمان دراصل رُوح کی صفتیں ہیں اور مرنے کے بعد رُوح تو باقی ہے اس میں کسی طرح تغیر واقع نہیں ہوتا ـــــ یہ ہے جواب جو ابوالمعین نسفی حنفی رحمہ نے دیا۔

مگر اس کے بعد سبکی نے اس جواب کو رد کر دیا اور کہا "انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وصف نبوت جسم اور روح دونوں کے لیے معًا باقی ہے۔ (فعقب بان الانبیاء احیاء فی قبورھم فوصف النبوۃ باقٍ للروح والجسد معًا ....

نقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حیٌّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابد الآباد علی الحقیقۃ لا المجاز۔ انتھی المواھب اللدنیہ ص۵۴ ج۲)

(۲) محمد حسن سنبھلیؒ فرماتے ہیں، علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور رسل دارِ دنیا سے انتقال کے بعد حقیقی نبی رسول ہوتے ہیں یا حکمی؟ پھر جواب دیا: حنفی مشائخ کا مذہب ہے کہ اب بھی وہ حقیقی طور پر نبی و رسول ہیں! اشعری اور اس کے متبعین حکمی نبی رسولؐ کہتے ہیں۔ جیسے ابوالمعین نسفی حنفی نے بحر الکلام ص۔ میں لکھا ہے اور امام ابوالمحاسن قونوی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں اور دوسروں نے بھی یہی لکھا ہے۔

مشائخ حنفیہ نے اپنے دعویٰ (انبیاء و رسل کا حقیقی طور پر نبی و رسول ہونا) کی دو دلیلیں دی ہیں۔ ایک نقلی دوسری عقلی۔ نقلی دلیل آیت لا نفرق بین احد من رسلہ رُسل کا لفظ ہی دلیل ہے اس امر کی کہ حضورؐ کے زمانہ میں تمام رسول وصفِ رسالت میں متحد و متصف ہیں۔ اس وصف میں تمام رسل میں کوئی تفاوت

نہیں۔ یہ آیت فوت شدہ رسولوں کے حکمی رسول ہونے کی نفی کرتی ہے۔ ورنہ تو اب نعوذ باللہ ہمارے نبیؐ بھی حکمی رسول ہوں۔

عقلی دلیل یہ دی کہ رسالت و نبوت کی موصوف اصلی و حقیقی روح ہے اور بعد از وفات روح متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی وصف میں تبدیلی آتی ہے۔ جیسے شرح طحاوی میں مذکور ہے۔

اور مشائخ اشاعرہ فرماتے ہیں کہ رسالت و نبوت ہر دو عرض تھیں اور ایک عرض دو مختلف زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی۔ اب اگر کوئی ظہر کی نماز پڑھکر فارغ ہو جائے تو یوں کوئی نہیں کہتا کہ فلاں نماز میں ہے اور نماز پڑھتے پڑھتے جو حدث لاحق ہو جائے پھر وضو کرنے چلا جائے تو اسے کہتے ہیں کہ حکم میں نماز کے ہے۔ اصل نماز میں نہیں۔

پھر حنفیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بات ثابت و محقق ہو چکی ہے کہ رسالت و نبوۃ دراصل صفت ارواح ہے (نہ جسد عنصری مع الروح کی) اور موت کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں (یعنی روح نہیں مرتی) لہٰذا رسالت و نبوت بھی اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہیں بقائے روح کی وجہ سے۔ مزید براں یہ بات ہے کہ آیت کریمہ خود ان رسل کے حکمی رسل ہونے کے عقیدہ کو رد کرتی ہے (نظم الفرائد و جمع الفوائد[۴۶]) مخافۃ تطویل کی وجہ سے عربی عبارات چھوڑ رہا ہوں)

(۳) صاحب ہدایہ نے صلوٰۃ الجنازہ کی بحث میں دوبارہ میت پر نماز جنازہ پڑھانے کو مکروہ فرمایا اور دلیل دی کہ اگر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا کسی میت پر جائز ہوتا تو اب تک سب لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھتے چلے آتے کیونکہ اس وقت بھی آپ اسی حالت میں قبر عرفی میں موجود ہیں جس حالت میں آپؐ کو رکھا گیا تھا۔

صاحب ہدایہ نے بحث جنازہ میں نماز جنازہ میت پر دوبارہ پڑھنے کی کراہت پر دلیل قائم کی ہے اگر صاحب ہدایہ حضورؐ کو بجسدہ العنصری قبر شریف میں حیات سمجھتے کو دعویٰ دلیل کا باہم انطباق نہیں تھا اور تقریب تام نہ تھی کیونکہ سائل

کہہ سکتا تھا کہ دعویٰ تو ہے "میت پر دوبارہ جنازہ کی نماز مکروہ ہے" اور دلیل میں کہہ رہے ہو کہ حضورؐ کا نماز جنازہ دفن سے پہلے جو پڑھا گیا سو پڑھا گیا لیکن دفن ہونے کے بعد سے اب تک تقریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں کسی نے نماز جنازہ حضرتؐ کی قبر پر نہیں پڑھی۔

یہ دلیل دعویٰ کے ساتھ اس لیے منطبق نہیں کہ حضورؐ دفن کے بعد بجسدہ العنصری زندہ ہو چکے ہیں اب حضرتؐ پر نماز جنازہ پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لہٰذا صاحب ہدایہ کی یہ دلیل غلط ہے لیکن غلط کہنے کی بجائے ان کے بعد تمام آنے والے عینی، زیلعی، کاسانی، ابن نجیم، ابن ہمام وغیرہ جید محقق علماء اسی دلیل پر مہر تصدیق ثبت کرتے چلے گئے اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ کی حیات گو دنیویہ بھی ہے اور برزخیہ بھی ہے مگر نماز کے معاملہ میں صرف برزخیہ ہے ندیو یہ۔

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ بھی جسد اطہر میں دوبارہ اعادۂ روح کے قائل نہیں نیز آپؒ نے کہا کہ حضورؐ اب بھی اسی حالت میں بغیر تغیر و تبدل کے موجود ہیں جس حالت میں آپ کو لحد مبارک میں اتارا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جب آپؐ کو لحد مبارک میں اتارا گیا اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح نہ تھی پس اب بھی آپؐ کے جسد اطہر میں روح نہیں ہے وھو المطلوب۔

(۳) علامہ کاسانی بھی اسی طرح فرماتے ہیں والدلیل علیہ ان الامۃ توارثت ترک الصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الخلفاء الراشدین والصحابۃ ولو جاز لما ترک مسلم الصلوٰۃ علیہم خصوصاً علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ فی قبرہ کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض۔ بہ ورد الاثر۔ وترکہم ذالک اجماعا منہم دلیل علیٰ عدم جواز التکرار (بدائع صنائع ص۳۱۱)

اور دوسروں کا جسد عنصری مٹی کھا جاتی ہے الا ماشاء اللہ! اور بعضوں کا جسد بعض دوسری وجوہ سے مدتوں محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً زمین صالح ہے یا وقت ایسا

ہے کہ زمین کے اندر کا حصہ ٹھنڈا رہتا ہو یا میت کا جسم اس قسم کا ہے کہ اس میں مٹی کی تاثیر کم ہوتی ہے۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام امت کا جیسے اجماع ہے حضرت پر صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پر (بعد الدفن) ایسے ہی تمام امت کا اجماع ہے اس امر پر کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔

(۵) علامہ سید آلوسیؒ فرماتے ہیں بے شمار علماء یہی کہتے ہیں بعد وفات انبیاء حقیقی نبی رسول ہیں کیونکہ در اصل نبوۃ، رسالت اور ایمان روح کی صفت ہے جو موت بدن کے ..... بعد بلا تغیر باقی رہتی ہے۔ ہاں! نسفیؒ کہتے ہیں کہ اشعریؒ مرنے کے بعد حکمی نبوت کے قائل ہیں: وبقاء النبوۃ والرسالۃ بعد الموت فی حقہٖ وحق غیرہٖ من الانبیاءِ والمرسلین محققۃ مما ذھب الیہ غیر واحد فان المتصف بھما وکذا بالایمان ھو الرُّوح وھی باقیۃ لا تتغیر بموت البدن نعم ذھب الاشعری کما قال النسفیؒ الیٰ انھما بعد الموت حکماً (روح المعانی ص ۲۳/۲۲)

(۶) علامہ عینی رح ایک حدیث کی تاویل فرماتے ہیں: احتج آدم وموسیٰ ای تحاجا اما ان تکون ارواحھما تحاجت او یکون ذالک یوم القیامۃ والاول اظھر (عمدۃ القاری ص ۳/۱۵ ۳۰) سوال یہ ہوتا تھا کہ آدم موسیٰ ع کے عہد میں زندہ نہیں تھے پھر ان کا باہمی سوال جواب کیسے ہوا تو اس کے جواب میں حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں۔

معلوم ہوا کہ علامہ عینی حنفی بھی انبیاء کی حیات بجسدہ العنصری کے قائل نہیں ورنہ ان تاویلوں کی کیا ضرورت تھی؟

(۷) صعقہ کی حدیث: قاضی عیاض صاحبؒ بھی اس حدیث کو اشکل الاحادیث میں سے شمار کرتے ہیں۔ اگر قاضی صاحبؒ جسد عنصری کے ساتھ حیات انبیاء کے قائل ہوتے تو اس حدیث کو اشکل الاحادیث نہ فرماتے قال القاضی وھذا الحدیث من

اشکل الاحادیث لان موسٰی قد مات فکیف تدرکہ الصعقۃ وانما تدرک الاحیاء (عمدۃ القاری ص۲۹۵/۱۵، الیفیض الباری ص۳۱۹/۴) ۸، ۹، ۱۰

حدیث التقدم کے متعلق ابن حجر نے علماء کی مختلف تاویلیں ذکر فرمائی ہیں:

ابن عبد البر، قابسی، ابن جوزی وغیرہ کی تاویلیں کرنا صاف اس امر کی دلیل ہے کہ یہ علماء جسد عنصری کے ساتھ عرفی قبروں میں دنیوی زندگی کی طرح زندہ نہیں مانتے وقد اختلف العلماء فی وقت ھذا اللفظ فقیل یحتمل انہ فی زمان موسٰی فاحی اللہ لہ ادم معجزۃ لہ فکلمہ او کشف لہ عن قبرہ فتحدثا او اراہ اللہ روحہ کما اری النبی لیلۃ المعراج ارواح الانبیاء او اراہ اللہ لہ فی المنام ورؤیا الانبیاء وحی...... اوکان ذٰلک بعد وفات موسٰی فالتقیا فی البرزخ اول ما مات موسٰی فالتقت ارواحھم فی السماء وبذٰلک جزم ابن عبد البر والقابسی ...... وذکر ابن الجوزی احتمال التقائھما فی البرزخ (فتح الباری ص۴۲۹/۱۱)

الغرض صاحب ہدایہ، ابو المعین نسفی حنفی، امام ابو المحاسن قونوی، عینی حنفی، وکاساقی اور دیگر تمام ائمہ حنفیہ ومشائخ حنفیہ، نیز عبد البر مالکی، قابسی، ابن جوزی، قاضی عیاض رح، ابن قیم، ابن تیمیہ، ابن حجر، ابن عبد الہادی وغیرہ احد سب کے سب (سوائے بدعتی ابن فورک اور اس کے مقلد سبکی یا اس پر حسن ظن رکھنے والے غیر محقق علماء کے) حیات انبیاء یا جسادہم کے بایں معنی قائل نہیں کہ آپ کی روح پر فتوح آپ کے جسد اطہر میں دنیوی زندگی کی طرح دوبارہ داخل کر دی گئی ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ آپ کا جسد معطر، مطہر معصوم بالکل صحیح سالم بلا تغیر وتبدل اب اسی حال میں موجود ہے جس طرح صحابہ کرام نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے عائشہ رض صدیقہ کے حجرہ شریفہ میں زمین کھود کر رکھا تھا۔ لحد کھول کر دیکھ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے نقاب اوڑھ کر آنکھیں میچ کر گلابی رخسار والے گورے رنگ والے معصوم بدن کے ساتھ سو رہے ہیں آرام فرما رہے ہیں....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلِّمْ ...... اور کمال بھی اسی میں ہے کہ روح

جسم میں نہ ہو اور پھر بھی زیر زمین جسم صحیح سلامت رہے اور مٹی ذرا سا اثر بھی اس میں نہ کرے۔ یہ ہے اللہ کی قدرت!

جس معصوم جسم سے ساری عمر کوئی چھوٹا بڑا عمداً سہواً گناہ سرزد نہیں ہوا اس کے ساتھ روح کی زبردست محبت ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اسی کا نام ہے اتصال معنوی، مگر اس جسد عنصری میں روح کا اعادہ قیامت ہی کو ہوگا اس سے پہلے نہیں اور اس سے پہلے اعادہ روح پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اگر اعادہ روح پر کوئی دلیل قائم ہوتی تو ابن حجر، و شبیر احمد صاحب اتصال معنوی کے کبھی قائل نہ ہوتے خوب سمجھ لو۔ تسکین ص۱۳۰، وفاء الوفاء ص۴۰۵ج۲، رسائل قشیریہ ص۱، تسکین ص۱۲۷، فتح الباری ص۳۷۹ج۶، تسکین ص۱۳۲، روح المعانی ص۳۶ج۲۲، تسکین ص۱۳۹)۔

نیز علماء کا حیات انبیاء کو حیات شہداء کی طرح بلکہ ان سے اعلیٰ وارفع و ابلغ بتانا بھی حیات عنصری کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشبہ و مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا ہونا ضروری ہے جو دونوں میں جامع ہو اور وہ یہاں ہے حیات حقیقی روحانی، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے حیات شہداء حقیقی روحانی ہے ایسے ہی حیات انبیاء بھی حقیقی روحانی ہے بلکہ روحانیت میں شہداء سے انبیاء بڑھ کر ہیں۔ جیسے دنیا میں انبیاء کی روحانیت سب پر فائق تھی، اور جو لوگ "دنیا کی سی" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دنیا میں آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہتی تھی۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں، غرض ان کی برزخی زندگی کو انہیں کی اپنی دنیا کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ ان کی برزخی زندگی کو عام دنیوی زندگی سے تشبیہ دی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں کافر و فاسق کی زندگی اور ولی و نبی کی زندگی میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اور کہنے کو تو دونوں کی زندگی دنیاوی کہلاتی ہے، مگر کافر و فاسق کی زندگی کفر و معاصی دنیوی کر و فر اور اللہ کی نعمتوں کو فراموش کرنے میں گذرتی ہے اور نبی و ولی کی زندگی رضائے الٰہی، حقوق کی ادائیگی، یاد حق اور تبلیغ دین میں گذرتی ہے لہٰذا انبیاء ؑ کی

برزخی زندگی کو انبیاء ہی کی دنیوی زندگی کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح ہے اور بس۔
اس امر کی تصدیق کے لیے دیکھو تفسیر مظہری ص ۲۲۴/۱ للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی المجددی۔
وأما ما ذكر من أرواح الأنبياء إنها تصير في مثل صور تها المسك والكافور
يعني إن لها أجساداً كأجساد الإنسان وعبرها بالمسك لتطيب ريحها وعبّر
المجدد عن تلك الأجساد بالجسم الموهب ولكمل أتباعهم الصديقين۔
قاضی صاحبؒ کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ انبیاء بلکہ تمام کامل متبعین انبیاء کو یعنی
ان کی ارواح کو اللہ تعالیٰ مشک وکافور کی سی خوشبودار اجساد معطر عطا فرماتا ہے جن کا نام
حضرت مجدد صاحبؒ اجسام موہوبہ رکھتے ہیں اور انہی اجسام موہوبہ میں ارواح قیامت
تک محفوظ رہیں گے۔

عبارات علماء کرام اہل التحقیق کی باہم تطبیق

اب جہاں کہیں آتا ہے کہ انبیاء کی حیات روح وجسد دونوں کے ساتھ ہے سو اس جسد
سے ان کی مراد وہی جسد موہوب ہے اور یہی جسم وشخص موہوب مراد ہے، شاہ صاحبؒ
کی تحیۃ الاسلام ص ۳۵، ۳۶ میں بقرینہ ان کے قول کے جو فیض الباری ص ۴۲۵/۳ میں ہے
ثم إن هذه أبدان مثالية اور یہی جسد موہوب مراد ہے۔ شوکانی کی نیل الاوطار
ص ۲۶۴/۳ میں اور ص ۱۰۱/۵ میں بقرینہ اس امر کے کہ انبیاء کو شہداء ہی سے کہا۔ اور یہی مراد ہے
عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی کی (تسکین ص ۱۲۴) بقرینہ قولہ أبلغ من الشهداء او از اتحاف النبلاء
ص ۴۱۵ اور الدرر السنیہ فی الاجوبہ ص ۲۶/۱ میں (تسکین ص ۱۲۴) تو صاف عبارت ہے زالت عنه ضلعم
الحيوة الدنيا۔۔۔ وأما حياة البرزخ فهو حي الحيوة البرزخية ولكن النشفد إلى
(تسکین ص ۱۲۴ اور حاشیہ) فلو كان حيا حياة دنيوية لرفعوا اليه الامور فيما جرى بينهم

صاحب تسکین کی ہیرا پھیری

مگر صاحب تسکین نے اس عبارت کا کچھ صحیح ترجمہ کر کے "یعنی" کے لفظ کے ساتھ جو

عبارت چلائی بس عبارت کی رُوح ہی اڑا دی صاف عبارت کا مطلب بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، ترجمہ کے بعد ہر اُردو داں مطلب سمجھ لیتا۔ مگر "یعنی" کہہ کے ظاہر مطلب سے ہٹا کر مفہوم کا رُخ ہی بدل دیا۔ "یعنی" کہنے سے مؤلفین یا شارحین کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مصنف کی تبادر مفہوم جو ناظر سمجھ رہا ہے وہ مفہوم مصنف کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد مصنف کی وہ مفہوم ہے جو "یعنی" کے لفظ سے میں بیان کرنے لگا ہوں۔ اور ایسے موقع پر شارح کا فرض ہے کہ اس مفہوم کے قرائن بیان کرے کہ چونکہ مقام فلانے پر مصنف نے یہ بات کہی ہے اس کو دیکھ کر ہم یہ سمجھے ہیں کہ یہاں بھی مصنف کی یہی مراد ہے یا فلاں اصطلاح ہے اِن علماء کی اس لیے یہاں اسی اصطلاح کے ماتحت مصنف کی مراد وہی ہے۔ دیکھو شرح جامی اور مختصر معانی کی طرز جو مطالعہ کرنا سکھاتی ہیں۔

اسی طرح ہم یہاں پوچھ سکتے ہیں کہ "یعنی" کے ساتھ جو آپ نے مطلب بیان فرمایا ہے یہ کونسے قرینے سے آپ سمجھے ہیں کہ اس قرینہ کے تحت سُلجھی ہوئی عبارت کو اُلجھا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح ابن حجرؒ کیسے صاف صاف وانشگاف الفاظ کے ساتھ فرما رہے ہیں (تسکین ملاحظہ) کہ آپ کی زندگی اخروی ہے نہ دنیوی اور نہ حیاتِ دنیا کے مشابہ (فتح الباری ص ۲۳۲۰۲ ۶ پ ۱۴) پھر خواہ مخواہ ابن حجرؒ کو اپنا ساتھی کہنا منہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر لطف یہ ہے کہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں "آپ تو ابھی دور میں بعض لوگ یہاں تک آگے نکل چکے ہیں کہ وہ برملا یہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ حیات ثابت ہے نہ سماع، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

اگر اس کے برعکس کوئی بندۂ خدا یوں کہدے کہ شہداء کے حق میں منشا ہے کہ ان عنصری اجساد میں سے ارواح نکل کر ان سے اعلیٰ ترین معطّر نئے اجسام موہوب ہوں اور انبیاء کی شان تو ان سے اعلیٰ و ارفع ہے ان کو تو شہداء کے اجساد سے بھی بہترین اجساد معطّر منوّر ملیں گے جن کے ذریعے وہ جنت و ملاءِ اعلیٰ کی سیر کریں جنت کی اغذیہ

واشربہ سے متمتع و متلذذ ہوں جہاں چاہیں وہیں جائیں۔ لیکن اب اس ایٹمی دور میں بعض برملا یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ حضور گو والعیاذ باللہ حجرۂ صدیقہؓ میں کھودی ہوئی قبر میں بند ہیں۔

اور حیاتِ انبیاء کی نسبت امام مالکؒ کی طرف ضعیف ہے خود تسکین ص ۲۳۸ میں محترم نے نقل بصیغۂ تمریض ذکر کیا۔ نیز اس کی سند ذکر نہیں کی تو اس کا کیا اعتبار جب کہ امام بخاریؒ جیسے کی بلا سند بات معتبر نہیں ہوتی۔ اور علامہ عینیؒ کی بات (تسکین ۲۴۴) آپ کو بھی من وعن مسلم نہیں تو ہمیں اس کے ماننے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے جب کہ یہ تشریح صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعین کی تشریح کے خلاف ہے۔ دیکھو تفسیر أمتنا اثنتین کی۔

حیاتِ انبیاء کی مختلف تعبیریں

صاحب تسکین نے حوالجات جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر ان میں مخالف موافق سب کو خلط ملط کر گئے۔ ناظرین کو تطبیق دینے میں دقت ہوتی ہے۔ مختلف عبارتوں کی تطبیق کی سعی تو کی ہے مگر عبارتیں اس تطبیق کو تسلیم نہیں کرتیں۔

اب ان حوالجات کا خلاصہ نقشہ ملاحظہ ہو۔

(۱) انبیاء احیاء ہیں — جمیع المسلمین

(۲) الانبیاء احیاء فی قبورہم — سیوطیؒ کا ادعاء تواتر (تسکین ص ۲۴۴)

(۳) حیات الانبیاء عند ربہم کالشہداء (وفاء الوفاء ص ۴۰۶/۲ و زرقانی شرح مواہب ص ۳۳۲ وحیات الانبیاء ص ۱۴، بیہقی)

(۴) حیات الانبیاء فی القبر ابلغ من حیات الشہداء و اکمل من حیات الشہداء (وفاء الوفاء ص ۴۰۵/۵) (ابن محمد بن عبدالوہاب نجدی)

(۵) حیات الانبیاء فی القبر عند ربہم لارواحہم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی پر تعلق کی کچھ تشریح نہیں روحانی ہے یا جسمانی؟ (قاریؒ)

(۶) احیاء کحیٰوۃ الدنیا بالروح والجسد معاً حیاۃ ابدا انہم کحالۃ الدنیا علی الدوام کان مع الاستغناء عن الغذاء (شفاء السقام ص۱۵۱ ، وفاء الوفاء سمہودی ج۲ ص۱۳۶ قطب الدین)

(۷) احیاء لا کالحیٰوۃ الدنیا (عقیدہ نمبر ۶ کی نقیض اور مخالف) تھانوی، ابن حجرؒ

(۸) حیات فی القبر (کونسی قبر؟ اگر قبر عرفی ہے تو حدیث بخاری ص ۱۸۵ کے خلاف ہے (ابن عقیل، شامی، آلوسی، یعلی، قشیری، شعرانی)

(۹) حیات برزخیہ، (یہ سب اہل حق کے ہاں مسلم ہے، محمد درویش علمائے نجد، شاہ اسحاق، تھانوی، ابن حجرؒ)

(۱۰) حیاۃ دنیویہ لا برزخیہ ، (المہند علی المفند و آب حیات ص ۲۷ (نانوتوی)

(۱۱) حیاۃ دنیویہ و برزخیہ (المہند علی المفند (تو المہند میں دو متعارض نظریے ہیں۔ (خلیل احمد انبیٹھوی)

(۱۲) انہم وسائر الانبیاء احیاء حیاۃً حقیقیۃً کالشہداء وان کان حال البرزخ لا یقاس علی حال الدنیا (نسیم الریاض ص ۴۹۹/۳ بالکل صحیح ہے۔

(۱۳) حیات النبی بعد الوفات متعلقہ بالجسد کالشہداء (اس جسد کو جسد موہوب کہتے ہیں۔ (محقق متکلمین۔ ابو منصور بغدادی)

(۱۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام (اگر برزخیہ حیات مراد ہے تو صحیح ہے مگر عبارت میں تصریح نہیں) (محمد عابد سندھی)

(۱۵) حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی است (متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں اور متاخرین کا اعتبار نہیں، (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

(۱۶) آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (حضرت مدنیؒ)
متقدمین میں سے اس کا بھی کوئی قائل نہیں یہ حضرت مدنیؒ کا تفرد ہے۔ جیسے حضرت نانوتویؒ کا تفرد ہے)

اب سنیئے! اتنی بات تو مسلم ہے کہ انبیاء حیات ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ زندگی

کس قسم کی ہے سو اس میں بعض[1] نے کہا برزخیہ بعض[2] نے کہا دنیویہ نہ برزخیہ بعض نے کہا دنیویہ و برزخیہ ہر دو (ان کا تضاد ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں) ..... پھر سوال یہ ہے کہ کیسی زندگی ہے بعض نے کہا جیسے دنیا میں تھی حیاتِ حقیقیہ بعض نے کہا نہیں بلکہ خود حسی دنیوی زندگی ہے پھر یہ سوال ہے کہ اس جسم عنصری میں روح داخل ہوئی ہے یا نہ بعض[1] نے کہا روح بعد از دفن جسدِ عنصری میں داخل ہو گئی بعض[2] نے کہا نہیں روح داخل نہیں ہوئی روح تو ہے اعلیٰ علیین میں لیکن اس کا تعلق جسدِ عنصری کے ساتھ ہے پھر سوال ہوا کہ کس قسم کا تعلق ہے بعض[1] نے کہا اشراقی بعض[2] نے کہا اشراقی پھر سوال ہوا کس جگہ آپ زندہ ہیں بعض[1] نے کہا عند ربہم بعض[2] نے کہا فی القبر۔

پھر اب ایک نیا سوال اٹھا کہ حضرت کی روح پر فتوح نے عند الموت جسدِ عنصری سے پرواز بھی کیا ہے یا نہیں بعض حضرت نانوتویؒ کے اندھے متعلد کہتے ہیں کہ آپ کی روح پر فتوح آپ کے جسم کے اندر ہی اندر سمٹ گئی ہے باہر نکلی ہی نہیں۔

اب ناظرین خود سوچیں کہ مسئلہ ایک ہے اور نظریات علماء میں اس قدر شدید اختلاف ہے انتظریے کیا عقیدہ اسی کا نام ہے؟

آیئے اب قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھیے کہ قطعی آیاتِ قرآنیہ سے یہ امر متحقق ہے کہ حضورؐ پر موت آئے گی پھر احادیث متواترہ سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کو نہلایا گیا کفنایا گیا آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی آپؐ کو دفنایا گیا مرثیہ جات پڑھے گئے لوگ روئے شکستہ دل ہوئے مگر دفنانے کے بعد کوئی ایسی صحیح صریح حدیث نہیں ملتی جس سے محقق ثابت ہو جاوے کہ دوبارہ زندگی آپ کو دنیوی حاصل ہو گئی ہے۔ برزخی زندگی میں کسی کو انکار نہیں وہ تو شہداء سے بھی اعلیٰ واولیٰ وازکیٰ واطیب وافضل واکمل ہے شہداء کو جو ان ابدان سے خیر ابدان میسر ہوئے ہیں انبیاء کرامؑ کو اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ابدانِ شہداء سے بھی اعلیٰ اور خیر ابدان نصیب ..... ہوئے ہیں، جیسے شان میں علو ہے ایسے آپ کے ابدان میں بھی علو ہے لاریب فیہ۔ جیسے تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴ میں مذکور ہے۔

اور جو کہتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ موت کے قائل ہیں وہ موت عرفی و لغوی کے قائل نہیں ہیں کیونکہ عام عرف اور لغت میں موت کے یہی معنی ہیں کہ رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے (تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۰۴)

مگر حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں" بعد اس کے کہ آپ کا انتقال حسب فرمودۂ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچ گئی اس حیات کو یا تو حیاتِ ثانی کہا جائے گا یا مثل حیاتِ شہداء سمجھا جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ہر دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں اس کی غرض تو اس رد و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل یا تغیر جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔ یعنی غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعتِ طعن میراث فدک تھی سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیاتِ نبوی حیاتِ دنیوی ہو اور پھر وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو۔ ورنہ حیاتِ شہداء اور حیاتِ ثانی مانع ترتب میراث نہیں اور علیٰ ہذا القیاس مانع اجازت نکاح ازواج۔ یوصیکم اللہ سے ثبوتِ میراث نبوی جب ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موتِ اوّل مسلّم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ ہی نہیں بلکہ زندہ ہیں تو پھر آیت یوصیکم اللہ اور حدیث لا نورث میں کیا تخالف رہا" (ص ۳۸) ارواح انبیاء کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔

اب ہم صاحب تسکین سے پوچھتے ہیں کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ موت کے قائل ہیں اسی معنی سے قائل ہیں جو آپ فرماتے ہیں "موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے۔" انقطاع و اتصال ایک ہی چیز ہے؟ آپ انقطاع کا مفہوم موت میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور نانوتویؒ اتصال مانتے ہیں۔ دوسرے آپ جو فرماتے ہیں "وفات کے بعد پھر آپ کو حیات مرحمت ہوئی ہے یہ حیات اول ہی ہے یا حیاتِ ثانی؟ اگر حیاتِ ثانی ہے تو وہ حضرت نانوتویؒ کے نظریہ کے مطابق مانع ترتبِ میراث نہیں، آپ حیاتِ ثانی کے

قائل ہونے ہوئے حیاتِ ثانی کو مانع ترتب میراث کیونکر سمجھتے ہیں یا اسی کا نام ہے آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ اگر وہی حیاتِ اول ہے تو ایک بار جسم سے رُوح کا تعلق منقطع ہوچکنے کے بعد دوبارہ تعلق قائم ہونے سے حیاتِ اوّل کیونکر کہلا سکتی ہے۔ پس وفات سے آپ کی مراد علاقہ روح کا جسد سے منقطع ہونا ہے یا استتار حیات اگر اول ہے تو حضرت نانوتویؒ کے خلاف ہے اگر ثانی ہے تو تمام ائمہ لغت و سلف کے خلاف ہے بیّنوا توجروا۔

نیز تمام سلف کہتے ہیں نُزِعَ رُوحُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۳۷) یعنی نکال دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو۔۔۔ مسند احمد میں ہے خرجت نفسہ (فتح صفحہ!!)

حضرت نانوتویؒ (جمال قاسمی ص۵ میں) فرماتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا، تطبیق کیسے؟

نیز حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "اگر متقدمین نے حرمت نکاح ازواج مطہرات کو ان کے امہات ہونے پر متفرع کیا ہے۔ تو یہ خاکپائے متقدمین و متاخرین ان کے امہات ہونے کو آپؐ کی حیات پر متفرع دیکھتا ہے"۔

ایک تو حضرتؒ کی تحقیق سلف سے علیحدہ ہے دوسرے یہ کہ ماں باپ کی وفات کے بعد امّاں جی، امّاں جی نہیں رہتی ہیں۔

نیز حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "اس (حیاتِ رسول) میں انقطاع یا تغیر و تبدل جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہوجانا واقع نہیں ہوا" یعنی حیاتِ دنیوی بدل کر حیاتِ برزخی واقع نہیں ہوئی۔ مگر صاحب تسکین چھوڑ رہے ہیں پریشان کھڑے ہیں۔

مسلکِ اہلِ حق

میراث کا مطالبہ کرنا خود دلیل ہے وفات النبی ﷺ کی

امام ابوبکرؓ کا جواب بھی دلیل ہے وفات النبی ﷺ کی

صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۵ میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ و حضرت عباسؓ ہر دو حضرت امام ابوبکر کے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگنے آئے اور یہ فدک کا باغ اور خیبر کا پانچواں حصہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے ہمارا کوئی وارث نہیں ہے ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور آلِ محمدؐ اس مال میں سے کھائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا قسم ہے خدا کی جس بات کو جس طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ملنا چھوڑ دیا اور آخر دم تک میراث کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

عقیدہ بنتِ رسولؐ وعمِ رسولؐ: اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور ابن عباسؓ ہر دو کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اسی واسطے میراث کا مطالبہ کیا کیونکہ میراث کا مطالبہ وفات کے بعد ہی کیا جاتا ہے نہ کہ زندگی میں، اور ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ دفن کے بعد پھر ان کے اجسادِ مطہرہ میں روح واپس آگئی ہے۔ ورنہ فوراً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے اور شافہتہً آپ سے گفتگو کروا لیتے، جیسے اہل تشیع کہتے ہیں کہ خلافت کے بارے حضرت علیؓ ابوبکرؓ کو قبر پر لے گئے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کا حق بتایا والعیاذ باللہ۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبی فی القبر کا عقیدہ روافض کا ہے۔

دوسری حدیث

بخاری ص ۹۹۶ مالک بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا ان کے چوبدار

یرفا نے ان سے کہا کہ آپ عثمانؓ بن عفان و عبدالرحمٰنؓ بن عوف و زبیرؓ بن عوام و سعدؓ بن ابی وقاصؓ کو آنے کی اجازت دیتے ہیں ؟ اور حضرت علیؓ و عباسؓ کو بھی ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں ! چوبدار نے ان سب کو اندر بلا لیا حضرت عباسؓ نے آکر حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین میرے اور علیؓ کے درمیان میں فیصلہ کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تم کو اس خدا تعالٰے کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ تم جانتے ہو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات خاص کا ارادہ کیا ہے۔ سب لوگوں نے کہا بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا آپ دونوں صاحبان بھی یہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے ؟ ان دونوں نے کہا کہ ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں یہ قصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰے نے اس مال (یعنی خیبر کی آمدنی) کو اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا تھا اور آپ کے سوا اور کسی کو اس طرح کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ منہم ...... قدیر۔ تو یہ مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تھا اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تمہارے سوا اپنے واسطے جمع نہ کیا تھا اور اس کے دینے میں تم پر کسی کو مختار نہ کیا تھا بلکہ تمہارے ہی اندر اس کو تقسیم فرما دیتے تھے یہاں تک کہ یہ فدک وغیرہ مال باقی رہا تو اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ نکال لیتے تھے اور باقی کو جہاں اور مال خرچ ہوتا تھا اس کو خرچ کر دیتے تھے اور اپنی زندگانی تک آپ ایسا ہی کرتے رہے۔ اب میں تم کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے یا نہیں۔ سب نے کہا ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں تم یہ جانتے ہو یا نہیں ان دونوں نے کہا ہاں بیشک ہم جانتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے

کہا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی وفات فرمائی تو ابو بکر رضؓ نے کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں اور انہوں نے اس میں ویسا ہی تصرف کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ پھر جب حضرت ابو بکر رضؓ کا انتقال ہو گیا تو میں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں اور میں نے دو برس تک ویسا ہی کیا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کرتے تھے۔ اب آپ دونوں صاحبان میرے پاس تشریف لائے ہیں اور آپ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ اے عباسؓ! آپ تو مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال سے حصہ مانگتے ہیں اور یہ علی رضؓ اپنی بیوی کا حصہ ان کے مال سے مانگتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ دونوں صاحبان چاہیں تو وہ میں آپ کو اسی طرح جس طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضؓ دیتے تھے دے دوں اور جو اس کے سوا آپ چاہتے ہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، ایسا فیصلہ قیامت تک نہ کروں گا اور اگر آپ دونوں اس کے انتظام سے عاجز ہیں تو میرے سپرد کیجیے میں آپ کی طرف سے انتظام کر دوں گا

مطلب اِس حدیث کا

مطلب یہ ہے کہ فدک وغیرہ کا مال حضرت علی رضؓ اور حضرت عباسؓ دونوں کے قبضے میں تھا۔ ان کا آپس میں کچھ جھگڑا ہوا تب حضرت علی اور حضرت عباس، حضرت عمر رضؓ کے پاس اسواسطے آئے کہ حضرت عمرؓ اس کو ان دونوں میں تقسیم کر دیں۔ حضرت عمر رضؓ نے یہ فرمایا کہ یہ مال آپ صاحبوں کی ملک نہیں ہے جو تقسیم کیا جائے اور جب تقسیم ہو جائے گا تو ہر شخص اس پر مالکانہ تصرف کرے گا اور اس کی بیع و شرا ہو جائے گی حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے آپ صاحبوں کے پاس یہ اس واسطے ہے کہ آپ اس سے گزارہ کریں اور جو آپ سے اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تو میرے سپرد کیجیے! میں اس کا انتظام کروں گا۔

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ جو حدیث حضرت امام ابو بکر رضؓ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سنائی تھی اور حضرت فاطمہ رضؓ وہ حدیث سن کر خاموش ہو گئی تھیں۔ اور

اس حدیث پر جرح نہ فرمائی اور یہ ان کی خموشی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کو مسلم تھی، یہی حدیث حضرت امام ثانی امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرامؓ کے سامنے بیان فرمائی (عثمانؓ بن عفان، عبد الرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ بن العوام، سعدؓ بن وقاص رضی اللہ عنہم) اور سب نے تصدیق مؤکد بالقسم کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و عباسؓ نے بھی تصدیق مؤکد بالقسم کی، اور سُنیئے! معلوم ہوا کہ ان ائمہ سبعہ کا بھی عقیدہ تھا کہ آپؐ وفات پاچکے ہیں شیعہ کے عقیدہ کے مطابق آپ ان سب کو قبر النبیؐ پر تصدیق کروانے نہیں لے گئے۔

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد میرا ورثہ دینار وغیرہ چیزوں کی طرح تقسیم نہ کیا جائے۔ میری بیویوں اور میرے کارکنوں کے خرچ کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص)

آپ کا وصیت کرنا ہی بتا رہا ہے کہ آپؐ وفات پائیں گے۔

چوتھی حدیث

حضرت ام المومنین جویریہؓ کے بھائی عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت دینار، درہم، غلام، لونڈی وغیرہ کچھ نہیں چھوڑا مگر ایک سفید خچر (دُلدل) جو مقوقس حاکم سکندریہ نے تحفۃً بھیجا تھا اور اپنے ہتھیار (تلوار، نیزہ، زرہ، خود، عصا عبالداد وغیرہ) اور زمین جنہیں آپؐ نے صدقہ فرمادیا تھا (مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

پانچویں حدیث

ازواج مطہراتؓ کیطرف سے میراث النبیؐ کا مطالبہ اور عائشہ صدیقہ رضؓ کا جواب وفات النبی کی دلیل عظیم ہے!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

ہوئی تو آپ کی پاک بیویوں نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی میراث مانگنے کے واسطے بھیجیں، تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے (پھر کسی نے اس کی تردید نہیں فرمائی)

احادیث وفاۃ النبی اور آپ کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی متواتر ہیں

ان روایات کو بیان کرنے والے اور تصدیق کرنے والے اکابر صحابہ کرام ہیں جن میں یہ ہستیاں بھی ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ، عمرو بن الحارث، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سعد بن وقاص، عبدالرحمن بن عوف، حذیفہ بن یمان اور ازواج مطہرات جو تعداد میں نو تھیں تو یہ مجموعہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کا ذکر اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں ہے ص ۴۳۷، ۵۷۵، ۹۹۶، ۳۸۲/۹۹۶، مسلم ج ۲ ص ۴۳، شمائل ترمذی ج ۲ ص ۲۵ و ابوداؤد ج ۲ ص ۳۹ و بخاری ص ۵۵۶ و مسلم ج ۲ ص ۹۱ و بخاری ص ۹۸۸ و المغازی ص ۷۶۹ و کتاب الخمس ص ۴۳۵ و براہین قاطعہ ص ۲۱، علمائے کرام کی معتدبہ جماعت ۱۰ راویوں پر تواتر کا اطلاق کرتے ہیں دیکھو تدریب الراوی یہاں تو ۲۰ صحابہ موجود ہیں۔

روافض بھی مجبوراً مان گئے!

(۱) اور یہ روایت فریق مخالف (اہل تشیع) کے ہاں بھی مسلم ہے چنانچہ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۳۴۶ میں ہے تفقہ فی الدین فان الفقہاء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر

(۲) اسی طرح کافی کلینی کتاب العلم ج ۱ ص ۱۸ میں ہے وعن ابی عبد اللہ (جعفر الصادق) قال قال علیہ السلام ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم

یوم توا دینارًا ولا درهمًا ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر

اھ وفی روایۃ فی ص ۱۷ وانما اورثوا احادیث من احادیثهم۔

(۳) ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغت ص ۵۲۸ میں کہا قال ابوبکر قال علیہ السلام انا معشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضۃ ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولکن نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ فقالت فاطمۃ رضیت بذٰلک

(۴) اصول کافی کلینی کتاب الحجۃ میں ہے قال ابو عبد اللہ ان داؤد ورث علم الانبیاء وسلیمان ورث داؤد وان محمدؐ ا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدؐ ا

شیعہ سنی کا متفق علیہ مسئلہ

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہر دو فریق (سنی شیعہ) کے مابین متفق علیہا ہے جیسا کہ آپ نے اوپر کے حوالجات میں پڑھ سمجھ لیا ہے اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور شیعہ کی اصح الکتب کافی کلینی ج ۱ ص ۶۸ میں ہے خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لاریب فیہ جس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو اس کو معمول بہا بناؤ کیونکہ اس میں کسی طرح بھی شک قلق اضطراب اور پریشانی کی گنجائش نہیں ہے۔

جعلی شیعہ کا سوال اور اس کا جواب

سوال: العلماء ورثۃ الانبیاء ضعیف روایت ہے جیسے مرآۃ العقول ص ۳۴ میں مذکور ہے
جواب: جس روایت کی تائید میں قرآن پاک موجود ہو اس کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔
سوال: فروع کافی ج ۳ ص ۴۸ میں ہے ورث علیؓ علم رسول اللہ و ورثت فاطمۃ المال۔

جواب: اس میں لخت جگر نبی علیہ السلام کی توہین ہے کہ العیاذ باللہ وہ مال کی بھوکی تھیں اور مال اور دنیا کی طالبہ تھیں، قرآن پاک نے طالب دنیا کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے

وہ غور سے سنیں سورۂ شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳ میں فرمایا ہے من کان یرید حرث
الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما
لہ فی الآخرۃ من نصیب یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہشمند ہو ہم اس کے
لیے اس کی کھیتی کو بڑھا دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو تو ہم اس کو اسی
دنیا میں سے کچھ تھوڑا سا دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے جس نے صرف ایک آخرت کا فکر اپنے ذمے لے لیا تو اللہ تعالیٰ
اس کے تمام افکار کے لیے کافی ہوگا اور جو شخص دنیاوی ہموم اور احوال کے تفکرات اپنے
ذمہ لے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کونسی وادی میں ہلاک ہوگیا یعنی جس
کو آخرت کا غم ہے اس کی کفالت فرمائی جاتی ہے اور جو دنیاوی ہموم لیے پھرتا ہے اور
دنیا حاصل کرنے کا اسے غم لگا ہوا ہے تو اس سے بے پرواہی کا اظہار ہے۔

اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تو بڑی عابدہ زاہدہ اور تارکۃ الدنیا تھیں انہیں وہ
بات یاد تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ
سے میرے ہاتھوں میں تکلیف ہوگئی ہے اور سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
بردے آئے ہیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو نہ پایا۔ ام المومنینؓ سے کہہ دیا کہ حضرتؐ تشریف لائیں تو عرض کر دینا کہ فاطمہؓ خادم مانگنے
آئی تھی، حضرت آئے بتایا گیا، حضرتؐ اپنی صاحبزادیؓ کے پاس جاتے ہیں اور فرماتے ہیں
کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو تم نے مانگی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے
بچھونے پر آؤ تو سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو
بس تمہارے لیے یہ وظیفہ خادم سے بہتر ہے (مشکوٰۃ ص ۲۰۹)

اسی طرح وہ بات بھی آپؓ کو یاد تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک مانگا
تھا آپؐ کی حیات میں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا (مشکوٰۃ ص ۵۴۶)
حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

اب عاقل، بالغ مسلمان عاشق رسولؐ و عاشق اہل بیت کا قلب کس طرح

گواہی دے سکتا ہے کہ جس چیز کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو دینا پسند نہیں فرمایا باوجود اُن کے مطالبہ کے پھر اسی چیز کو آپ کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت سے مانگنے گئی ہوں گی۔

حضرت بتول رضی اللہ عنہا کا امتِ محمدیہ پر احسانِ عظیم

دراصل بات یہ ہے کہ حضرت بتول رضی اللہ عنہا کا امتِ محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ پر بہت بڑا احسان ہے کہ جو اعتراض ممکن الوجود تھا اسے اپنے طریق سے حل کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ عدم ایراثِ انبیاء کا ان کو معلوم تھا کہ عام لوگوں کی وراثت سے مستثنیٰ تھا اور قاعدہ ہے کہ عام کتاب اللہ پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی کرنا منع ہے اور استثناء کے ساتھ تغییر کلام ہو جاتی ہے یعنی عام کتاب اللہ غیر مخصوص منہ البعض قطعی ہوتا ہے۔ پھر استثناء سے بعض کی تخصیص ہو جائے گی اور عام جب مخصوص منہ البعض ہو جاتا ہے تو حکم کی قطعیت جاتی رہتی ہے ظنی بن جاتا ہے تو اس طرح قرآن پاک کا قطعی حکم بدل کر ظنی بن گیا اور خبر واحد یا قیاس کے ذریعے تغییر کتاب اللہ نا جائز ہے۔ ہاں خبر مشہور یا متواتر کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اب حضرت بتول رض کے سوال اور حضرت خلیفۂ بلا فصل امامنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے جو بمحضر الصحابہؓ تھا یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام کا مورث مال کا نہ ہونا ایک امر مشہور و مستفیض ہے اب کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ جب قرآن کا مسئلہ ہے وان کانت واحدۃ فلها النصف یعنی میت اگر ایک لڑکی چھوڑ مرے تو اس کو ترکہ کا نصف ملتا ہے تو اس حکم خداوندی کے رُو سے حضرت بتول رض کو نصف جائداد متروکہ ملنی چاہیے۔

امکان تھا کہ یہ اعتراض اگر صحابہ رض کے عہد میں نہ ابھرتا بسبب ان کے اعلم الناس ہونے کے کہ یہ مسئلہ ان کو یاد تھا اور ان کے دل میں مرکوز تھا۔ مگر عہد صحابہؓ کے بعد ابھرتا کہ بعد از وفات نبیؐ ان کا ذکر کیا ہوا تو اس امکانی اعتراض کو سوال و جواب کے ذریعے رفع کر دیا کہ یہ مسئلہ سب کے کانوں میں پڑا تو سب نے تصدیق و تصویب

فرمائی تو یہ خبر مستفیض ہو گئی۔

جب حضرت بتول ؓ کو علم ہو گیا کہ یہ مسئلہ مستفیض ہو گیا (وجدت اس مقصد کو پالیا) پھر آپ ؓ نے مرتے دم تک وراثت کی بات ہی نہ چھیڑی اور نہ ہی چھیڑنے کی ضرورت تھی فلم تتکلم حتی ماتت (بخاری ج ۲ ص ۹۹۶)

بعض راویوں کا اپنی ناقص فہم سے روایت بالمعنیٰ کرنا!

بعض راویوں نے وجدت کے معنی غضبت کے سمجھ کر روایت بالمعنیٰ کر دی۔ اور وجدت کی جگہ غضبت کا لفظ رکھ دیا جس سے مسئلہ کی نوعیت ہی بدل گئی۔

مطالبہ بتول ؓ کی روایت ۳۳ کتابوں میں ہے جن میں ۱۴ روایتوں میں غضبت کے الفاظ ہیں اور ۱۹ میں وجدت، اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ غضبت روایۃ باللفظ ہو اور وجدت روایت بالمعنیٰ ہو کیونکہ وجدت تو غضبت کے معنی میں آ سکتا ہے بشرطیکہ اس کا صلہ علی ہو اور یہ بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں وجد کا صلہ علی ہے مگر پھر بھی اس کے معنی غضب کے نہیں چنانچہ فرمایا قال اولو جئتکم باھدیٰ مما وجدتم علیہ اباءکم (یعنی ان کے پیغمبر نے فرمایا جس طریقے پر تم نے اپنے دادوں کو پایا ہے اگرچہ میں اس سے بہتر مقصود تک پہنچانے والا کوئی طریقہ لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تب بھی تم انہیں کی اقتدا کرو گے ؟) لیکن کسی لغت میں غضب بمعنیٰ وجد نہیں اس لیے یہ تو ممکن ہے کہ وجد کے لفظ سے غضب کے معنی راوی نے سمجھ لیے ہوں، اور غضب کا لفظ بول دیا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اصل الفاظ روایت میں تو ہوں غضب اور راوی نے اس کے معنی وجد سمجھ لیے ہوں اور وجد ہی بول دیا ہو۔

دوسری یہ بات بھی ہے کہ جن ۱۴ روایتوں میں غضب کے الفاظ ہیں ان میں یہ لفظ جو ہے "فلم تتکلم حتی ماتت" ان کا راوی ہے زہری عن عروہ عن عائشہ ؓ یہ الفاظ زہری کے اپنے ہیں (نہ عروہ کے نہ عائشہ ؓ کے) کیونکہ ان ۱۴ میں سے ۹ میں قال کا لفظ ہے جس کا فاعل زہری ہے (دیکھو صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ و صحیح بخاری

ص ۴۹۰ والمغازی ص ۶۹ و کتاب الخمس ص ۴۳۵ دیرا ابن قاطعہ ص ۲۱) اور زہری کا ادراج مشہور عالم ہے۔ کتب حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مثلاً التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۶۲ و فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ص ۱۰۳ و تدریب الراوی ص ۱۶۲ و مرقاۃ ج ۱ ص ۱۰۶ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰ و کتاب الاعتبار ص ۴۲ و کتاب تجرید التمہید ص ۱۵۵ تحت مراسیل ابن الشہاب الزہری و تنویر الحوالک للسیوطی ج ۳ ص ۷۰ باب ماجاء فی میراث العقل، بہت کثرت سے زہری اپنا کلام حدیثوں میں داخل کر دیتا ہے یدخل کلامہ فی الاحادیث کثیرا ...... اسی طرح نصب الرایہ اور کتاب البغدادی الفقیہ والمتفقہ اور النکت تحت الحدیث العشرین قلمی جو پیر جھنڈا میں ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت بتولؓ کے سکوت سے زہری نے یہ سمجھ لیا کہ آپ رضی اللہ عنہا غضبناک ہونے کی وجہ سے نہیں بولتی تھیں اور ظاہر ہے کہ فہم راوی حجت نہیں ہوتا اور احادیث میں اس کے نظائر بے شمار ہیں اور زہری کا یہ فہم عقلاً بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت امام ابوبکر صدیق حدیث نبوی سنا ئیں اور حضرت بتولؓ حدیث نبوی سن کر غضبناک ہو جائیں خصوصاً جب کہ بتولؓ نے آنحضرتؐ کی زندگی میں براہ راست مشافہۃً خود فدک کا مطالبہ کیا تھا اور آنحضرتؐ نے انکار فرما دیا تھا، ورنہ نعوذ باللہ حضرت بتولؓ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ ان کو اپنے ابا جان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ ہے کہ انہوں نے مجھے فدک نہیں دیا اور اپنے خلیفہ کو وصیت کر گئے ہیں کہ خبردار! فاطمہؓ کو حصہ نہ دینا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

الحاصل

بہر حال اصل لفظ وجدت تھا راوی سمجھے کہ شاید یہ وجدت بمعنی غضبت ہے تو غضبت کہہ دیا مگر راوی جھوٹا اور بدنیت نہ تھا ثقہ تھا نیک نیت تھا اس بنا پر امام بخاری نے اس کے الفاظ بعینہٖ نقل فرما دیے اور حل حدیث محققین محدثین و فقہاء مجتہدین پر چھوڑ دیا۔ جیسے دوسری احادیث کا معاملہ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انہی ۳۳ روایات میں سے ۱۰ روایات میں از سَلت کا لفظ ہے (مسلم ج ۲ ص ۱۹۱ و بخاری ص ۵۲۶) یعنی حضرت بتول حضرت امام ابو بکر صدیق کے پاس خود نہیں بلکہ کسی اور کو بھیجا (شاید حضرت علی رضی کو بھیجا ہو) اور حقیقت میں یہی حق معلوم ہوتا ہے اور خود کہنے پوچھنے کی بات مجاز ہے۔ جیسے مذی کا مسئلہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت پڑنے پر حضرت اسود یا مقداد کے واسطے سے دریافت فرمایا۔ مگر بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا یہ اسناد مجازی ہے۔

بہرحال دل گواہی نہیں دیتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خود مخدرہ دوشیزہ سے زیادہ حیادار تھے۔ ان کی صاحبزادی جو قرآن و سنت کی حامل اور عامل جو نبوت کی گود میں پلی تھی اور جو چال ڈھال میں آنحضرتؐ کے مشابہ تھی بذات خود پردہ سے باہر جا کر غیر محرم کے سامنے ایک ادنیٰ سی چیز دنیا کے حق کا مطالبہ کرنے کے واسطے کھڑی ہو گئی ہوں یہ بات شیعہ تو کہہ سکتا ہے، چنانچہ اصول کافی ص ۲۹۱ میں ہے اخذت فاطمۃ بتلابیب عمر ثم جذبت الیھا (یعنی جناب فاطمہؓ بتول نے عمرؓ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا) نعوذ باللہ۔ مگر سُنّی کی زبان جل تو سکتی ہے مگر یہ بکواس بولنے پر کبھی آمادہ اور تیار نہیں ہو گا۔ کیونکہ اتنی باحیا ہستی کے متعلق اس قسم کی بے حیائی کی بات بے حیا ہی کی زبانِ فتان با زبان سے صادر ہو سکتی ہے۔

ایک غیر متعلقہ مگر ضروری بحث

فائدہ: اسد الغابہ لابن الاثیرؒ ج ۵ ص ۵۲۳ میں ہے کہ حضرت علی رضی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب قیامت قائم ہو گی تو سراپردہ جلال کے پیچھے سے ایک آواز آئے گی پکارنے والا پکارے گا یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ بنت محمد حتی تمر یعنی اے قیامت میں جمع ہونے والو اپنی اپنی آنکھیں نیچی کر لو تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؓ گزر جائیں۔" اور یہ روایت حاکم نے بھی مستدرک میں بایں سند بیان فرمائی ہے قال ابو بکر محمد بن

عبد اللہ بن عتاب العبدی ببغداد وابوبکر بن ابی دارم الحافظ بالکوفۃ وابو العباس محمد بن یعقوب وابو الحسین بن ماتی بالکوفہ والحسن بن یعقوب العدل قالوا حدثنا ابراہیم بن عبد اللہ عبسی ثنا عباس بن ولید بن بکار الضبی ثنا خالد بن عبد اللہ الواسطی عن بیان عن الشعبی عن ابی جحیفۃ عن علی علیہ السلام۔

یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے کیونکہ اس سلسلہ کا ایک راوی العباس بن الولید بکار الضبی جیسے دارقطنی نے کذاب کہا، ابن ابی الدنیا نے کہا یہ حدیثیں وضع کرتا تھا ابونعیم اصبہانی نے کہا یہ شخص بے بنیاد اور منکر روایتیں بیان کرتا ہے ابن حبان اسے منکر روایتیں پیش کرنے والا کہتے ہیں (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۳۷) پھر فرمایا قلت اتہم بحدیثہ عن خالد بن عبد اللہ عن بیان الشعبی عن ابی جحیفۃ عن علی مرفوعا اذا کان یوم القیمۃ نادی منادٍ یا اہل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ حتی تمر (ہ)

میں کہتا ہوں کہ یہ اپنی اس حدیث سے متہم ہو چکے ہیں جو انہوں نے خالد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن منادی پکارے گا کہ لوگو! اپنی اپنی آنکھیں بند کرو تاکہ حضرت فاطمہ رضی پل صراط سے گزر کر جنت میں جائیں۔ عقیلی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی اس حدیث پر وہم اور غلطیاں غالب ہیں۔

یاد رہے! کہ حضرت فاطمہؓ بتول کا سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہونا بصمیم قلب مسلم ہے لیکن یہ بھی تو ہے کہ اسی میدان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی بھی ہوں گے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مردوں میں سب سے زیادہ یہ مجھے محبوب ہیں (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی بھی ہوں گی جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب یہی ہیں (بخاری ص ۵۱۷) کیا امہات المؤمنین کا مرتبہ خدا کے نزدیک حضرت فاطمہ رضی بتول جتنا بھی نہیں ہے کہ ان کے لیے تو پردہ کا اتنا سخت اہتمام، اور ان لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں؟ نیز جیسے فاطمہ رضی بتول آپ کی صاحبزادی ہیں ایسے ہی زینبؓ، رقیہ رضی، اُم کلثوم رضی بھی آپ ہی کی صاحبزادیاں ہیں، پھر تخصیص فاطمہ رضی کی کیا وجہ؟ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شیعہ کی بیان کردہ روایت

ہے جو دوسری صاحبزادیوں کا قائل نہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: امام سیوطیؒ نے اللآلی المصنوعہ ج اص ۳۰۴ میں فرمایا ولم یتعقبہ الحافظ ابن حجر فی الاطراف کعادتہ یعنی اور مرویہ فاطمہؓ کی روایت کا اطراف میں ذکر کر کے حافظ ابن حجر صاحبؒ نے اس روایت کا حسب عادت تعاقب نہیں کیا ہے۔

نیز حاکم نے اس حدیث کے بارے کہا صحیح علی شرط الشیخین، اور المناوی نے کہا علی شرط مسلم، سیوطی نے بھی صحیح الاسناد لکھ کر کہا کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا ابو ہریرہؓ، ابو ایوب عائشہ صدیقہؓ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ اتنی روایتیں ہوتے ہوئے اس حدیث پر وضع کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر فضائل ومناقب میں ضعیف احادیث لی جاتی ہیں۔

الجواب: حاکم کی تصحیح کا ان کے تساہل کی وجہ سے معتبر نہ ہونا محدثین کے نزدیک مشہور ومعروف ہے، خصوصاً جب کہ اس کی سند ہمارے سامنے ہے جس میں کذاب راوی صاحب صاف نظر آ رہے ہیں اور جس حدیث میں کذاب راوی ہو اسی کو موضوع کہتے ہیں پھر تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو جس کا راوی کذاب ہو اسے صحیح الاسناد، صحیح علی شرط مسلم، صحیح علی شرط الشیخین، کس وجہ سے کہہ دیا جاتا ہے اور فضائل ومناقب میں واقعی ضعیف احادیث لی جاتی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا ضعف کذب راوی اور وضع کی حد تک نہ پہنچا ہو، ورنہ تمام متضاد مناقب تسلیم ہوں گے۔

نیز خود حاکم نے جب کہا صحیح علی شرط الشیخین تو اس کے ساتھ یہ لفظ بھی ہیں الا ان العباس لم یخرجا لہ (اللآلی ج اص ۳۰۴) یعنی عباس بن ولید بن بکار ضبی کی روایت مسلم وبخاری میں سے کوئی ایک بھی نہیں لایا۔ اور مناوی نے جو فرمایا علی شرط مسلم تو علامہ ذہبی حلفاً فرماتے ہیں لا واللہ بل موضوع والعباس راویہ قال الدارقطنی کذاب یعنی بخدا یہ حدیث مسلم کی شرط پر نہیں ہے بلکہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ اس کا راوی عباس ہے، جسے دارقطنی نے کذاب کہا اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا کہ یہ حدیث اسی عباس کے

اباطیل اور معایب میں سے ہے اور ابن جوزی نے بھی کہا کہ یہ موضوع ہے۔

اور اللآلی میں اگر یہ کہا ہے " لم یتعقبہ الحافظ ابن حجر " تو ساتھ یہ بھی کہا نعم تعقبہ الذہبی (ہاں ذہبی نے اس کا تعاقب کیا ہے) پھر اوسط طبرانی کے حوالے سے باسند حدیث نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت علی رضہ سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں عبدالحمید (بن بحر الزہرانی) اور عباس بن (ولید بن) بکار ضبی متفرد ہیں۔ پھر کہا اس حدیث کے شواہد ہیں ان میں سے پہلا شاہد حدیث ابی ہریرہؓ ہے اس میں راوی ہے عمرو بن زیاد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان الثوبانی ابوالحسن جس کے بارے ابن عدی نے کہا حدیث کا چور ہے اور باطل حدیثیں بیان کرتا تھا پھر اس کی روایت ابن حجرؒ نے لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۴ میں لکھ کر کہا وہذا موضوع پھر ایک اور حدیث لکھ کر کہا کہ ابن عدی نے کہا یہ حدیث اس اسناد سے باطل ہے کیونکہ عمرو بن زیاد وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے اور دارقطنی نے کہا یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا پھر ایک اور حدیث اسی سند سے بیان کی جو اللآلی میں ہے پھر کہا کہ اس حدیث کا عمرو (بن زیاد) ہی واضع ہے۔ پھر کہا ابن مندہ نے بھی اس کو متروک الحدیث کہا (لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۵)

اور دوسرا شاہد حدیث ابی ایوب الانصاریؓ کی ہے جس کی سند میں محمد بن یونس کدیمی اور حسین بن حسن الاشقر اور قیس بن ربیع اور سعد بن طریف ہیں اور یہ چاروں کے چاروں متروک ہیں۔

اور تیسرا شاہد حدیث عائشہؓ ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان، ج ۲ ص ۳۱۴ میں خبر منکر کہا ہے اور اس کی سند میں اضطراب بتایا اور کہا اضطراب کے ساتھ ساتھ اس طرح کی منکر حدیث لایا ہے۔

اور حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث میں ربیع بن یحییٰ الاشناقی کا شیخ حماد بن سلمہ کا پڑوسی ہے جو مجہول ہے۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث ص ۴۴ میں لکھی جس میں عمیر بن عمران متروک ہے پھر اس کے شیخ حفص بن غیاث کا شیخ محمد عبیداللہ العرزمی بھی متروک ہے

ابن عدی نے کثیر کے بارے کہا حدث بالبواطیل (لسان ج ۴ ص ۴۸۰)

اور چوتھا شاہد حدیث ابی سعید ہے جس میں داؤد بن ابراہیم عقیلی مجہول ہے بلکہ لسان المیزان ج ۲ ص ۴۱۵ میں ہے کہ ازدی نے کہا کہ مجہول کذاب ہے اس کے ساتھ احتجاج نہیں ہوتا پھر یہی زیر بحث حدیث ذکر کر کے کہا کہ ازدی نے اسے منکر کہا۔

رہا ابن اثیر کا سکوت سو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ کیونکہ محدثین بسا اوقات سکوت فرما جاتے ہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی جیسے لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۵ میں ایک حدیث کے بارے ابن حجر فرماتے ہیں کہ خطیب نے یہ حدیث ذکر کر کے سکوت فرمایا حالانکہ یہ حدیث باطل ہے۔

شیعہ کی طرف سے ایک سوال اور ہمارا جواب

کتب شیعہ سے وراثت مال نبی ﷺ کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ دیوان علی ص ۸ میں ایک شعر لکھا ہے:

ویطلب اقوام مواریث هالک — وبینا مواریث النبوۃ والهدٰی

یعنی اور لوگ تو مرنے والے کے ورثہ کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہمارے درمیان تو نبوت اور ہدایت کا ورثہ چلتا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ ص ۷۱ میں ہے عن الفضیل بن یسار قال سمعت ابا جعفر الصادق یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔ العباس ولا علیا ولا ورثہ فاطمۃ یعنی بخدا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ عباس کو مال کا وارث بنایا نہ علی رضی اللہ عنہ کو نہ فاطمہ کو۔

خصائل بابویہ ج ۱ ص ۳۹ وحدیدی شرح نہج البلاغت جز ۱۶ ج ۲ ص ۲۶۱ و دلائل الامامۃ لابن جریر بن رستم الطبری ص ۳ میں ہے اتت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شکواہ الذی توفی فیہ فقالت یا رسول اللہ هٰذان ابنان تورثهما شیئا قال اما الحسن فان له هیبتی واما الحسین

فان لہ جسأ تی یعنی آنحضرتؐ کی مرض الموت میں آپ کی صاحبزادی فاطمہ بتول رضہ اپنے صاحبزادوں کو ساتھ لے کر آئیں کہ ان دونوں بیٹوں کو وارث کسی چیز کا بنا جاؤ تو آپؐ نے فرمایا کہ حسنؓ کو میرے ورثہ میں سے ہیبت اور حسینؓ کو جرأت اور شجاعت ملی ہے۔

شیعہ کتب کی عبارت

جلاء العیون میں کلینی، ابن بابویہ، شیخ طوسی سے بسندہائے معتبر زین العابدین، باقر جعفر صادق سے نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا جبکہ گھر مہاجرین و انصار سے پُر تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا میراث سنبھالو تو انہوں نے معذوری ظاہر کی پھر حضرت علی کو فرمایا تو حضرت علی رضہ نے سب میراث

اہل سنت کا اس پر اعتراض

سوال یہ ہے کہ علی رضہ وارث کیسے بن گئے جب کہ بیٹی اور چچا موجود تھے اور وارث بننے سے انکار کیسے کر سکتے تھے جب خدا پاک کا حکم ہے۔ پھر بیٹی کو کیوں نہیں فرمایا گیا کہ اپنی وراثت سنبھال، پھر جب بیٹی خود مانگنے آئی تھیں تو انکار کیوں کر دیا اور نواسوں کو وراثت دی تو ہیبت اور جرأت دی مال تو پھر بھی نہیں دیا۔ پھر وراثت تو ہوتی ہے جب آدمی فوت ہو جائے۔ وفات سے پہلے وراثت سنبھالنا مہمل سی بات ہے پھر جب یہ مان لیا جاتا ہے کہ آپؐ کی روح مبارک جسد عنصری سے باہر نہیں گئی تو زندہ ہی اندر رہ گئی ہے تو موت واقع نہ ہوئی جب موت نہیں تو یوں کیوں کہا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وغیرہ کو اپنی خلافت کی پڑی ہوئی تھی انہوں نے آپؐ کا جنازہ ہی نہیں پڑھا جنازہ تو اس کا ہوتا ہے جو وفات پا جائے اور روح پرواز کر جائے زندہ شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ تو تمہاری بات اگر تسلیم ہی کریں کہ نماز جنازہ شیخین نے نہیں پڑھا تو کونسا قصور کیا، وہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ ہم کیوں پڑھیں جب تم کہتے ہو کہ زندہ ہیں بھلا زندہ کا بھی جنازہ ہوتا ہے۔

اصل حقیقت

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؐ وفات پا چکے تھے آپؐ کو نہلایا گیا کفنایا گیا آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تیس ہزار صحابہ جو حاضر موجود تھے سب نے بلا جماعت فرداً فرداً نماز پڑھی آخر میں ولی (ابوبکرؓ) نے پڑھی اس کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق نہ تھا۔ پھر آپؐ کے لیے لحد بنائی گئی اور اس میں آپؐ کو رکھ کر مسنم قبر بنائی گئی۔

شیعہ پر حضرت نانوتویؒ کا اعتراض

ہمارے شیخ شیخ الشیخ حضرت قاسم العلوم والخیرات نے اجوبہ اربعین میں شیعہ پر چند اعتراض فرمائے ہیں جن میں سے ایک اعتراض یہ ہے جو اجوبۂ اربعین ج ۱ ص ۸۱ میں سوال نمبر ۱۹ میں درج ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبیؐ ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں مانگا؟ زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور شہیدوں کی نظیر دو، تو یہ نظیر کام کی نہیں۔ کیونکہ شہداء یہاں کے بدن سے زندہ نہیں ہیں اس بدن کے حساب سے تو مردہ ہیں، ہاں حیثیت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے۔

اور موت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ حیات النبیؐ ہیں، اور نہیں جاتی تو میراث کی صورت نہیں اھ

آپ کے فرمان کی تشریح

کیسے صاف فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ بدستور بقید حیات ہیں تو حضرت فاطمہ بتولؓ نے ترکہ کیوں مانگا، ترکہ تو ان کا ہوتا ہے جو فوت ہو جائے زندہ لوگوں کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت فاطمہ بتولؓ نے تو مانگا ہے اور یہ ترکہ مانگنا آپؓ کا شہرت سے ثابت ہے۔ صحابہؓ میں سے تین راوی ہیں حضرت عائشہؓ و حضرت ابوہریرہؓ و حضرت ابوالطفیلؓ۔ پھر ان کے تلامذہ و تلامذۃ التلامذہ عن آخرہم اس کثرت سے ہیں جن پر جھوٹ کا گمان نہیں ہو سکتا۔

جب حضرت بنتِ رسولؐ کا ترکہ مانگنا صحیح ہے تو آپؐ کی وفات بھی یقیناً صحیح ہے اس میں شک یا انکار کرنا یقیناً غلط ہے۔ اور پھر فرمایا اعتبار کا درجہ ثابت کرنے کے لیے شہداء کو بطور نظیر پیش کرو تو یہ نظیر تمہیں کام نہیں دے سکتی کیونکہ شہداء یہاں کے بدن سے (یعنی بدن خاکی عنصری سے جو دنیا میں چلتا پھرتا کھاتا پیتا نماز پڑھتا روزے رکھتا حج

کرتا اور زکوٰۃ دیتا اور دیگر کام کرتا تھا۔) زندہ نہیں ہیں تو اس خاکی عنصری بدن کے حساب سے مردہ ہیں جس کا تعلق دنیا کے مال واسباب اور ازواج کے ساتھ تھا۔ اب وہ تعلق منقطع ہوگیا اب دنیا کا مال واسباب ان شہداء کے حق میں بے کار محض ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ان شہداء کے مال واسباب کو دوسرے اموات کے مال واسباب کی طرح ترکہ میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح ان شہداء کی بیویوں کا تعلق بھی منقطع ہوگیا۔ موت سے نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ گیا صرف چار ماہ دس دن تک یا بصورت حمل وضع حمل تک اس نکاح کا اثر دوسرے اموات کی بیویوں کی طرح باقی ہے اسی بقاء اثر نکاح کی وجہ سے وہ اپنے میت شوہر کے گھر سے بغیر داعیہ شدیدہ کے نکل نہیں سکتی اور اسی بقاء اثر نکاح کی وجہ سے میت شوہر کے مال میں سے نان ونفقہ وسکنیٰ کی حقدار ہے اور وراثت میں بھی اس کا حصہ ہے ورنہ خود نکاح موت کے ساتھ ختم ہوگیا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ بیوہ خود مختار ہے جہاں چاہے وہ نکاح کر سکتی ہے کہ اب وہ خاوند والی نہیں رہی۔

ہاں ان شہداء کو زندہ جو کہا جاتا ہے تو اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے پھر اس برزخی جنتی زندگی میں وہیں کے اموال وازواج (حور عین) کے ساتھ ان کے اس بدن برزخی (طیر خضر) کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ اب ان ابدان برزخیہ کا تلذذ تنعم اور تمتع وہیں کے اموال وازواج کے ساتھ ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اکراماً واحتراماً بر سبیل خرق عادت اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بغیر حنوط اور بغیر اعادہ روح کے ان کے ابدان عنصریہ کو تغیر وتبدل سے محفوظ ومصئون صحیح سلامت رکھے جیسے کہ بعض شہداء کے ابدان عنصریہ کا صحیح سلامت رہنا مشاہد بھی ہے

پھر فرمایا اور موت کا جواب بھی کام کا نہیں اگر حضرت بتولؓ کے ترکہ مانگنے کا جواب اس طرح دو کہ حضرت فاطمہؓ نے اس لیے ترکہ مانگا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ الٰہیہ کل نفس ذائقۃ الموت کا ذائقہ چکھا ہے اور آپ ایک دفعہ تو موت کے پنجے میں آگئے ہیں خواہ ایک آن کے لیے سہی لمحہ دو لمحہ کے لیے سہی بعد میں پھر بیشک جان میں جان آجائے بہر حال موت تو آگئی اس لیے حضرت بتول کا ترکہ مانگنا درست ہوا تو یہ

جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت جب تسلیم ہوگئی تو موت سے حیات جاتی رہتی ہے۔ (کیونکہ موت و حیات باہم متقابلین ہیں خواہ تقابل عدم و ملکہ کا ہو یا تقابل ایجاب و سلب کا یا تقابل تضاد کا) اور اجتماع متقابلین کا بیک مکان و زمان بیک جہۃ محال ہے) جب موت سے حیات جاتی رہی تو آپ حیاۃ النبی نہ رہے اور اگر بالفرض موت النبی سے حیات النبیؐ نہیں جاتی بلکہ حیات قائم اور بحالہٖ خود رہتی ہے تو میراث کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جو شخص بقید حیات ہو اس کے مال و اسباب اس کے ملک سے نکل کر بطور خلافت دوسرے کے ملک میں خود بخود نہیں جا سکتا جب تک کہ مالک خود کسی کے ملک نہ کردے اور جب زندگی میں کسی کے ملک کرے گا تو اسی وقت مالک کے ملک سے نکل کر دوسرے کے ملک میں چلا جاتا ہے یہ نہیں کہ طلاق و عتاق کی طرح کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے سے معلق رہے۔ اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ بیع بالتعلیق جائز نہیں ہوتی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو مسئلہ ہے کہ جب مشتری کی طرف سے خیار شرط ہے تو بائع کے ملک سے نکل کر مبیع مشتری کے ملک میں آجاتا ہے۔ یوں نہیں کہ بائع کے ملک سے تو نکل جائے اور مشتری کے ملک میں نہ آئے۔ کیونکہ شرع محمدی میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ چیز مملوک تو ہے مگر اس کا مالک کوئی نہیں۔

اسی طرح اگر یہاں مانحن فیہ میں یہ کہا جائے کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ میں حضرتؐ کا اپنی زندگی میں فرماد ینا یہ مطلب رکھتا ہو کہ جو میں چھوڑ جاؤں وہ ابھی سے صدقہ ہے تو اس عین حیات میں صدقہ کرنے سے ابھی اسی وقت بلا تعلیق بالموت صدقہ بالفقراء ہو گیا۔ جب صدقہ ہو گیا تو ابھی سے حضرتؐ کے ملک سے نکل گیا جب ملک سے نکل گیا تو وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وراثت اس مال میں چلتی ہے جو موت کے وقت مورث کے ملک میں ہو۔ جب صحت کی حالت میں وہ مال آپؐ کے ملک سے نکل چکا تو وراثت کہاں؟

اور اگر مرتے دم تک وہ مال مورث کے ملک میں رہا تو روح پرواز کرتے ہی تجہیز و تکفین و تدفین و دین اور وصیت کے بعد بطور خلافت تیجے وارثین کے ملک میں آجاتا ہے۔

تطبیق قاسمیؒ

چونکہ موت متعارف سے حیات جاتی رہتی ہے اور حضرتؒ موت پر ایمان رکھنا بھی ضروری فرماتے ہیں اور حیاۃ النبی کا عقیدہ بھی لازمی سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی کہ موت کے جو معنی لغت اور عرف میں مراد لیے جاتے ہیں وہ صرف اسی صورت میں ہے جب موت کی نسبت غیر انبیاء کی طرف ہو لیکن جب موت کی نسبت انبیاء کی طرف ہو تو اس وقت موت کے وہ لغوی وعرفی معنی مراد نہ ہوں گے بلکہ اس وقت موت بمعنی ستر الحیوٰۃ ہوگا نہ بمعنی رفع الحیوٰۃ۔ اور وراثت کا سوال اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ موت کے معنے رفع الحیٰوۃ کے ہوں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کے معنی رفع الحیات کریں تو حیات النبی کا انکار لازم آئے گا اور پھر انبیاء کی وراثت کا قول کرنا ہوگا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ خود آب حیات ص ۲۰ میں صاف فرماتے ہیں کہ

"غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعت طعن میراث تھی۔ سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیات نبویؐ حیاتِ دنیوی ہو اور وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو۔ ورنہ حیاتِ شہداء اور حیاتِ ثانی (یعنی موتِ عرفی کے بعد پھر دنیوی حیات) مانع ترتب میراث نہیں اور علیٰ ہٰذا القیاس مانع اجازتِ نکاح ازواج نہیں" اور اس عبارت سے ایک دو سطر اوپر فرماتے ہیں:

"اس (صاحب رسالہ آب حیات) کی غرض تو اس ردوکد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل وتغیر جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ بعض مضامین دیباچہ اس پر شاہد ہیں"

الحاصل

بہرحال حضرت رحمۃ اللہ کا مسلک وہ نہیں جو دوسرے علماء کا ہے اور اس مسلک کو خود محترم جناب مولانا صاحب بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۰۴ میں فرماتے ہیں۔

"عرفِ عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے یعنی جب رُوح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنی کہا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے قرآن و حدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت رُوح نکالی جاتی ہے۔ آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔

موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی۔"

اس عبارت میں مولانا نے صاف اقرار فرمایا ہے کہ قرآن و حدیث کی نصوص و اشارات بتاتے ہیں کہ موت کے وقت رُوح جسم سے نکالی جاتی ہے اور رُوح کا جسم سے نکل جانے اور رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہونے کا نام موت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ رُوح کا جسم سے تعلق بوقت موت منقطع ہو جاتا ہے اور موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں مولانا نانوتویؒ قرآن و حدیث کی نصوص و اشارات کے خلاف جمال قاسمی ص ۱۵ میں فرماتے ہیں:

"ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا" اب حضرت نانوتویؒ کے متعلق کیا فتوے دیں گے۔ نیز لکھتے ہیں: "سوا ان کے اوروں کی (شہدا اصلحا اور دیگر مومنین وغیرہم کی) ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔ یہاں کے جسم سے سب کی ارواح بے علاقہ ہو جاتی ہیں، بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو عجب نہیں کیونکہ ان کو جب نعم البدل (طیر خضر) عنایت ہو گیا تو اب اس جسم کی محبت کیا رہی ہو گی اس لیے ان کا سماع اور ان کی قبور سے استفاضہ مستبعد زیادہ ہے۔"

مولانا سے دُوسرا سوال

نیز جب آپ لوگ حضرت نانوتویؒ کے مسلک کے خلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے اخراج روح کے قائل ہیں اور موت عرفی مانتے ہیں تو آپ کا مسلک نانوتوی ہونے کا دعویٰ

کیسے تسلیم کیا جائے۔ دیوبندی مسلک کا بانی تو اخراج رُوح کا منکر ہے اور آپ اخراج رُوح کے قائل جیسے آپ کا موجودہ خصم اخراج کا قائل ہے تو جیسے آپ کا خصم اخراج رُوح کا قائل ہوکر دیوبندیت سے خارج ہے تو آپ بھی اس مسئلہ میں خصم کے ساتھ موافقت اور بانی دیوبند کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں پھر آپ پکے دیوبندی؟ یہ منطق ہماری سمجھ میں کیا آئے گی کسی عقلمند کی سمجھ میں نہیں آسکتی، خصوصاً جبکہ بانی دیوبند کا قول محترم جناب مولانا صاحب کی تحریر کی روشنی میں قرآن وحدیث کی نصوص واشارات کے بھی سراسر خلاف ہوا۔ اور محترم مولانا صاحب کسی فریقِ مخالف کی بات قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف پاکر سنگین فتویٰ صادر فرماتے ہیں اور یہاں ...... !

مولانا سے تیسرا سوال

پھر ص ۳۰۵ حضرت نانوتوی کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جسم سے رُوح کے سمٹ جانے سے جسماتی حواس معطل ہوجاتے ہیں" اول تو یہ بات آپ ہی کے خلاف ہے کیونکہ جسماتی حواس جب معطل ہوگئے، کانوں نے سننا چھوڑ دیا، آنکھوں نے دیکھنا چھوڑ دیا، زبان نے بولنا چھوڑ دیا، پاؤں نے چلنا چھوڑ دیا اور رُوح صرف دل میں مرکوز ہوگئی، تو نماز کیسے قیام کیسے، رکوع کیسے؟ سجود کیسے، قعدہ جلسہ کیسے حج کیسے تلبیہ کیسے، طواف وسعی وقوف عرفہ وجمع ورمی جمار کیسے، زائرین کا سلام سننا کیسے پھر ان کو جواب دینا کیسے خدا کی بارگاہ میں زائرین کی شفاعت کیسے؟ ان سب امور کے لیے حواس کی سلامتی ضروری ہے۔

مولانا سے چوتھا سوال

پھر صفحہ ۳۰۷ میں کہا "رُوح کا تعلق واتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں۔ ان کی صحیح کیفیت کے بارہ میں کوئی جزم سے نہیں کہا جاسکتا" جنابِ من! پھر اس گورکھ دھندا کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ آپ کی حیات دنیوی بھی ہے برزخی بھی ہے حسّی حقیقی ہے۔

سیدھا کہہ دینا چاہیے کہ دُنیا کے اعتبار سے آپ اموات میں داخل ہیں اور زندگی آپ کی برزخی ہے جو ہمارے فہم سے وراء ہے۔

مولانا کا ہم پر بلا تحقیق الزام

پھر فرمایا "ان کی کم فہمی ہے جو مسئلہ حیات النبی کو شرک قرار دیتے ہیں"

کسی نے کہہ دیا ہوگا۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ یہ مسئلہ مفضی الی الشرک تو بن ہی جائے گا کیونکہ آپ دُنیا میں تو بشری صفات کے ساتھ متصف تھے جب معراج میں آسمانوں پر تھے تو زمین پر نہ تھے، بیت المقدس میں تھے تو مکہ معظمہ میں نہ تھے، مکہ میں تھے تو مدینہ میں نہ تھے غزوات میں جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما جاتے جب کئی مل کر قضیہ پیش کرتے تو فرماتے ایک ایک ہو، سب کی بات ایک ہی دم نہیں سنائی دیتی۔ آپ نیند فرماتے تو طلوع سورج نہ دیکھ سکتے، حجرہ شریفہ کے اندر ہوتے تو باہر والے آواز دیتے تو نہ سنتے نہ باہر کا بندہ نظر آتا، جب بہتوں کی بات کا جواب دینا ہوتا تو یکبارگی ہر ایک کا جواب نہ دیتے بلکہ باری باری ایک ایک کا علیحدہ علیحدہ جواب مرحمت فرماتے جب نماز میں مشغول ہوتے تو آنے والے کے سلام کا جواب نماز سے فارغ ہو کر دیتے۔

مگر اب جبکہ قبر میں آپ دفن ہیں تو آپ اعلیٰ علیین میں بھی، قبر اطہر میں بھی اور بقول بریلویہ کے آپ ہر جگہ حاضر بھی اور حج میں بھی جاتے ہیں، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ میں بھی ہیں قبر میں بھی ہیں، نماز میں بھی ہیں۔ تمام زائرین کا سلام بھی سنتے ہیں، ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ دیکھتے بھی ہیں پہچان بھی لیتے ہیں۔ ہر ایک کو الگ الگ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ دنیا کے جمیع مسلمین کے اعمال بھی دیکھتے ہیں بیک وقت نماز میں خدا کے ساتھ مناجات بھی ہو رہی ہے (ان العبد یناجی ربہ فی الصلوٰۃ) اور اسی وقت ادھر زائرین کی طرف بھی توجہ سلام سننا اور جواب دینا ان کی مرضیاں بھی سننا اور خدا کی بارگاہ میں بھی پیش کرنا اور سات پردوں کے اندر سے سب کو دیکھ لینا بھی ہو بھلا ایک آن میں اعلیٰ علیین، قبر، مکہ، عرفہ، منیٰ میں ہونا، یہ صفات بشری ہیں۔ کیا سب کی بیک وقت سننا اور ہر ایک

کی طرف فرداً فرداً توجہ کر کے ایک ہی دم میں جواب دینا صفت مختصہ خدا پاک کی نہیں ؟

مولنا بریلویہ کے پلیٹ فارم پر

پھر اسی صفحہ پر فرمایا " شرک تو تب ہوتا ہے کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو، اس کے گھر کی ہو، پھر اس پر کبھی موت طاری نہ ہو۔ مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں "

ممدوح من البعینہ اسی طرح استدلال بریلویہ کا ہے کہ وہابی وفت کا ہمیں مشرک کہتے ہیں شرک تو تب ہوتا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا علم غیب و اختیار مانتے جو خدا کی عطا نہ ہوں ان کے گھر کے ہوں۔ مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں، بلکہ بت پرست ہندو بھی اپنے دیوتاؤں کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے تمام اختیارات خداداد ہیں۔

مولنا کو جواب خود اُن کے اپنے قلم سے

خود صاحب تسکین نے تبرید النواظر ص ۷۶ میں پانچویں اعتراض کا جواب دیا ہے جو بریلویوں کی طرف سے کیا گیا تھا ہم اس اعتراض اور جواب کو بلا تبصرہ ناظرین کے پیش خدمت کرتے ہیں۔ پھر ناظرین خود سوچتے رہیں کہ محترم نے اب کونسی لائن اختیار فرمائی ہے۔

پانچواں اعتراض اگر فقہا کرام نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر عالم الغیب اور حاضر ناظر ہیں۔ اور ہم لوگ تو عطائی طور پر آپ کو (بلکہ دیگر انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو) عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانتے ہیں اور چونکہ عطائی طور پر ان صفات کے غیر اللہ میں تسلیم کرنے سے خاصہ خداوندی میں شرکت لازم نہیں آتی (کیونکہ خداوند تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں) اس لیے یہ شرک نہیں ہے۔ دیکھیے جاء الحق ص ۱۲۸ (وغیرہ حقیقت ص ۷۴)

جواب: یہ اعتراض بھی یقیناً اور حتماً مردود ہے اولاً اس لیے کہ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح نفوس قدسیہ) کا اپنا وجود مسعود اور نبوت و رسالت وغیرہ وہبی اور عطائی ہے، تو یہ تصور کہاں سے اور کیسے قائم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی (علم، سمع و بصر وغیرہ کی) کوئی صفت ذاتی بھی ہو سکتی ہے؟ کیونکہ جب موصوف عطائی ہے تو اس کی صفت کے ذاتی ہونے کا تصور کیسا؟ جب اس کا احتمال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تو اس میں ذاتی اور عطائی کا قضیہ چھیڑنا ہی بیکار اور باطل ہے۔ وثانیاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر اِلٰہ اور خالق مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دیگر بزرگوں کو بھی عطائی طور پر اِلٰہ اور خالق تسلیم کرتا ہوں تو کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا؟ اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اگر وہ ہرگز مسلمان نہیں اور یقیناً نہیں تو فرمائیے کہ اس بیچارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ آپ میں یا کسی دوسرے میں تسلیم نہیں کیا۔ پھر وہ کافر کیسے ہوا؟ نیز اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بالاستقلال اور تشریعی نبی ہیں۔ مگر کوئی دوسرا شخص (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی جو ثلاثون کذابون دجالون کی حد میں ہے) بالتبع یا غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور اسی کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض اور آپ کا ظل ہے تو کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ ایسے شخص نے تو آپ کا خاصہ غیر میں تسلیم نہیں کیا، پھر وہ کافر کیسے ہو گیا؟ وثالثاً خدا تعالیٰ کی صفات کے دو پہلو اور دو شقیں ہیں۔ ذاتی اور محیط تفصیلی، اور ان میں سے کسی پہلو اور شق کو بھی غیر کے لیے ثابت کرنا قطعاً اور یقیناً شرک اور کفر ہے اور صورت مذکورہ میں ماننے والے گو عطائی مانتے ہیں۔ مگر کلی اور محیط بھی تو تسلیم کرتے ہیں جو نصوص شرعیہ کے سراسر مخالف اور بجائے خود شرک ہے،

ورابعاً مشرکین عرب بھی عطائی طور ہی اپنے الٰہوں اور معبودوں کے لیے یہ صفات تسلیم کرتے تھے مگر وہ مشرک اور کافر قرار دیئے گئے۔ اس کی مزید تحقیق راقم الحروف کی کتاب "گلدستۂ توحید" اور "ازالۃ الریب" وغیرہ میں دیکھئے!

انبیاءؑ کا مورث نہ بننا دلیل حیات عنصریہ نہیں ــــــ بطرز دیگر

جیرہاں وراثت کا نہ ہونا آپ کے حیات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کا مال ہی نہ تھا۔ کیونکہ صحیح بخاری ص ۶۴۰ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ کی زرہ تیس صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ زرہ تو حضورؐ کے ملک تھی، یہ بات نہیں، زرہ تو غنیمت کے مال سے حاصل ہوئی تھی اور غنیمت کا مال عامۃ المسلمین کا مال ہوتا ہے یعنی غازیوں، یتیموں اور مسکینوں کا مال ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۳ میں لکھا ہے۔ "و الاشارۃ الی ذالک من آخر احوالہ و ہو یناسب حدیث عمرو بن الحارث فی الباب الاول انہ لم یترک دینارًا ولا درھمًا" اس میں آپ کی حیات کے آخری احوال کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس حدیث کے مناسب ہے جو باب اول میں حضرت عمرو بن الحارث سے مروی گزری ہے کہ آپ نے کوئی دینار درہم نہیں چھوڑا کیونکہ رہن دَین کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور دَین اشد ضرورت ہی کے وقت لیا جاتا ہے جب پاس کچھ نہ ہو۔

مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۳۹ میں امام طحاویؒ نے فرمایا ان زکریا کان زاھدًا نجارًا یعمل بیدیہ لیس من ذوی الاموال ...... وکذالک سائر انبیاء اللہ عز وجل صلوٰت اللہ علیہم اجمعین فلم یورثوا دینارًا ولا درھمًا و انما اورثوا العلم یعنی حضرت زکریا علیہ السلام تارک الدنیا اور لکڑی کا کام کرتے تھے جس سے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے مال داروں میں سے نہ تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایسا ہی حال ہوتا ہے اسی واسطے وہ دینار درہم کا وارث نہیں بناتے، علم کا وارث بناتے ہیں۔

امتیوں کو ازواجِ مطہراتؓ سے نکاح کرنے کی حرمت انبیاءؑ کی حیاۃِ مستقر کی دلیل نہیں

اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا جو حرام ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ آپ حیات ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابدا یعنی آپ کی وفات کے بعد کبھی بھی آپ کی پاک بیویوں کے ساتھ تم نکاح نہ کرنا۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ازواج کا امہات ہونا باعتبارِ تعظیم کے ہے اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے اس لیے تحریم بھی واقع ہوئی۔ قال تعالیٰ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابدًا۔ اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے اس لیے ان احکام یعنی جوازِ خلوت ونظر ومس وامثالہا میں امومیت ثابت نہیں اور جب امومیت کی اصل حقیقت تعظیم ہے تو ازواجِ مطہرات امہات المومنین بھی ہیں۔

اور الوۃ معنویہ باصلہا المذکور تمام انبیاء کے لیے ثابت ہے۔

مجاہدؒ سے منقول ہے کل نبی ابٌ لامتہ، البتہ اس اصل کی فرع یعنی تحریم ازواج انبیاء علیہم السلام سو اس پر کوئی دلیل نفیاً یا اثباتاً کافی نہیں۔ البتہ روح المعانی میں مواہب سے اس کا خصوصیاتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا نقل کیا ہے (بیان القرآن ج ۹ ص ۳۷)

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنا امتی وغیرہ پر حرام ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ آپ حیات ہیں اور زندہ کی بیوی سے نکاح حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حرمت علیکم امہاتکم..... والمحصنٰت من النساء حرام ہے تم پر تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا ... اور ان عورتوں سے بھی جو قیدِ نکاح میں ہوں یعنی ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح حرام ہے چونکہ حضورؐ پاک حیات ہیں اور امہات المومنینؓ آپ کی بیویاں ہیں اس لیے ان سے نکاح کوئی نہیں کرسکتا۔

سو یہ بات صریح غلط ہے کیونکہ والمحصنات من النساء سے ہر ایک اس عورت سے نکاح حرام ہے جو عقد نکاح کر چکی ہو خواہ وطی اس کے ساتھ ہوئی ہو یا نہ۔ اگر اسی وجہ سے حضورؐ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح حرام ہوتا تو ان عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہوتا جن کا صرف حضرتؐ کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور غیر مدخول بہا تھیں جیسے قتیلہ بنت قیس حالانکہ منکوحہ نبوی غیر مدخول بہا کے نکاح کو سلف سے لے کر خلف تک سب نے جائز رکھا ہے اگر علت ممانعت نکاح حیاۃ نبوی ہوتی تو مدخول بہا کی ہی کیا خصوصیت تھی مدخول بہا و غیر مدخول بہا دونوں کا نکاح امتیوں کو حرام ہوتا۔ جیسے حضرت نانوتویؒ نے خود اس اعتراض کا اعتراف آب حیات ص ۲۶ میں فرمایا۔

آپؐ کی منکوحہ غیر مدخول بہا قتیلہ بنت قیس

ب ا ع ا س قتیلہ بنت قیس بن معدیکرب الکندیہ اخت الاشعث بن قیس وقیل قیلۃ والاول اصح۔ تزوجہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ عشر ثم اشتکی وقبض ولم تکن قدمت علیہ ولا راٰھا ولا دخل علیہا۔ قیل انہ تزوجہا قبل وفاتہ بشہر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصی ان تخیر فان شاءت ضرب علیہا الحجاب وتحرم علی المومنین وان شاءت طلقہا ولتنکح من شاءت فاختارت النکاح فتزوجہا عکرمۃ بن ابی جہل بحضر موت فبلغ ابا بکر رضی اللہ عنہ فقال لقد ھممت ان احرق علیہما بیتہما۔ فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ ما ھی من امہات المومنین ولا دخل علیہا ولا ضرب علیہا الحجاب۔ وقیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص فیہا بشیٔ ولکنہ لم یدخل بہا وارتدت مع اخیہا حین ارتد ثم نکحہا عکرمۃ بن ابی جہل فارد ابوبکر ان یرجمہ فقال عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یدخل بہا ولیست من امہات المومنین وقد برّاھا اللہ عزوجل بالردۃ فسکت ابو بکر رضی اللہ عنہ وفیہا و ق

غیرها من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّتی لم یدخل بھن اختلاف کثیر تحصل منه کثیر فائدة (اسد الغابہ ص۵۴۳ ج۵)

قیلة بنت قیس بن معدی کرب الکندیة اخت الاشعث بن قیس قاله ابو عمر ویقال قیلة تزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنة عشر و ومات ولم تکن قدمت علیه ولا رآها ولا دخل بها وقیل کان تزویجه ایاها قبل وفاته بشهرین وقیل تزوجها فی مرض موته وقیل اوصی ان تخیر فان شاءت ضرب علیها الحجاب وتحرم علی المومنین وان شاءت فلتنکح من شاءت فاختارت النکاح فتزوجها عکرمة بحضرموت فبلغ ابا بکر رضی اللہ عنه فقال لقد هممت ان احرق علیهما بیتهما فقال له عمر ماهی من امهات المومنین ولا دخل بها ولا ضرب علیها الحجاب۔ وقال بعضهم مات قبل خروجها من الیمن تخلف علیها عکرمة وقیل انها ارتدت فاحتج عمر علی ابی بکر بانها لیست من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارتدادها قال ولم تلد لعکرمة۔ والاختلاف فیها کثیر جداً"۔ انتهی کلام ابن عبد البر واخرج ابو نعیم من طریق اسحٰق بن ابراهیم بن حبیب الشهیدی عن عبد الاعلی عن داؤد بن ابی هند عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج قیلة اخت الاشعث ومات قبل ان یخیرها ۔ هذا الموصول قوی الاسناد ایضاً واخرجه ایضاً من طریق عبد الوهاب الثقفی عن داؤد عن الشعبی مرسلاً ولفظه قتیلة بنت الاشعث ومات فتزوجها عکرمة فشق علی ابی بکر رضی اللہ عنه فذکر کلام عمر رضی اللہ عنه فاطمأن ابوبکر وسکن (الاصابہ ص۳۹۳ ج۴ وص۳۹۴ ج۴)

قتیلة بنت قیس ..... ویقال قیلة ولیس بشیٔ والصواب قتیلة ... تزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سنة عشر ثم اشتکی فی النصف من صفر ثم قبض یوم الاثنین مضیا من ربیع الاول من سنة احدی عشر و

لم تكن تقدمت عليه ولا ادها ولا دخل بها وقال بعضهم كان تزويجه اياها قبل وفاته بشهرين وزعم آخرون ايضاً انه تزوجها في مرضه وقال منهم قائلون انه صلى الله عليه وسلم اوصى ان تخير ...... وقال الجرجاني زوجها اخوها منه صلى الله عليه وسلم فمات عليه الصلوٰة والسلام قبل خروجها من اليمن فخلف عليها عكرمة بن ابي جهل وقال بعضهم ما اوصى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم بشيء ولكنها ارتدت حين ارتد اخوها فاحتج عمرؓ الى ابي بكرؓ كانها ليست من ازواج النبي صلى الله عليه وسلم بارتدادها ولم تلد لعكرمة بن ابي جهل وفيها اختلاف كثير جداً" (الاستيعاب على الاصابہ ص ۳۸۹ ج ۴)

ازالۃ الخفاء ص ۲۸ مقصد دوم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، اہل بیت رسالت کی بھی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اسی کی آپؓ مسلمانوں کو وصیت فرما گئے۔ چنانچہ آپؓ کا قول "ارقبوا محمداً فی اہل بیتہ"۔ یہ ایک جماعت نے روایت کیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اہلبیت میں تلاش کرو۔ ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ناموس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی آپؓ نہایت احترام اور محافظت کرتے تھے۔ چنانچہ تحریم نکاح غیر مدخولہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحیث واقع ہوئی۔ آپؓ نے اس کے متعلق جس امر کا اظہار کیا الاستیعاب میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ قتیلہ بنت قیس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تزوج کیا مگر قبل اس کے پاس جانے کے آپ نے وفات پائی۔ بعد ازاں عکرمہ بن ابوجہل نے حضر موت جا کر اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؓ نے فرمایا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جا کر ان دونوں کے گھر میں آگ لگا دوں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا کہ جانے دیجیئے وہ امہات المومنین سے نہیں ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نہیں گئے اور نہ انہیں پردہ میں رکھا۔

اور اگر حرمت نکاح کی وجہ امہات المومنین کا ماں ہونا ہے تو ماں سے نکاح کی حرمت

جیسے والد کی زندگی میں ہے ایسے ہی والد کی وفات کے بعد بھی حرمت ہے تو یہ بھی حیاتِ نبیؐ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا امہات المومنین ہونا حقیقۃً نہیں ہے جو من کل الوجوہ مائیں ہوں۔ ورنہ جیسے بیٹا مر جائے تو اس کی اولاد ہونے کی صورت میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو ⅙ کل ترکہ سے ملتا ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ⅓ اور باپ کو ⅔ کل ترکہ سے ملتا ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے جو ہستیاں وفات پاتی تھیں ان میں سے کسی کے ترکہ سے نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ورثہ ملتا تھا اور نہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو ورثہ ملتا تھا۔

بلکہ ازواجہ امہاتہم کا مطلب ہے کہ امہاتہم یعنی آپؐ کی بیویاں وجوب تعظیم کے لحاظ سے ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔ البتہ تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَنْكِحُوا اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ اَبَدًا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات کے ساتھ کبھی بھی نکاح نہ کرنا۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی دانستہ ایذاء رسولؐ کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے۔

اور بے حجابی کا چونکہ تعظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے اس لیے ان احکام میں یعنی جواز خلوت ونظر ومس اور سان جیسے دوسرے امور میں امومیت (ماں ہونا) ازواج مطہرات کا ثابت نہیں۔

چنانچہ امام ابوبکر رازی جصاص رحمۃ اللہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے:

فیہ وجھان احدھما انھن کالامھات لھم فی وجوب الاجلال و التعظیم والثانی تحریم نکاحھن ولیس المراد انھن کالامھات فی کل شیئ

تفسیرات احمدیہ میں ہے ای فی التحریم واستحقاق التعظیم لافی ماعدا

معالم التنزیل میں ہے ای امھات المومنین فی تعظیم حقھن وتحریم نکاحھن علی التابید لافی النظر الیھن والخلوۃ یعنی ازواج مطہرات کا تمام مومنین کی مائیں ہونا صرف نکاح حرام ہونے کے واسطے مختص ہے یعنی ازواج

مطہرات مثل ماں کی دائمی حرام ہیں اور ان کی درگاہ کی تعظیم ہر مومن پر واجب ہے لیکن ان کو دیکھنا، چھونا، تنہائی میں بیٹھنا ان کے حق میں بھی حرام ہے جیسے اجنبیوں کے حق میں حرام ہوتا ہے اور یہ حکم تحریمی بالاجماع ان کی لڑکیوں اور بہنوں کی جانب متعدی نہیں ہوتا۔ حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صاحبزادیوں کا نکاح حضرت امام عثمان رضی اللہ عنہ و امام علی رضی اللہ عنہ و ابو العاص بن الربیع اموی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور حضرت امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اور حضرت میمونہؓ کی بڑی بہن لبابہ کبریٰ کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا جن کے بطن سے فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ اور حضرت میمونہ کی چھوٹی بہن لبابہ صغریٰ کا نکاح ولید بن مغیرہ سے ہوا جن کے بطن سے سیفٌ من سیوف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہوئے۔

اب رہا یہ کہ امہات المومنین کے بھائیوں کو مومنین کے ماموں کہنا جائز ہے یا نہ؟ مثلاً حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ سو اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمہ سے صریح منقول ہے کہ ..... خال المومنین کہنا جائز ہے۔

کشف الرحمٰن ضمیمہ ۱۱۸ میں ہے: اور آپؐ کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سے ان کی تعظیم کی بنا پر کوئی مسلمان حضورؐ کی وفات یا طلاق کے بعد نکاح نہیں کر سکتا ہے ..... اور چونکہ ان ازواج مطہرات کا مائیں ہونا ان کی تعظیم اور جلالت شان کے اعتبار سے ہے اس لیے نکاح میں تحریم فرمائی۔ باقی امور میں امومیت ثابت نہیں۔ مثلاً وراثت اور حجاب وغیرہ۔ تو اب ان کی بیٹیوں کو مسلمانوں کی بہنیں اور ازواج مطہرات کے بھائی بہنوں کو مسلمانوں کے ماموں یا خالائیں نہیں کہنا ہوگا۔ بعض حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ ازواج مطہرات صرف مردوں کی مائیں ہیں یا مسلمان عورتوں کی بھی مائیں ہیں الخ۔

پنڈوی کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات سے نکاح کی حرمت تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے نہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے، نیز ص ۴۳۰ میں سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کا، تحریم ازواجِ مطہرات اظہار فرمایا۔

مواہب لدنیہ ص ۲۰۶ میں ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان وازواجہ امہاتہم کا مطلب یہ ہے ای مثلہن فی الحرمۃ کالامہات حرم نکاحہن علیہم بعدہ تکرمۃ لہ وخصوصیۃ لہ (اس کا مفہوم حضرت حکیم الامت کے قلم سے گزر چکا) اس کے آگے دوسری وجہ بتائی کہ اسلئے بھی ان سے نکاح حرام ہے کہ ولانہن ازواج لہ فی الآخرۃ کہ آخرت میں بھی بدستور وہ آپ کی بیویاں ہیں، پھر تیسری دلیل ضعیف قول کی علامت قِیل لگا کر لکھا وقیل انما حرمن لانہ حی فی قبرہ ولہذا حکی الماوردی انہ لایجب علیہن عدۃ الوفاۃ یعنی ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ازواجِ مطہرات سے اس لیے نکاح حرام ہے کہ آپ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اسی لیے ماوردی سے حکایت ہے کہ ان پر عدتِ وفات واجب نہیں۔

لیکن علامہ ابن القیم نے قصیدہ نونیہ میں اس کی تردید فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: ؎
لکن اتین بعدۃ شرعیۃ فیہا الحداد وملزم الاوطان؛ یعنی ازواجِ مطہرات نے آپ کی وفات کے بعد شریعت کا حکم عدت والا بجا لائیں جس میں انہوں نے سوگ منایا اور اپنے اپنے حجروں میں رہنا اپنے ذمے لازم کر لیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　فتویٰ مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عالم دین ہے اور وہ کہتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے اور حضرت مولانا شیخ القرآن غلام اللہ خان صاحب کے متعلق بھی زید کا یوں ہی خیال ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ حیات النبی کے منکر ہیں لہٰذا آپ جواب دیکر ہمارے شک وشبہ کا ازالہ فرمائیں آپ جواب مکمل اور مدلل دیں آپ کی عین نوازش ہوگی فقط والسلام

الجواب: یہ سب انتہائی غلو ہے نماز ان سب کے پیچھے بلا کراہت ہو جاتی ہے واللہ اعلم
بندہ محمد شفیع دار العلوم کراچی ۱۴ ۱ ۹۶ (مہر دار الافتاء) الجواب صحیح اختر حسین ... دار العلوم ... ۱۴ محرم ۱۳۹۶ھ

(تمت)

له دعوة الحق
الكتاب المنظور
فی جواب
المعروف بہ
ندائے حق
مع اضافات جدیدہ
مکتبہ اشاعت اسلام